فہرست

معجزات

اسباب خفیہ کی توجیہ بیکار ہے ::

حکمائے اسلام کی غلطی کا سبب ::

اشاعرہ اور معتزلہ میں نتیجہ کا اختلاف نہیں ::

خرق عادت سے انکار کا اصلی سبب سلسلۂ اسباب وعلل پر یقین ہے ::

سلسلۂ اسباب وعلل پر علم انسانی کو احتوا نہیں ::

حقیقی علت خدا کی قدرت اور ارادہ ہے ::

مولانا روم اور اسباب وعلل اور معجزہ کی حقیقت ::

علت وخاصیت اور اس کی حقیقت ::

اسباب وعلل محض عادی ہیں ::

اسباب عادیہ کا علم صرف تجربہ سے ہوتا ہے ::

اسباب وعلل کا علم بدلتا رہتا ہے ::

اسباب وعلل کا علم تجربہ سے ہوتا ہے ::

علامہ ابن تیمیہؒ کا بیان کہ اسباب وعلل تجربی ہیں ::

تجربیات کی بنا شہادت اور روایت اور تاریخ پر ہے ::

فلسفہ اور سائنس بھی ایک قسم کی تاریخ ہیں ::

تاریخی شہادتوں کے شرائط استشہاد ::

مسلمانوں کا علم روایت ::

نادیدہ واقعات پر یقین کرنے کا ذریعہ صرف روایت کی شہادت ہے ::

خبر آحاد پر بھی عقلا یقین ہوتا ہے ::

واقعات پر یقین کیلئے اصلی بنیاد امکان اور عدم امکان کی بحث نہیں بلکہ روایت کے ثبوت اور عدم ثبوت کی ہے::

جس درجہ کا واقعہ ہو اسی درجہ کی شہادت ہونی چاہیئے::

معجزات دراصل تجربیات کے خلاف نہیں ہوتے::

معجزات کا ثبوت روایتی شہادتیں ہیں::

خلاصئہ مباحث::

یقین معجزات کے اصول نفسی::

امام غزالیؒ اور یقین اور اذعان کی صورتیں::

معجزہ اور سحر کا فرق::

معجزہ دلیل نبوت ہوسکتا ہے یا نہیں::

امام غزالی کی تقریر::

امام رازی کی تقریر::

مولانا روم کے حقائق::

صحابہ کو کیونکر رسالت کا یقین آیا::

دلائل و معجزات اور عقلیات جدیدہ

نوشتہ مولانا عبدالباری صاحب ندوی

مفہوم نبوت::

مفہوم معجزہ::

ترتیب مباحث::

امکان معجزات

ہیوم کا استدلال::

قوانین فطرت کی حقیقت::

www.IqbalCyberLibrary.net All rights reserved. ©2002-2006

شہادت معجزات

امکان وقوع کیلئے کافی نہیں ::

ہیوم کا فتویٰ ::

ہیوم کا تعصب ::

کافی شہادت ::

ہیوم کا صریح تناقض ::

انتہائی استبعاد ::

استبعاد معجزات

فطرت کی یکسانی ::

ایجادات سائنس ::

تنویم ::

معجزات شفا ::

عام تجربات ::

رویائے صادقہ ::

حقیقی اسرار نبوت ::

حقیقی آیات نبوت کی عام مثالیں ::

ایک سائنس دان کے اعترافات سنو!

سوئٹزرلینڈ کے ایک شخص کی آپ بیتی یہ ہے :

مقدمات ثلاثہ ::

اصلی بحث یقین کی ہے ::

یقین معجزات

یقین کی ماہیت ::

www.IqbalCyberLibrary.Net
All rights reserved.
©2002-2006

لفظ آیت اور معجزہ کی حقیقت ::

آیات اللہ ::

آیات و دلائل کی دو قسمیں، ظاہری اور باطنی ::

نبوت کی باطنی نشانیاں واقعات کی روشنی میں ::

قرآن مجید اور نبوت کی باطنی علامات ::

ظاہری آیات اور نشانات ::

ظاہری نشانات صرف معاندین طلب کرتے ہیں ::

کفار کا یہ معجزہ طلب کرنا نفی معجزہ کی دلیل نہیں ::

معاندین کو معجزہ سے بھی تسلی نہیں ہوتی ::

معاندین کو معجزہ سے بھی ایمان کی دولت نہیں ملتی ::

بایں ہمہ انبیاء معاندین کو معجزات دکھاتے ہیں اور وہ اعراض کرتے ہیں۔ ::

اسلئے بالآخر معاندین کی طلب معجزہ سے تغافل برتا جاتا ہے ::

معجزہ کے انکار یا تاخیر کے اسباب ::

عقیدہ و معجزات کی اصلاح ::

مسئلہ اسباب و علل میں افراط و تفریط ::

قرآن مجید اسباب و مصالح کا قائل ہے ::

لیکن علت حقیقی قدرت و مشیت ہے ::

قرآن میں سنت اللہ کا مفہوم ::

قرآن میں فطرۃ اللہ کا مفہوم ::

معجزہ کا سبب صرف ارادہ الٰہی ہے ::

معجزہ کی باعتبار خرق عادت کے چار قسمیں ::

اہل ایمان پر اثر کی لحاظ سے معجزات کی دو قسمیں ::

معراج نبوی ﷺ ::

معراج نبوی ﷺ کا وقت و تاریخ اور تعداد وقوع ::

(۱) ابن سعد بواسطہ واقدی

(۲) موسیٰ بن عقبہ بواسطہ زہری

(۳) زہری بواسطہ سعید ابن صہیب

(۴) عروہ بن زبیر ؓ از حضرت عائشہؓ

(۵) قتادہ۔

(۶) مقاتل

(۷) ابن جریج

(۸) ابراہیم ابن اسحاق الحربی

(۹) مسلم بن قتیبہ

(۱۰) عمرو بن شعیب از حضرت

(۱۱) سدی

معراج کی صحیح روایتیں ::

معراج کا واقعہ ::

کفار کی تکذیب ::

کیا آپ ؐ نے معراج میں خدا کو دیکھا ::

معراج جسمانی تھی یا روحانی ، خواب تھا یا بیداری ::

معراج کے بحالت بیداری ہونے پر صحیح استدلال ::

مدعیان رویا کا مقصود بھی رویا سے عام خواب نہیں ::

رویائے صادقہ کی تاویل ::

رویا سے مقصود روحانی ہے ::

نا قابل تغیر ہیں۔ حکمائے اسلام کا گروہ (مثلاً فارابی' ابن سینا' ابن مسکویہ وغیرہ) اس بات کا قائل ہے کہ یہ تو سچ ہے کہ اس نظام فطرت اور سلسلہ علل و اسباب میں نہ تغیر و تبدل ہوسکتا ہے اور نہ دنیا میں کوئی شے بغیر علت عادیہ اور سبب طبعی کے پیدا ہوسکتی ہے لیکن یہ صحیح نہیں ہے کہ معجزات اس نظام و سلسلہ سے الگ ہیں اور وہ فطرت کی قانون شکنی کرتے ہیں' بلکہ وہ بھی علل و اسباب طبعی کے نتائج ہیں' زیادہ سے زیادہ یہ کہ ہم ان علل و اسباب کے احاطہ سے اب تک قاصر ہیں اور وہ اب تک ہماری آنکھوں سے مخفی ہیں' ممکن ہے کہ تحقیقات انسانی کا دائرہ کبھی اتنا وسیع ہو جائے کہ ان کے علل و اسباب ہمارے فہم میں آ جائیں' معتزلہ کہتے ہیں کہ ہم کو یہ تسلیم ہے کہ عالم میں ایک خاص نظام فطرت' موجودات میں سلسلہ علل و معلولات اور اشیاء میں طبائع و خواص ہیں' لیکن ہم ان کی اس درجہ ہمہ گیری کو تسلیم نہیں کرتے کہ یہ کسی حال میں اور کسی طریق سے شکست نہیں ہو سکتے۔ آج تک ہمارا علم یہ ہے کہ نباتات دانہ سے' پرندے انڈے سے اور حیوانات نطفے سے پیدا ہوتے ہیں' مگر ممکن ہے کہ کل یہ ان کے بیچ کے وسائط اور ذرائع کے بغیر دفعتاً پیدا ہو جائیں۔ غرض یہ کہ خرق فطرت کلیتہً محال ہے۔ اشاعرہ اپنا عقیدہ یہ ظاہر کرتے ہیں کہ نہ تو عالم میں حقیقتاً قوانین فطرت ہیں اور نہ خود اشیاء کے اندر خواص ہیں بلکہ ہر شے سے جو فعل سرزد ہوتا ہے اس کو درحقیقت اللہ تعالیٰ اسی وقت اس میں پیدا کر دیتا ہے' اشاعرہ کے اس عقیدہ کا نہ صرف مدعیان عقل نے بلکہ ارباب ظواہر تک نے مضحکہ اڑایا ہے' لیکن درحقیقت یہ خیال ایسا نہیں ہے کہ اس کو ہنسی میں اڑا دیا جائے' چنانچہ اس کی تفصیل آگے آئے گی۔

فلاسفہ اور حکماء کی وہ جماعت قوانین فطرت کے ناقابل شکست ہونے پر ایمان رکھتی ہے اور اس بنا پر معجزات و خوارق سے قطعی انکار کرتی ہے۔ امام رازی نے لکھا ہے کہ گو خود ان فلاسفہ کا اصل عقیدہ یہی ہے کہ وہ متعدد ایسے اصول تسلیم کرتے ہیں جن کی

بناء پر خوارق فطرت کا تسلیم کرنا ان کے لئے لازم ہو جاتا ہے مثلاً۔

ا۔ وہ ''تولد ذاتی'' کے قائل ہیں یعنی کہ یہ کہ جن جانداروں کی پیدائش ایک نظام خاص کے ساتھ ہوتی ہے ایک قطرہ آب سے خون' خون سے گوشت' پھر بتدریج مدت حمل کے اندر وہ شکم مادر میں پرورش پاتے رہتے ہیں' ایک متعین زماہ کے بعد وضع حمل ہوتا ہے' پھر شیر خوارگی اور بچپن کے دور سے آہستہ آہستہ بڑھتے ہوئے ایک تنومند قوی ہیکل' ذی روح صورت میں ظاہر ہوتے ہیں۔ وہ دفعتاً ان بیچ کے منازل کو طے کئے بغیر اس ہیکل اور صورت میں نمودار ہو جائیں۔ یہ فلاسفہ کہتے ہیں کہ قطرہ آب کے زمانہ سے لے کر اس عالم شباب کے عہد تک اس مجموعہ عناصر کو جو سالہا سال سے صرف کرنے پڑے' اس کی وجہ یہ تھی کہ ان عناصر میں حیات کی قابلیت پیدا ہونے کے لئے ایک خاص قسم کے اعتدال ترکیب کی ضرورت تھی' جب ترکیب میں یہ اعتدال پیدا ہوا' حیات پیدا ہو گئی' اس بناء پر اگر کسی مجموعہ عناصر میں اس قسم کا اعتدال پیدا ہو جائے۔ جس میں حیات انسانی کی قبول کی صلاحیت ہو تو بغیر نطفہ حمل خون' گوشت' وضع حمل' شیر خوارگی' بچپن وغیرہ درمیانی وسائط طبعی کے' اچھا خاصا ایک نوجوان مٹی کے پتلہ سے بن کر کھڑا ہو سکتا ہے جیسا کہ برسات میں اکثر کیڑے مکوڑے سڑی گلی مٹی میں ایک خاص اعتدالی کیفیت پیدا ہو جانے سے جاندار اور ذی روح بن جاتے ہیں' اسی کا نام ''تولد ذاتی'' ہے۔

اسی تفصیل کی بنا پر ان کے نزدیک یہ ثابت ہو گیا ہے کہ ذی روح کی پیدائش کے لئے دنیا کیں جو سلسلہ اسباب عادہ جاری ہے اس کے خلاف ہو سکتا ہے تو پھر عصا سانپ بھی ہو سکتا ہے' مردے زندہ بھی ہو سکتے ہیں۔ پہاڑ سونا بھی ہو سکتا ہے' ایک عصا کے سانپ بن جانے کی فطری صورت یہ ہے کہ پہلے وہ سڑ گل کر مٹی ہو جاتا ہے وہ مٹی غزا کی شکل میں ایک سانپ کے اندر جاتی ہے اور پھر وہ غذا دوسری شکل میں بن کر سانپ کا بچہ بن جاتی ہے تولد ذاتی کے اصول پر یہ ممکن ہے کہ بیچ کے وسائط

کے بغیر عصا میں سانپ بننے کی صلاحیت پیدا ہو جائے ۔

---

(۱)۔ علامہ ابن تیمیہؒ نے الرد علی المنطقین میں اور ابن حزم ظاہری نے فصل فی الملل والنحل میں اس کی پرزور تردید کی ہے' اردو کے جدید علم کلام کے بانیوں نے بھی اس کا کچھ کم مذاق نہیں اڑایا ہے' استاد مرحوم نے تو تقریباً اپنی ہر کلامی تصنیف میں اشاعرہ کے اس خیال کو "حماقت" سے تعبیر کیا ہے۔ (۲)۔ مطالب عالیہ بحث معجزات نسخہ قلمی موجودہ دار المصنفین و تفسیرہ کبیرہ سورئہ اعراف۔

۲۔ یہ ظاہر ہے کہ دنیا میں جو کچھ حوادث ہوتے ہیں وہ کسی نہ کسی حیثیت سے مادہ (ہیولی) ہی کے تغیرات کے نام ہیں' مادہ (ہیولی) اس تمام عالم عنصری کا ایک ہی ہے اس بناء پر عالم میں انواع اشکال اور خواص کے یہ لاکھوں اور کروڑوں تنوعات اور اختلافات جو ہم کو نظر آتے ہیں' ان کا سبب مئوثر اگر بالفرض خود مادہ ہی ہوتا تو ضروری تھا کہ تمام دنیا میں ایک ہی شکل اور ایک ہی خاصیت ہوتو تم کہو گے کہ یہ اختلاف وتنوع مادہ کے اختلاف استعداد سے پیدا ہوا' لیکن استعداد تو تاثر اور انفعال کا نام ہے' علت فاعلہ اور سبب مئوثر کیا ہے؟ فلاسفہ کہتے ہیں کہ اجرام فلکیہ کی گردش اور رفتار ہے' مگر اس کے ساتھ وہ بھی تسلیم کرتے ہیں کہ اجرام فلکی کی اس گردش و رفتار اور اختلاف اشکال کی نہ کوئی حد ونہایت ہے اور نہ کسی قانون فطری کے ماتحت ہیں اور نہ ان کا علم ہم کو ہوسکتا ہے تو اس اصول کے صحیح باور کر لینے پر عجائب قدرت اور خوارق فطرت کی وہ کون سے مثال ہے جس کے محال ہونے کا وہ دعوے کر سکتے ہیں ۔

۳۔ عالم میں جو کچھ ہوتا ہے یا تو وہ کسی سبب مئوثر کی بنا پر ہوتا ہے یا بلا سبب مئوثر کے ہوتا ہے اور دونوں صورتوں میں خرق عادت کو تسلیم کرنا پڑے گا۔ اگر یہ کہیئے کہ یہ حوادث بلا سبب مئوثر کے وجود پذیر ہوتے ہیں تو گویا آپ نے خود خرق عادت کو تسلیم کر لیا۔ پھر دنیا میں کوئی عجیب سی عجیب اور مستبعد سے مستبعد بات بھی ناممکن نہیں

رہتی اور اگر یہ کہیئے کہ یہ سبب مؤثر کے نتائج ہیں تو دو حال سے خالی نہیں' یا یہ سبب مؤثر صاحب اختیار و ارادہ ہے۔ اور یہ تمام حوادث و تاثیر اس کے ارادہ و اختیارات سے صادر ہوتے ہیں یا وہ بے اختیار اور مسلوب الارادہ ہے اور یہ حوادث و تاثرات اس سے اسی طرح بے ارادہ اور اضطرارانہ طبعی طور سے سرزد ہوتے ہیں جس طرح سورج سے روشنی' آگ سے گرمی' برف سے ٹھنڈک' پہلی صورت میں معجزانہ اور خوارق کے صدور میں کوئی استحالہ نہیں' کیونکہ اس مدبر و مؤثر کا جب جیسا ارادہ ہو وہ شے اسی طرح واقع ہوگی' کوئی اس کا مانع نہیں' دوسری صورت میں ظاہر ہے کہ یہ تمام تاثرات اس بے ارادہ مؤثر عالم سے زمانہ قدیم سے ایک ہی طور سے سرزد ہوتی چلی آتی ہے جیسے آفتاب سے روشنی ایسی حالت میں ایک عام واحد قدیم و ازلی سبب و مؤثر سے یہ ہر نئے آن اور نئے لمحہ میں نئی نئی اور مختلف شکل و صورت اور خواص کی اشیاء کیونکہ ظہور پذیر ہوتی ہیں؟ آپ کہیں گے کہ علت تو بے شک واحد قدیم ہے مگر علت کے وجود کے ساتھ معلول میں بھی تو استعداد اور قبولیت کا مادہ پیدا ہونا چاہیئے۔ مادہ میں یہ استعداد و صلاحیت گردش فلکی کے مختلف اشکال کا نتیجہ ہے لیکن ابھی یہ کہا جا چکا ہے کہ آپ کے نزدیک اشکال فلکی کی نہ تو کوئی حد و پایاں ہے اور نہ وہ کسی خاص قاعدہ اور اصول کے اندر محدود ہیں' اس بنا پر حوادث عالم کے اختلاف اور نیرنگی کا باعث اگر گردش فلکی کا اختلاف اور نیرنگی ہے تو ایسی صورت میں یہ کیوں نہیں ممکن ہے کہ جو چیز آپ کو بظاہر خلاف فطرت اور خلاف عادت معلوم ہوتی ہے وہ کسی خاص شکل فلکی کا نتیجہ ہو۔

گزشتہ تقریر کا ماحصل یہ ہے کہ حکمائے اسلام نے معجزات کے امکان پر حسب ذیل دلائل قائم کیے ہیں۔

ا۔ تاثرات فلکیہ:۔ معجزات کے انکار کی اصل وجہ یہ ہے کہ اس کے حل کرنے کے لئے کوئی مادی علت ہمارے پیش نظر نہیں ہے اور ہم تمام معمولات کی تشریح مادی اور

طبعی علل و اسباب سے کرنا چاہتے ہیں لیکن حکماء کا اس امر پر اتفاق ہے کہ گردش افلاک اور گردش نجوم کا اس دنیا کے حوادث پر بہت اثر پڑتا ہے اور قوائے فلکی اس عالم کے واقعات میں موثر ہوتے ہیں۔ اسی صورت میں اگر کسی بظاہر عجیب و غریب شے کی تعلیل ہم مادی و طبعی علل و اسباب سے نہیں کر سکتے تو یہ کیوں ممکن نہیں ہے کہ اس کے اسباب فلکی و سماوی ہوں۔

۲۔ علل خفیہ :۔ یہ ہم کو تسلیم ہے کہ تمام حوادث کسی نہ کسی سبب طبعی کی بنا پر ہوتے ہیں لیکن یہ ضروری نہیں ہے کہ وہ سبب طبعی ہمارے علم و فہم میں آ جائے۔ دنیا میں بیسیوں اسرار قدرت ہیں جن کی اب تک تحلیل نہیں ہو سکی ہے اس بنا پر ممکن ہے کہ معجزات بھی اسباب طبعی کے ماتحت ظہور پزیر ہوتے ہیں، لیکن ان کے اسباب و علل اب تک ہماری نگاہوں سے مخفی ہوں۔ مثلاً یہ کہ انبیاء نے چالیس دن تک ایک ساتھ روزہ رکھا اور اس مدت میں ایک دانہ بھی انہوں نے نہیں کھایا، لیکن بایں ہمہ ان کی قوت جسمانی میں کوئی فرق نہیں آیا۔ یہ بظاہر عجیب بات ہے مگر سبب طبعی سے الگ نہیں ہے، ہم کو کیوں بھوک لگتی ہے؟ اس لئے کہ ہمارے قوائے معدہ غذا کو ہضم کر لینے کے بعد اسکے خون کو جسم کے مختلف حصوں میں پہنچا دیتے ہیں تو ان کے لئے پھر کوئی کام باقی نہیں رہتا اور ان کو کام کی تلاش ہوتی ہے لیکن ہم روزمرہ دیکھتے ہیں کہ بیماری کے سبب یا خوف طاری ہو جانے کے باعث سے یا کسی غم کے سبب سے جسم پر یہ اثر پڑتا ہے کہ کئی کئی روز تک معدہ کے قوٰی معطل ہو جاتے ہیں اور وہ اپنا کام انجام نہیں دیتے، اس لئے اس کو بھوک بھی نہیں لگتی، اس بناء پر اگر یہی حالت کسی نفس کی اس بناء پر ہوائے کہ اس کو روحانیت کے ساتھ شدت انہماک اور جسمانیات سے قطع علائق ہو گیا ہے تو اس کے قوائے جسمانی بھی معطل ہو سکتے ہیں اور وہ مدت تک فاقہ کر سکتا ہے، اسی طرح دوسرے معجزات کی تشریح بھی کی جا سکتی ہے۔

۳۔ قوت کمالیہ :۔ اس عالم میں جس قدر انسان ہیں، ان کے نفسانی خصوصیات کو اگر

غور سے دیکھا جائے تو عجیب وغریب اختلافات نظر آتے ہیں‘ ایک بلید الفہم اور کو دن ہے تو دوسرا زیرک اور ذی فہم ہے‘ ایک کو بولنے کا شوق ہے تو دوسرے کو سننے کا‘ ایک علم کا عاشق ہے تو دوسرا اس کا دشمن‘ ایک کے علوئے ہمت اور بلند حوصلگی کے سیلات کے سامنے مشکلات کے بڑے بڑے پہاڑ بھی خس و خاشاک ہیں۔ دوسرا اتنا پست ہمت اور ضعیف الارادہ ہے کہ وہ تنکے کو بھی پہاڑ جانتا ہے۔ ایک اس قدر قوی الحافظہ ہے کہ معمولی سی بات بھی اس کے ذہن کی گرفت سے باہر نہیں نکل سکتی‘ دوسرے کو موٹی موٹی بات بھی یاد نہیں رہتی‘ پھر علم وفن کے عشاق میں بھی کسی کو ادبیات سے لگائے ہے کسی کو عقلیات کا چسکا ہے‘ کسی کو منقولات میں مزہ ملتا ہے‘ قوت شہوانیہ کے لحاظ سے دیکھو تو کسی کو سواری کا شوقین پاؤ گے کسی کو لباس و پوشاک اور وضع وقطع کا‘ کسی کو کھانے پینے کا‘ ایک کو صرف دولت جمع کرنے میں مزہ ملتا ہے تو دوسرے کو اس کے اڑانے میں لطف حاصل ہوتا ہے کوئی طبعاً حلیم ہے تو دوسرا سرتاپا غضب کا شعلہ‘ ایک خلقی طور سے قانع ہے تو دوسرا حریص اور طماع‘ کوئی بدزبان ہے مگر بدکردار نہیں‘ دوسرا بظاہر سنجیدہ اور متین نظر آتا ہے مگر بباطن نہایت بداطوار اور خفیف الحرکتہ ہے‘ ان میں سے ہر وصف و خاصیت کے بھی سینکڑوں مدارج اور مراتب ہیں‘ الغرض صفات وخواص نفسانی کے مظہر اس قدر گوناگوں اور بوقلموں ہیں کہ وہ حصر وتحدید میں بھی نہیں آسکتے‘ غور کرو تو معلوم ہوگا کہ ہر ایک انسان کے نفس میں جو خصوصیات ہیں ان کے مطابق جو اعمال وآثار اس سے صادر ہوتے ہیں ان پر اس کو مطلق تعجب نہیں آتا‘ لیکن دوسرے اعمال وآثار جن کے خصائص اسکے نفس میں نہیں ہیں‘ ان پر اس کو سخت تعجب آتا ہے بلکہ اگر ان اشخاص کو اس نے خود دیکھا نہ ہو تو اس کو ان خائص کا یقین مشکل سے آئے گا‘ ایک بخیل کے نزدیک بزل وکرم کی راہ میں تمام گھربار لٹا دینا ایک مافوق البشریت کارنامہ ہے ایک دنیادار جاہ پسند اور حریص آدمی کو ایک زاہد قانع اور متواضع آدمی کو دیکھ کر تعجب آتا ہے‘ معمولی حافظہ

والوں سے کوئی کہے کہ امام بخاری کو ۶ لاکھ حدیثیں یاد تھیں اور اندلس کے ایک نابینا ادیب کو اغانی کی ۲۰ جلدیں نوک زبان تھیں تو اس کو یقین نہیں آئے گا۔ تیمور، بابر، ہنیبال اور نپولین کی قوت عزم وارادہ کے قصے کمزور اور ضعیف ارادہ کے آدمیوں کو معجزہ معلوم ہوں گے۔ ایک کمزور ارادہ کا آدمی خود اپنی اولاد و اعزہ و خدام کو قابو میں نہیں رکھ سکتا لیکن غیر معمولی عزم و ارادہ کے لوگ ہزاروں اور لاکھوں آدمیوں پر اس طرح استیلا حاصل کر لیتے ہیں کہ وہ اس کے ہاتھ میں پیکر بے جاں بن جاتے ہیں، یہی حال دوسرے خصائص کے اختلاف کا ہے۔

اب سوال یہ ہے کہ تمام نفوس انسانی کے اتحاد ماہیت کے باوجود یہ اختلافات کہاں سے آئے؟ اس کے دو ہی جواب ہو سکتے ہیں ایک یہ کہ ہر نفس کی جوہریت دوسرے سے مختلف ہے، اس لئے ایک سے جو خصوصیات اور افعال صادر ہوتے ہیں وہ دوسرے سے نہیں ہوتے یا یہ کہ ہر جسم کی ترکیب عنصری میں اختلاف مزاج ہے جس کے سبب سے ایک کی خصوصیات دوسرے میں نہیں ملتیں۔ بہر حال ان دو میں سے جو پہلو بھی اختیار کیجئے یہ تسلیم کرنا پڑے گا کہ ممکن ہے بعض ایسے نفوس بھی ہوں جن کی روحانی یا جسمانی قوت میں کوئی خاص ایسی بات ہو جس کی بناء پر ان سے عجیب و غریب اعمال اور تصرفات صادر ہوتے ہیں جن کا صدور عام انسانوں کی روحانی و جسمانی قوت سے باہر ہے اور اس لئے وہ ان کو مستبعد اور نا قابل فہم نظر آتے ہیں، ٹھیک اسی طرح جس طرح ایک بلید کو ایک ذی فہم کے افعال پر، ایک ضعیف الحافظ کو ایک قوی الحافظہ کی قوت پر، ایک طماع و حریص کو ایک قانع و زاہد کے حالات پر ایک کمزور اور ضعیف الارادہ کو قوی الارادہ اور مستحکم العزم پر تعجب آتا ہے لیکن چونکہ وہ نفوس جن میں معجزات کی یہ قوت ہے، نادر الوجود ہیں اس لئے عموماً ان کے خصائص اور آثار پر تعجب اور استبعاد بھی معمول سے زیدہ ہوتا ہے۔

۴۔ قوت نفسیہ: ۔ ہر انسان اپنے جسم کے ایک ایک عضو کو جس طرح چاہتا ہے حرکت

دیتا ہے' گویا ایک قوت ہے جو اس کے تمام قالب جسمانی پر مسلط ہے اور یہ جسم اس کے امر و ارادہ کے ماتحت اس کے حکم کو اس طرح بجالاتا ہے کہ وہ اس کی اطاعت سے سرمو انحراف نہیں کرسکتا۔ یہ تصرف اور عمل ہر نفس انسانی اپنے جسم کے اندر کرتے ہے اور یہ معمولی اور ادنیٰ نفوس کی قوت کی نیرنگی ہے' لیکن جو نفوس ان سے زیادہ طاقتور ہیں وہ اپنے جسم کے بارہ دوسرے نفوس اور اجسام کو بھی اپنا مطیع فرمن کر لیتے ہیں' یہاں تک کہ ان میں سے جن کو کمال کا معجزانہ حصہ ملا ہے' ان کے لئے یہ سارا مادی عالم مثل جسم کے ہوتا ہے اور وہ اسی طرح اس عظیم الشان جسم میں تصرف کرنے لگتے ہیں جس طرح معمولی انسان اپنے جسم میں کرتے ہیں۔

۵۔تاثیرات نفسانیہ :۔ یہ روزمرہ کا مشاہدہ ہے کہ نفس انسانی میں جو جذباتی تغیرات پیدا ہوتے ہین وہ اسکے جسم مادی کو متاثر کردیتے ہیں' رات کوئی چیز دیکھی اور اس کا ہیب ناک تصور کیا اور گھبرا کر چیخ اٹھایا بے ہوش ہوکر گر پڑا' کسی درخت کی پتلی شاخ پر چڑھتے یا چھت کے منڈیر یا پتلے تختہ کے پل پر سے گزرتے ہوئے خوف طاری ہوا' ہاتھ پاؤں میں لغزش ہوئی ار آدمی گر پڑا' غصہ سے آدمی کا چہرہ سرخ اور خجالت و شرمندگی سے زرد پڑ جاتا ہے' آدمی نے کسی ناگوار واقعہ کا تخیل کیا غصہ آ گیا' غصہ سے بدن میں گرمی پیدا ہوگئی اور گرمی سے پسینہ آ گیا' محض وہم سے آدمی ڈر جاتا ہے بلکہ بیمار پڑ جاتا ہے' یہاں تک کہ کبھی کبھی مر جاتا ہے۔ ان تمام واقعات میں دیکھو کہ نفسانی اثرات مادی جسم کو متاثر کردیتے ہیں' یہ تو کمزور نفوس کا حال ہے لیکن جو لوگ کہ ارباب نفوس قدسیہ ہیں وہ اپنے نفسانی اثرات سے دوسرے اجسام کو متاثر کرسکتے ہین اور ان میں عجیب عجیب تغیرات اور تصرفات کرسکتے ہیں۔ یہ آخری دلیلیں بعینہ وہی ہیں جو آج پنوٹزم_ تقویم مقناطیسی) اور مسمرازم کے نام سے لوگ پیش کرتے ہیں۔

معتزلہ اور اشاعرہ دونوں فطرت شکنی اور خرق عادات کو تسلیم کرتے ہیں۔ جہاں تک

کے انتساب سے فرقہ جہمیہ قائم ہوا تھا' اس کے بعد ابوالحسن الاشعری نے اس کی پیروی کی۔ علامہ موصوف نے مسئلہ مذکور کی تشریح ان الفاظ میں کی ہے۔

لکن من لا یثبت الاسباب و العلل من اهل الکلام کالجهم و موافقیه فی ذلك مثل ابی الحسن الاشعری و اتباعه یجعلون المعلوم اقتران احد الامرین بالاخر لمحض مشیئهت القادر المرید من غیر ان یکون احد هما سببا الاخر ولا مولدًاله۔ و اما الجمهور العقلاء من المسلمین و غیر المسلمین اهل السنه من

لیکن متکلمین میں جو لوگ اسباب وعلل کے منکر ہیں جیسے جہم اور اس مسئلہ میں جہم کے جو موافق ہیں جیسے ابوالحسن اشعری اور انکے پیرو وہ یہ مانتے ہیں کہ ہم کو صرف یہ معلوم ہے کہ ایک چیز کا دوسری چیز کے ساتھ ایک لگاؤ اور علاقہ ہے اور یہ لگاؤ اور علاقہ صرف اس قادر ذی ارادہ کی مشیت سے ہے بغیر اسکے کہ ایک دوسرے کا سبب ہو یا ایک دوسرے کو پیدا کرتا ہو جہمیہ

اهل الکلام و الفقه و الحدیث و التصوف و غیر اهل السنهت من المعتزله و غیرهم فیثبتون الاسباب ویقولون کما یعلم اقتران احد هما بالاخر یعلم ان فی النار قوهت تقتضی الحرارهت و فی الماء قوهت تقتضی البرودهت و فی العین قوهت تقتضی الابصار وفی اللسان قوهت تقتضی الذوق و یثبتون

الطبيعة التي تسمى الغريزة والبخرة والخلق والعادة ونحو ذلك من الاسماء۔

اور اشاعرہ کے علاوہ وہ تمام عقلا یا مسلمان یا غیر مسلمان' مسلمانوں میں اہل سنت ہوں' خواہ وہ متکلم ہو' اہل فقہ ہوں' اہل حدیث ہوں اہل تصوف ہوں اور غیر اہل سنت میں معتزلہ ہوں یا اور کوئی فرقہ ہو یہ سب لوگ اسباب کے قائل ہیں اور کہتے ہیں کہ جس طرح ہم کو یہ معلوم ہے کہ ایک کا دوسرے سے لگاؤ اور علاقہ ہے' اسی طرح یہ بھی معلوم ہے کہ آگ میں ایک قوت ہے جو گرمی کو چاہتی ہے اور پانی میں ایک قوت ہے جو ٹھنڈک کو مقتضی ہے اور اسی طرح آنکھ میں ایک قوت ہے جو رویت کا باعث ہے اور زبان میں ایک قوت ہے جو مزہ پیدا کرتی ہے' یہ لوگ طبیعت کو ثابت کرتے ہیں جس کا دوسرا نام فطرت' خلقت' عادت وغیرہ۔

اور پر خرق عادت کے امکان و عدم مکان کے متعلق چار مذہب ہم نے نقل کیے ہیں' یہی مذاہب آج بھی فلسفہ کی مملکت میں قائم ہیں' لیکن غور سے دیکھا جائے تو معلوم ہوگا کہ حقیقت میں اس باب میں صرف دو ہی مذاہب ہو سکتے ہیں' ایک ان لوگوں کا جو کسی نہ کسی طرح سے باری تعالیٰ کے وجود کے قائل ہیں' اور دوسرا ان لوگوں کا جو اس کے یکسر منکر ہیں دوسرا گروہ حکمائے طبیعین کا یا مادہ پرستوں کا ہے جن کے نزدیک عالم مادیہ کے باہر کچھ نہیں اور تمام کائنات ذرات مادہ کے باہمی تاثیر و تاثیر کی جلوہ انگیزیاں ہیں اور سلسلہ علل و معلول اور اسباب و مسبابات اور آثار و خواص کے مظاہر اور نتائج ہیں' ظاہر ہے کہ اس عقیدہ کی جماعت معجزہ اور خرق عادت پر کیونکہ ایمان لا سکتی ہے جو لوگ ان کے سامنے فلسفیانہ حیثیت سے براہ راست معجزہ

اور خرق عادت کو ثابت کرنا چاہئے ہیں وہ ایک بے سود کوشش کرتے ہیں اور عقلی حیثیت سے خرق عادت کا ثبوت بھی بہم پہنچ گیا ہے تو جب وہ اس بنیاد کو جس پر نبوت اور شریعت کی عمارت قائم ہے یعنی ایک برتر خالق قوت کا وجود تسلیم نہیں کرتے تو اس خرق عادت کے ثبوت سے ارباب مذاہب اور پیروان شرائع کی کیا مقصد برآری ہوسکتی ہے؟

اشاعرہ نے اثبات مدعا کا طریقہ اختیار کرنا چاہا کہ پہلے معجزہ اور عادت کا امکان اور وقوع ثابت کیا جائے اور اس معجزہ اور خرق عادت سے نبوت پر استدلال کیا جائے' نبوت کے ثبوت سے ایک قادر مطلق کا ثبوت ہاتھ آئے گا اور پھر اس کے احکام شریعت کا ثبوت بہم پہنچے گا۔ اس طریقہ استدلال کو اختیار کرنا درحقیقت الٹی گنگا بہانا ہے۔

ع ایں رہ کہ تو میروی بہ ترکستان است

صحیح راستہ ان کے مقابلہ میں یہ ہے کہ پہلے باری تعالیٰ کے وجود کا اثبات کیا جائے' اس کے بعد نبوت شریعت' خرق عادت' معجزہ سب کچھ ثابت ہو جائے گا جب تک اس چٹان پر بنیاد قائم نہ ہوگی' عمارت مستحکم نہیں ہوسکتی۔

اسباب خفیہ کی توجیہ بیکار ہے::

دوسرا فرقہ باری تعالیٰ کے وجود کا قائل ہے اور معجزہ کو تسلیم کرتا ہے خواہ وہ اس کے وقوع کے کچھ ہی اسباب بیان کرے' وہ درحقیقت خرق عادت کو بھی تسلیم کرتا ہے یا اس کو تسلیم کرنا لازم آتا ہے اور اس سے اس کو کوئی چارہ نہیں کہ حکمائے اسلام فارابی اور ابن سینا وغیرہ یہ کہتے ہیں کہ معجزہ اسباب خفیہ کی بنا پر صادر ہوتا ہے اور اس کے اندرونی طبعی علل و اسباب ہوتے ہیں' اسلئے خرق عادت لازم نہیں آتا اور معمولی نظام عالم میں کوئی تبدیلی نہیں ہوتی۔

حضرت موسیٰ مصر سے بنی اسرائیل کو لے کر چلے تو راستہ میں بحر قلزم (ریڈ سی)

حائل تھا‘ حکم ہوا کہ اپنی لکڑی سے دریا کو مارو‘ دفعتہً دریا خشک ہو گیا اور راستہ پیدا ہو گیا‘ حضرت موسیٰ بنی اسرائیل کو لے کر اتر گئے لیکن جب فرعون نے اپنے لشکر کے ساتھ دریا میں قدم رکھا تو دریا پھر اپنی اصلی حالت پر آ گیا اور وہ اپنے لشکر کے ساتھ ڈوب کر مر گیا‘ وہ اس کی یہ توجیہہ کرتے ہیں کہ دریا میں مدوجزر تھا‘ جب حضرت موسیٰ پہنچے تو جزر تھا اور دریا پایاب ہو گیا تھا اور جس وقت فرعون دریا میں داخل ہوا تو مد شروع ہو گیا اور ڈوب گیا۔ ہم ان اعتراضات کو جو نقلی حیثیت سے اس توجیہہ پر وارد ہوتے ہیں کہ توراۃ اور قرآن مجید نے اس معجزہ کی جس طرح تشریح کی ہے اس کی یہ صحیح نقل نہیں ہے نظر انداز کرتے ہیں‘ سوال یہ ہے کہ جس وقت حضرت موسیٰ پہنچے تو جزر تھا اور جب فرعون آیا تو مد ہو گیا‘ آیا یہ اتفاقی امر تھا اور ممکن تھا کہ اس کے برعکس ہوتا‘ یعنی فرعون بچ جاتا اور حضرت موسیٰ ڈوب جاتے‘ اور یا یہ کہ حضرت موسیٰ جزر کے وقت پہنچیں اور فرعون مد کے وقت پہنچے اور اس کے دل میں یہ بات ڈالی گئی کہ وہ اس خطرناک دریا میں بے سمجھے بوجھے قدم رکھے‘ پہلی صورت میں تو معجزہ کیا نبوت کی بھی تشکیک لازم آتی ہے اور دوسری صورت میں خرق عادت کی تسلیم سے چارہ نہیں اور خرق عادت کے تسلیم کر لینے کے بعد خدا کی قدرت مطلقہ پر بھی ایمان لانا ہو گا۔

حکمائے اسلام کی غلطی کا سبب::

اصل یہ ہے کہ حکمائے اسلام نے ارسطو کی تقلید کی ہے اور مسئلہ علت میں تمام تر مشائیہ کے نظریہ کو قبول کر لیا ہے کہ ذات واجب الوجود علت اولی یا عل اول کی علت تامہ ہے اور علت تامہ سے معلول کا تخلف نہیں ہوتا اور اضطراراً اس سے پیدا ہو جاتا ہے‘ اس میں جب آفتاب نکلے گا روشنی کا ظہور ہو گا‘ خواہ وہ موانع کی وجہ سے نظر نہ آئے اور آفتاب سے اس روشنی کا صدور آفتاب کے قصد اور ارادہ سے نہیں ہے بلکہ اس سے مجبوراً اور اضطراراً یہ روشنی پیدا ہو رہی ہے عقل اول کے پیدا ہونے کے بعد

مسئلہ ہے جس کے کسی پہلو کے اثبات اور دوسرے کی نفی پر کوئی دلیل نہیں قائم کی جا سکتی اور معجزہ کے سلسلہ میں ہم کو اس کے چھیڑنے کی ضرورت نہیں' اس کا کوئی پہلو بھی صحیح ہو' بہر حال دونوں تسلیم کرتے ہیں کہ کبھی کبھی اشیاء کی عادت جاریہ کو اللہ تعالٰی توڑ دیتا اور بدل دیتا ہے۔

خرق عادت سے انکار کا اصلی سبب سلسلئہ اسباب و علل پر یقین ہے::

الغرض معجزہ بمعنی خرق عادت سے صرف اس فریق کو انکار ہے جو یا خدا کا قطعاً منکر ہے یا یہ کہ وہ خدا کو قادر و ذی ارادہ نہیں مانتا اور نا قابل شکست سلسلئہ علل و معلول کے گورکھ دھندے پر یقین کامل رکھتا ہے اور یہ سمجھتا ہے کہ یہ تمام نظم کائنات باہمی تاثر کا نتیجہ ہے' غور کیجئے تو معلوم ہو گا کہ اس مذہب کے پیرو اپنے اس عقیدہ باطل کے ضمن میں چند اور موہوم باتوں کو بھی بلا دلیل تسلیم کئے بیٹھے ہیں اور اسلئے خرق عادت کے قبول کرنے کی ان کو جراب نہیں ہوتی۔

سلسلہ اسباب و علل پر علم انسانی کو احتوا نہیں::

(ا) گویا انہوں نے یہ تسلیم کرلیا ہے کہ کائنات کے جو علل اور اشیاء کے جو خواص انہوں نے دریافت کر لئے ہیں وہ نظام کائنات کے چلانے کے لئے کافی ہیں' اس کے لئے کسی اور کے دست اندازی کی ضرورت نہیں۔

۲۔ کائنات کے چہرہ اسرار کو انہوں نے تمام تر بے نقاب کرلیا ہے اور ہر شے کی علت اور خاصیت انہوں نے دریافت کر لی ہے۔

(حاشیہ صفحہ گزشتہ) (۱)۔ حکمائے اسلام میں مسئلہ خرق عادت کا سب سے بڑا منکر بو علی سینا اشارات میں لکھتا ھے۔

حالانکہ انسانی معلومات اس کے مجہولات کے مقابلہ میں بہت کم حیثیت ہیں۔ اس فضائے کائنات کی بے شمار آبادیوں میں ذہمن نام ایک آبادی کے چوتھائی خشک

حصے کے بعض اجزائے کائنات تک فقط ان کی رسائی ہوسکی ہے۔ اس مبلغ علم پر اتنا عظیم الشان دعویٰ کسی طرح زیب نہیں دیتا، جن چیزوں تک ان کی رسائی ہوئی بھی ہے، ان کے متعلق جو کچھ انہیں معلوم ہوا ہے وہ صرف اس قدر ہے کہ یہ چیز اس طرح چل رہی ہے، لیکن یہ حقیقت کہ وہ کیوں چل رہی ہے اور اگر اس کے خلاف چلے تو کیا استحالہ لازم آئے گا، ایک معمہ ہے اور ہمیشہ معمہ رہے گا۔ اجرام فلکیہ اور طبقات ارضیہ کو چھوڑ دو کہ وہ دور ہیں، تم یہ کہتے ہو کہ بجلی میں یہ قوت ہے، سنکھیا میں یہ اثر ہے، مقناطیس کا یہ خاصہ ہے، لیکن یہ بھی معلوم ہے کہ کیوں ایسا ہے، اور نزدیک آؤ، اپنے جسم کی دنیا کو دیکھو، تم صرف یہ جانتے ہو کہ سانس کی آمد و رفت ہمارے پھیپھڑوں کی حرکت سے ہے، نبض کی رفتار، قلب کی قبض و بسط کی ڈوری سے واسطہ ہے، تمہارا نفس یا ذہن لمحوں میں ہزاروں میل کی خبر لیتا ہے اور خدا جانے عجائبات نفسانی کے کیا کیا تماشے دکھاتا ہے لیکن کوئی یہ حل کر سکا ہے کہ ایسا کیوں ہوتا ہے؟ دل کو کس نے مضطرب بنا رکھا ہے، پھیپھڑوں کی دھونکنی کسطرح روز و شب مصروف عمل ہے دماغ کے ذہنی افعال کیونکر سرانجام پاتے ہیں، جب اتنے قریب کی چیز تمہارے فلسفہ علل و اسباب کے دائرہ سے باہر ہے تو دور دراز کی اشیاء کی نسبت تمہارا دعویٰ علم کس قدر تمسخر انگیز ہے، حکماء یعنی سائنٹسٹ اعلانیہ اعتراف کرتے ہیں کہ وہ صرف ''کیسے'' کا جواب دے سکتے ہیں۔ ''کیوں'' کا جواب ان کے موضوع بحث سے خارج ہے، فلاسفہ کا یہ حال ہے کہ وہ فلسفی بھی ایک نظام خیال پر متفق نہیں ہیں بلکہ جیسا کہ علامہ ابن تیمیہؒ نے الرد علی المنطقیین میں لکھا ہے۔

''فلاسفہ کوئی ایک متحد الخیال جماعت نہیں جس کا علم الٰہیات و طبیعیات وغیرہ میں کوئی ایک مذہب ہو بلکہ وہ مختلف الخیال فرماتے ہیں اور ان کے آراء اور خیالات کا اتنا اختلاف ہے کہ ان کا احاطہ بھی مشکل ہے ان کے باہمی اختلافات تو اس سے بھی زیادہ ہیں، جس قدر کسی ایک آسمانی مذہب کے مختلف فرقوں کے اندر ہیں۔

اس اختلاف رائے اور اس خیال کی بناء پر کسی فلسفی کا یہ دعویٰ کہ مذہب کا فلاں مسئلہ فلسفہ کے خلاف ہے اس لئے نا قابل قبول ہے' اس کے دوسرے معنی یہ ہوئے کہ یہ مسئلہ ہماری رائے یا ہماری جماعت کی رائے کے خلاف ہے اس لئے نا قابل تسلیم ہے تو یہ مذہب ہی پر کیا موقوف ہے' ہر نظام فلسفہ کا قائل دوسرے نظام فلسفہ کے بطلان پر اسی قدر وقوت سے اس استدلال کو کام میں لاسکتا ہے۔ غور سے دیکھئے تو معلوم ہوگا کہ فلسفہ کے جس قدر فرقے (اسکول) اور نظامات (سسٹم) ہیں' درحقیقت وہ اسرار کائنات کے متعلق ایک مرتب خیال کی کڑیاں ہیں' ان مرتب خیال کی کڑیوں کو مان کر جس کے نفس کی تسکین ہو جاتی ہے' وہ ان کا فلسفہ ہے اسی طرح مذہب بھی اپنا ایک نظام خیال رکھتا ہے' اور جو لوگ اس نظام خیال پر یقین رکھتے ہیں' ان کی اس سے تشفی ہو جاتی ہے' ایسی حالت میں اگر معجزہ کا امکان یا وقوع کسی نظام خیال کے خلاف ہے تو نفس یہ اختلاف اس کے ابطال کی دلیل نہیں ہو سکتا اور نہ یہ لازم آئے گا کہ ہر فلسفیانہ مسئلہ اس لئے باطل ہے کہ دوسرے نظام فلسفہ کے وہ خلاف ہے۔

نظام عالم کے چلانے کے لئے علل و اسباب کے کافی ہونے کے فلسفہ پر یقین رکھنے کے لئے سب سے پہلی بحث آغاز آفرینش کی آتی ہے' آپ یہ کہتے ہیں کہ یہ شے اس سبب سے پیدا ہوئی اور اس شے کی پیدائش کا سبب یہ ہے لیکن کیا کوئی بتا سکتا ہے کہ یہ مادہ کہاں سے آیا؟ اور اس کے حدوث کا سبب کیا ہوا؟ عناصر کیونکر اور کیوں وجود میں آئے یہ نوع بنوع چیزیں کیونکر بن گئیں؟ ہمارے جواب میں ان نظریات کا ذکر نہ کیجئے' جن کا نام اصول ارتقاء اور انتخاب طبعی وغیرہ ہے کہ ان کی علمی حیثیت مفروضات اور وہمیات سے زیادہ نہیں اور ان کی اخیر سرحد بالاخر لاعلمی اور جہالت پر جا کر ختم ہو جاتی ہے' مادہ کی ابتدائی بنیاد چاہے اربع عناصر کو بتایئے یا جواہر فردہ کو یا سالمات کو یا ایتھر کو یا برق پاروں کو جن کو بھی بتاؤ' لیکن ان کے حدوث کی علت نہیں

بتائی جاسکتی اور نہ بتاسکتے ہیں کہ بالآخر وہ کہاں سے آئے؟ اب تو حیوانات نطفہ سے، پرندے انڈے سے اور درخت گٹھلی سے پیدا ہوتے ہیں اور بغیر ان کے ان کا پیدا ہونا ناممکن سمجھتا جاتا ہے، لیکن یہ کوئی بتا سکتا ہے کہ دنیا کا پہلا حیوان، پہلا پرندہ اور پہلا درخت کسی نطفہ، کسی انڈے اور کسی گٹھلی سے پیدا ہوا یا نہیں؟ اگر ہاں کہتے ہیں تو آپ نے اپنے دعوے کے خلاف ایک شہادت قبول کرلی اور اگر انکار کرتے ہین تو یہ تسلیم کرنا پڑے گا کہ پہلا نطفہ، پہلا انڈہ اور پہلی گٹھلی، انسان پرند اور درخت کے بغیر پیدا ہوئی، غرض اس گتھی کو آپ اپنے ناخن ہمت سے کسی طرح سلجھا نہیں سکتے اور ناچار آپ کو سلسلہ علل و اسباب کے مذہب سے برگشتہ ہونا پڑے گا۔

حقیقی علت خدا کی قدرت اور ارادہ ہے::

جہاں آپ اپنے سلسلہ اسباب وعلل کو چند قدم بڑھا سکتے ہیں وہاں بھی بالآخر سپرافگن ہونے سے چارہ نہیں، پانی بادل سے برسا، بادل بخارات سے بنے، بخارات پانی سے اٹھے جو سورج کی تپش سے گرم ہوکر یہ صورت اختیار کرلیتے ہیں، غرض پانی بخارات سے پیدا ہوا اور بخارات پانی سے پیدا ہوئے، اس دور کے عقدہ لاتنحل کو اپ حل کرسکتے ہیں، یہ ناممکن ہے اور اس کے سوا کوئی چارہ نہیں ہے کہ ایک قادر و ذی ارادہ ہستی کو تسلیم کیجئے جس کی مشیت اور ارادہ سے سارا کارخانہ چل رہا ہے، اسباب و علل صرف اس کی مشیت و ارادہ کے مظاہر ہیں اور اپنی عادت کے مطابق ایک طریق خاص پر اس کو چلا رہا ہے لیکن وہ اس کا پابند نہیں ہے، صدیوں مین جب اس نے ضرورت سمجھی انسانوں میں اپنا ایک نشان قائم کرنے کے لئے عادت کے خلاف کوئی بات ظہور پذیر کردی، علت اور معلولیت کا تعلق جو بظاہر نظر آتا ہے ہم نے اس کی عادت جاریہ کی یک رنگی اور یکسانی سے اس کو سمجھ لیا ہے کہ اگر اس کی عادت جاریہ یہ یکرنگی اور یکسانی اختیار نہ کرتی تو مخلوقات اپنے منافع کے حصول اور مضرتوں کے دفع کے لئے پہلے سے کوئی تیاری نہ کرسکتیں۔

مولانا روم اور اسباب وعلل اور معجزہ کی حقیقت::

عارف روم نے اسی حقیقت کو ان اشعار میں ادا کیا ہے۔

سنتے بنہا دو اسباب و طرق

طالبان را زیر ایں ازرق تتق

اللہ تعالی نے آسمان کے ان نیلے پردوں کے نیچے کام کرنیوالوں کیلئے علل، اسباب اور عادات مقرر کر دیئے ہیں۔

بیشتر احوال بر سنت رود

گاہ قدرت خارق سنت شود

دنیا کے زیادہ تر واقعات ان ہی عادات جاریہ کے مطابق ہوتے ہیں لیکن کبھی کبھی قدرت الٰہی اس عادت کو توڑ بھی دیتی ہے۔

سیت و عادت نہادہ بامزہ

باز کردہ خرق عادت معجزہ

طریق و عادات (یعنی اسباب وعلل) کو اس نے خوش آئند بنایا ہے لیکن پھر معجزہ سے خرق عادت بھی کر دیتا ہے۔

اس گرفتار سبب بیروں مپر

لیک عزل آں مسبب ظن مبر

اس وہ جو اسباب وعلل کی زنجیر میں گرفتار ہے حد سے زیادہ نہ اڑ اور یہ خیال نہ کر کہ اس اسباب وعلل کے بنا دینے سے وہ تام العلل اور مسبب اللسباب بیکار ہو گیا۔

ھرچہ خواھداو مسبب آورد

قدرت مطلق سببھا بر درد

وہ حقیقی مسبب الاسباب جو چاہے کر لے اور اس کی قدرت علی الاطلاق اسباب کو توڑ دے۔

لیک اغلب بر سبب راند لقاد

تا ابد از طالبے جستن مراد

لیکن بیشتر وہ اسباب ہی کے مطابق دنیا کو چلاتا ہے تا کہ کام کرنے والوں کو اپنے حصول مقصد کا راستہ معلوم ہو۔

چون سبب بنود چه ره جوید مرید

پس سبب ور راه می آیع پدید

اگر اسباب معلوم نہ ہوں تو کام کرنے والوں کو راہ کیونکر ملے یہی اسباب تو نشانات بن کر نمودار ہوتے ہیں۔

این سببها بر نظر ها پرده هاست

که نه هر دیدار صنعش را سزا است

یہ ظاہری اسباب نگاہوں کے پردے ہیں کیونکہ ہر آنکھ اس کی صنعت کو نہیں دیکھ سکتی۔

دیده باید سبب سوراخ کن

تا حجب را بر کند از بیخ و بن

اس کے لئے ایسی آنکھ چاہیئے جو اسباب پردہ چاک کر دے تا کہ حجابات اٹھ جائیں۔

از مسبب می رسد هر خیر و شر

نیست اسباب و وسائط را اثر

درحقیقت ہر نیک و بد اسی اصلی مسبب الاسباب کے یہاں سے پہنچتا ہے اور اسمیں ان درمیانی اسباب و وسائط کو دخل نہیں۔

باد و خاک و آب و آتش بنده اند

با امن و مرده با حق زنده اند

ہوا، مٹی، پانی اور آگ سب خدا کے محکوم ہیں، کیہ ہمارے تمہارے سامنے تو بے جان مگر خدا کے سامنے جاندار ہیں۔

سنگ بر آہن زنی بیروں جہد
هم به امر حق قدم بیروں نهد

جب پتھر لوہے پر مارو تو اس سے آگ نکلتی ہے، یہ خدا ہی کے حکم سے اپنا قدم باہر نکالتی ہے۔

آہن و سنگ از ستم برهم مزن
کایں دومی زاید همچو مرد وزن

لوہے اور پتھر کو بے فائدہ ایک دوسرے پر مت مارو کہ یہ دونوں نر و مادہ کہیں جو آگ کے بچہ پیدا کرتے ہیں۔

سنگ و آہن خود سبب آمد ولیک
تو به بالا تر نگر اے مرد نیک

پتھر اور لوہا یہ دونوں آگ کا سبب ہیں، لیکن ذرا اس سے آگے بڑھ کر غور کرو۔

کایں سبب را آں سبب آورد پیش
بے سبب کے شد سبب هرگو بخویش

کہ اس ظاہری سبب کو اس حقیقی سبب (خدا) نے آگے کر دیا یہ ظاہری سبب خود بخود بلا سبب کب پیدا ہوا ہے۔

آں سبب را آں سبب عامل کند
باز گاهے بے پرد عاطل کند

اس ظاہری سبب کو اس حقیقی سبب نے دنیا میں موثر اور عامل بنا دیا ہے پھر جب چاہے وہ اسکو بے اثر اور بیکار قرار دے سکتا ہے۔

واں سببها کانبیاء را رهبر است

آں سبب ہا زیں سبب ہا برتر است

جو اسباب کہ انبیاء کے کاموں میں پیش پیش ہوتے ہیں وہ ان ظاہری و دنیاوی اسباب سے بلند تر اور برتر ہیں۔

ایں سبب را محرم آمد عقل ما

واں سبب ہار است محرم انبیاء

ان ظاہری علل و اسباب کی محرم تو ہماری انسانی عقلیں ہیں لیکن ان حقیقی اسباب کے محرم انبیاء علیہم السلام ہیں۔

چونکہ ظاہر بین انسان ان اسبب و علل کو دیکھ کر اصل علۃ العلل اور مسبب الاسباب کو بول جاتے ہیں وہ نگاہوں سے اوجھل ہو جاتا ہے' اس لئے انبیاء علیہم السلام اس عقلت کے پردے کو چاک کر دیتے ہیں اور ظاہری علل و اسباب ان کے لئے بیکار کر دیئے جاتے ہیں۔

ہست بر اسباب' اسباب و گر

در سبب منگر دراں افگن نظر

ان ظاہری اسباب کے اوپر حقیقی اسباب بھی کارفرما ہیں' ان ظاہری اسباب کو نہ دیکھو' حقیقی اسباب پر غور کرو۔

انبیاء در قطع اسباب آمدند

معجزات خویش بر کیواں زدند

انبیاء قطع اسباب کے درپے ہین اور اپنے معجزات کا جھنڈا انہوں نے مریخ میں گاڑ دیا ہے۔

بے سبب مر بحر را بشگافتند

بے زراعت چاش گندم یافتند

یہ یقین پیدا ہوا کہ آگ کا خاصہ اور اثر گرمی اور سوزش ہے' فرض کرو کہ اگر تکرار حساس سے اور یہی تجربہ ہم کو برف سے حاصل ہو جائے تو یقیناً ہم کہہ دیں گے کہ برف کی خاصیت سوزش اور گرمی ہے۔ برف اور آگ دونوں آپ کے سامنے ہیں' دونوں کو اچھی طرح غور سے دیکھئے' کیا ان کی ذات میں کوئی ایسی چیز نظر آتی ہے جس کی بناء پر احساس بلکہ تکرار احساس سے قبل آپ یہ فیصلہ کر دیں کہ ایک میں گرمی اور دوسرے میں ٹھنڈک کا ہوا ضروری ہے' آپ کے فہا تھ میں کوئی شخص کافور اور سنکھیا کی تھوڑی تھوڑی مقدار لا کر رکھ دیتا ہے اس سے پہلے آپ ان چیزوں سے واقف نہ تھے' اب آپ دونوں کو غور سے دیکھئے اور خوب الٹ پلٹ کر دیکھئے' سونگھ کر' چکھ کر' چھو کر کس طرح آپ فیصلہ کر سکتے ہیں کہ انکے خواص و آثار کیا ہیں؟ یہ فیصلہ ناممکن ہے جب تک ان کا بار بار تجربہ نہ کیا جائے اور ہر بار کے عمل سے ایک ہی نتیجہ ظاہر نہ ہو' اس سے ثابت ہوا کہ اشیاء کے خواص اور آثار کا علم صرف یکسانی عمل اور تجربہ پر موقوف ہے۔

عمل کی اسی یکسانی اور تجربہ کی بناء پر ہم علل و معلولات اور اسباب و مسببات کا مسئلہ قائم کرتے ہیں اور اسی کی بناء پر مدعیان عقل و دانش وہ صنم کدہ قائم کرنا چاہتے ہیں جس کے پرستاروں کے نام نیچری' میٹریلسٹ' مادہ پرست' فطرت پرست اور طبیعی ہیں' وہ جب ایک شے سے ایک ہی عمل اور اثر کا بار بار تجربہ کرتے ہیں تو یقین کر لیتے ہیں کہ اس شے سے اس خاصیت و اثر کا انفکاک قطعاً محال ہے اور جب اک شے کے بعد فوراً دوسری شے معلول و مسبب اور پہلی شے علت و سبب ہے اور یہ کلیہ قائم کر لیتے ہیں کہ گرمی اور سوزش کا سبب آگ ہے ٹھنڈک اور برودت کا سبب برف ہے' موت کا سبب سنکھیا ہے فیا یوں کہیئے کہ آگ کا خاصہ جلانا' برف کا خاصہ ٹھنڈا کرنا' سنکھیا کا خاصہ انسان کی زندگی کو ختم کر دینا ہے' معجزہ کے امکان سے چونکہ ان کے خیال کے مطابے ان آثار و خواص کا انکار یا علل و اسباب کا ابطال لازم آتا ہے' یعنی

یہ ماننا پڑتا ہے کہ آگ ہو اور جلائے نہیں' سمندر ہو اور غرق نہ کرے' اس لئے وہ یہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ معجزہ قطعاً محال ہے۔

اسباب وعلل محض عادی ہیں::

لیکن ابھی ثابت ہو چکا کہ ہم جن کو آثار و خواص یا اسباب وعلل کہتے ہیں محض اس تجربہ پر ان کی بنیاد ہے کہ ہم نے ہمیشہ اس شے کو ہوتے دیکھا ہے اور اس سے یہ توقع یا زیادہ سے زیادہ ظن غالب یہ پیدا ہوتا ہے کہ آئندہ بھی جب یہ شے پیدا ہوگی تو اسکے بعد دوسری شے پیدا ہو جائے گی' لیکن اس سے یہ یقین کیسے پیدا ہو سکتا ہے کہ ہم نے جو کچھ مشاہدہ کیا ہے وہ پہلے بھی ایسا ہی ہوتا رہا ہے اور آئندہ بھی ایسا ہی ہوتا رہے گا اور ہمارے علاوہ شروع سے آج تک اور جن جن لوگوں نے اس کو دیکھا ہے ان کے مشاہدہ کا بھی یہی نتیجہ نکلا کیا ہے' اور آئندہ بھی ان کے مشاہدہ کا یہی نتیجہ نکلا کرے گا۔ آج تک آگ کے متعلق جو آپ کے تجربہ میں نہیں آئی ہے اور نہ آ سکتی ہے یہ کیونکر یقین پیدا کر سکتے ہیں۔ لیکن محیط جن کی ہر آگ کے متعلق جو آپ کے تجربہ میں نہیں آئی ہے اور نہ آ سکتی ہے یہ کیونکر یقین پیدا کر لیتے ہیں کہ ان سب کا اثر جلانا ہی ہے اور نیز یہ اعتماد کس مقدمہ یقین پر قائم کر لیتے ہیں کہ آئندہ تا قیامت آگ کا عمل واثر ہمیشہ جلانا ہی رہے گا اور جب آپ کے اس یقین و اعتماد کے لئے کوئی دلیل قائم نہیں ہے تو چند آگوں کو دیکھ کر آپ اس قضیہ کلیہ پر کیونکر ناقابل شکست یقین کی مہر لگا دیتے ہیں کہ دنیا کی ہر آگ جلاتی ہے اور ہمیشہ جلاتی رہے گی۔

اسباب عادیہ کا علم صرف تجربہ سے ہوتا ہے::

غرض خواص و آثار اور اسباب وعلل کی نسبت علم انسانی کا جہاں تک احاطہ ہے وہ صرف یکسانی عمل اور تجربہ کا نتیجہ ہے' ہم ایک شے کے بعد دوسری ے کو ہوتے ہوئے دیکھتے آئے ہیں' اس لئے یہ توقع رکھتے ہیں کہ آئندہ بھی ایسا ہی ہوگا' اس کی

مثال یہ ہے کہ ہم ایک شخص کو آغاز عمر سے دیکھتے ہیں کہ فلاں وقت ہوتا ہے' فلاں وقت جاگتا ہے مسجد میں فلاں دروازہ سے داخل ہوتا ہے' کبھی کسی سے انتقام نہیں لیتا ہے' سالہا سال کے مشاہدہ اور تجربہ کے بعد ہم اس کے متعلق بطریق ظن غالب خیال قائم کر لیتے ہیں کہ اس وقت اتنے بجے ہیں اس لئے وہ اٹھا ہوگا' اتنے بجکر اتنے منٹ ہوئے ہیں اسلئے ہو سو گیا ہو گیا۔ آج جب وہ نماز کیلئے جائیگا تو فلاں دروازہ سے داخل ہوگا اسی کا نام عادت ہے' مگر کیا کبھی کوئی اس حماقت میں بھی مبتلا ہوگا کہ سالہا سال کے تجربہ کے بعد وہ یقینی دعویٰ کر بیٹھے کہ اس وقت اس کو سویا رہنا محال قطعی ہے' اس وقت اس کا جاگنا لامحالہ ضروری ہے اور فلاں دروازہ سے اس کا داخلہ عقلاً لازم ہے۔

اسباب وعلل کا علم بدلتا رہتا ہے::

اسی طریق پر اشیاء اور موجودات عالم سے عادۃً جو مختلف آثار ونتائج کا صدور رہتا رہتا ہے' اس لئے صرف یہ ثابت ہوتا ہے کہ ہم ان اشیاء اور موجودات سے ان آثار ونتائج کے دیکھنے کے عادی ہو گئے ہیں اور عادۃً ایسا سمجھتے ہیں کہ آئندہ بھی ان سے یہی آثار وخواص صادر ہوں گے۔

آپ یہ کہہ سکتے ہیں کہ تمثیل صحیح نہیں ہے' انسان ایک صاحب ارادہ ہستی ہے اس لئے اس کے افعال اس کے ارادہ کے ماتحت ہیں جن کو وہ جب چاہے بدل سکتا ہے۔ دیگر غیر ذی روح اشیاء کے افعال ارادی نہیں ہیں بلکہ خلقی ہیں' اس لئے ان میں تغیر نہیں ہوسکتا' لیکن یہ درحقیقت ایک قسم کا مغالطہ ہے' آپ کے حرکات وافعال آپ کے عضاء سے صادر ہوتے ہیں جو بے ارادہ ہیں اور ارادہ آپ کے نفس یا روح فیا ذہن کا فعل ہے جس طرح آپ کی روح یا نفس یا ذہن کی قوت ارادہ آپ کے جامد اور بے جان مضغہ گوشت اعضاء سے اپنی حسب خواہش مختلف حرکات و افعال صادر کراتی ہے' اسی طرح روح اعظم قوت ارادہ اس بے جان عالم کائنات

سے اپنی خواہش کے مطابق مختلف افعال اور حرکات صادر کراتی رہتی ہے اور چونکہ عموماً وہ اس کو ایک ہی نہج پر چلاتی رہتی ہے اس لئے ہم کو اسباب عادیہ کا علم کسی قدر عطا ہو گیا ہے۔

اسی عادت کا نتیجہ یہ ہے کہ ہمارے ذہن کے اندر آگ اور گرمی' برف اور ٹھنڈک کے درمیان ایک تلازم پیدا ہو گیا ہے' جس کی بناء پر ہم سمجھتے ہیں کہ آگ سے گرمی اور برف سے ٹھنڈک کا انفکاک نہیں ہو سکتا حالانکہ اگر آگ اور برف کے متعلق ہمارا آئندہ تجربہ بدل جائے تو یقیناً یہ تلازم کا خکیال بھی بدل جائے گا۔ مثلاً جس عہد قدیم میں گردش آسمانی اور دور نجوم' حادثات کے اسباب وعلل یقین کئے جاتے ہیں اور ستاروں کی مختلف چالوں اور ان کی خاص خاص اشکال سے حوادث عالم کی توجیہہ کی جاتی ہے' اس وقدت ستاروں کی ایک خاص شکل کے ظہور یا کسی خاص ستارہ کے طلوع اور اس کے آثا و نتائج کے درمیان ایک خاص تلازم سمجھا جاتا ہوگا اور اس یقین کو کہ یہ دونوں باہم علت ومعلول ہیں ناقابل انکار سمجھا جاتا ہوگا لیکن آج ایسا نہیں ہے۔

قدیم وجدید فن طب میں اب آسمان وزمین کا اختلاف ہے' دواوں کے خواص واثرات اور امراض کے علل واسباب میں عظیم الشان تبدیلی ہو گئی ہے' مگر قدیم اطباء یا اب بھی قدیم طب کے واقف کاروں اور قدرشناسوں کے نزدیک ان کے تجربے اور یکسانی عمل کی بناء پر جن دواوں کے جو اثرات اور جن امراضکے جو علل واسباب ہیں وہ ان کے یقنیات میں داخل تھے اور کا ہیں' لیکن ممالک یورپ میں جہاں کوئی اس طب کا جام بھی نہیں جانتا او اس کے تجارب اور تحقیقات کا مشاہدہ نہیں کیا گیا ہے' ہمارے اطباء کے یقین کردہ آثار و خواص اور اسباب وعلل کو وہاں اوہام سے زیادہ رتبہ نہیں دیا جا سکتا۔

خود اوہام کیا چیز ہیں؟ جاہل طبقوں اور وحشی قوموں میں بہت سے ایسے یقنیات ہیں

جن کو آپ اوہام سے تعبیر کرتے ہیں، مگر ان میں یہ اوہام کیونکر پیدا ہوئے؟ اسی تکرار و تجربہ سے انگوں نے تئ دفعہ دیکھا کہ جب صبح کو فلاں پرندہ بفلا یا اڑا تو فلاں بات ہوگئی، چند بار کے دیکھنے سے ان کے ذہن میں یہ خیال راسخ ہوگیا کہ اس کا یہ اثر ہے، حالانکہ معلوم ہے کہ اس پرندہ کے بولنے یا اڑنے اور اس بات کے ہونے کے درمیان کسی قسم کا تلازم نہیں ہے تاہم چونکہ ان کا یقین ان کے تجربہ پر مبنی ہے، اس لئے اس کے خلاف باور کرنا ان کے لئے اتنا ہی محال ہے، جتنا کہ آگ اور گرمی و سوزش کے درمیان تلازم اور ان دونوں کے درمیان علت و معلول پر عقیدہ رکھنے والوں کے لئے یہ تخیل کی آگ موجود ہو اور اس سے گرمی و سوزش کا اثر نہ ہو۔ جن ملکوں میں خچر نہیں ہوتے وہاں کے باشندے اپنے تجربہ کی بناء پر اس مسئلہ پر یقین کامل رکھتے ہیں کہ دو مختلف النوع جانوروں میں باہم توالد و تناسل نہیں ہوسکتا اور اگر اس کے خلاف ان کو یقین دلانا چاہیں کہ گھوڑے اور گدھے مل کر باہم اس فرض کو انجام دیتے ہین اور اس سے خچر نام ایک تیسری نوع تیار ہوتی ہے تو اس کے تسلیم کرنے میں ان کو کسی قدر تامل ہوگا، لیکن کیا ان کا تامل ہندوستان اور مصر میں مطابق واقعہ سمجھا جائے گا جہاں ہزاروں دفعہ یہ مشاہدہ ہو چکا ہے۔

اسباب وعلل کا علم تجربہ سے ہوتا ہے::

الغرض ہم جن کو اصول فطرت، نوامیس قدرت اور لاز آف نیچر کہتے ہین وہ صرف روزمرہ کے مشاہدات عادیہ کے نام ہیں ہم دیکھتے آئے ہیں کہ درخت کس طرح اگتے ہیں، جاندار موجودات کس طرح پیدا ہوتے ہین، آفتاب کس طرح طلوع ہوتا ہے، پانی کس طرح برستا ہے، ان کو دیکھتے دیکھتے ہم اس قدر عادی ہوگئے ہیں کہ ہم ان کا اسی طرح ہونا ضروری اور اس کع کلاف ہونا محال قطعی سمجھتے ہیں، حالانکہ اس کے لئے ہمارے پاس کوئی دلیل نہیں ہا، ہم دیکھتے ہیں کہ ایک دانہ زمین میں ڈالا جاتا ہے، کچھ دنوں کے بعد وہ پھوٹتا ہے اس مین کونپلیں نکل آتی ہیں، پھر وہ پودے کی شکل

اختیار کرتا گیا ہے۔ شاخیں نکلتی ہیں اور بڑھ کر درخت ہو جاتا ہے' ایک قطرہ آب خون اور خون سے گوشت بن جاتا ہے اس میں رگیں' پٹھے اور ہڈیاں پیدا ہو جاتی ہیں' دل و دماغ اور جگر و گردہ اپنی اپنی جگہ پر بن جاتے ہیں' پھر کہیں سے اس میں روح آ جاتی ہے' پھر اس آئینہ میں احساس و عقل جلوہ آراء ہوتی ہے' ایک مدت معینہ کے بعد وہ پیدا ہوتا ہے' جوان ہوتا ہے' اس طرز پیدائش کو دیکھتے ہوئے حیرت زائی اور استعجاب اور استبعاد کی روح ہم سے بالکل فنا ہو گئی ہے اور ہم کبھی ایک لمحہ کے لئے بھی غور نہیں کرتے کہ ایک جاندار و ذی عقل انسان کی صورت میں کیونکر بدل گیا' لیکن ہمیں سے یہ کہا جاتا ہے کہ ایک بے جان لکڑی جاندار سانپ بن گئی اور عیسیٰ نام ایک بچہ بن باپ کے پیدا ہو گیا تو ہماری محدود عقل و تجربہ کا پر غرور سر انکار سے ملنے لگتا ہے' یہ کیوں؟ اس لئے کہ کبھی ہم نے ایسا ہوتے دیکھا نہیں' آفتاب روز پورب سے طلوع ہوتا ہے اور پچھم میں جا کر غروب ہو جاتا ہے' ہم کو اس پر مطلق تعجب نہیں ہوتا اور نہ یہ مستبعد معلوم ہوتا ہے اور جب یہ سنتے ہیں کہ قیامت کے دن آفتاب پورب کے بجائے پچھم سے نکلے گا تو ہم اس کو کلاف عقل کہتے ہیں' کیا پورب سے اس کا نکلنا عقل کے موافق تھا؟ اور تم آفتاب کو اگر پورب سے نکلتے نہ دیکھتے تو خود بخود عقلاً یہ فیصلہ کر لیتے کہ اس کو پورب ہی سے نکلنا چاہئے اور مغرب ہی میں ڈوبنا چاہئے۔ عموماً انسان کے ایک سر' دو آنکھیں' دو کان' دو ہاتھ اور دو پاؤں اور ہر ہاتھ پاؤں میں پانچ پانچ انگلیاں ہوتی ہیں' لیکن تاریخ طبعی انسانی کی کوئی کتاب پڑھیئے تو معلوم ہو گا کہ قدرت کے مستثنیات کی بھی کوئی انتہا نہیں اور سینکڑوں ہزاروں بچے اسکے خلاف پیدا ہوئے ہیں' اب جس طرح آپ اس پر اعتراض نہیں کرتے کہ انسان کے دو ہی ہاتھ اور دو ہی پاؤں کیوں ہوتے ہیں' اس پر بھی اعتراض نہیں کر سکتے کہ اس بچہ کے چار ہاتھ اور چار پاؤں کیوں ہیں اور جس طرح آپ کو اس بات پر حیرت نہیں ہوتی کہ آدمی جی کر کر کیوں جاتا ہے' ایسے ہی اس پر حیرت نہ کیجئے کہ

مر کر جی کیونکر جاتا ہے' ان دونوں میں صرف فرق یہ ہے کہ ایک واقعہ کو آپ نے بار بار دیکھا ہے اور دوسرے کو کبھی نہیں دیکھا' لیکن کسی چیز کا دیکھنا اور نہ دیکھنا کسی چیز کے فی نفسہ محال یا ممکن ہونے پر دلیل نہیں ہو سکتی۔

حاصل یہ ہے کہ ہم کو معجزات کے متعلق جو استبعاد نظر آتا ہے' اس کی صرف یہ وجہ ہے کہ وہ ہمارے گزشتہ مشاہدات اور تجربات کے خلاف ہوتا ہے لیکن اس کا فیصلہ ہر شخص کر سکتا ہے کہ اس کے گزشتہ مشاہدات اور تجربات میں غلطی کا ہونا یا اس میں انقلاب ہو جانا کچھ محال نہیں' طبعیات جدیدہ نے طبعیات قدیمہ کی دیوار تحقیقات ڈھا دی' حکمائے جدید نے حکمائے قدیم کے سینکڑوں تجربات باطل کر دیئے' ہیئت قدیم اور ہیئت جدیدہ میں آسمان اور زمین کا اختلاف پیدا ہو گیا' اختراعات جدیدہ نے سینکڑوں اور ہزاروں قدیم مستبعدات اور ممتنعات کو ممکن بلکہ واقعہ بنا دیا۔ جب ہمارے گزشتہ تجربات اور تحقیقات کا یہ حال ہے تو انسانی تحقیقات و تجربات کی آئندہ صحت کو کون ضمانت کر سکتا ہے؟ فلسفہ یونان پڑھ کر ہم یقین کرتے تھے کہ زمین ساکن اور آفتاب متحرک ہے۔ اب روز روشن کی طرح یہ ثابت کیا جا رہا ہے کہ آفتاب ساکن اور زمین متحرک ہے' اس لئے اگر کسی پیغمبر کی زبان سے اس وقت یہ خیال ادا ہوتا کہ زمین متحرک اور آفتاب ساکن ہے تو حکمت قدیمہ کی درسگاہ میں یہ خیال شاید جاہلانہ اور مضحکہ خیز سمجھا جاتا' پھر حکمت جدیدہ کے دانایان روزگار کو آج مذہب کی جو چیز مضحکہ انگیز نظر آتی ہے تو کیا معلوم کہ کل خود ان کی تحقیقات حکمت مستقبلہ کے مدرسہ میں قابل مضحکہ نہ ٹھہرے گی۔

الغرض صفحات بالا سے یہ امر پایۂ ثبوت کو پہنچ گیا کہ بنی نوع انسان کے اصل سرمایہ علم علل و معلول میں جو کچھ ہے وہ صرف ان کے تجربہ کی کمائی ہے اور اسی کی بناء پر استدلال تمثیلی کے طور پر وہ ایک چیز کو چند بار دیکھ کر اپنے ذہن میں ایک حکم کلی پیدا کر لیتے ہیں' مثلاً ایک سیب کو دیکھا' اس کی خوشبو کو سونگھا' اس کے مزہ کو چکھا' اب

دوسرا سیب ہمارے سامنے آتا ہے' اس کی شکل وصورت اور رنگ کو دیکھ کر اس کی خوشبو کو سونگھ کر ہم کہہ دیتے ہیں کہ یہ بھی سیب ہے اور اس کا مزہ ایسا ہوتا ہے اور پھر چند سیبوں کو دیکھ کر ہم یہ حکم لگا دیتے ہیں کہ ہر سیب ایسا ہوتا ہے اور اس کا یہ خاصہ اور اثر ہوتا ہے' اسی طرح ہم نے برف کو دیکھا' اس کی شکل وصورت' رنگ ومزہ اور ٹھنڈک کو محسوس کیا اور پھر کئی دفعہ اس کے دیکھنے کا اتفاق ہوا' ہم نے ہر دفعہ پہلی برف کی مثل دیکھ کر یہ کہہ دیا کہ یہ بھی برف ہے اور ہر برف ٹھنڈا ہوتا ہے' یہی حال اس قضیہ کا ہے کہ تیز آگ جلاتی ہے۔ اب غور کیجیے کہ آپ کے یہ قضایا جو محض استدلال تمثیل کی بنیاد پر قائم ہیں' عقلاً کیونکر نا قابل شکست یقین بننے کا دعویٰ کر سکتے ہیں' یہ اور بات ہے کہ آپ عادۃً'' اپنی عملی اور کاروباری دنیا کے لئے ان پر یقین کر کے جلب منافع اور دفع مضار میں ان سے کام لیں اور یہی علت عادیہ کی حقیقت ومصلحت ہے۔

علامہ ابن تیمیہ کا بیان کہ اسباب وعلل تجربی ہیں::

ہم نے جس پرواز پر مسئلہ علیت کی تشریح کی ہے یہ کوئی نیا خیال نہیں ہے' علامہ ابن تیمیہؒ نے الرد علی المنطقین میں جا بجا اس خیال کو ظاہر کیا ہے' چنانچہ ہم یہاں اس کی تلخیص اس لئے درج کرنا چاہتے ہیں کہ مسئلہ پوری وضاحت کے ساتھ ناظرین کے سامنے آجائے۔

''کھانے کے بعد آسودگی' پینے کے بعد سیری' بدیہی تجربات میں ہے' اسی طرح لذت وغیرہ کا احساس ہے کہ جب انسان اس کا احساس کرتا ہے تو اس کے بعد فوراً ایک اثر پاتا ہے' پھر جب بار بار اس شے کے احساس کے بعد وہی اثر پاتا ہے تو یہ سمجھ لیتا ہے کہ یہی شے اس اثر کا سبب ہے اسی کا نام تجربیات ہے' قضایائے کلیہ کی اصل یہی تجربیات ہیں۔ تفصیل یہ ہے کہ مثلاً جب ایک شخص کسی دوا کو استعمال کرتا ہے اور یہ پاتا ہے کہ اس سے فلاں مرض دور ہو گی یا فلاں قسم کا نقصان ہو گی تو مرض کا اس

سے پیدا ہو جانا یا زائل ہو جانا تجربہ ہے' یہی حال دیگر آلام و لذات کا ہے جو مشمومات' مسموعات' مرئیات اور ملموسات سے حاصل ہوتا ہے کیونکہ جب اسکو سونگھتا یا دیکھتا ہے یا سنتا یا چکھتا یا چھوتا ہے' پھر نفس میں جو اعتقاد کلی قائم ہو جاتا ہے تو اس جنس کے ہر فرد سے لذت حاصل ہوتی ہے اور اس جنس کے ہر فرد سے الم حاصل ہوتا ہے وہ من قبیل تجربیات ہے کیونکہ حواس ظاہرہ و باطنہ سے شے کلی اک احساس نہیں ہو سکتا' حکم کلی کا جو اعتقاد کہ کھانے اور پینے کی چیزوں سے آسودگی اور سیری پیدا ہوتی ہے اور زہر قاتل کے استعمال سے آدمی مر جاتا ہے اور بیماری پیدا کرنے والے اسباب سے آدمی بیمار پڑ جاتا ہے اور اس بیماری کا فلاں اسباب و ذرائے سے استیصال ہو جاتا ہے' یہ کل کے کل قضایائے تجربیہ ہیں' کیونکہ حس تو صرف جزئی اور شخصی چیزوں کا احساس کرتا ہے' لیکن جب ایک شے سے ایک ہی احساس بار بار ہوتا ہے تو عقل ادراک کرتی ہے کہ اس مشترک امر کی وجہ سے جو ان تمام افراد میں تھا یہ بات پیدا ہوئی اور یہ چیز فلاں قسم کی لذت پیدا کرتی ہے اور اس شے سے فلاں قسم کی تکلیف پیدا ہوتی ہے یہی حال حدسیات کا ہے کہ ان کی جزئیات کا علم احساس سے ہوتا ہے' لیکن تکرار سے عقل قدر مشترک کا اندازہ لگا لیتی ہے مثلاً جب چاند کی روشنی کا اختلاف آفتاب کے مقابلہ کے اختلافات سے دیکھتے ہیں تو گمان کر لیتے ہیں کہ چاند کی روشنی آفتاب سے حاصل ہوئی ہے یا یہ دیکھتے ہیں کہ ثوابت کی حرکت میں کوئی اختلاف نہیں ہوتا اور وہ سب ایک ساتھ حرکت کرتے ہیں تو سمجھ لیتے ہیں کہ ان کا فلک ایک ہے' اسی طرح جب سبع سیارہ کے اختلاف حرکات کو دیکھتے ہیں تو سمجھتے ہیں کہ ہر سیارہ کا فلک دوسرے سے مختلف ہے۔''

قیاس کی بحث میں علامہ ممدوح کہتے ہیں۔

''فلاسفہ نے یقینیات کو صرف چند قضایا میں محدود کر دیا ہے جس میں سے ایک حسیات ہیں' حالانکہ یہ معلوم ہے کہ حس سے ہرگز کسی عام اور کلی شے کا ادراک نہیں

باتفاق عقلاً جائز نہ ہو' بلکہ فلاسفہ تک خرق عادت کو جائز سمجھتے ہیں مگر وہ اس کے لئے فلکی طبعی اور نفسیاتی اسباب بیان کرتے ہیں اور ان ہی تینوں اسباب کی طرف خرق عادت کو منسوب کرتے ہیں اور اسی سے انبیاء کے معجزات' اولیاء کی کرامات اور سحر وغیرہ کی ثابت کرتے ہیں۔''

اسی قیاس کے بحث کے آغاز میں علامہ مدوح لکھتے ہیں۔

''اور یہی حال تجربیات کا ہے' لوگوں نے عموماً تجربہ کیا ہے کہ پانی پینے سے سیری ہوتی ہے اور گلا کٹ جانے سے آدمی مر جاتا ہے اور ضرب شدید سے تکلیف ہوتی ہے' ان تمام قضیوں کا علم محض تجربہ کی بنا پر ہے' کیونکہ حس نے ایک خاص سیری کا ادراک کیا ہے اور گلا کٹنے سے ایک خاص شخص کو مرتے دیکھا ہے اور مارنے سے تکلیف ایک خاص شخص نے محسوس کی ہے' اب یہ حکم کہ جو شخص ایسا کرے گا یہ خاص اثر پیدا ہوگا تو یہ قضیہ کلیہ حس سے نہیں معلوم ہوگا بلکہ اس کے ساتھ حکم عقلی کا لگاؤ بھی ہے۔ تجربہ سے جو اثر معین میں ایک خاص تلازم ہے اور اس سے عادت مستمرہ کا علم ہوتا ہے۔ خصوصاً جب ان دونوں کے درمیان کسی مناسبت کا بھی شعور ہو جائے اور یہ ثابت ہو جائے کہ جہاں وہ شے بھی پائی جاتی ہے وہاں یہ اثر بھی پایا جاتا ہے اور جہاں وہ اثر پایا جاتا ہے وہاں وہ شے بھی پائی جاتی ہے اور نیز یہ کہ جہاں وہ شے نہیں پائی جاتی وہ اثر بھی نہیں پایا جاتا اور جہاں وہ اثر نہیں پایا جاتا وہاں وہ شے بھی نہیں پائی جاتی' اب جس قدر اس لزوم میں ظنیت پائی جائے گی اسی قدر علیت کا اعتقاد بھی ظنی ہوگا اور جس قدر اس لزوم مین قطعیت ہوگی اسی قدر لزوم کے اعتقاد میں قطعیت ہوگی اور یہی قضایائے عادیہ ہیں جیسے طب کے تجربیات وغیرہ یا یہ علم کے روٹی کھانے سے آسودگی اور پانی پینے سے سیری ہوتی ہے اور کپڑے پہننے سے بدن میں گرمی اور برہنگی سے بدن میں ٹھنڈک پیدا ہوتی ہے .... پس تجربیات سے علم حاصل ہونے کا سبب ایک شے کا دوسری شے کے بعد ہونے سے اور تکرار اثر سے

پیدا ہوتا ہے۔"

تجربیات کی بنا شہادت اور روایت اور تاریخ پر ہے::

غرض ان مباحث کا ماحصل یہ ہے کہ اشیاء کے خواص اور موجودات کا علم ہم کو محض تجربہ سے حاصل ہوا ہے۔ اب یہاں یہ بحث پیدا ہوتی ہے کہ کیا تجربی یقین کے پیدا ہونے کیلئے یہ ضرور ہے کہ خود اس یقین کرنے والے نے اس کا تجربہ کیا ہو' ہم دنیا میں ہزاروں تجربی مسائل پر یقین رکھتے ہیں مگر ان میں سے بہت کم ہمارے ذاتی تجربہ میں آئے ہیں طبعیات' کیمیائیات' طبیات' فلکیات' ارضیات کی ہزاروں باتیں ہیں جن پر ہم یقین رکھتے ہیں مگر ہمارے ذاتی تجربہ میں بہت کم آئی ہیں' اگر آپ یہ کہیں کہ گو وہ ہمارے ذاتی تجربہ میں نہیں آئی ہیں لیکن ان علوم کے ماہرین نے ان کا تجربہ کیا ہے اور ہم کو ان کی شہادت کا اس لئے یقین ہے کہ وہ اپنے اپنے علوم میں کامل دستگاہ رکھتے ہیں اور اپنے ذاتی تجربوں کو انہوں نے اپنی تصنیفات میں لکھ دیا ہے تو گویا آپ نے قبول کرلیا کہ دوسروں کے تجربیات بھی مفید یقین ہیں۔ بشرطیکہ خود ان تجربہ کرنے والے علماء پر ان کو وثوق ہو اور ان کے تجربیات صحیح و مستند شہادتوں اور واسطوں سے آپ تک پہنچیں۔

دنیا کے واقعات کا سب سے بڑا دفتر تاریخ ہے جو عہد ماضی کی ظلمت میں ہمارے لئے چراغ راہ ہے اور اس چراغ تیل کون برابر ڈالتا جاتا ہے کہ یہ بجھتا نہیں' وہ راویان اکبار اور ناقلان حکایات ہیں جو ایک عہد سے دوسرے عہد تک اس کو روشن کرتے چلے جاتے ہیں' اگر یہ سلسلہ روایت کہیں منقطع ہو جائے تو عہد ماضی کی دنیا بھی عالم مستقبل کی طرح تیرہ و تار ہو جائے' لیکن تریخ کی ہر شہادت آسانی کے ساتھ قبول نہیں کرلی جاتی بلکہ اس کے لئے چشم دید گواہوں کا وجود' ان کی صداقت اور راست شعاری اور پھر اس کے بعد بیچ کے واسطوں کی سچائی اور راست گفتاری اور عدم فریب کے ثبوت کی بھی ضرورت ہے' لیکن اگر یہ شرائط پورے پورے ہو

جائیں تو روایات منقولہ کی صداقت میں کسی کو شک نہ ہونا چاہئے۔

فلسفہ اور سائنس بھی ایک قسم کی تاریخ ہیں::

حقیقت میں فلسفہ اور سائنس بھی ایک قسم کی تاریخ ہیں فلسفہ تو اشخاص یا جماعتوں کے منتظم خیالات کی اور سائنس کائنات فطرت کے تجربی اکتشافات کی تاریخ ہے' فلسفہ کی درسگاہ کا ہر پروفیسر نہایت وثوق سے یہ کہتا ہے کہ اس مسئلہ میں یونان' اسلام اور یورپ کے فلاں فلاں اساطین فلسفہ کی یہ روائیں ہیں' کیا اس وثوق کی بنیاد صرف شہادت تاریخی پر نہیں ہے؟ آغاز آفرینش سے لے کر اس وقت تک دنیائے انسانی نے علم واکتشاف' تجربہ و دانش کا جو سرمایہ جمع کیا ہے کیا وہ بجز شہادت تاریخی کے کسی اور طریقہ سے حاصل ہوا یا ہوسکتا ہے؟ یا آئندہ ہوگا' آپ یقین رکھتے ہیں کہ جسم بہتر بسیط عنصروں سے مرکب ہے' ہائیڈروجن اور آکسیجن پانی کے دو جزو ہیں' سنکھیا کے استعمال سے آدمی مرجاتا ہے' مگر ان میں سے ایک بات بھی اپ کے تجربہ میں نہیں آئی ہے' البتہ چونکہ صحیح اور مستند ذریعوں سے آپ تک یہ تحقیقات پہنچی ہیں اس لئے آپ ان کو باور کرتے ہیں' لندن اور پیرت کو آپ نے خود نہیں دیکھا' لیکن بایں ہمہ آپ کو ان شہروں کے وجود میں شک نہیں' مگر کوہ قاف کے پرستان کے وجود پر آپ کو یقین نہیں' اس لئے کہ پہلے دو شہروں کے وجود کی خبر اپ نے بکثرت لوگوں سے اور ایسے ثقہ اور مستند لوگوں سے سنی ہے کہ آپ اس یں شک نہیں کر سکتے لیکن کوہ قاف کے پرستان کے عینی شاہدوں تک آپ کا سلسلہ روایت صحیح اور مستند آریعہ سے نہیں پہنچا ہے' اس لئے آپ کو اس کے وجود میں بہت حد تک شک ہے' اسی طرح ہیئت وفلکیات کے اکثر مسائل مثلاً ستاروں کی چالیں خاص ستاروں کا طلوع وغریب وغیرہ کسی نہ کسی ہیئت دان اور فلکی کا مشاہدہ ہے اور پھر صدیوں کے مشاہدات یکجا ہو کر آپ کے سامنے ہیئت وفلکیات کا ناقابل انکار دفتر بن کر آتا ہے مگر غور کیجئے کہ اس دفتر بے پایاں کا ہر ایک مشاہدہ بجز تاریخی

روایت وشہادت کے کسی اور طریقہ سے پہنچا ہے یا پہنچ سکتا ہے؟

آپ کہتے ہیں کہ آگ جلاتی ہے' برف ٹھنڈک پہنچاتی ہے' آفتاب روشن ہے' پتھر سخت ہے' کھانے سے سیری ہوتی ہے' چوٹ سے تکلیف ہوتی ہے' غرض تمام قضایائے تجربیہ جن پر علوم وفنون کی بنیاد قائم ہے اور جن کی عمومیت وکلیت کا آپ کو یقین یا ظن غالب ہے' ان کی اس کلیت اور عمومیت کا یقین یا غلبہ ظن صرف اپ ہی کی ذاتی تجربہ پر مبنی نہیں ہے بلکہ ان میں سے ہر قضیہ کی عمومیت اور کلیت کے کبنانے میں آپ کے سوا اور ہزاروں لاکھوں آدمیوں اور بیسیوں نسلوں کے مشاہدات کو دخل ہے اور یہ مشاہدات آپ تک تحریری یا زبانی تاریخی شہادتوں کے ذریعے سے پہنچے ہیں تب جا کر وہ انسانی مسلمات میں داخل ہوئے ہیں۔

تاریخی شہادتوں کے شرائط استشہاد::

لیکن کسی تاریخی شہادت کے مستند ہونے پر آپ کچھ قیود بھی عائد کر سکتے ہیں مثلاً یہ کہ اخلیر راوی چشم دید گواہ ہو' یعنی یہ کہ وہ واقعہ کے وقت مقام واقعہ پر حاضر ہو اور خود اس کا بلاواسطہ ذاتی علم حاصل کیا ہو' وہ راست گفتار ہو' اس کا حافظہ صحیح اور درست ہو' فریبی اور جھوٹا نہ ہو' اسی طرح آغاز سلسلہ روایت سے لے کر آخر تک بیچ کا ہر راوی بھی انہی صفات سے متصف ہو' جہاں تک ان صفات میں ترقی ہو گی' واقعہ کے متعلق آپ کے علم واذعان میں بھی ترقی ہو گی اور جہاں تک ان میں کمی ہو گی' آپ کے علم واذعان میں بھی کمی ہو گی۔

مسلمانوں کا علم روایت::

اب مسلمانوں کے علم اخبار یا علم نقل وروایت یعنی اصول حدیث پر نظر ڈالئے تو معلوم ہو گا کہ بعینہ یہی اصول انہوں نے ہر روایتی شہادت کے قبول کرنے کے لئے مقرر کیا ہے' سلسلہ روایت کے ان اوصاف میں جس قدر بھی نقص ہو گا' اس جزو واقعہ کے علم واذعان میں بھی اسی قدر نقص ان کے نزدیک پیدا ہو گا۔ پیغمبر علیہ السلام

کی طرف جس قدر بھی صحیح و مستند معجزات منسوب ہیں' ان میں سے ایک بھی ایسا نہیں ہے جس کی صداقت کو اس اصول پر پرکھ نہ لیا گیا کہو' ہیوم نے اپنی معرکتہ الارا کتاب فہم انسانی میں جہاں معجزات پر بحث کی کہے' انجیل کے بیان کردہ معجزات کی نسبت وہ اس لئے بے اعتباری ظاہر کرتا ہے کہ مصنفین انجیل جو ان واقعات کے راوی اول ہیں ان میں سے کوئی واقعہ کا چشم دید گواہ نہیں ہے لیکن ہیوم کو اگر اسلامی طرز روایت واصول حدیث کی احتیاطوں سے آگاہی ہوتی تو کبھی اسلام کے معجزات کی نسبت اس بے اعتباری کا اس کو موقع نہ ملتا۔

صحیح معجزات نبوی ؐ کے پہلے رواہ یعنی وہ صحابہ کرام جو واقعات کے چشم دید گواہ ہیں' صدق مقال اور راست گفتاری پر ان کی زندگی کا ایک ایک حرف گواہ ہے اور ان کی عقل' رزانت اور متانت رائے پر انکے کارنامے شاہد عدل ہیں۔ بیچ کے رواہ وہ محدثین عظام ہیں جن کی سچائی' ذاتی اور حفظ و فہم پر اسمائے رجال کے اوراق کی مہریں ثبت ہیں' پیغمبر اسلام علیہ السلام نے علی روس الاشہاد کہا اور بار بار کہا جو شخص میری طرف کسی جھوٹی بات کی نسبت کرے گا اس کا ٹھکانہ جہنم ہے''۔ صحابہ کا یہ حال تھا کہ آنحضرت ؐ کے متعلق کسی خبر کو بیان کرتے ہوئے کانپ جاتے تھے۔ بیچ کے ثقہ اور مستند رواہ انسانی احتیاط سے کام لیتے تھے' اس پر بھی ان کی تمام روایات کا درجہ یکساں نہیں ہے۔

اگر روایت کے ہر دور میں راویوں کی تعداد کثیر شریک ہو تو اس کو خبر متواتر کہتے ہیں اور اگر ہر دور میں گو تعداد کثیر نہ ہو' لیکن دو یا دو سے زیادہ ہوں تو وہ مستفیض اور مشہور ہے اور اگر کسی دور میں ایک ہی راوی رہ گیا ہو تو اس خبر کو خبر آحاد کہتے ہیں' معجزات نبوی ؐ مختلف طرق سے مروی ہیں اور اسی کے اعتبار سے انکی صحت بیان کا درجہ ہے' یہ سچ ہے کہ بعض کے لوگوں نے آپ کی طرف بہت سے ایسے معجزات منسوب کر دیئے ہیں جو صحیح نہیں ہیں لیکن ہمارے محدثین نے نہایت جانفشانی اور ایمانداری

سے ان روایات کو معیار پر پرکھ پرکھ کر الگ کر دیا ہے اور اس کتاب کی جلد اول کے مقدمہ میں تمام وکمال بحث موجود ہے' معجزات کے ثبوت پر یہ طرز استدلال گو عجیب ہے لیکن غلط نہیں' دنیا میں ہر واقعہ کے ثبوت کا یہی طریقہ ہے اور وہی اس باب میں بھی کارآمد ہے' یہ کیسی زبردستی ہے کہ جس طرز استدلال پر دنیائے یقین کا عملی کاروبار چل رہا ہے' اس کو اگر مذہب استعمال کرے تو مدعیان عقل کی جبین متانت پر بل پڑ جاتے ہیں۔

نادیدہ واقعات پر یقین کرنے کا ذریعہ صرف روایت کی شہادت ہے::

دنیا میں جو واقعہ ظہور پذیر ہوتا ہے اسکے علم کے دو ہی طریقے ہیں' یا تو انسان اس واقعہ کے وقت موجود ہوگا یا موجود نہ ہوگا' پہلی صورت میں اس کا علم' اس کے احساس ومشاہدہ پر موقوف ہے اور وہ روایت کے تمام جھگڑوں سے بے نیاز ہے جیسے کہ ان صحابہ کا اس معجزہ کے متعلق علم جو انکے سامنے ظاہر ہوا' اور دوسری صورت میں اس واقعہ کا علم صرف روایت سے ہو سکتا ہے اور اس کے سوا کوئی ذریعہ علم اس کے لئے دنیا میں موجود نہیں ہے' آپ کا فرض صرف اس قدر ہے کہ روایت کی اچھی طرح تنقید کر لیجئے اور جس طرح دنیا کے دوسرے عملی کاروبار میں واقعات پر یقین کرنے کے ذرائع استعمال میں ہیں' اس باب میں بھی ان ہی کو استعمال کیجئے' عقلی احتمالات اور ذہنی شبہات کی کوئی حد نہیں ہے' مگر کبھی روزمرہ کے معاملات میں وہ آپ کے یقین کے سدراہ نہیں ہوتے۔

خبر آحاد پر بھی عقلاً یقین ہوتا ہے::

متواتر' مشہور اور مستفیض خبروں کو چھوڑ کر خبر احاد تک پر آپ روزانہ یقین کرتے ہیں' خطوط' تار' اخبارات آج کل کی زندگی کا جز ہیں اور ان میں سے ہر ایک پر

آپ کو کامل وثوق ہے۔ رائٹر ایجنسی کے تاروں اور سنجیدہ اخباروں کے کالموں میں عجیب سے عجیب حیرت افزا واقعات وایجادات وطبی علاجات عموماً بیان ہوتے رہتے ہین اور لوگ ان کو تسلیم کر لیتے ہیں۔ آج تمام تجارت کا دارومدار انہی تاروں پر ہے' یہ شدید مالی خطرات کا موقع ہے مگر ہر بیوپاری اور تاجر بخوشی اس خبر احاد پر یقین کر لیتا ہے اور اپنی تمام دولت اس کے نزر کر دیتا ہے اور کبھی یہ عقلی مباحث اور شکوک نہیں پیش کرتا کہ ممکن ہے کسی نے غلط کہا ہو'ممکن ہے غلط لکھا گیا ہو'ممکن ہے نامہ نگار جھوٹ بولتا ہو'ممکن ہے کاتب نے خود گھڑ کر لکھ دیا ہو۔ یہ تمام احتمالات عقلی قائم ہو سکتے ہیں مگر عملی یقین پر ان احتمالات کا مطلق اثر نہیں پڑتا۔

ہم شفاخانوں میں جاتے ہیں اور عطاروں اور کمپونڈروں سے دوائیں لے کر باطمینان تمام انکو استعمال کرتے ہیں' حالانکہ معلوم ہے کہ ان شفاخانوں میں اکسیر اور سنکھیا دونوں کی بوتلیں پہلو بہ پہلو رکھی ہیں'ممکن ہے کہ تمہا دوا بنانے کی یہ اطلاع کہ یہ دوا تمہارے نسخہ کے مطابق ہے غلط ہو اور اس لئے اس کے استعمال سے احتراز لازم ہے مگر کبھی یہ خدشہ ہمارے حاشئیہ خیال میں بھی نہیں آتا اور ہم بخوشی اپنی جان کو خبر احاد کے یقین کی نذر کر دیتے ہیں' پھر معجزات اور مذہب ہی کے باب میں شہادت کے مسئلہ پر تمام عقلی احتمالات اور شکوک کا ازالہ ضروری کیوں تصور کیا جاتا ہے۔

واقعات پر یقین کیلئے اصلی بنیاد امکان اور عدم امکان کی بحث نہیں بلکہ روایت کے ثبوت اور عدم ثبوت کی ہے::

آج کل مغربی علم تاریخ اور فن روایات کا بڑا کارنامہ یہ اصول سمجھا جاتا ہے کہ جب کوئی واقعہ بیان کیا جائے تو سب سے پہلے اس پر غور کرو کہ کیا وہ ممکن بھی ہے؟ اور جب یہ طے ہو جائے تو روایت کے دوسرے پہلووں پر غور کرنا چاہیئے' لیکن یہ معلوم ہو چکا ہے کہ ہمارے تمام واقعی علوم' ہمارے تجربہ اور روایات ہی پر مبنی ہیں' اس لئے

کسی شے کے ممکن اور ناممکن ہونے کا فیصلہ محض مشاہدہ کی تحقیق پر ہی مبنی ہے' اس لئے علم تاریخ اور فن روایت کی بنیاد اس کے امکان اور عدم امکان کی بحث پر قائم نہیں ہے بلکہ جیسا کہ ہمارے علمائے اصول نے بتایا ہے صرف اس پر قائم ہے کہ آیا یہ واقعہ روایۃً صحیح بھی ہے یا نہیں؟۔

جس درجہ کا واقعہ ہو اسی درجہ کی شہادت ہونی چاہیئے ::

ہم کو اس اصول کی صحت سے انکار نہیں ہے کہ جس درجہ کا واقعہ ہو اسی درجہ کی شہادت بھی ہونی چاہیئے لیکن درجہ' نام کمیت اشخاص سے زیادہ کیفیت اشخاص کا ہے۔ ایک واقعہ کو چند آدمی بیان کرتے ہیں مگر ان کی راست گفتاری معرض بحث میں ہے لیکن ایک ایسا شخص اس کے خلاف اپنی روایت بیان کرتا ہے جسکی صداقت مسلم ہے جس کی راست گفتاری کا بار بار تجربہ ہو چکا ہے' جس کی سمجھ' حافظہ اور وثوق کا ہم کو علم ہے اور جس کی دوسری اخلاقی صفات جن کا روایت پر اثر پڑتا ہے' نہایت بلند ہیں تو ظاہر ہے کہ واقعہ کی حیثیت سے دوسری شہادت پہلی شہادت سے زیادہ قابل قبول ہے' راویوں کی ان صفات کی واقفیت کا روایات اسلامیہ کے سوا دنیا میں کسی اور قوم و مذہب کی روایات کے متعلق کوئی دعویٰ نہیں کیا جا سکتا' اس لئے دنیا کے اور مذاہب اور قوموں کی روایات کے مقابلہ میں اسلامی روایات کی ایک خاص اہمیت ہے۔

معجزات دراصل تجربیات کے خلاف نہیں ہوتے ::

اس موقع پر ایک اور مسئلہ کو بھی صاف کرنا ہے عام طور سے معجزات کی شہادت کے متعلق یہ کہا جاتا ہے کہ چونکہ معجزہ کی شہادت سینکڑوں' ہزاروں شہادتوں کے خلاف ہوتی ہے' اس لئے وہ ناقابل یقین ہے' یہ حقیقت میں ایک قسم کا مغالطہ ہے' ہزاروں لاکھوں شہادتیں اس بات کی بے شک ہیں کہ آگ نے فلاں فلاں موقع پر جلا دیا۔ اب جو شخص ایک معجزہ کو بیان کرتا ہے کہ فلاں موقع پر آگ نے نہیں جلایا تو یہ شہادت ان ہزاروں لاکھوں شہادتوں کے خلاف نہیں ہے بلکہ ان سے الگ ایک

واقعہ ہے' اس روایت سے ان لاکھوں ہزاروں شہادتوں کی مخالفت اور انکار اس وقت لازم تا کہ جن موقعوں کے متعلق یہ کثیر التعداد شہادتیں اپنا مشاہدہ بیان کرتی ہیں' ان کی تکذیب و تغلیط کی جاتی' دو شہادتوں کی باہمی ترجیح کا سوال اس وقت پیدا ہوتا ہے جب دونوں ایک ہی خاص واقعاہ کو مختلف نتیجوں کے ساتھ بیان کریں اور یہاں یہ صورت نہیں ہے' جن آگوں کے جلانے کے متعلق سینکڑوں شہادتیں موجود ہیں' معجزہ کا راوی ان کی تغلیط و تکذیب نہیں کرتا بلکہ ایک خاص آگ کی نسبت اپنا مشاہدہ بیان کرتا ہے جن کے متعلق ان کو نفیًا یا ثباتًا کوئی علم نہیں' مثلاً ایک طرف ایک شخص کی تنہا یہ شہادت ہوتی ہے کہ پیغمبر علیہ السلام کے ہاتھوں سے پانی کا چشمہ ابلنے لگا' دوسری طرف سینکڑوں ہزاروں آدمیوں کی یہ شہادت ہوتی کہ نہیں ایسا واقعہ نہیں ہوا تو بے شک اس موقع پر دوسری شہادت کو پہلی شہادت پر ترجیح دی جاسکیت اور تمام مسلمان اس کے فلئے تیار ہفیں کہ اگر کیف معجزہ نبوی کے متعلق اس قسم کی مخالف شہادت موجود ہو تو وہ اس معجزہ کو صحیح معجزات نبویؐ کی فہرست سے خارج کر دیں گے۔

معجزات کا ثبوت روایتی شہادتیں ہیں::

الغرض معجزہ کی شہادت کے متعلق اصل بحث یہ نہیں کہ یہ ممکن ہے یا ناممکن بلکہ اصل بحث یہ ہے کہ یہ شہادت کس درجہ کی ہے؟ اور اس کے رواۃ کی صحیح البیانی کا کیا پایہ ہے؟ اس کے لئے صحابہ کرام اور تابعین عظام کی راستی' دیانت صدق مقال اور ان کی اخلاقی زندگی کے دیگر پہلوؤں کے مطالعہ کی حاجت ہے اور یہی شے ہے جو معجزات کی شہادت کو طاقتور یا کمزور بنا سکتی ہے اور یہی ہمارے محدثین اور اہل اصول کا قانون شہادت ہے اور اسی طریق سے اہل سنت والجماعت معجزہ کو ثابت کرتے ہیں۔ علامہ ابو منصور عبد القادر بغدادی اشعری کتاب الفرق میں اہل سنت کا مسلک لکھتے ہیں۔

وبهذا النوع من الاخبار (المستفيض) علمنا
معجزہت نبيا صلى الله عليه و سلم في انشقاا
القمرو تسبيح الحصافي يده وحنين الجذع اليه
لمافارقه و اشباعه الخلق الكثير من الطعام اليسير
نحو ذلك من معجزاته (ص ۲۱۴ مصر)

اسی خبر مشہور کے ذریعہ سے ہم نے آنحضرت ؐ کے معجزات کو جانا' مثلاً شق قمر' دست مبارک میں کنکریوں کا تسبیح پڑھنا' شاخ خرما کا گریہ و بکار کرنا اور تھوڑے کھانے سے بہت سے لوگوں کو سیر کر دینا وغیرہ۔

خلاصہ مباحث::

گزشتہ صفحات میں جو کچھ کہا گیا ہے اس کا خلاصہ حسب ذیل سطروں میں کیا جا سکتا ہے۔

(۱) معجزہ خرق عادت اور قاعدہ علت و معلول کی ارتقائی شکست کا نام ہے جس کو اللہ تعالٰی اپنے کسی پیغمبر کی سچائی کی نشانی کے طور پر لوگوں میں ظاہر کرتی ہے۔

(۲) خرق عادت اور قاعدہ علت و معلول کی شکست ممکن بلکہ واقع ہے۔

(۳) کیونکہ عادات طبعی اور سلسلہ علل و معلول کا علم ہم کو تجربہ سے ہوا ہے۔

(۴) اور تجربہ سے جو علم حاصل ہو اس کی کلیت اور عمومیت عقلی کا دعویٰ نہیں کیا جا سکتا اس لئے اس سے معجزہ کے محال ہونے پر استدلال نہیں کیا جا سکتا۔

(۵) تجربہ کی بنیاد ذاتی مشاہدہ یا دوسرے مشاہدہ کرنے والوں کی شہادت پر ہے۔

(۶) اس لئے معجزہ کا ثبوت ذاتی مشاہدہ کرنے والوں کی شہادت پر ہے۔

(۷) اسلامی روایات اور صحیح معجزات نبویؐ کی شہادت اس قدر بلند رہے کہ دنیا کی کوئی تاریخ روایت اس کا مقابلہ نہیں کر سکتی اور اس سے معجزات اور خوارق عادت کا

وقوعی ثبوت بہم پہنچتا ہے۔

یقین معجزات کے اصول نفسی::

اب تک جو کچھ کہا گیا ہے اس کا خطاب فلسفہ اور منطق سے تھا لیکن ظاہر ہے کہ عملی دنیا کا کاروبار ارسطو کے بنائے ہوئے اصول وقواعد پر نہیں چل رہا ہے بلہ خالق فطرت اپنے وضع کردہ اصول وقواعد پر اس کو چلا رہا ہے' واقعات کسی حد تک تعجب انگیز اور دوراز عقل ہوں تاہم انسانوں کی بڑی تعداد دلیل و برہان منطقی کے بغیر صدق دل سے ان پر یقین رکھتی ہے' کسی واقعہ پر یقین رکھنے کے لئے اس کا فہم انسانی میں آ جانا اور عقل و استدلال کی میزان میں اس کا پورا اتر جانا ضروری نہیں ہے ایک طبیعی فلسفی سے لے کر عامی تک مادہ کے وجود پر یقین رکھتا ہے' حالانکہ استدلال سے اس کا وجود ثابت نہیں کیا جا سکتا' یہ روزمرہ کا مشاہدہ ہے کہ ایک واقعہ کی جب روایت کی جاتی ہے تو کچھ لوگ بے دلیل اس کو فوراً تسلیم کرتے ہیں اور بعض لوگ ایسے ہوتے ہیں کہ استدلال اور برہان کے باوجود اس کے تسلیم کرنے کو تیار نہیں ہوتے' اگر استدلال کی قوت سے وہ خاموش بھی ہو جائیں تو ان کے دل کو تسلی نہیں ہوتی جو اشخاص کسی جماعت یا ملک کے اندر کام کرتے ہیں ان کی سچائی اور خلوص و ایثار کے متعلق سب لوگوں کی رائے برابر نہیں ہوتی۔ ایک جماعت جس زور وقوت سے ان کے صدق و اخلاص پر ایمان رکھتی ہے' دوسری جماعت اسی زور وقوت کے ساتھ ان کو خائن اور ریا کار جانتی ہے' حالانکہ دونوں کے سامنے ان کے اعمال کا ایک ہی نقشہ پیش رہتا ہے مگر نتائج مختلف ہوتے ہیں اور دو میں سے کوئی اپنے دعویٰ پر کھلے دلائل نہیں رکھتا' اس لئے ایمان وکفر اور یقین وشک کے وجوہ منطقی طرز استدلال سے نہیں بلکہ زیادہ تر نفسیاتی اصول وقواعد سے ماخوذ ہیں۔

امام غزالیؒ اور یقین اور اذعان کی صورتیں::

امام غزالی نے الجام العلوم میں اس مسئلہ پر تفصیل سے بحث کی ہے (۱)۔ کہ واقعات

کا اذعان اور یقین ہمارے اندر کیونکر پیدا ہوتا ہے وہ کہتے ہیں کہ عام مسلمانوں کو علم کلام کی ضرورت نہیں، لیکن اگر کوئی یہ کہے کہ ہم کو خدا نے اپنی توحید و صفات وغیرہ پر ایمان لانے کا حکم دیا ہے اور یہ باتیں بدیہی نہیں کہ ان کے لئے دلائل کی ضرورت نہ ہو، اسی طرح ہم کو پیغمبر کی تصدیق کی ضرورت ہے اور یہ تصدیق مسئلہ معجزات پر غور و فکر

---

(۱) ۔ الجام العوام عن علم الکلام ص ۳۹۰ مصر ۔

کئے اور معجزہ کی حقیقت اور شرائط کے جائے بغیر ممکن ہی نہیں اس بنا پر علم کلام کی اشد ضرورت ہے، تو امام صاحب اس کے جواب میں کہتے ہیں کہ عام مخلوق کو صرف ان چیزوں پر ایمان لانا فرض ہے اور ایمان اس یقین جازم کا نام ہے جس میں تردد اور شک نہ ہو اور اس میں خطا اور غلطی کا خیال اس کو نہ ہو، اس یقین جازم کے چھ درجے ہیں جو چھ مختلف طریقوں سے حاصل ہوتے ہیں ۔

(۱) پہلا درجہ اس یقین کا ہے جو ایسے دلائل سے حاصل ہو، جن میں برہان کے تمام منطقیانہ شرائط ایک ایک کر کے پائے جائیں اور ان دلائل کے مقدمات کا ایک ایک حرف اچھی طرح جانچ لیا گیا ہو ۔ یہاں تک کہ کسی میں شک و شبہ اور غلطی و التباس کا احتمال نہ رہا ہو، اس اصول کے مطابق تو بہت کم لوگ ایسے ہو سکتے ہیں جن کو یقین کا یہ مرتبہ نصیب ہو سکے، بلکہ ہر زمانہ میں ایک دو آدمی سے زیادہ اس معیار پر پورے نہیں اتر سکے، اگر نجات صرف اسی یقین پر منحصر ہو تو نجات پانے والوں کی تعداد بہت ہی کم ہو گی، بلکہ انسانوں کے لئے دنیا کے واقعات پر یقین کرنے کی بہت کم گنجائش نکل سکے گی اور شاید ریاضیات کے علاوہ کہیں اور اس صورت یقین کا پیدا کرنا محال نہیں تو مشکل ضرور ہے ۔

(۲) دوسرا طریقہ یہ ہے کہ ان مسلمات سے یقین حاصل ہو جن کو عام طور سے لوگ مانتے ہیں اور ارباب عقل کے حلقوں میں وہ مقبول و مشہور ہیں، جن میں شک کا

اظہار کرنا لوگ معیوب سمجھتے ہیں اور نفوس انسانی انکے انکار سے اباہ کرتے ہیں' ان مقدمات سے استدلال بعض لوگوں میں ایسا یقین جازم پیدا کرتا ہے کہ اس میں کسی قسم کا تزلزل راہ نہیں پا سکتا۔

(۳) تیسری صورت یہ ہے کہ ان خطابیات کے ذریعہ سے یقین پیدا کیا جائے جن کو لوگ عام بول چال اور عملی کاروبار میں استعمال کیا کرتے ہیں اور عادۃ ان کو صحیح سمجھتے ہیں۔ اگر طبع انسانی میں خاص طور سے اس مسئلہ کی طرف غیر معمولی انکار یا شدید ی تعصب نہ ہو اور سامع میں تشکیک' مناظرہ اور خواہ مخواہ کرید اور حجت کی عادت نہ ہو اور اس کی ظرف فطرت صالحہ سادہ اور صاف ہو تو اس طریقہ سے اکثر افراد انسانی کو یقین کی دولت ہاتھ آ سکتی ہے اور اس لئے قرآن مجید نے اس طرز استدلال سے اکثر کام لیا ہے۔

(۴) چوتھی صورت یہ ہے کہ جس شخص کی دیانت اور ایمانداری پر یقین ہو اور اس پر کامل اعتماد ہو' بکثرت لوگ اس کے مداح ہوں یا تم خود اپنے ذاتی تجربہ کی بناء پر اس کی ہر بات کو صحیح باور کرتے ہو تو اس کا کہنا تمہارے اندر یقین پیدا کر دیتا ہے جیسے اپنے بزرگوں اور استادوں اور مرشدوں کے بیان کا لوگ حرف بحرف یقین کر لیتے ہیں' ایک بڑا شخص کسی کی موت کی خبر دیتا ہے تو ہر شخص اس کو باور کر لیتا ہے' اسی طرح اگر کسی شخص کو کسی کی سچائی اور پاکیزگی اور زہد و تقوٰی کا یقین ہو جائے تو وہ بلا پس و پیش اس کی ہر بات کو صحیح تسلیم کر لے گا۔ چنانچہ حضرت صدیق ~رضی~ (یا اور کابر صحابہ ~رضی) ~ کو آنحضرت ؐ کے ساتھ جو حسن اعتقاد تھا وہ اسی قسم کا تھا اس لئے آپ ؐ جو کچھ فرماتے تھے ان کو اس کے باور کرنے میں کسی دلیل و برہان کی حاجت نہ تھی۔

(۵) حصول یقین کا پانچواں طریقہ یہ ہے کہ روایت کی صورت حال کی ایسے دوسرے قرائن سے تصدیق ہو جن سے گو ایک مناظرہ پسند اور حجت طلب شخص کی

تشفی نہ ہو، مگر عام اشخاص کی ان سے تسلی ہو جاتی ہے مثلاً اگر شہر میں یہ خبر عام پھیلی ہوئی تھی کہ امیر شہر بیمار ہے' اسی اثنا میں قلعہ سے گریہ و بکا کی آوازیں بلند ہوئیں اور ایک شاہی غلام نے آ کر روایت کی امیر نے وفات پائی تو اس روایت کے تسلیم کر لینے کمیں عام لوگوں کو کوئی جائے انکار نہیں رہتی' گو اس کی صحت کی راہ یں آپ بیسیوں احتمالات پیدا کرتے رہیں' یہی سبب ہے کہ اتنے اعرابی تھے جنہوں نے ایک دفعہ آنحضرت ؐ کے چہرہ مبارک کی طرف دیکھا یا آپ ؐ کی دلاویز اور پر اثر باتیں سنیں یا آپ ؐ کے اخلاق کریمانہ کو مشاہدہ کیا اور بے دلیل و برہان آپ ؐ کی نبوت پر ایمان لے آئے (کیونکہ انہوں نے پہلے آپ کی نبوت کا چرچا تو سنا تھا لیکن اس دعویٰ کی صداقت نے ان کے دل میں پوری طرح گھر نہیں کیا تھا مگر جب اتفاق سے آپ کے دیدار کا ان کو موقع ملا تو قرائن حال اور آثار قیافیہ کے ذریعہ سے نیک و بد اچھے برے کی تمیز کا جو ایک خاص جوہر انسان میں ودیعت ہے اس نے فیصلہ کر دیا کہ یہ دعویٰ صحیح ہے یا غلط)

(۶) چھٹا طریقہ یہ ہے کہ جو روایت بیان کی جائے' اگر وہ سامع کے مزاج' اخلاق اور خواہش کے مطابق اور مناسب ہو تو اس کے صحیح تسلیم کر لینے میں اس کو کبھی پس و پیش نہ ہو گا۔ اس حصول یقین میں نہ تو حسن اعتقاد کی ضرورت ہے اور نہ قرئن و آثار کی تائید کی۔ یہ فطری اور طبعی مناسبت خود حصول یقین کے لئے کافی ہے (یہی سبب ہے کہ سابقین اسلام میں وہی صحابہ داخل ہیں جو فطرۃ نیک اور طبعاً راستی پسند اور جویائے حق تھے)

ان ہی مختلف طریقوں سے لوگ یقین اور اذعان کا جذبہ اپنے اندر پیدا کرتے ہیں اور یہی طریقے کیمیات اور معجزات پر بھی یقین کرنے کے ہیں۔

معجزہ اور سحر کا فرق::

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ معجزہ سے جس طرح عجیب و غریب امور صدر ہوتے ہیں

سحر، طلسم، نیرنگ، شعبدہ سے بھی اس قسم کی باتیں دکھائی جا سکتی ہیں۔ سحر و طلسم کے الفاظ اگر اس بیسیوں صدی میں مکروہ معلوم ہوں تو ان کے معنی مسمریزم اور ہپنوٹزم کے سمجھ لئے جائیں۔ ایسی صورت میں ایک پیغمبر اور ایک ساحر و شعبدہ باز اور مسمرائزر کے درمیان کیا فرق ہوگا؟ یہ سوال ہے جس پر علم کلام میں بڑی بڑی بحثیں ہیں، معتزلہ اور ارباب ظواہر میں علامہ ابن حزم کا یہ دعویٰ ہے کہ معجزہ کے علاوہ سحر و طلسم و شعبدہ وغیرہ جو چیزیں ہیں ہو صرف فریب نظر ہیں لیکن معجزہ سے قلب حقیقت اور تبدیل خاصیت ہو جاتی ہے۔ اشاعرہ سحر و طلسم کی حقیقت کو تسلیم کرتے ہیں لیکن یہ کہتے ہیں کہ معجزہ سے جو عظیم الشان عجائب سرزد ہوتے ہیں۔ مثلاً سمندر کا خشک ہونا، چاند کا شق ہو جانا وغیرہ، یہ چیزیں سحر و طلسم کے زور سے نہیں ہو سکتیں، حکمائے اسلام کا مسلک یہ ہے کہ معجزہ اور سحر میں فرق یہ ہے کہ صاحب معجزہ اپنی قوت کو خیر میں صرف کرتا ہے اور ساحر شر میں۔

لیکن حقیقت یہ ہے کہ ان جوابات سے اشکال کی اصل گرہ نہیں کھلتی، ایک شخص اپنے دعویٰ کے ثبوت میں بظاہر ایک خارق عادت کرشمہ پیش کرتا ہے، اب اس پر یہ بحث کہ یہ دھوکہ اور نظر بندی ہے یا رمز الٰہی ہے یا معمولی کام ہے یا عظیم الشان کارنامہ ہے نہایت مشکل ہے، کیونکہ ان اشیاء کے وقوع میں کوئی ظاہری امتیاز نمایاں نہیں ہو سکتا، نیز اس کا فیصلہ کہ یہ قوت خیر میں صرف ہوئی یا شر میں، یا یہ کہ ضروری ہے کہ خوارق عادت محل خیر میں صرف ہوں یا محل شر میں، اس کے علاوہ کوئی تیسری نہیں ہو سکتی، بہت کچھ قابل بحث ہے۔ ایک مسمریزر اپنی قوت سے بعض بیماریوں کو دور کر دیتا ہے اور اس سے غریبوں کا علاج کرتا ہے، یہ تو خیر اور نیکی کی چیز ہے تو کیا آپ اس کو معجزہ کہہ دیں گے؟

اصل یہ ہے کہ معجزہ اور دیگر عجائبات امور میں دو عظیم الشان فرق ہیں، ایک یہ کہ معجزہ براہ راست خدا کا فعل ہوتا ہے اور دوسرے عجائب امور اسباب طبعی و نفسی کے نتائج

ہوتے ہیں' دوسرے یہ کہ معجزہ سے مقصود اعدائے دعوت الٰہی کی ہلاکت یا مبلغ رسالت کی تائید اور مومنین صادقین کی حمایت اور برکت ہوتی ہے' محض کھیل تماشہ شعبدہ بازی اور بازی گری اس کا مقصد نہیں ہوتی اور اب سب سے آخری شے جو ان دونوں کے درمیان حد فاصل بن جاتی ہے یہ ہے کہ ساحرو بازی گر و شعبدہ باز صرف تماشا' کرتب اور عجائبات دکھاتے ہیں اس کے ساتھ وہ اپنی زندگی کی پاکیزگی' ارادوں کی بے گناہی' دلوں کی طہارت اور صفائی' شریعت الٰہی کی تبلیغ' قلوب کے تزکیہ اور سیہ کاریوں کے قلع وقمع کے نہ وہ مدعی ہوتے ہیں اور نہ یہ خواص اور کارنامے ان سے ظاہر ہوتے ہیں لیکن انبیاء علیہم السلام کی معصوم زندگی' پاک اخلاق' مقدس اعمال اور دیگر پیغمبرانہ خصائص و کیفیات خود ان کی نبوت کی منادی کرتے رہتے ہیں' قدم قدم پر خدا ان کی دعوت کی تائید کرتا ہے' ان کی صدائے حق' جماعتوں اور قوموں اور ملکوں میں روحانی انقلاب پیدا کر دیتی ہے۔ ان کی سچائی اور صداقت پر ان کے سوانح حیات کا حرف حرف گواہ ہوتا ہے وہ سونے چاندی پر نہیں بلکہ دلوں پر اخلاص و ایثار اور صدق و صفا کی مہر لگاتے ہیں' ایک ساحر اور مسمریزر خواص اشیاء میں انقلاب پیدا کر سکتا ہے مگر کافر کو مومن' بدکار کو عفیف' بے باک کو متقی' بخیل کو فیاض' سخت کو نرم اور جاہل کو عالم نہیں بنا سکتا' وہ لوہے کو زر خالص کی صورت میں بدل سکتا ہے لیکن کسی زنگ آلود دل جو جلا نہیں دے سکتا۔

یہ ظاہری اشتباہ اور التباس صرف نبی اور ساحر و متنبی (جھوٹے پیغمبر) ہی میں نہیں ہے بلکہ دنیا کی ہر حقیقت اسی طرح اپنے مقابل سے مشتبہ اور رلی جلی ہوئی ہے۔ صبر اور بے حمیتی' توکل اور کاہلی' بخل اور کفایت شعاری' سخاوت اور اسراف' حق گوئی اور گستاخی' شجاعت اور تہور' ان کے ڈانڈے باہم اس قدر ملے ہوئے ہیں کہ انسان کی قوت ممیزہ کبھی کبھی دھوکہ کھا جاتی ہے' لیکن اہل نظر ان دونوں حقیقتوں کے ظاہری تشابہ سے فریب میں نہیں آتے۔ ان دونوں کی ظاہری شکل وصورت گو ایک ہو مگر ان

دونوں کے خصائص و آچار اس درجہ متفاوت اور متمائز ہیں کہ وہ ایک دوسرے کے حدود اور فرق و امتیاز کو فوراً پہچان لیتے ہیں' جب پیغمبر اپنا معجزہ اور جادوگر اپنا کرتب دکھاتے ہیں تو ظاہری حیرت زائی کے لحاظ سے عوام کے نزدیک ایک لمحہ کے لئے گو دونوں ایک ہوں مگر جب حقیقت کا پردہ چاک ہو جاتا ہے تو ایک اخلاق کا مجسمہ' پاکیزگی کا فرشتہ' شریعت کا حامل' گنہگاریوں کا طبیب اور قلوب کا معالج ہوتا ہے اور دوسرا محض تماشا گر یا شعبدہ باز یا مصنوعی حیلہ گر اور نقال۔

ایک عطائی اور طبیب حاذق' ایک معمولی سپاہی اور بہادر جنرل' ایک حرف شناس اور ماہر علوم' ایک مکار اور زاہد' ایک مصنوعی اور حقیقی صوری کے درمیان شاید عوام کبھی فرق نہ کرسکیں' مگر جب ان دونوں کے آثار و خصائص اور علامات و قرائین باہم ملائے جائیں تو ظلمت و نور کی طرح ان دونوں میں علانیہ فرق محسوس ہو جاتا ہے۔

مولانائے روم نے اس فرق مراتب کو مثنوی میں نہایت عمدہ تشبیہات کے ذریعہ سے ظاہر کیا ہے فرماتے ہیں!

صد ہزاراں ایں چنیں اشباہ بیں
فرق شاں ہفتاد سالہ راہ بیں

اس طرح کی لاکھوں ہم شکل چیزیں ہیں' لیکن ان میں کوسوں کا فاصلہ ہے۔

ہر دو صورت گر بہم ماند رواست
آب تلخ و آب شیریں را صفاست

دونوں کی صورتیں اگر باہم مشابہ ہوں تو کچھ حرج نہیں' میٹھا اور تلخ پانی دونوں کا رنگ ایک ہی طرح صاف ہوتا ہے۔

ہر دو یک گل خوردہ زنبور و نحل
لیک شد زاں نیش و زیں و گر عسل

بھڑ اور شہد کی مکھی ایک ہی پھول چوستی ہیں لیکن ایک سے زہر اور ایک سے شہد پیدا

ہوتا ہے۔

ھر دو گون آھو گیا خورد ند و آب
زیں یکے سرگیں شد و ازاں مشک ناب

دونوں قسم کے ہرن ایلک ہی گھاس کھاتے اور ایک ہی پانی پیتے ہیں مگر اس سے مینگنی اور اس سے مشک پیدا ہوتا ہے۔

ھر دو نے خوردند از یک آب خور
آن یکے خالی دآن پر از شکر

دونوں قسم کی نے ایک پانی سے پرورش پاتی ہیں لیکن ایک مزہ سے خالی اور دوسرے سے شکر پیدا ہوتی ہے۔

ایں خورد زائد' ھمہ بخل و حسد
وآن خورد آید ھمہ نور احد

ایک آدمی غذا کھاتا ہے تو اس سے بخل وحسد پیدا ہوتا ہے اور دوسرا وہی غذا کھاتا ہے تو اس سے خدائی نور پیدا ہوتا ہے۔

ایں زمیں پاک ست و آن شورست دید
ایں فرشتہ پاک و آن دیو است رود

یہ زمین سیر حاصل ہے اور وہ بری اور بنجر ہے' یہ مقدس فرشتہ ہے اور وہ شیطان اور جانور

بحر تلخ و بحر شیریں درمیاں
درمیان شان "برزخ لایبغیان"

شیریں اور تلخ سمندر ملے ہوئے ہیں مگر ان کے درمیان ایک حد فاصل ہے جس سے تجاوز نہیں کر سکتے۔

زر قلب و زر نیکو در عیار

بے محک ہرگز نہ دانی ز اعتبار

کھوٹے اور کھرے ہونے کی تمیز، کسوٹی کے بغیر نہیں ہوسکتی۔

صالح و طالح بہ صورت مشتبہ

دیدہ بکشای کہ گروی منتبہ

نیک اور بدکار کی صورتیں ملتی جلتی ہیں، آنکھیں کھولو تو تمیز ہوسکے گی۔

بحر رانیمیس شیریں چو شکر

طعم شیریں، رنگ روشن چوں قمر

دریا کا آدھا حصہ شکر کی طرح شیریں ہے، مزا میٹھا اور رنگ چاند کی طرح سپید ہے۔

نیک دیگر تلخ ہم چو زہر مار

طعم تلخ و رنگ مظلم قیر دار

دوسرا نصف حصہ سانپ کے زہر کی طرح ہے مزہ کڑوا اور رنگ تارکول کی طرح سیاہ ہے۔

اے بسا شیریں کہ چو شکر بود

لیک زہر اندر شکر مضمر بود

بہت سی ایسی چیزیں ہیں جو شکر کی طرح میٹھی ہیں لیکن اس کے باطن میں زہر چھپا ہو ہے۔

جز کہ صاحب ذوق نشانا سدبیاب

او شناسد آب خوش از شور آب

صاحب ذوق کے سوا اور کون پہنچان سکتا ہے وہی تمیز کرسکتا ہے کہ یہ پانی میٹھا ہے اور یہ کھاری۔

جز کہ صاحب ذوق بشناسد طعوم

شہد را نا خوردہ کے دانی زموم

صاحب ذوق کے سوا مزہ کی تمیز اور کون کرسکتا ہے جب تک شہد کو نہ کھاؤ موم اور شہد میں کیونکر تمیز کر سکتے ہیں۔

سحر را با معجزہ کردہ قیاس
ہر دو را بر مکر پندارد اساس

اس نے سحر کو معجزہ پر قیاس کیا اور سمجھا کہ دونوں کی بنیاد فریب پر ہے۔

زر قلب و زر نیکو در عیار !
بے محک ہرگز نہ دانی ز اعتبار

تم کھوٹے اور کھرے سونے کی کسوٹی کے بغیر تمیز نہیں کر سکتے۔

ہر کرا در جان خدا بنہد محک
ہر یقین را باز داند او زشک

خدا نے جس کی روح میں کسوٹی رکھی ہے وہی یقین اور شک میں تمیز کر سکتا ہے۔

چوں شود از رنج و علت دل سلیم
طعم صدق و کذب را باشد علیم !

جب آدمی کے دل میں بیماری نہیں ہوتی تو وہ صدق اور کذب کے مزے کو پہچانتا ہے۔

اب صرف یہ شبہ رہ جاتا ہے کہ جو قوت حیرت زا خوارق کی قدرت رکھتی ہے اس کا رخ بھی نہایت آسانی کے ساتھ بدلا جا سکتا ہے، یعنی ساحر بے تکلف اپنی ساحرانہ قوت کو دنیا کے تزکیہ اخلاق و اصلاح عالم میں صرف کرسکتا ہے اور اس سے کوئی محال عقلی لازم نہیں آتا، لیکن امکان عقلی اور امکان واقعی دو مختلف چیزیں ہیں۔

یہ عقلاً ممکن ہے کہ ہر شخص بادشاہ ہو سکتا ہے، عالم عصر ہو سکتا ہے، کشور کشا ہو سکتا ہے مگر واقعاً اور عملاً یہ قدرت ہر شخص کو حاصل نہیں ہوتی۔

اس لئے ساحر محض ایک تماشہ گر ہوتا ہے، اس میں یہ قدرت ہی نہیں ہوتی کہ وہ اس

قوت سے تزکیہ نفوس تطہیر اخلاق اور اصلاح عالم کا کام لے سکے' یہی وجہ ہے کہ آج تک کسی ساحر اور شعبدہ گر نے اصلاح عالم کا فرض ادا نہیں کیا' لیکن پیغمبر اپنے معجزانہ کارناموں سے دنیا کو الٹ دیتا ہے' بدی کے کانٹوں کو ہٹا کر نیکی کے گل و ریحان سے اس خاکدان عالم کو سجا دیتا ہے۔

معجزہ دلیل نبوت ہوسکتا ہے یا نہیں::

اسی تقریر سے یہ مسئلہ بھی حل ہو جاتا ہے کہ معجزہ دلیل نبوت ہے یا نہیں؟ اشاعرہ کا جواب اثبات میں اور معتزلہ کا نفی میں ہے' اس مسئلہ پر سب سے زیادہ سیر کن بحث ابن رشد نے ''کشف اولہ'' میں کی ہے اور ثابت کیا ہے کہ معجزہ دلیل نبوت نہیں ہو سکتا' کیونکہ منطقیانہ حیثیت سے دعویٰ اور دلیل میں مناسبت کا ہونا ضروری ہے اور معجزہ اور نبوت میں کسی قسم کی مناسبت نہیں پائی جاتی۔ مثلاً جب ایک شخص نبوت کا دعویٰ کرتا ہے تو اس کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ وہ خدا کی طرف سے قوم کے عقائد و اعمال اور اخلاق کی اصلاح کے لئے مبعوث ہوا ہے لیکن جب اس سے اس دعوے کی تصدیق کے لئے دلیل طلب کی جاتی ہے تو وہ خشک چشمے کو پانی سے لبریز کرتا ہے' چاند کو ٹکڑے کر دیتا ہے' لاٹھی کو سانپ بنا دیتا ہے' یہ تمام واقعات اگرچہ نہایت عجیب وغریب ہیں لیکن ان دلائل کو دعوے کے ساتھ کیا مناسبت ہے۔

فرض کیجئے کہ ایک شخص دعویٰ کرتا ہے کہ وہ فلسفہ و ریاضی کا بہت بڑا ماہر ہے اور اس کے ثبوت میں انسان کو جانور اور جانور کو انسان بنا دیتا ہے تو اس واقعہ سے اس کے فلسفہ اور ریاضی کا کمال کیونکر ظاہر ہوسکتا ہے اشاعرہ اس کا جواب یہ دیتے ہیں کہ نبوت علم و عمل کے مجموعہ کا نام ہے اور جو شخص نبوت کا دعویٰ کرتا ہے اس کی نسبت یہ تسلیم کرلیا جاتا ہے کہ وہ ان دونوں چیزوں میں کمال رکھتا ہے اور اسی کمال کے اظہار کے لئے معجزہ طلب کیا جاتا ہے اور انبیاء کے معجزات اگرچہ مختلف قسم کے ہوتے ہیں تاہم ان کو صرف دونوں میں شمار کیا جاتا ہے' اخبار بالغیب اور تصرف فی

الکائنات سے اس کی عملی قوت ظاہر ہوتی ہے۔ ایک اور مناسبت یہ ہے کہ معجزہ خرق عادت کا نام ہے' اس میں کوئی نزاع نہیں کہ اشیاء اور حقائق کے خصائص اور علل' خدا کے امر و حکم سے ہیں' اب جو شخص ان خصائص و علل کو اپنے معجزہ سے توڑ دیتا ہے' وہ گویا اس فبات کا ثبوت دیتا ہے کہ جس برتر ذات نے ان اسباب و علل کو بنایا ہے وہی اس کو توڑ سکتی ہے اور یہ شکست و خرق چونکہ اسکے واسطہ سے ظاہر ہوا ہے' اس سے ثابت ہوتا ہے کہ وہ اسی کا فرستادہ ہے' اس کی مثال یہ ہے کہ ایک بادشاہ اپنی رعایا کے پاس قاصد بھیجتا ہے' رعایا پوچھتی ہے کہ اس بات کا کیا ثبوت ہے کہ تم بادشاہی قاصد ہو؟ وہ اسکے جواب میں بادشاہ کی انگوٹھی اور مہر پیش کرتا ہے' اگرچہ ظاہر ہے کہ قاصد کے دعوائے پیامبری کو مہر اور انگوٹھی سے براہ راست کوئی مناسبت نہیں' لیکن یہ مناسب یوں ظاہر ہو جاتی ہے کہ یہ مہر اور انگوٹھی بادشاہی کی نشانی ہے جو ایک معمولی قاصد کے ہاتھ میں نہیں ہو سکتی' اس سے معلوم ہوا کہ وہ بادشاہ کی طرف سے نشانی دے کر بھیجا گیا ہے۔

علم کلام کی کتابوں میں ایک عام مثال یہ دی جاتی ہے کہ ہر شخص کو معلوم ہے کہ شاہی دربار اور جلوس کے رسول و آداب خاص ہوتے ہیں' بادشاہ دربار میں معمولی فرش پر نہیں بلکہ طلائی و نقرئی تخت پر بیٹھا ہے' جلوس میں وہ پا پیادہ نہیں بلکہ سوار ہو کر نکلتا ہے' ایک شخص بادشاہ کی طرف سے قاصد بن کر مجمع عام میں آتا ہے' یہ مجمع اس کو شاہی پیامبر تسلیم کرنے سے انکار کرتا ہے' قاصد بادشاہ سے کہتا ہے کہ اے بادشاہ! اگر میں حقیقتہً تیرا فرستادہ ہوں تو رسم و عادات کے خلاف تو فرش پر جلوس فرما اور پیادہ پا نکل' بادشاہ اس کے مطابق دربار میں فرش پر جلوس کرتا ہے اور پیادہ پا چلتا ہے' بادشاہ کا یہ عمل یقیناً اس بات کی تصدیق ہوگی کہ وہ شاہی قاصد ہے' اسی طرح دنیا کے اسباب و علل' اس دنیا میں خدا کی بادشاہی کے رسول و عادات ہیں' پیغمبر اس بات کا مدعی ہوتا ہے کہ وہ خدا کی طرف سے آیا ہے' کفار اس کے قاصد الٰہی ہونے سے انکار کرتے

ہیں، وہ کہتا ہے اے خدا! اگر میں حقیقتاً تیرا فرستادہ ہوں تو اپنے رسوم و عادات کے خلاف معجزہ اور خرق عادت دکھا، وہ دکھاتا ہے، یہ اس بات کی دلیل ہے کہ وہ خدا کی طرف سے آیا ہے۔

لیکن معجزہ اگر دلیل نبوت ہے تو منطقی حیثیت سے یہ کس قسم کا استدلال ہے، ظاہر ہے کہ اس کو برہان یقینی نہیں کہا جاسکتا تاہم دلیل کا انحصار صرف برہانیت میں نہیں ہے بلکہ اس کی اور بھی متعدد قسمیں ہیں اور معجزہ ان مقدمات میں داخل ہوسکتا ہے، ابن رشد نے کشف الادلہ میں معجزہ کو خطابیات میں داخل کیا ہے، یعنی معجزہ اگرچہ نبوت پر بالذات یقینی طور پر دلالت نہیں کرتا، تاہم جب کوئی پیغمبر سلسلہ کائنات میں عجیب و غریب تصرف کرتا ہے تو اس کو دیکھ کر ہر شخص اس کے کمال روحانی کا اعتراف کرتا ہے اور سمجھتا ہے کہ جو شخص ان عظیم الشان تصرفات کی قدرت رکھتا ہے وہ ضرور اپنے دعویٰ میں صادق ہوگا، ان دونوں نتائج یعنی تصرف فی الکائنات اور اصلاح روحانی میں اگرچہ باہم کوئی تلازم نہیں تاہم عوام کی دلفریبی کے لئے یہ کافی ہے، لیکن اس سے زیادہ صحیح یہ ہے کہ یہ جدل ہے جس میں مسلمات خصم سے استدلال کیا جاتا ہے اور تاریخی حیثیت سے معجزات کو قیاس جدل کہنا زیادہ موزوں ہوگا، زمانہ قدیم سے یہ خیال چلا آتا ہے کہ جو لوگ پیغمبر ہوتے ہیں، ان میں کوئی نہ کوئی مافوق الفطرت قوت ضرور ہوتی ہے اور وہی پیغمبر کو عام لوگوں سے ممتاز کرتی ہے، اس بناء پر جب کوئی پیغمبر کسی قوم میں مبعوث ہوتا ہے تو اس موروثی اور مسلمہ عقیدہ کی بنا پر تمام لوگ اس سے معجزہ طلب کرتے ہیں اور پیغمبر کو مجبوراً دکھانا پڑتا ہے، یہ معجزہ اگرچہ ایک فلسفی کے لئے دلیل و حجت نہیں ہوسکتا، تاہم جو لوگ یہ تسلیم کرتے ہیں کہ معجزہ دلیل نبوت ہے اور ان ہی کے طلب و اسرار سے اس معجزہ کا ظہور ہوا ہے، ان کو اس کے ذریعہ سے ساکت کیا جاسکتا ہے اور وہ ان کے لئے دلیل ہوسکتا ہے، لیکن حقیقت یہ ہے کہ اشاعرہ اور معتزلہ کے درمیان اس بحث میں غلط مبحث ہوگیا ہے۔

اشاعرہ کا یہ کہنا کہ معجزہ دلیل نبوت ہے' اس کے یہ معنی نہیں ہیں کہ وہ منطقی دلیل ہے اور معتزلہ کا اعتراض اسی وات درست ہوسکتا ہے جب اشاعرہ اس کو منطقی دلیل کہیں' دلیل کا لفظ یہاں منطقی محاورہ میں نہیں بلکہ عام اور لفظی معنی (نشان) میں استعمال ہوا ہے' اس بناپر جب معجزہ سرے سے دلیل منطقی ہی نہیں تو یہ تلاش کہ وہ انواع دلیل کی کس قسم میں داخل ہے' بے سود ہے' چنانچہ اشاعرہ خود کہتے ہیں کہ معجزہ کی دلالت نبوت پر دلالت عقلی نہیں بلکہ عادی ہے' شرح مواقف بحث معجزات میں ہے۔

وهذه الدلالة ليست دلالة عقلية لحضية كدلالة الفعل على وجود الفاعل ودلالة احكامه واتقانه على كونه عالما بما صدر عنه فان الادلة العقلية ترتبط نفسه بمدلولاتها ولا يجوز تقديرها غير دالة عليها وليست المعجزه كذالك بل هي دلالة عارية كما اشار اليه بقوله وهي عندنا اي الاشاعرة اجزاء الله عادته بخلق العلم بالصدق عقيبة اى عقيب ظهور المعجزات۔

معجزہ کی دلالت نبوت پر محض دلالت عقلی نہیں ہے جیسے فعل کی دلالت وجود فاعل پر یا فعل کے استحکام و نظم کی دلالت فاعل کے علم پر عقلی ہے کیونکہ دلائل عقل اپنے مدلولات کے ساتھ مربوط ہوتے ہین اور یہ فرض ناممکن ہے کہ وہ اپنے مدلول پر وال نہ ہوں اور معجزہ کی دلالت کی صورت ایسی نہیں ہے بلکہ معجزہ کی دلالت' دلالت عادیہ ہے جیسا کہ صاحب مواقف نے اپنے ان لفظوں میں کہا ہے کہ یہ دلالت ہمارے

(اشاعرہ کے نزدیک) اس بنا پر ہے کہ اللہ تعالیٰ کی عادت یہ ہے کہ جب معجزہ صادر ہوتا ہے تو صاحب معجزہ کی سچائی کا علم ہو لوگوں کے دلوں میں پیدا کر دیتا ہے۔

آج کل کے محورہ علمی میں اشاعرہ کے اس قول کی تشریح کہ معجزہ کی دلالت عقلی نہیں بلجہ عادی ہے یہ ہے کہ معجزہ منطقی نہیں بلکہ نفسیاتی (سائیکالوجیکل) دلیل ہے' عادت انسانی یہ ہے کہ جب کسی شخص سے کوئی غیر معمولی کارنامہ ظہور پزیر ہوتا ہے تو نفوس اس کی عظمت و کبریائی کے سامنے سرنگوں ہو جاتے ہیں' جب ایک شخص عام انسانی حالت سے بلندتر سطح میں آ کر منجانب اللہ ہونے کا دعویٰ کرتا ہے اور خوارق عادت اس سے ظاہر ہوتے ہیں تو عام متاثر طبع فوراً اس کے دعوی کو تسلیم کر لیتے ہیں۔

آج گو نبوت نہیں مگر ولایت ہے' آج بھی جس شخص کی نسبت باخدا اور ولی کامل ہونے کا خیال لوگوں میں ہوتا ہے تو فوراً یہ سوال ہوتا ہے کہ ان سے کچھ کرامتیں بھی صادر ہوتی ہیں؟ اگر جوب ہاں میں ملا اور خود ذاتی مشاہدہ بھی ہوا تو اس شخص کی نسبت حسن اعتقاد بڑھ جاتا ہے یہ عام قضائے انسانی ہے' اس میں مومن و کافر عقل مند و بیوقوف اور زنگی و فرنگی کی کوئی تخصیص نہیں۔ لیکن جو طبیعتیں فطرتاً اثر پذیر نہیں بلکہ معاند' متعصب اور کور باطن ہین ان کے لئے یہ خواق و معجزات قطعاً بے سود ہوتے ہیں' کیونکہ ان کا عناد' تعصب اور کور باطنی حسن ظن کے بجائے ہمیشہ سوء ظن کی طرف رہنمائی کرتی ہے اور وہ بڑے سے بڑے معجزہ کو دیکھ کر بھی یہی کہہ دیتے ہیں کہ یہ سحر و جادو اور طلسم و نیرنگ ہے' اس لئے صحیح راستہ یہ ہے کہ مدعی نبوت کے اخلاق' خلوص' پاکیزگی و طہارت کا امتحان کیا جائے جس میں یہ باتیں ثابت ہو جائیں گی عادۃ ناممکن ہے کہ وہ کاذب اور جھوٹا ہو' امام غزالیؒ نے منقذ میں' امام رازی نے مطالب عالیہ یں اور عارف روم نے مثنوی میں نہایت تفصیل سے اس بحث کو لکھا ہے اور ثابت کیا ہے کہ نبوت کی اصلی دلیل معجزہ نہیں بلکہ تعلیم وارشاد اور قوت علم

ان میں دو جماعتیں ہیں ایک کا مذہب یہ ہے کہ نبوت کی دلیل معجزہ ہے' یہ جمہور اہل مذاہب کا مسلک ہے دوسرا مذہب یہ ہے کہ سب سے پہلے ہم کو خود غور کرنا چاہیئے کہ صداقت وراستی کیا ہے' اس کے بعد ہم ایک شخص کو دیکھتے ہیں جو نبوت کے دعوی کے ساتھ لوگوں کو دین حق کی دعوت دیتا ہے' اس کی دعوت ممؤثر ہوتی ہے اور وہ لوگوں کو باطل پرستی سے ہٹا کر حق پرستی کی طرف لا رہا ہے تو ہم یقین کرلیں گے کہ یہ سچا پیغمبر ہے یہ مذہب عقل سے قریب تر ہے اور اس راہ میں شکوک وشبہات کم ہیں۔

اس اجمال کی تفصیل یہ ہے کہ انسانیت کا کمال' قوت علمی وعملی کی تصحیح تکمیل اور تزکیہ ہے' اس قوت کے لحاظ سے انسان کے تین طبقے ہیں' ایک وہ جو اس میں ناقص ہے یا عام انسان ہیں' دوسرا وہ جو خود کامل ہے مگر دوسروں کو کامل نہیں بنا سکتا' یہ خواص اور صلحاء کا درجہ ہے' تیسرا وہ جو خود کامل ہے مگر دوسروں کو بھی کامل کر دیتا ہے' یہ انبیاء ہیں' اس کامل ونقص کے ہزاروں متفاوت درجے اور مرتبے ہیں اور انہی کے لحاظ سے ان کی قوت ومرتبہ کا اندازہ ہوگا' ان کی قوت علمی کے سامنے تمام مقدمات بدیہی ہوتے ہین اور معارف الہی پر ان کو عبور ہوتا ہے اور ان کی قوت عملی اس عالم جسمانی میں تصرفات کرتی ہے اور یہی معجزات کا مقصد ہے۔ اس قوت علمی وعملی کے کمال کے ساتھ یہ نظر آتا ہے کہ وہ ان دونوں کو جو ان لوگوں میں پست اور ناقص ہیں اپنے فیض صحبت اور فیض تعلیم سے کامل کر دیتے ہیں اور امراض قلبی کا وہ علاج کرتے ہیں تو یہی ان کی نبوت کی دلیل ہے۔

امام رازی نے اس تفصیل کے بعد یہ دعوی کیا ہے کہ اثبات نبوت کا یہی طریقہ قرآن مجید نے اختیار کیا ہے اور چند سورتوں کی تفسیر لکھ کر دکھایا ہے کہ ان میں نبوت کے یہی آثار وخصائص بیان ہوئے ہیں۔(۱)۔

مولانا روم کے حقائق::

مولانا روم نے اس بحث کو عمدہ تشبیہات اور تمثیلات سے اس درجہ قریب الفہم بنا دیا

ہے کہ تمام شکوک وشبہات رفع ہو جاتے ہیں‘ اس سے پہلے مولانا کے وہ اشعار لکھے جا چکے ہیں جن میں یہ دکھایا ہے کہ نبوت کی تصدیق کے فلئے سب سے پہلی چیز حسن ذوق ہے‘ آب شیریں اور آب شور‘ صورت وشکل اور رنگ و بو دونوں میں ایک ہوتے ہین‘ مگر صرف صاحب ذوق ان دونوں کا فرق محسوس کر سکتا ہے‘ اسی طرح نبی اور متنبّی گو ظاہری شکل وصورت اور دعوائے نبوت میں یکساں نظر آتے ہیں مگر صاحب ذوق ان دونوں کے آثار وخصائص سے فوراً تمیز کر لیتا ہے۔

جز کہ صاحب ذوق بشناسد بیات

غور کرو! صاحب ذوق کے سوا اور کون پہنچان سکتا ہے؟

او شناسا آب خوش از شور آب

وہی تمیز کر سکتا ہے کہ یہ پانی میٹھا ہے اور یہ کھاری ہے۔

جز کہ صاحب ذوق شناسد طعوم

صاحب ذوق کے سوا مزے کی تمیز اور کون کر سکتا ہے؟

شہد را نا خوردہ کے دانی زموم

اگر شہد نہ کھایا ہو تو موم اور شہد میں تمیز کیوں کر کر سکتے ہو؟

سحر را با معجزہ کردہ قیاس

اس نے سحر کو معجزے پر قیاس کیا اور یہ سمجھا کہ ان دونوں کی

ہر دو را بر مکر پندار و اساس

بنیا دفریب پر ہے۔

زر قلب و زر نیکو در عیار

تم کھرے اور کھوٹے سونے کا فرق کسوٹی پر پر کھے

بے محک ہر گز نہ دانی نہ اعتبار

بغیر نہیں کر سکتے۔

(۱)۔ مطالب عالیہ کا پیش نظر نسخہ ناقص ہے' یہ فصل راغب پاشا نے اپنے سفینہ میں بہ تمام کمال نقل کی ہے اور مولانا شبلی نے الکلام کے ضمیمہ میں اس کو شائع کر دیا ہے' دیکھو سفینہ راغب پاشا مطبوعہ مصر ص ۲۷۷۔

ہر کرا در جاں خدا نہد محک

خدا نے جس کی روح میں یہ کسوٹی رکھی ہے۔

یر یقین را باز داند اور زشک

وہی یقین اور شک میں تمیز کر سکتا ہے۔

چوں شود از رنج و علت دل سلیم

جب آدمی کا دل بیماری سے پاک ہو۔

طعم صدق و کذب را باشد علیم

تو وہ صدق و کذب کے مزہ کو پہچان لے گا۔

دوسری چیز طلب ہے' جب تک دل میں کسی چیز کی طلب نہیں ہوتی' اس کی طرف التفات نہیں ہوتا جس کا دل صداقت و راستی کا بھوکا نہیں وہ غذائے روحانی کا طالب نہیں اور جب دل میں طلب اور روح میں بیقراری پیدا ہو جاتی ہے اس وقت وہ دلیل و برہان کے لفظی مباحث سے بہت بلند ہو جاتا ہے' کسی کو اگر پیاس ہو اور وہ تم سے پانی طلب کرے اور تم پانی کے گلاس کی طرف اشارہ کرو کہ یہ پانی ہے تو کیا وہ تمہارے اس دعویٰ پر دلیل مانگے گا کہ پہلے یہ ثابت کرو کہ یہ پانی ہے؟ نہیں بلکہ وہ بلا دلیل نہایت شوق سے اپنا ہاتھ بڑھائے گا اور پانی پینے لگے گا۔

تشنہ را چوں بگوئی رو شتاب

جب کسی پیاسے کو کہو کہ جلد جاؤ

در قدح آب است بشاں زود آب

دیکھو وہ پیالہ میں پانی ہے۔

ہیچ گوید تشنہ کیں دعویٰ است رو

کیا کوئی اس وقت پیاسا یہ کہتا ہے کہ۔

از برم! اے مدعی مہجور شو

یہ فقط تمہارا دعویٰ ہے چلو ہٹو۔

یا گواہ و حجتی بنما کہ ایں

یا کیا وہ یہ کہتا ہے کہ پہلے اس دعویٰ کی دلیل لاؤ

جنس آب است و ازاں ماسعین

کہ یہ پانی ہے۔

یا بہ طفل شیر مادر بانگ زد

یا جب شیرخوار بچہ کو اس کی ماں بلا کر کہتی ہے کہ

کہ بیا من مادرم ہاں اے ولد

اے بچہ! میں تیری ماں ہوں۔

طفل گوید مادرا حجت بیار

تو بچہ یہ کہتا ہے اپنی ماں ہونے پر دلیل پیش کرو

تا کہ باشیرت بہ گیرم من قرار

تب میں تمہارا دودھ پیوں گا۔

در دل ہر امتی کز حق مزہ است

جس کے دل میں حق کا مزہ ہوتا ہے اس کے لئے خود

روے و آواز پیغمبر معجزہ است

پیغمبر کا چہرہ اور پیغمبر کی آواز معجزہ ہوتی ہے۔

چوں پیمبر از بروں بانگے زند

جب پیغمبر باہر سے آواز بلند کرتا ہے تو

جان است در درون سجده کند

امت کی روح اندر ہی اندر سجدہ کرتی ہے۔

زانکہ جنس بانگ او اندر جہاں

سبب یہ ہوتا ہے کہ دنیا میں اس کی آواز کی سی کوئی آواز

از کسے نشنیدہ باشد گوش جاں

روح کے کانوں نے اس سے پہلے نہیں سنی تھی۔

تیسری چیز اتحاد جنسیت ہے' معجزات کا مقصد عموماً معارض کو لاجواب اور خاموش کرنا ہوتا ہے' لاجواب و خاموش کرکے تم خصم کو زیر کرسکتے ہو مگر اس کے دل میں تشفی نہیں پیدا کرسکتے' صحیح طریقہ یہ ہے کہ جن لوگوں کے دلوں میں سچائی اور راستی کا عنصر ہے وہ خود اپنی ہم جنس شے کے طلب گار اور خریدار ہوتے ہیں۔

موجب ایمان نباشد معجزات

درحقیقت معجزات ایمان کا باعث نہیں ہوتے بلکہ اتحاد جنسیت

بوے جنسیت کند جذب صفات

کی بو اس کے صفات کو اپنی طرف کھینچتی ہے۔

معجزات از بہر قہر دشمن است

معجزات تو مخالف کو دبانے کے لئے ہوتے ہیں اور

بوے جنسیت سوئے دل برون است

اتحاد جنسیت کی بو دل کو متاثر کرنے کے لئے ہے۔

قہر گردد دشمن اما دوست نے

دبا کر تم دشمن کو زیر کرسکتے ہو مگر دوست نہیں بنا سکتے جس کو

دوست کے گردد بہ بستہ گردنے

زبردستی گردن باندھ کر زیر کرو وہ دوست کیونکر ہوسکتا ہے۔

معجزات کا صدور اکثر اس طرح ہوتا ہے کہ معتدین یہ سمجھ کر کہ پیغمبر کاذب ہے اس سے کسی خرق عادت کا مطالبہ کرتے ہین اور یقین کرتے ہیں کہ وہ اس کو پیش نہیں کر سکتا اور اس طرقیہ سے لوگوں میں اس کی رسوائی ہوگی اور اس کے دعوی کی تکذیب ہو جائے گی لیکن اللہ تعالی اس خرق عادت کو ظاہر کر دیتا ہے اور اس سے پیغمبر کی رسوائی اور فضیحت کے بجائے اس کی صداقت اور راست بازی اور عالم آشکارا ہو جاتی ہے اور اس فبان ء پر معجزہ اس کے صدق پر ایک نشانی اور آیت بن جاتی ہے' فرعون نے جادوگروں کو جمع کر کے چاہا کہ حضرت موسیٰؑ کو رسوا کرے' مگر یہی واقعہ حضرت موسیٰؑ کی کامیابی اور فرعون کی ناکامی کا سبب بن گیا اور سینکڑوں جادوگروں نے حضرت موسیٰؑ کی دعوت پر صدائے لبیک بلند کر دی۔ اس بنا پر معاندین کا وجود اعلان نبوت کی بلند آہنگی اور شہرت کے لئے ضروری ہے۔

منکراں را قصد از لال تقات

مخالفوں کا یہ ارادہ کہ طلب معجزہ سے نیکو کاروں کو لغزشیں دے

ذل شدہ غرو ظہور معجزات

دیں ان کی ذات اور معجزات کے غلبہ پر عزت کا باعث ہوگا۔

قصد شان زان کار زل ایں بدوہ

ان کا ارادہ اس طلب معجزہ سے پیغمبر کی زلت تھی لیکن یہی

عین ذل ! غرہ رسولاں آمدہ

تذلیل کا ارادہ پیغمبروں کی عزت کا باعث ہو جاتا ہے۔

گر نہ انکار آمدے از ہر بدے

اگر کوئی بدکار پیغمبر کا انکار نہ کرتا۔

معجزہ برہان چرا نازل شدے

تو معجزہ برہان بن کر کیوں نازل ہوتا۔

خصم منکر تا نہ شد مصداق خواہ

جب تک فریق دوم دعویٰ سے منکر اور خواہان تصدیق نہ ہو

کے کند قاضی تقاضائے گواہ

قاضی گواہ وشاہد کب طلب کرتا ہے؟

معجزہ ہمچو گواہ آمد زکی!

اس طرح اے عقلمند! معجزہ بھی پیغمبر کا گواہ ہے۔

بہر صدق مدعی در پیشگی

جو مدعی کی تصدیق کے لئے سامنے آیا ہے

طعنہ چو می آمد از ہر ناشناخت

جب کوئی ناشناس طعنہ کرتا تھا

معجزہ می داد حق و بنو اخت

تو پیغمبر کو معجزہ دے کر نوازش فرماتا تھا۔

مگر آں فرعون سی صد تو شدہ

فرعون موسیٰ کے مقابلہ میں سینکڑوں چالیں چلا مگر ان میں

جملہ زل او وقمع او شدہ

سے ہر ایک خود اس کی ذلت اور بیخ کنی کا باعث ہوئی۔

ساحراں آور وہ حاضر نیک و بد

اس نے اچھے برے سب جادوگر جمع کئے

تاکہ جرح معجزہ موسیٰ کند

تاکہ موسیٰ کے معجزہ کو باطل کردے۔

تا عصا را باطل و رسوا کند

اور عصائے موسیٰ کی قوت کو باطل ورسوا کرے۔

اعتبار او رو لها بر کند

اور لوگوں کے دلوں سے اس کے اعتبار کو کھوئے۔

عین آں مکر آیت موسیٰ شدہ

لیکن عین یہی سازش موسیٰ کی صداقت کی نشانی ہوگئی۔

اعتبار آں عصا بالا شدہ

اور اس سے اس عصا کی قدر و منزلت اور بڑھ گئی۔

معجزہ سے مقصود اگر معاندین کو خاموش اور رسوا کرنے کے علاوہ ان کے دلوں کو متاثر کرنا ہوتا تو اس کے لئے اس کی ضرورت نہ تھی کہ عصا کو سانپ بنایا جائے اور قمر کو دو ٹکڑے کر دیا جائے اور اس کے ذریعہ سے قلوب کو متاثر کیا جائے' ان جمادات و نباتات پر تصرف کر کے قلوب میں تصرف کرنے سے زیادہ صاف اور سیدھا راستہ یہ تھا کہ براہ راست خود دلوں میں تصرف کیا جائے کہ وہ صدائے نبوت کے سننے کے ساتھ لبیک پکار اٹھیں معاندین کا معجزہ طلب فرقہ جو انبیاء سے جمادات و نباتات پر ان کے اثبات کا طالب ہوتا ہے اور اس کے ذریعہ سے قبول ایمان پر آمادگی ظاہر کرتا ہے' خود ان کی یہ طلب' ان کے ضمیر کی پستی اور قلب کی سیاہی کی دلیل ہے جن کے آئینہ دل پاک و صاف ہوتے ہیں' وہ بلا واسطہ' جمادات و نباتات پیغمبر سے براہ راست خود اثر کو قبول کرتے ہیں اس کے علاوہ معجزہ سے ہر شخص کو ہدایت نہیں ملتی' اس کے لئے بھی استعداد کی ضرورت ہے' دریا کی طراوت اور اس کے روح افزا ہونے میں شک نہیں' لیکن اس میں خشکی کے پرند زندہ نہیں رہ سکتے۔

معجزہ کاں بر جمادات اثر

یا عصا یا بحر یا شق القمر

معجزہ جو بے جان چیزوں پر اثر و تصرف کرتا ہے مثلاً عصا کا سانپ ہو جانا' سمندر کا پھٹ جانا' چاند کا دو ٹکڑے ہونا۔

گر اثر بر جان زنده بے واسطہ
متصل گردد بہ پنہاں رابطہ

اگر وہ معجزہ براہ راست روح کو متاثر کرے تو اندر اندر روح سے اس ارابطہ پیدا ہو۔

بر جمادات آن اثر ہا عاریہ است
آن پئے روح کوش متواریہ است

لیکن غیر ذی روح چیزوں پر اس کا اثر عاریتہً ہے اور روح کے لئے پوشیدہ ہے۔

تا ازان جامد اثر گیر و ضمیر
جندا انان بے ہیولائے خمیر

مقصود یہ ہوتا ہے کہ اس غیر ذی روح شے کی اثر پذیری کو دیکھ کر روح انسانی اثر پذیر ہو۔

بر زند از جان کامل معجزات
بہ ضمیر جان طالب چوں حیات

لیکن معجزہ روح کامل کو خود بے واسطہ اور براہ راست متاثر کرتا ہے اور طالب کے لئے زندگی ہوتا ہے

معجزہ بحر است و ناقص مرغ خاک
مرغ خاکی رفت دریم شد ہلاک

معجزہ کی مثال دریا کی ہے اور ناقص کی خشکی کے پرندہ کی، خشکی کا پرندہ دریا میں جائے تو ڈوب جائے گا۔

مرغ آبی دروے ایمن از ہلاک
ماہیان را مرگ بے دریاست خاک

لیکن آبی پرندہ اس میں جائے تو موت سے بے پرواہ ہے گا بلکہ مچھلیوں کے لئے تو دریا کے بغیر خشکی موت ہے۔

الغرض ناقصین اور معاندین کے لئے جس طرح صدق نبوت کے دوسرے دلائل بے کار ہوتے ہیں' معجزہ کی شہادت بھی بیکار ہوتی ہے' معجزہ طلب فرقہ شاذونادر ہی دولت ایمان پاتا ہے لیکن وہ ہستیاں جو براہ راست پیغمبر کے وجود سے اثر پذیر ہوتی ہیں' ان کو قبول اثر کے فلئے معجزہ کے واسطہ کی حاجت نہیں' ابوجہل معجزہ جمادات دیکھ کر بھی کافر ہی رہا اور ابوبکر معجزہ دل سے صدیق اکبر ہوئے۔

از ستیزہ خواست بوجہل لعین
معجزات از مصطفیٰ شاہ بھین

ابوجہل نے عناد سے آنخضرت سے معجزہ طلب کیا۔

معجزہ جست از نبی ابوجہل سگ
دیدو نفردش ازاں الا کہ شک

لیکن یہ معجزہ دیکھ کر بھی شک کے سوا اس کو یقین نہ پیدا ہوا۔

لیک آں صدیق حق معجز نخواست
گفت ایں رو خود نہ گوید غیر راست

لیکن ابوبکر صدیقؓ نے معجزہ طلب نہ کیا' انہوں نے کہا کہ یہ چہرہ نبوی ؐ سچ کے سوا جھوٹ کہہ ہی نہیں سکتا۔

صحابہ کو کیونکر رسالت کا یقین آیا::

اب یہاں پہنچ کر مفروضات اور نظریات کو جانے دیجئے' واقعات کو لیجئے' آنخضرت ؐ نے جاب آواز نبوت بلند کیا تو اس آواز کی تائید کرنیوالا کوئی دوسرا نہ تھا' عرب کا ذرہ ذرہ اس صدائے حق کا دشمن تھا' آپ پشت ہا پشت کے خوکردہ عادات کے ترک کی دعوت دیتے تھے' موروثی مذہب جو لوگوں کی رگ و پے میں سرایت کئے ہوئے تھا آپ ؐ اسکی مذمت کرتے تھے' جن بتوں اور دیوتاؤں ف کے رعب و ہیبت سے وہ کانپتے تھے آپ ان کو منہدم کرنے کا حکم دیتے تھے سرقہ' ڈاکہ' لوٹ مار' قتل

خونریزی‘ کینہ‘ عداوت‘ سود‘ قمر‘ زنا‘ شراب‘ غرض وہ تمام افعال جو عرب کے خصائص بن گئے تھے‘ آپ ان کا قلع قمع کرنا چاہتے تھے۔ علاوہ بریں آپ کے دست مبارک میں کوئی ظاہری مادی طاقت نہ تھی‘ دولت و خزانہ نہ تھا‘ اس دعوت کو قبول کرنیوالوں کے لئے بجز مصائب و بلا کے‘ آپ کے پاس کوئی ظاہری قابل معاوضہ چیز نہ تھی‘ ہر شخص کو معلوم تھا کہ اسلام کا نام لینے کے ساتھ وہ اپنے گھر سے بیگانہ‘ اپنی جائیداد سے محروم‘ اپنے خاندان سے ناآشنا‘ اپنے وطن سے مہجور اور اکابر شہر اور رؤسائے قریش میں رسوا و بدنام اور ہر قسم کی مصیبتوں کا ہدف اور نشانہ بن جائے گا‘ غریب مسلمانوں کے ساتھ جو کچھ بے رحمیاں اور سفاکایاں کی جارہی تھیں وہ سب کے سامنے تھیں‘ بایں ہمہ ایک خلقت تھی کہ آستانہ محمدیؐ کی تلاش میں چلی آتی تھی‘ عرب کے دور دور کے قبائل سے لوگ چھپ چھپ کر پہنچتے تھے اور بیعت کر کے واپس جاتے تے اور آخر وہ بھی جو سالہا سال تک آنحضرتؐ کے دشمن تھے‘ اسلام کے شدید مخالف اور بدر و احد اور احزاب و خندق کے بانی تھے‘ وہ بھی ایک روز سر اطاعت جھکانے پر مجبور ہو گئے۔

آخر اس کے کیا اسباب تھے؟ اور کیونکر ان کو محمد رسول اللہؐ کی رسالت و صداقت کا یقین آیا۔ عیسائیوں کی طرح یہ کہنا آسان ہے کہ محمدؐ نے لڑ کر لوگوں کو مطیع بنا لیا‘ لیکن سوال یہ ہے کہ ہزاروں جاں نثار لڑنے والے کہاں سے اور کیونکر پیدا ہوئے‘ ان کو کس نے لڑ کر مطیع بنا لیا۔ اب اگر اسلام لانے والوں کے اسباب پر غور کیجئے تو معلوم ہو گا کہ سب کے اسلام لانے کا ایک ہی سبب نہ تھا‘ سینکڑوں ہزاروں آدمی ایک متحد نتیجہ کا یقین رکھتے ہیں لیکن ان کے یقین کے اسباب و علل کی تلاش کیجئے تو معلوم ہو گا کہ ان میں سے ہر ایک کے یقین کے اسباب و علل و اذعان کے طرق اور ذریعے مختلف ہیں‘ ہزاروں صحابہؓ نے آپ کی نبوت کی تصدیق کی‘ آپ کی رسالت پر ایمان لائے‘ آپ کی صداقت پر یقین کیا‘ مگر یہ تصدیق‘ یہ ایمان اور یہ یقین کسی

ایک سبب کا نتیجہ نہ تھا' اس سے معلوم ہوا کہ صرف معجزہ ہی نبوت کی دلیل نہیں ہے بلکہ ہر طبیعت صالحہ اور قلب سلیم کے لئے پیغمبر کی صداقت کی مختلف دلیلیں مئوثر اور کارگر ہوئی ہیں۔

حضرت ابوبکرؓ صرف دعوائے نبوت کو سن کر ایمان لے آئے' محض دعویٰ کی صداقت نے ان کو ہر دلیل و برہان سے بے نیاز کر دیا' حضرت عبدالرحمن بن عوفؓ حضرت عثمانؓ حضرت عبیدہؓ بن جراح یہ دیکھ کر اسلام لے آئے کہ ابو بکرؓ سا دانشمند اس صداقت سے متاثر ہے' خدیجہؓ ایمان لائی' مگر یہ کہہ کر آپ جیسے اخلاق گراں مایہ کا انسان جو غریبوں کا مولیٰ' مقروضوں کا ماوٰی اور مسافروں کا ملجا ہے' کبھی شیطان کے پنجہ میں نہیں گرفتار ہو سکتا حضرت انیس غفاریؓ اور حضرت عمرو بن عنبسہ سلمیؓ یہ دیکھ کر اسلام لائے کہ آپ مکارم اخلاق کا حکم دیتے ہیں حضرت عمرؓ حضرت طفیل بن عمرو دوسی' حضرت جبیرؓ بن مطعم' نجاشی' شاہ حبش وغیرہ سینکڑوں اشخاص کلام ربانی سن کر حلقہ بگوش ہو گئے' حضرت ضماد بن ثعلبہ ازدی نے نفس کلمہ طیبہ سننے کے ساتھ نعرہ حق بلند کر دیا۔ حضرت عبداللہؓ بن سلام چہرہ انور کو دیکھتے ہی پکار اٹھے کہ ''یہ جھوٹے کا چہرہ نہیں'' حضرت ضمامؓ بن ثعلبہ رئیس بنی سعد' اس طرح اسلام لائے کہ انہوں نے بے تکلفی کے ساتھ دربار نبوی میں آ کر آنحضرت ؐ کو قسم دلائی کہ تم کو سچ مچ خدا نے بھیجا ہے اور جب آپ نے قسم کھائی تو وہ مسلمان ہو گئے۔

اوس و خزرج کے بہت سے لوگ اپنے یہودی ہمسایوں سے سنا کرتے تھے کہ ایک نبی آخر الزمان کا ظہور ہونے والا ہے' جب انہوں نے آپ ؐ کی تقریر سنی تو پہچان لیا کہ یہ وہی پیغمبر ہیں' فتح مکہ کے بعد سینکڑوں قبائل اسلام لانے پر اس لئے مجبور ہوئے کہ خانہ خلیل کسی جھوٹے پیغمبر کے قبضہ میں نہیں جا سکتا' ایک پورا قبیلہ صرف آپ ؐ کی فیاضی سے متاثر ہو کر کلمہ لا الہ الا اللہ پکار اٹھا' متعدد شعرائے عرب اور اصحاب علم صرف قرآن مجید کے اثر کو دیکھ کر دل کو قابو میں نہ رکھ سکے' متعدد قریشی

جانباز جو کہ معرکہ بدر سے مرغوب نہیں ہوئے تھے' مسلمانوں کے آداب و اخلاق کو دیکھ کر اسلام لے آئے۔ صلح حدیبیہ کے بعد ہزاروں مکہ کے آدمیوں کو جب مسلمانوں سے بے تکلف میل جول کا موقع ملا تو وہ اسلام کی صداقت کے اعتراف پر مجبور ہو گئے' ابوسفیان جس کو نہ تو معجزات اور خوارق عدات متاثر کر سکے اور نہ بدرو خندق کی تلواریں اس کو مرعوب کر سکیں' نہ آنحضرت کا رشتہ دامادی اس کے سخت دل کو نرم کر سکا' وہ اس نظارہ کو دیکھ کر اپنے ضمیر کے اعتراف کو نہ روک سکا کہ قیصر روم اپنے تخت جلال پر بیٹھ کر مکہ کے بوریا نشین پیغمبر کے پاؤں دھونے کی آرزو رکھتا ہے۔ ثمامہ بن آثال' ہندزوجہ ابوسفیان' ہبار بن الاسود وحشی قاتل حمزہؓ یہ دیکھ کر مسلمان ہو گیا کہ آپ ؐ دشمنوں کے ساتھ بھی کس محبت سے پیش آئے' قیصر روم صرف آپ ؐ کے چند اوصاف اور اسلام کے چند مناقب سن کر اظہار حق پر مائل ہو گیا۔ حضرت عدی بن حاتم قبیلہ طے کے عیسائی رئیس تھے' وہ آپ ؐ کو بادشاہ سمجھ کر مدینہ آئے' مگر یہاں انہوں نے دیکھا کہ مکہ کی ایک لونڈی آئی ہے اور آپ اس کی حاجت روائی کو کھڑے ہو جاتے ہیں۔ یہ دیکھ کر ان کا دل اندر سے پکار اٹھا کہ آپ بادشاہ نہیں پیغمبر ہیں۔

ایسے لوگ بھی تھے جو ان روحانی واخلاقی معجزات کے مقابلہ میں مادی معجزات سے متاثر ہونے کی زیادہ قابلیت رکھتے تھے' قریش کے بہت سے لوگ فتح روم کی پیشین گوئی کو پورے ہوتے دیکھ کر اسلام لے آئے' ایک سفر میں ایک قبیلہ کی عورت آپ کی انگلیوں سے پانی کا چشمہ بہتے دیکھ کر اپنے قبیلہ میں جا کر کہتی ہے کہ آج میں نے عرب کے سب سے بڑے جادوگر کو دیکھا اور اسی استعجاب نے پورے قبیلہ کو مسلمان کر دیا' متعدد یہودی اس لئے مسلمان ہو گئے کہ گزشتہ انبیاء کی کتابوں میں آنے والے پیغمبر کی جو نشانیاں بتائی گئی تھیں' وہ حرف بحرف آپ میں صحیح نظر آتی تھیں متعدد یہودی علماء نے آ کر آپ ؐ کا امتحان لیا اور جب آپ نے از روئے وحی ان کے

جوابات صحیح دیئے تو وہ آپ کی نبوت پر ایمان لائے۔ ایک شخص نے کہا کہ میں اس وقت آپ کو سچا رسول تسلیم کروں گا' جب یہ خرمے کا خوشہ آپ کے پاس آ کر آپ کی رسالت کی شہادت دے اور جب یہ تماشا اس نے اپنی آنکھوں سے دیکھا تو مسلمان ہو گیا۔ (۱)۔ ایک سفر میں ایک اعرابی نظر آیا' آپ نے اس کو اسلام کی دعوت دی' اس نے کہا۔ آپ کی صداقت کی شہادت کون دیتا ہے۔ آپ نے فرمایا "سامنے کا درخت" اور یہ کہہ کر آپ ؐ نے اس درخت کو بلایا' وہ اپنی جگہ سے اکھڑ کر آپ کے پاس کھڑا ہو گیا اور تین بار اس کے اندر سے کلمہ توحید کی آواز آئی' یہ دیکھ کر وہ مسلمان ہو گیا۔ (۲)۔ سراقہ بن مالک جو ہجرت کے وقت آنحضرت ؐ اور حضرت ابوبکر صدیقؓ کے تعاقب میں گھوڑا دوڑاتے آ رہے تھے' جب انہوں نے دیکھا کہ آپ کی دعا سے تین دفعہ ان کے گھوڑے کے پاؤں زمین میں دھنس گئے تو ان کو یقین ہو گیا کہ اسلام کا ستارہ نقطۂ اوج پر پہنچ کر رہے گا' چنانچہ خط امان حاصل کیا اور بعد کو مسلمان ہو گئے۔ (۳)۔

چوں پیمبر از بروں بانگے زند
جان امت در دروں سجدہ کند
بر زند از جان کامل معجزات
بر ضمیر جان طالب چوں حیات

(۱)۔ جامع ترمذی معجزات ص ۶۰۳ (۲)۔ مسند دارمی باب ما اکرم اللہ بنبیہ من ایمان الشجر (۳)۔ صحیح بخاری جلد اول هجرت۔

دلائل ومعجزات اور عقلیات جدیدہ

نوشتہ مولانا عبدالباری صاحب ندوی سابق استاد فلسفہ جدیدہ عثمانیہ یونیورسٹی حیدرآباد دکن۔

وا تغنی الایات والنذر عن قوم لایؤمنون

جو لوگ ایمان نہیں رکھتے ان کے لئے آیات ونذر بیکار ہیں

لیکن

در دل ہر کس کہ دانش را مزہ است
روے و آواز پیمبر معجزہ است

(عارف روم)

متکلمین وحکمائے اسلام نے عقلی حیثیت سے معجزہ کے متعلق جو کچھ لکھا ہے' وہ گزشتہ مباحث میں نظر سے گزر چکا ہے۔ ''سیرت'' کے اس حصہ کو اصلاً معجزات نبوی ؐ کی نقلی اور روایاتی تحقیق سے تعلق تھا۔ تاہم ضمناً قدیم کلامی مباحث بھی ایک حد تک آ گئے ہیں۔ زیل میں اس موضوع پر صرف عقلائے مغرب کی ترجمانی کرنی ہے اور جدید تحقیقات وخیالات کی روشنی میں جو نتائج نکلتے ہیں ان کو پیش کرنا ہے۔ آغاز کتاب میں نبوت اور معجزہ کے مفہوم کی نسبت جو کچھ لکھا گیا ہے' سب سے پہلے اس پر ایک نظر اور ڈال لو۔

مفہوم نبوت::

جس طرح رات کی تاریکی کے بعد دن کی روشنی کا آنا قانون قدرت ہے اسی طرح یہ بھی ایک سنتہ الٰہی ہے کہ جب عالم انسانیت پر ضلالت وگمراہی کی تاریکی چھا جاتی ہے تو اس کے مطلع سے ہدایت ورہنمائی کا نور طلوع کرتا ہے اور اگر چہ اس طرح ظلمت شب میں چھوٹے بڑے ستارے اپنی جھلملاہٹ سے کچھ نہ کچھ روشنی پیدا

کرتے رہتے ہیں' اسی طرح عام مصلحین ومجددین کا سلسلہ بھی کسی نہ کسی حد تک ضلالت انسانی کی سیاہی کو کم کرتا رہتا ہے تاہم آفتاب کی ضیا پاشی کا عالم ہی کچھ اور ہوتا ہے' اس کے سامنے ستاروں کی جھلملاہٹ بالکل ماند پڑ جاتی ہے اور کرہ ارض دفعتًا بقعہ نور بن جاتا ہے۔

سلسلہ مصلحین کے اسی آفتاب ہدایت کا نام ادیان وشرائع کی اصطلاح میں نبی پیغمبر یا رسول ہے' عام مصلحین کے ہاتھ میں صرف انسانی عقل وبصیرت کی مشعل ہوتی ہے لیکن مشکوٰۃ نبوت سے جو نور ہدایت ابلتا ہے اس کا سرچشمہ وہ ''نور السموات والارض'' ہوتا ہے جس سے عام مادی آنکھیں خیرہ ہوتی ہیں' پیغمبر وہ کچھ دیکھتا ہے جو ہم نہیں دیکھتے' وہ کچھ سنتا ہے جو ہم نہیں سنتے' اس کے احوال وکوائف سے ہم ناآشنا اور اس کے عقل وحواس سے بیگانہ ہوتے ہیں مختصرًا یوں سمجھو کہ پیغمبرانہ خصائص کی اصلی روح عالم ناسوت سے ماوراکسی عالم غیب کے ساتھ تعلق وربط ہے۔ انسان اسی عالم اسرار وغیوب کو اپنی محدود تعبیر میں عالم قدس' عالم روح' عالم مثال وغیرہ سے موسوم کرتا ہے۔

مفہوم معجزہ::

حامل رسالت اپنے ابنائے جنس کو جو دعوت دیتا ہے اور دنیا کو جو پیام پہنچاتا ہے' اس کی سچائی کی واضح ترین دلیل یا آیت' اگرچہ خود یہ پیام اور اس کے حامل کا مجسم وجود ہوتا ہے تاہم بہ اقتضائے لیطمئن قلبی یا بہ لحاظ اتمام حجت اس داعی حق کے تعلق سے کچھ ایسے واقعات ظاہر ہوتے ہیں جو عام حالات میں انسانی دسترس سے باہر نظر آتے ہیں اور ان کی توجیہ وتعلیل سے انسانی عقل اپنے کو واماندہ پاتی ہے۔

حضرت ابراہیمؑ پر آگ سرد ہوگئی' حضرت موسٰیؑ کا عصا اژدہا بن گیا' حضرت عیسٰیؑ بے باپ کے پیدا ہوئے آنحضرت ﷺ نے چشم زدن میں ''مسجد حرام'' سے لے کر مسجد اقصٰی وسدرۃ المنتہٰی تک کی سیر کر لی' ان واقعات کی توجیہ سے چونکہ عقل

انسانی عاجز ہے' اس لئے ان میں ایک طرح کا غیب نظر آتا ہے اور جس شخص کے تعلق سے ان کا ظہور ہوتا ہے' عالم غیب کے ساتھ اس کے روابط کی نشانی و آیت یا تائید غیبی کا کام دیتے ہیں' قرآن مجید کی زبان میں اس قسم کے واقعات کا نام بینات' براہین یا زیادہ تر آیات (یا آیات بینات) ہے' محدثین انکو "دلائل نبوت" سے تعبیر کرتے ہیں اور حکماء و متکلمین کی اصطلاح میں ان ہی کو معجزات کہا جاتا ہے۔

ترتیب مباحث::

معجزات کی جو نوعیت ہے اس کے لحاظ سے سب سے پہلی بحث یہ پیدا ہوتی ہے کہ آیا ان کا وقوع ممکن بھی ہے کہ نہیں؟ قدماء نے علل فضیہ وغیرہ سے توجیہ معجزات کی جو کوششیں کی ہیں ان کا مدعا حقیقتہً امکان ہی کو ثابت کرنا ہے' مگر حکمت و فلسفہ کے دور جدید میں امکان کے ساتھ ایک دوسری زیادہ اہم بحث شہادت کی پیدا ہو گئی ہے' نفس امکان سے تو اب شاید ہی کسی حکیم یا فلسفی کا انکار ہو' البتہ یہ امکان اس قدر بعید الوقوع معلوم ہوتا ہے کہ یقین وقوع کیلئے عام واقعات تاریخی کے درجہ کی شہادت کافی نہیں خیال کی جاتی۔

لیکن چونکہ امکان اور شہادت دونوں سے زیادہ اہم سوال خود یقین کی ماہیت و اسباب کا ہے' تعجب ہوتا ہے کہ اس طرف بحث معجزات کے ضمن میں متقدمین و متاخرین میں سے جہاں تک علم ہے کسی کا بھی ذہن نہیں گیا۔ صفحات ذیل میں نہ صرف اس اہم سوال کا مستقلاً جواب دیا گیا ہے' بلکہ دراصل یہی جواب معجزہ کے متعلق تمام مباحث کا مقطع اور خاتمہ سخن ہے۔

بہر کیف اس خاکہ کی بناء پر ترتیب مباحث یہ ہو گی۔

(۱) امکان معجزات (۲) شہادت معجزات (۳) استبعاد معجزات
(٤) یقین معجزات (٥) غایت معجزات

امکان معجزات

یوں تو یورپ میں معجزات پر بیسیوں مستقل کتابیں تصنیف ہو چکی ہیں' لیکن سچ یہ ہے کہ اس بحث پر ہیوم (۱)۔ نے جو چند اوراق لکھے تھے' وہ سارے طومار پر بھاری ہیں' اور گو فلسفیانہ نقطۂ نظر سے اس موضوع پر یہ سب سے پہلی تحریر تھی' تاہم وقوع معجزات کے خلاف جو آخری حربہ استعمال کیا جا سکتا ہے وہ بھی یہی ہے' یہی وجہ ہے کہ

(۱)۔ namuH gnidnatsrednu ''فہم انسانی'' (باب بحث معجزات)

ان اوراق پر کم و بیش دو صدیاں گزر جانے پر بھی موافق و مخالف دونوں کے قلم کی روشنائی ان ہی نقوش کے مٹانے یا اجاگر کرنے میں صرف ہوتی رہی ہے۔

ہیوم کا استدلال::

ہیوم کے استدلال کا ماحصل یہ ہے کہ:۔

(۱) انسان کے علم و یقین کا مدار تمام تر تجربہ پر ہے' جس طرح آدمی تجربہ سے یہ جانتا ہے کہ آگ لکڑی کو جلاتی اور پانی سے بجھ جاتی ہے' اسی طرح تجربہ ہی کی بنا پر وہ اس کا بھی یقین رکھتا ہے کہ جب تک دروغ بیانی کا کوئی خاص سبب نہ ہو لوگ علی العموم سچ بولتے ہیں۔ یعنی جس چیز کی روایت یا تصدیق کرتے ہیں وہ عام طور پر تحقیق کے بعد صحیح ثابت ہوتی ہے۔

(۲) جس نسبت سے کسی امر کے متعلق گزشتہ تجربات کی شہادت قوی یا ضعیف ہوتی ہے' اسی نسبت سے ہمارے دل میں اذعان' شک یا انکار کی کیفیت پیدا ہوتی ہے اور ہونی چاہیے۔

فرض کرو کہ تمہارے محلّہ میں ساٹھ ستر برس کی عمر کا ایک بوڑھا فقیر رہتا ہے جس کو تم بچپن سے دیکھتے ہو کہ چیتھڑے لپیٹے ہوئے بھیک مانگ کر زندگی بسر کرتا ہے' پیری و فاقہ کشی سے ہڈیوں کا صرف ڈھانچہ رہ گیا ہے' کل تک تم نے اس کو اسی حال میں دیکھا تھا۔ آج تمہارا ایک پڑوسی آ کر کہتا ہے کہ وہ بیچارا بڈھا فقیر رات کو مر گیا' تم کو

اس بیان کے باور کرنے کوئی تامل نہیں ہوتا' لیکن یہی پڑوسی اگر یہ بیان کرے کہ میں نے اس فقیر کو نہایت قیمتی لباس میں اعلیٰ وجہ کی موٹر پر سوار واہٹ وے کی دوکان پر کچھ چیزیں خریدتے دیکھا تو تم کو سخت اچنبھا ہوگا اور اگر پڑوسی کی صداقت کا غیر معمولی طور پر تم کو اعتبار نہیں ہے یا اور بہت سے معتبر لوگ اس کی تصدیق نہیں کرتے تو اس بیان کے قبول کرنے میں تم بہت زیادہ پس وپیش کرو گے' تیسری صورت یہ فرض کرو کہ اس پڑوسی نے یہ بیان کیا کہ میں نے اس پیر فرتوت' پوست و استخوان فقیر کو آج دیکھا کہ بیس پچیس برس کا جوان رعنا ہے۔ اب تم اپنے پڑوسی کو یا تو محض لاغی سمجھو گے یا یہ خیال کرو گے کہ اس کو کچھ نہ کچھ دھوکا ہوا ہے۔ لیکن اس بیان کی واقعیت کا اذعان ہرگز تمہارے دل میں نہ پیدا ہوگا' کیوں؟

صرف اس لئے کہ اس قسم کی مثال انسان کے گزشتہ تجربات میں ایک بھی نہیں ملتی' اسی بنا پر اس کو خلاف فطرت یا خارق عادت قرار دیا جاتا ہے جس کو تسلیم کرنے کے بجائے یہ سمجھ لینا کہیں زیادہ قرین قیاس ہے کہ راوی کو کوئی دھوکا ہوا یا وہ دانستہ جھوٹ بول رہا ہے۔ کیونکہ سچے سے سچے آدمی کا جھوٹ بول دینا یا عاقل سے عاقل انسان کا دھوکا کھا جانا' بجائے خود ایک نادر الوقوع شے سہی' تاہم عدیم الوقوع نہیں ہے اور خرق عادت کے مقابل میں اس کا وقوع بہت زیادہ ممکن و قابل قبول ہے۔

(۳) معجزہ اسی ضعف کے عدیم الوقوع یا قانون فطرت کے خارق واقعہ سے عبارت ہوتا ہے ورنہ پھر وہ معجزہ نہیں رہتا' اس لئے کہ اگر یہ محض نادر الوقوع شے کا نام ہو' جس طرح کہ کسی آخری درجہ کے مدقوق کا صحت یاب ہو جانا یا ایک مفلس کا رات بھر میں دولت مند ہو جانا' تو یہ ایسے واقعات ہیں جن کی توجیہ کے لئے عام انسانی زندگی ہی میں کچھ نہ کچھ تجربات ملتے ہیں' مثلاً مفلس کے گھر میں کوئی دفینہ نکل آ سکتا ہے بخلاف اس کے معجزہ کی حقیقت ہی یہ ہے کہ اس کی تعلیل و توجیہ عام تجربات کی دسترس سے باہر ہو' اس لئے معجزہ گویا بذات خود آپ اپنی تردید ہے۔

اس استدلال کو خود ہیوم کے الفاظ میں بھی سن لینا چاہیے۔

"معجزہ نام ہے قوانین فطرت کے خرق کا اور چونکہ یہ قوانین مستحکم اور اٹل تجربہ پر مبنی ہوتے ہیں اس لئے معجزہ خود اپنے خلاف اتنا زبردست ثبوت ہے کہ اس سے بڑھ کر کسی تجربی ثبوت کا تصور ہی نہیں ہوسکتا۔ یہی وجہ ہے کہ ہم ان باتوں پر قطعی یقین رکھتے ہیں کہ تمام انسان فانی ہیں' سیسہ آپ ہی آپ ہوا میں معلق نہیں رہ سکتا' آگ لکڑی کو جلاتی اور پانی سے بجھ جاتی ہے' صرف یہی کہ یہ امور قوانین فطرت کے مطابق ثابت ہو چکے ہیں اور اب ان کا توڑنا بغیر قوانین فطرت کے توڑے' یا بہ الفاظ دیگر یوں کہو کہ بلا معجزہ کے ناممکن ہے' جو چیز عام قانون فطرت کے اندر واقع ہوتی ہے وہ کبھی معجزہ نہیں خیال کی جاتی مثلاً یہ کوئی معجزہ نہ ہوگا کہ ایک آدمی جو دیکھنے مین تندرست و توانا ہے اچانک مر جائے کیونکہ اس قسم کی موت گو نسبتاً قلیل الوقوع ہے لیکن پھر بھی بارہا مشاہدہ مین آچکی ہے' البتہ یہ معجزہ ہوگا کہ کوئی مردہ زندہ ہو جائے' کیونکہ ایسا کبھی کسی ملک میں نہیں دیکھا گیا ہے' لہذا جس واقعہ کو معجزہ کہا جاتا ہے اس کے خلاف تجربہ کا مستمر و متواتر ہو جانا ضروری ہے ورنہ پھر یہ معجزہ کے نام سے نہ موسوم ہوگا اور چونکہ کسی شے کا متواتر تجربہ خود ایک قطعی ثبوت ہے' تو گویا معجزہ کی نفس حقیقت و ماہیت ہی میں اس کے وجود کے خلاف ایک قطعی و براہ راست ثبوت موجود ہے اور ایسا ثبوت جو نہ اس وقت تک معجزہ کو ثابت ہونے دے سکتا ہے اور نہ خود باطل کیا جاسکتا ہے جب تک اس کے خلاف اس سے بڑھ کر ثبوت نہ پیدا کیا جائے۔ لہذا صریح نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ جو ایک کلی اصول کی حیثیت رکھتا ہے کہ کوئی تصدیق و شہادت معجزہ کے اثبات کے لئے کافی نہیں ہوسکتی' تاوقتیکہ یہ ایسی نہ ہو جس کی تکذیب خود اس معجزہ سے بڑھ کر معجزہ ہو جس کو یہ ثابت کرنا چاہتی ہے اور اس صورت میں بھی دلائل میں باہم تصادم ہوگا جو دلیل جتنی زیادہ قوی ہوگی' اپنی زائد قوت کے مناسب یقین پیدا کرے گی۔ فرض کرو کہ ایک شخص آ کر مجھ سے کہتا ہے

کہ اس نے ایک مردہ کو دیکھا کہ زندہ ہو گیا تو میں ذرا سوچنے لگتا ہوں کہ آیا یہ زیادہ ممکن ہے کہ یہ شخص دھوکا دینا چاہتا ہو یا خود دھوکا کھا گیا ہو، یا یہ اغلب ہے کہ جو کچھ وہ بیان کر رہا ہے صحیح ہو، میں ان دونوں معجزوں میں موازنہ کرتا ہوں اور جدھر کا پلہ زیادہ جھکتا معلوم ہوتا ہے اس کے حق میں فیصلہ کر دیتا ہوں اور ہمیشہ اسی احتمال کو رد کرنا پڑتا ہے جس میں معجزہ پن زیادہ نظر آتا ہے، البتہ اگر روایت کی تکذیب واقعہ روایت سے بڑھ کر معجزہ ہو تو اس صورت میں بے شک مجھ کو روایت کے یقین پر مجبور ہو جانا پڑے گا لیکن اس کے بغیر قطعاً ناممکن ہے"(فہم انسانی" "باب معجزات)

غرض ہیوم کے استدلال اور اس کی تعریف معجزہ کی روہ سے اگر ایک طرف ہم اپنی میزان عقل میں کسی خارق عادت واقعہ کی شہادت و روایت کو رکھیں اور دوسری طرف اس کے خلاف دنیا کے ہزارہا سال کے مستمر و متواتر تجربہ کو تو ظاہر ہے کہ یہ شہادت چاہے کتنی ہی معتبر و قیع کیوں نہ ہوتا، ہم اس متواتر تجربہ کے ہم وزن کسی حال میں نہیں ٹھہر سکتی، لہذا انسانی شہادت کی کوئی کمیت و کیفیت بھی معجزہ کے یقین و اثبات کے لئے کافی نہیں ہو سکتی۔

حصرت موسیٰ کا ایک معجزہ یہ تھا کہ انہوں نے اپنی جان کے دشمن اور اپنے سب سے بڑے منکر فرعون کے گھر میں پرورش پائی، ہیم سے بڑھ کر معجزہ کا کون دشمن و منکر ہو گا۔ لیکن اس انکار کو جب اس کے پورے فلسفہ کی روشنی میں دیکھو تو نظر آتا ہے کہ قبول معجزات کی راہ میں عقل کی خود فریبی کا جو سب سے زبردست طلسم حائل تھا، اسکو ہیوم ہی نے توڑا اور ہمیشہ کے لئے برباد کر دیا ہے جس کے بعد راستہ دکھاتا ہے اور خود نہیں دیکھ سکتا۔

انسان کے ذہن میں جس قدر یہ اعتقاد راسخ ہے، شاید ہی کوئی اور ہو کہ کائنات کا ذرہ ذرہ مادی علل و اسباب اور قوی و خواص کی زنجیروں سے جکڑا ہوا ہے، چھوٹے سے چھوٹا واقعہ بھی اپنے ظہور کے لئے ایک اٹل اور غیر متغیر علت رکھتا ہے، ہر شے اپنے

کشش ثقل ایک قانون فطرت ہے جس کا یہ اقتضا ہے کہ جب تم ڈھیلے کو اوپر پھینکو گے تو وہ لوٹ کر ہمیشہ نیچے آ جائے گا' فضا میں اس کا معلق رہنا ناممکن ہے' ہائیڈروجن اور آکسیجن دو عناصر کے ایک خاص مقدار میں ملنے کا خاصہ یہ ہے کہ پانی بن جاتا ہے جسکے خلاف کبھی نہیں ہوسکتا۔

قوانین فطرت کی حقیقت::

اب دیکھو کہ جن چیزوں کو تم قوانین فطرت کا لقب دیتے ہو اور جو بظاہر اس قدر قطعی اور اٹل نظر آتے ہیں' واقعات کی کسوٹی پر ان کی کیا بساط ٹھہرتی ہے۔

اگر کوئی شخص یہ پوچھے کہ نمک نمکین اور شکر میٹھی کیوں ہوتی ہے؟ تو یہ سوال تم کو ایسا ہی مہمل و مضحک معلوم ہوگا جیسے کوئی یہ سوال کرے کہ جز کل سے چھوٹا کیوں کیوں ہوتا ہے؟ جز کی حقیقت ہی یہ ہے کہ کل سے چھوٹا ہو' اسی طرح لوگ سمجھتے ہیں کہ نمکینی اور مٹھاس نمک اور شکی کی حقیقت میں داخل ہیں' لیکن سوچو کہ کیا نمک کی نفس ذات میں تم کو کوئی ایسی شے نظر آتی ہے جس کی بناپر بلا اس کو چکھے ہوئے تم یہ حکم لگا سکو کہ اس کا مزہ بالضرورت شکر کے مزہ سے مختلف ہونا چاہیے۔ صرف دونوں کے چکھنے اور تجربہ کی بناپر نمک اور شکر کو شیریں یقین کیا جاتا ہے۔ سنکھیا زہر ہے جس کے کھانے سے آدمی مر جاتا ہے۔ سنکھیا کا ایک ٹکڑا لے کر اس کو خوب الٹ پلٹ کر دیکھو' اس کی ذات یا حقیقت میں کہیں کوئی ایسی شے محسوس ہوتی ہے جس کی وجہ سے تم بلا تجربہ اس کو موت کی علت قرار دے سکو' جس شخص نے سنکھیا کبھی نہی دیکھی یا اس کے اثر سے ناواقف ہے اس کو تم بہ آسانی کھلا سکتے ہو' کیوں؟ صرف اس لئے کہ اس کو خود سنکھیا کے اندر کوئی ایسی شے نہیں نظر آتی جس سے بلا سابق تجربہ کے وہ اس کے زہر قاتل یا علت موت ہونے کا علم و یقین حاصل کر سکے۔ بیسیوں صدی کے سائنسدان کے لئے یہ حقیقت ناقابل انکار ہے کہ پانی دو مختلف اجزا یا عناصر سے مرکب ہے لیکن جب تک اس حقیقت کا تجربہ نہیں ہوا تھا' ڈھائی ہزار سال تک حکماء اور عقلائے عالم

پانی کو ایک مفرد و بسیط عنصر یقین کرتے رہے۔ حالانکہ پانی کی جو صورت وشکل کاونڈس (۱)۔ کے سامنے تھی وہی طالیس (۲)۔ ملفی کے سامنے بھی تھی۔ سنکھیا اور شکر کے بجائے اگر ہم کو سمیت اور شیرینی کا تجربہ پتھر کی کنکریوں میں ہوتا تو ہم ان کو اسی طرح مہلک (ہلاکت کی علت) و شیریں یقین کرتے جس طرح آپ سنکھیا اور شکر کو کرتے ہیں۔

جان اسٹورٹ مل نے اپنی مشہور کتاب ''نظام منطق'' (۳)۔ میں اس کی نہایت عمدہ مثال دی ہے کہ :۔

''آج سے پچاس سال پہلے وسط افریقہ کے باشندوں کے نزدیک غالباً کوئی واقعہ اس سے زیادہ تجربہ کی قطعیت و یکسانی پر مبنی نہ تھا' جتنا یہ کہ تمام انسان کالے ہوتے ہیں' اسی طرح کچھ زیادہ دن نہیں گزرے کہ اہل یورپ اسکو فطرت کی یکسانی کی ایک بالکل قطعی و غیر مشتبہ مثال سمجھتے ہیں کہ تمام ہنس سفید (۴)۔ ہوتے ہیں' مزید تجربہ کے بعد افریقہ و یورپ والوں دونوں کو یہ معلوم ہوا کہ یہ خیال غلط تھے' لیکن اس تجربہ کے لئے ان کو پانچ ہزار برس انتظار کرنا پڑا اور اس طویل مدت میں انسانی آبادی کے دو براعظم فطرت کی ایک ایسی یکسانی پر یقین کرتے رہے جس کا حقیقتہً کوئی وجود نہ تھا۔''

کائنات فطرت کی وسعت بیکراں کو دیکھتے ہوئے آج بھی نوع انسان کے تجربہ پر مبنی قوانین فطرت کی بساط اس سے زیادہ نہیں ہے جتنی کہ اس تجربہ کی تھی کہ تمام انسان کالے ہوتے ہیں اور تمام ہنس سفید انیسویں صدی کے ایک مشہور فلسفی ڈاکٹر وارڈ نے اسی حقیقت کو ایک مفروض مثال کے پرایہ میں اس طرح بیان کیا کہ فرض کرو کہ :۔

---

(۱)۔ جس نے پانی کو بسیط عنصر کی بجائے آکسیجن و ھائیڈروجن سے مرکب ثابت کیا (۲)۔ یونان کا پہلا فلسفی جو پانی کو مبدء عالم جانتا تھا (۳)۔ سسٹم آف لاجك کتاب سوم باب ۳

ارتسام باطنی نہیں حاصل ہوتا' کسی شے کو پہلی دفعہ دیکھنے سے ہم کبھی قیاس نہیں کر سکتے کہ اس سے کیا معلول یا نتیجہ ظاہر ہوگا حالانکہ اگر علت کے اندر کسی قوت یا انرجی کا پتہ محض ذہن دوڑانے سے چل سکتا تو بلا کسی سابق تجربہ کے ہم اس نتیجہ و معلول کی پشین گوئی کر دیتے اور پہلی ہی نظر میں قطعی حکم لگا دیتے۔

حقیقت امر یہ ہے کہ کائنات مادی کا ایک ذرہ بھی ایسا نہیں ہے جس کے صفات محسوسہ کی بنا پر ہم اس کے اندر کسی قوت کا سراغ لگا سکیں یا قیاس سے بتلا سکیں کہ اس سے کوئی اور شئے دوسری ایسی وجود پذیر ہوسکتی ہے جس کو معلول کا لقب دیا جاتا ہے' صلابت' امتداد' حرکت' یہ چیزیں بجائے خود مستقل صفات اور ایسے واقعہ کا نشان نہیں دیتیں جس کو ان کا نتیجہ کہا جا سکے موجودات عالم میں ہر آن تغیر و تبدل جاری ہے' ایک چیز دوسری چیز کے بعد برابر آتی جاتی رہتی ہے لیکن وہ قوت و طاقت جو اس ساری مشین کو چلاتی رہتی ہے ہماری آنکھوں سے اوجھل ہے اور اجسام کی کسی محسوس صفت میں اپنا کوئی نشان نہیں رکھتی' ہم یہ واقعہ جانتے ہیں کہ آگ کے شعلہ میں گرمی پائی جاتی ہے لیکن ان دونوں (گرمی و شعلہ) میں کیا لزوم ہے' اسکے قیاس سے ہمارا تخیل قطعاً عاجز ہے۔"

---

(۱)۔ مل کی منطق کتاب سوم' باب ۲۱ فصل ۴ حاشیہ (۲)۔ فہم انسانی باب ۷ فصل ۱۔

اسی سلسلہ میں چند صفحات بعد کی ایک اور طویل عبارت کا اقتباس یہاں مناسب ہے' جس سے آگے چل کر کام پڑے گا۔

"عام طور پر لوگوں کو فطرت کے پیش پا افتادہ اور مانوس واقعات و افعال کی توجیہ میں کوئی دشواری نہیں نظر آتی (مثلاً بھاری چیزوں کا نیچے آجانا' درختوں کی بالیدگی' حیوانات میں توالد و تناسل یا غذا سے جسم کی پرورش وغیرہ کے واقعات) بلکہ وہ سمجھتے ہیں کہ ان صورتوں میں ان کو علت کی بذات خود اس قوت کا علم و احساس ہے جس کی بناء پر یہ اپنے معلول کو مستلزم ہے اور اس لئے ظہور معلول میں خطا کا امکان نہیں' بات

یہ ہے کہ تجربہ یا عادت دراز کی وجہ سے ان کی ذہن میں ایک ایسا میلان ورجان پیدا ہو جاتا ہے کہ علت کے سامنے آتے ہی اس نتیجہ کا یقین ہو جاتا ہے جو معمولاً اس کے ساتھ پایا گیا ہے اور یہ مشکل سے ممکن معلوم ہوتا ہے کہ اسکے سوا کوئی اور نتیجہ ظاہر ہو سکتا تھا۔صرف اس صورت میں جبکہ غیر معمولی وااحات وحوادث ظاہر ہوتے ہیں۔ مثلاً زلزلہ' وبا یا کوئی اور عجیب وغریب بات 'تو البتہ انکی صحیح علت کا پتہ نہیں لگتا اور سمجھ میں نہیں آتا کہ ان کی توجیہ وتشریح کیسے کی جاتے۔اس مشکل میں پڑ کر لوگ علی العموم کسی ان دیکھی صاحب عقل وارادہ ذات کے قائل ہو جاتے ہیں اور سمجھتے ہیں کہ یہ ناقابل توجیہ ناگہانی واقعات اسی ذات کے پیدا کردہ ہیں' لیکن فلاسفہ کی باریک بین نگاہ کو نظر آتا ہے کہ روزمرہ کے معمولی واحات کے پیدا کرنے والی قوت بھی اسی طرح نامعلوم ناقابل توجیہ ہے جس طرح کہ انتہائی سے انتہائی غیر معمولی واقعات کی۔ چنانچہ بہت سے فلاسفہ اپنی عقل کو اس پر مجبور پاتے ہیں کہ بلا اشتثاء تمام واقعات عالم کا مبداء اسی ذات کو قرار دیں جس کی طرف عوام صرف معجزات اور فوق الفطرت واقعات وحوادث کے ظہور کو منسوب کرتے ہیں (ان کے نزدیک) ہر معلول کی واقعی وبراہ راست علت فطرت کی کوئی قوت نہیں بلکہ ایک ہی برابر کا ارادہ ہوتا ہے'بلیرڈ کا ایک گیند جب دوسرے گیند سے ٹکراتا ہے تو خودخدا اپنے ارادہ خاص سے اس کو متحرک کر دیتا ہے اور یہ ارادہ ان عام قوانین کے مطابق ہوتا ہے جو اس نے اپنی مشیت سے کائنات پر حکم فرمائی کیلئے مقرر کر دیئے ہیں۔''

جب یہ مسلم ہو چکا کہ قوانین فطرت کی بنیاد تمام تر تجربہ پر ہے اور تجربہ کے ناقابل خط ہونے کا کبھی کسی حالت میں بھی دعویٰ نہیں کیا جاسکتا تو پھر ظاہر ہے کہ کسی شے کو خلاف فطرت یا خارق عادت کہہ کر اس کو غلط یا ناممکن کیسے ثابت کیا جاسکتا ہے۔ چنانچہ خود ہیوم کا اپنے اسی اصول پر دعویٰ ہے کہ جس شے کا تصور ممکن ہے وہ کسی تناقض کو مستلزم نہیں ہوسکتی اور جو شے مستلزم ناقص نہ ہو اس کو کسی حجت وبرہان یا عقلی

دلیل سے غلط نہیں ثابت کیا جا سکتا۔(۲)۔

پروفیسر ہکسلے جو فلسفی سے زیادہ حکیم (سائنٹسٹ) ہے اور جس کی جگہ حکماء کی صف اول میں ہے' اس نے ہیوم کے اس قول کو اپنی تحریروں میں جا بجا نقل کر کے اس کی نہایت شدت سے تائید کی ہے۔خود ہیوم کے نظریہ معجزات پر بحث کرتے (۳)۔ ہوئے پہلے تو معجزہ کے متعلق اس کی اس تعریف کی تغلیط کی ہے کہ ''وہ نام ہے' قوانین

---

(۱)۔فہم انسانی باب ۷ فصل ۱ (۲)۔فہم انسانی باب ٤ (۳)۔ ہکسلے کی کتاب "ہیوم" باب ۷ (متعلق معجزات)

فطرت کے خرق کا'' اور بتلایا ہے کہ معجزات کے معنی زیادہ سے زیادہ ''انتہائی حیرت انگیز واقعات (۱)۔'' کے ہو سکتے ہیں پھر اسی ضمن میں ہیوم کے مذکورہ بالا قول کو نقل کر کے لکھا ہے کہ:۔

''لیکن معجزہ کا تصور کیا جا سکتا ہے کہ یہ کسی تناقض کو مستلزم نہیں ہے لہذا خود ہیوم ہی کے دعویٰ کے مطابق معجزہ کو کسی برہانی دلیل سے غلط نہیں ثابت کیا جا سکتا' بایں ہمہ ہیوم خود اپنے ہی اصول کے خلاف اور بالکل متناقض ایک دوسری جگہ لکھتا ہے کہ مردہ کا زندہ ہو جانا معجزہ ہے کیونکہ ایسا پہلے کبھی کسی زمانہ اور کسی ملک میں نہیں ہوا ہے۔''

اس ارتکاب تناقض کی تشریح کرتے ہوئے پروفیسر موصوف نے طنزاً لکھا ہے کہ اگر ہیوم کے استدلال کی مہملیت کو برہنہ کر کے دیکھا جائے تو معنی یہ ہوں گے کہ جو چیز پہلے کبھی نہیں واقع ہوئی وہ آئندہ بغیر قوانین فطرت کے خرق کے نہیں واقع ہو سکتی۔''

ہکسلے کا ایک نہایت دلچسپ مضمون ''ممکنات و ناممکنات'' ہے اس میں بھی ہیوم اس کے پیش نظر ہے اور اپنی حکیمانہ ذمہ داری کے پورے احساس و شعور کے ساتھ لکھتا ہے(۲)۔۔

''صحیح معنی میں بجز تناقض کے اور کسی بھی ایسی چیز سے میں واقف نہیں ہوں جس کو

ناممکن کہنا حق بجانب ہو' منطقی ناممکنات کا وجود ہے لیکن طبعی ناممکنات کا قطعاً کوئی وجود نہیں۔ ''مربع مدور ماضی موجود' دو متوازی خطوط کا تقاطع۔'' یہ چیزیں ناممکنات سے ہیں اس لئے کہ مدور موجود یا حاضر اور تقاطع کا تصور ہی ''مربع'' ماضی اور متوازی کے تصور کے متناقض ہے' لیکن پانی پر چلنا یا پانی کو شراب بنا دینا' بچہ کا بے باپ کے پیدا ہونا' مردہ کو زندہ کر دینا یہ چیزیں مفہوم بالا کی رو سے ناممکنات نہیں ہیں' ہاں اگر ہم یہ دعوے کر سکتے کہ فطرت اشیاء کے متعلق ہمارے علم نے تمام ممکنات کا کامل احاطہ کر لیا ہے تو شاید یہ کہنا بجا ہوتا کہ آدمی کے صفات چونکہ پانی پر چلنے یا ہوا میں اڑنے کے متناقض ہیں' اس لئے یہ افعال اس کے لئے ''ناممکن'' ہیں' لیکن یہ حقیقت روز روشن کی طرح ظاہر ہے کہ علم فطرت کی انتہا تک پہنچنا کیسا' ابھی تک ہم اس کی ابتداء اور ابجد سے آگے نہیں بڑھے ہیں' بلکہ ہماری قوتیں اس قدر محدود ہیں کہ کبھی بھی ہم ممکنات فطرت کی حد بندی نہیں کر سکتے' جو کچھ واقع ہو رہا ہے یا ہو چکا ہے اس کا ہم کو علم ہے باقی جو کچھ واقع ہونے والا ہے اس کی نسبت ہم صرف ایک توقع قائم کر سکتے ہیں جس کی بنیاد کم و بیش گزشتہ تجربہ کے صحیح سمجھنے پر ہے جس سے ہم کو خیال ہوتا ہے کہ مستقبل ماضی کے مماثل ہو گا۔''

اس میں شک نہیں کہ کچھ دن پہلے بعض گوشوں سے اس قسم کی آوازیں سنائی دیتی تھیں کہ کائنات کا ہر ذرہ قانون کا پابند ہے۔ اور وہم و بے عقلی انسان کی بدترین دشمن ہے اور عقل و ہمت بہترین دوست' لہذا ہمارا فرض ہے کہ جہاں کہیں عقیدہ معجزات کا پتہ چلے اس پر حملہ کریں (۳)۔

---

(۱)۔ انگریزی میں معجزہ کے لئے جو لفظ مستعمل ہے (مرکیل) اس کے لفظی معنی بھی ''حیرت انگیز'' کے ہیں (۲)۔ ۸۔۱۹۷۔ (۳)۔ (Life of Wonder) عجائبات حیات از ہیگل باب ۳ معجزات

لیکن یہ باتیں قریباً چوتھائی صدی قبل کی ہیں (۱)۔ ۱۹۲۷ء کے بعد کوانٹم نظریہ کی بدولت سائنس میں جو بھونچال آیا ہے اس نے سائنس کی دنیا میں بھی اب ایسے بے

باکانہ و مدعیانہ نعروں کی گنجائش نہیں چھوڑی' فلسفہ میں تو علت ومعلول کے لزوم و وجوب کی بنیادوں کو ہیوم کیا' ہیوم سے صدیوں پہلے امام ابوالحسن اشعری ہی نے کھوکھلا کر دیا تھا البتہ سائنس کی بنیاد ہی فطرت کی یکسانی یا علیت کے اٹل قانون پر رکھی اور سمجھی جاتی تھی' اس ستم ظریفی کو کیا کہیے' کہ خود سائنسی تجربات واختبارات ہی کی راہ سے یہ اٹل قانون نہ صرف مجروح اور متزلزل ہو گیا ہے بلکہ سر آرتھر ایڈنگٹن جیسے کابر سائنس کے نزدیک اس کو ہمیشہ کیلئے خیرباد کہہ دینا پڑا ہے' چند سال قبل دنیا کے سائنس کے تازہ ترین معلومات وخیالات پر ''ماڈرن بلیف'' کے نام سے رسائل کا ایک سلسلہ شائع ہوا تھا' اسکے جستہ جستہ یہ اقتباسات پڑھو۔

''کوانٹم نظریہ نے بڑا زبردست انقلاب برپا کر دیا ہے کہ مادی دنیا میں اب تک علل ومعلول کے قانون کی فرمانروائی کو اٹل تصور کیا جاتا تھا' سارے طبعی واقعات و حوادث بالکلیہ جبری یا وجوبی قوانین کے تابع یقین کئے جاتے تھے' سلسلہ علل و معلولات میں کہیں کوئی خلل ورخنہ نہ تھا مگر ۲۷ء میں اس خیال ویقین کو سخت دھکا لگا اور ماہرین طبیعات نے دیکھا کہ علیت کے وجوب وکلیت کو مادی دنیا سے رخصت کرنا پڑا اور سارے قرائن اسی کے نظر آتے ہیں کہ وجوبی وقطعی علیت کا ہمیشہ کے لئے خاتمہ ہو گیا۔

ابھی بالکل حال تک قانون علیت کو سائنسی تحقیقات کا بالاتفاق بنیادی اصول قرار دیا جاتا تھا لیکن اب اسی اصول کو ترک کر دینے کا سوال پیدا ہو گیا ہے کہ آیا کارخانہ فطرت میں ہر واقعہ لزوماً کسی ایسے دوسرے واقعہ ہی سے پیدا ہوتا ہے جس کو علت کہا جاتا ہے؟ یا اس کا اعتراف کرنا پڑتا ہے کہ حوادث فطرت کی تہہ میں کوئی ایسی شے کارفرما ہے جس کو اختیار یا آزادی ارادہ کہا جاتا ہے۔ ماحصل یہ کہ اس وقت تک طبعی مظاہر کی تحلیل کا نتیجہ یہ برآمد ہوا ہے کہ ہم کو کہیں بھی وجوبی یا جبری قانون کی موجودگی کی شہادت نہیں ملتی۔'' (بحوالہ جرنل آف فلاسفی بابتہ ۳۳ء)

اس کا مطلب یہ نہیں کہ قوانین فطرت کا سرے سے کوئی وجود نہیں بلکہ ''ان'' کی حیثیت اعداد و شمار کے لئے قوانین کی رہ جاتی ہے' زندگی کا بیمہ کرنے والی کمپنیاں کوئی ایسا قانون نہیں جانتی ہیں کہ فلاں شخص چالیس سال کی عمر میں مر جائے گا لیکن اتنا جانتی ہیں کہ کسی بڑی جماعت میں اتنے فی صد آدمی چالیس کے سن میں مر جائیں گے' یعنی افراد کا مل نا قابل پیش بینی ہونے کے باوجود جماعت کی نسبت پیش بینی ممکن ہے' پس قوانین فطرت صرف اسی معنی میں موجود ہیں اور سائنسی پیش گوئی یا پیش بینی ہو سکتی ہے (۲)۔۔

بالفاظ دیگر قانون فطرت کی نوعیت دراصل قانون عادت کی ہے یعنی کسی خاص فرد کے بارے میں وجوبا پیش گوئی نہیں کی جا سکتی کہ وہ فلاں عمر میں مر جائے گا' البتہ عادتاً یہ معلوم ہے کہ کسی بڑی جماعت میں اتنے فی صد چالیس سال کی عمر میں مر جائیں گے' مذہب کی زبان میں اسی قانون عادت کو عادہ اللہ سے تعبیر کیا جاتا ہے جس کی بناء پر بھی عمل فطرت کی یکسانی یا قوانین فطرت کے نفس وجود کا انکار نہیں لازم آتا۔ البتہ ان قوانین کا منشا یہ ہے

---

(۱)۔ معجزات پر سیرت کا یہ ٹکڑا آج (۴۵ء) سے ۲۴ سال قبل لکھا گیا تھا۔ (۲)۔ eniltuO fo nrenooM feileB ہے' مرتبہ جے ڈبلو' ان سولیوان)naviluS(وو الٹر گریرسن)nosreirG(حصہ چہارم باب ۶ ص ۲۸۔

بہرے بے علم و اختیار مادہ کا اٹل وجوب و لزوم سے نہیں' بلکہ ایک علم اختیار والی ذات (اللہ تعالیٰ) کی عادت جاریہ سے ہے جو کسی حکمت و مشیت کے تحت کبھی کبھی اس عادت جاریہ کے خلاف بھی کر سکتی اور کرتی ہے یہی معجزہ ہے اور بقول مشہور سائنسدان ڈاکٹر کارپنٹر کے کہ قائل مذہب سائنسداں کو اس کے ماننے میں کوئی عقلی دشواری نہیں پیش آ سکتی کہ خالق فطرت اگر چاہے تو کبھی کبھی قوانین فطرت کے خلاف بھی کر سکتا ہے' ہم کو معجزات کے خلاف اگر سائنس کے کسی ایسے قوی کا علم

نہیں جو معتبر شہادت کی موجودگی میں ان کے قبول سے مانع ہو۔(۱)۔

جب کارپنٹر کے زمانہ ہی میں سائنس کا کوئی ایسا فتوی معلوم نہ تھا تو اب کوانٹم نظریہ کے بعد جب کہ کلام وفلسفہ کے نرے قیاسات سے گزر کر خود سائنس کی دنیا میں اور سائنس ہی کی راہ سے فطرت یا علیت کے نام نہاد اٹل قوانین کا وجود اتنا مشتبہ ہو گیا ہے کہ مادی دنیا سے بظاہر ان کو ہمیشہ کے لئے رخصت کرنا پڑ رہا ہے تو اور بھی سائنس کا یا قوانین فطرت کے خرق کا نام لے کر کسی معجزہ کا انکار کس منہ سے کیا جا سکتا ہے؟ لہذا بقول کارپنٹر ہی کے اصل سوال صرف یہ ہے کہ آیا اس قسم کی تاریخی شہادت موجود ہے یا نہیں، جس سے معلوم ہو کہ خالق فطرت کبھی کبھی خلاف فطرت بھی کر دیا کرتا تھا(۲)۔

یہ صرف ممکن ہی نہیں ہے کہ خالق فطرت اگر چاہے تو کبھی کبھی قوانین فطرت کے خلاف کر سکتا ہے یعنی معمولی سلسلہ علل واسباب ومعلولات کو توڑ سکتا ہے بلکہ ایک اور نامور عالم طبیعات پروفیسر ڈالبیر (۳)۔ کا اعتراف یہ ہے کہ اس امر کی ہمارے پاس خاصی شہادت موجود ہے جس کو آسانی سے نظر انداز نہیں کیا جا سکتا کہ بعض طبعی حوادث اس طرح وقوع پذیر ہوتے ہیں کہ ان کے تمام معمولی علل واسباب غائب ہوتے ہیں، اجسام حرکت کرتے ہیں، دراں حالیکہ نہ کوئی شخص ان کو چھو رہا ہے اور نہ برقی یا مقناطیسی عوامل اپتہ ہے۔ اس کی بھی شہادت موجود ہے کہ ایک نفس کا خیال دوسرے نفس میں (بلا کسی وساطت کے) پہنچ جا سکتا ہے اور جس قسم کے واقعات کو معجزہ سمجھا جاتا تھا ان کا وقوع اب غیر اغلب نہیں رہا ہے۔

ہکسلے کو اگرچہ اس بارے میں ہیوم سے شدید اختلاف ہے کہ معجزہ نام قوانین فطرت کے خرق کا ہے، لیکن تصریحات بالا سے قانون فطرت کی جو حقیقت ثابت ہوتی ہے اس کو اگر وضاحت کے ساتھ سامنے رکھا جائے تو ہمارے نزدیگ معجزہ کی یہ تعریف چنداں قابل اعتراف نہیں رہ جاتی۔

شہادت معجزات

امکان وقوع کیلئے کافی نہیں::

لیکن کسی امر کا صرف عقلا جائز وممکن ہونا اس کے وقوع کی دلیل نہیں یہ عقلا بالکل جائز وممکن تھا کہ اکبر ہندوستان کے ساتھ انگلستان کس بھی بادشاہ ہوتا۔ مگر ایسا نہیں' کسی شے کے وقوع کو قبول کرنے کے لئے دوصورتیں ہیں (۱) غیر مشتبہ مشاہدہ یا (۲) تشفی بخش شہادت۔ غیر مشتبہ مشاہدہ کی صورت میں کوئی شے کچھ طلب نہیں رہ جاتی۔ مثلاً۔

''آنحضرت ؐ نے ایک سفر میں حضرت جابرؓ سے وضو کا پانی طلب فرمایا' انہوں نے قافلہ میں بہت ڈھونڈا پانی نہیں ملا' انصار میں ایک شخص تھے جو خاص طور پر آپ ؐ کیلئے پانی ٹھنڈا کر کے رکھتے تھے' حضرت جابرؓ نے آپ ؐ کی خدمت میں پانی نہ ملنے کی اطلاع کی آپ ؐ نے اب جوان انصاری کے پاس بھیجا' لیکن ان کے پاس بھی اس قدر کم پانی نکلا کہ اگر انڈیلا جاتا تو برتن کے خشک حصہ ہی میں جذب ہو کر رہ جاتا' حضرت جابرؓ نے آنحضرت ؐ کو اس کی خبر دی تو آپ ؐ نے اس برتن کو منگا بھیجا اور ہاتھ میں لے کر کچھ پڑھا اور اس کو ہاتھ سے دبا دیا۔ پھر حضرت جابرؓ کو برتن دیا اور طشت طلب فرمایا۔ آپ ؐ نے ہاتھ کی انگلیاں پھیلائیں اور اس طشت کے اندر رکھ کر حضرت جابرؓ کو حکم دیا کہ بسم اللہ کہہ کر آپ ؐ کے ہاتھ پر پانی گرائیں' حضرت جابرؓ کا بیان ہے کہ میں نے پانی ڈالنا شروع کیا' پہلے آپ ؐ کی انگلیوں کے درمیان سے پانی اُبلا' پھر تمام طشت بھر گیا' یہاں تک کہ سب لوگ پانی پی کر سیراب ہو گئے' اسکے بعد آپ ؐ نے اس کے اندر سے ہاتھ نکال لیا تو طشت بھرے کا بھرا رہ گیا (۱)۔''

اب اگر حضرت جابرؓ نے اس واقعہ کو بچشم خود مشاہدہ کیا اور ان کو اس میں کسی قسم کا کوئی اشتباہ نہیں تھا تو ظاہر ہے کہ ان کو اس کے یقین وقبول میں کیا تامل ہو سکتا تھا' البتہ

ہمارے لئے اس کے باور کرنے میں یہ بحث پیدا ہو سکتی ہے کہ یہ واقعہ فی نفسہ ممکن ہے یا ناممکن اور حضرت جابرؓ کی شہادت کہاں تک قابل اعتبار ہو سکتی ہے لہٰذا امکان معجزات کا مرحلہ طے ہو چکنے کے بعد دوسری بحث شہادت معجزات کی پیدا ہوتی ہے۔

ہیوم کا فتوی::

ہیوم کا روایات معجزہ کے متعلق اگرچہ آخری فتوی یہی ہے کہ اس کے اثبات کے لئے انسانی شہادت کی کوئی کمیت و کیفیت نہیں کافی ہو سکتی' تاہم نفس خارق فطرت واقعات کے لئے اسکے نزدیک بھی انسانی شہادت کا ایک درجہ ایسا موجود ہے جس کی بناء پر ان کو قبول کیا جا سکتا ہے۔

(۱)۔ دیکھو کتاب ھذا" بیان عام معجزات

"فرض کرو کہ تمام زبانوں کے تمام مصنفین اس پر متفق ہوں کہ یکم جنوری ۱۶۰۰ء سے لے کر آٹھ دن تک برابر تمام روئے زمین پر تاریکی چھائی رہی' یہ بھی فرض کرو کہ اس خارق عادت واقعہ کی روایت آج تک لوگوں کی زبان پر ہے اور دوسرے ممالک سے جو سیاح آتے ہیں وہ بے کم و کاست اور بلا شائبہ تناقض وہاں کے لوگوں کی یہی روایت بیان کرتے ہیں۔ظاہر ہے کہ ایسی صورت میں ہمارے زمانہ کے حکماء کا کام شک کے بجائے اس واقعہ یقین کر کے اس کی توجیہ اور اس کے علل و اسباب کی جستجو ہو گی' کائنات فطرت میں زور و انحطاط' فنا و فساد کی مثالیں اس کثرت سے ملتی ہین کہ اگر کسی حادثہ سے اس کی تباہی کے آثار پائے جائیں تو اس کے بارے میں انسانی شہادت قابل قبول ہو گی' بشرطیکہ یہ نہایت وسیع' متواتر اور متفق علیہ ہو۔ (۱)۔"

ہیوم کا تعصب::

اب اگر یہی واقعہ کسی نبی کی طرف منسوب کر کے معجزہ قرار دیا جائے تو ہیوم کے نزدیک اس پر یقین کرنے کے لئے کوئی انسانی شہادت قابل قبول نہ ہوتی کیوں؟

اس لئے کہ ''اس قسم کی شہادت خود اپنی تکذیب ہے۔''حتیٰ کہ جس معجزہ کی بناء کسی انسانی شہادت پر ہو وہ حجت و استدلال کے بجائے محض تمسخر انگیز چیز ہے' مذہب کے نام سے لوگ ہمیشہ مضحک و خرافات افسانوں کے دام میں آ جاتے ہیں لہذا مذہب کی طرف نفس انتساب ہی معجزہ کے حیلہ و فریب ہونے کا پورا ثبوت ہے۔ مذہب جیسی مقدس شے کی تائید میں لوگ بے ضرر کذب و افترا سے باک نہیں کرتے پیمبر (معاذ اللہ) عزت پیمبری کے شوق میں ہر طرح کے خطرات کو گوارا کرسکتا اور مکر و احتیال پر آمادہ ہوسکتا ہے' انسان زود اعتقاد اور بالطبع عجائب پسند ہے' معجزات کا قبول عام اور بہ آسانی شائع و ذائع ہو جانا خود اس بات کا کافی ثبوت ہے کہ انسان میں عجائب پرستی کا کیسا شدید میلان ہے اور اس لئے عجائب پرستی کے تمام بیانات کو بجا طور پر اشتباہ کی نگاہ سے دیکھا جاسکتا ہے' پھر معجزات اور فوق الفطرت باتوں کے خلاف ایک قوی قرینہ یہ ہے کہ ان کا اعتقاد زیادہ تر جاہل اور وحشی اقوام میں پایا جاتا ہے۔ ایک عقل مند آدمی پرانے زمانہ کی حیرت زا تاریخوں کو پڑھ کر پکار اٹھتا ہے کہ عجب بات ہے کہ اس قسم کے خارق عادت واقعات ہمارے زمانہ میں نہیں ظاہر ہوتے۔ ان ہی وجوہ کی بنا پر دعویٰ ہے کہ مذہب کے نام سے جتنے معجزات بیان کئے جاتے ہیں وہ سب کے سب محض خرافات اور انسان کی اوہام پرست فطرت کا ڈھکوسلا ہیں۔(۲)۔

بلاشبہ شہادت کی جرح و تعدیل اور تحقیق و تنقیح کے وقت یہ تمام امور قابل لحاظ ہیں لیکن کیا ان میں سے کوئی ایک شے بھی ایسی ہے جس کی بناء پر محض معجزہ یا مذہب کے نام آتے ہیں ہیوم کا یہ ایسا ناقابل حمایت اور صریح تعصب تھا جس کے لئے صدائے تائید حکمت و فلسفہ کے سنجیدہ حلقوں سے نہیں اٹھ سکتی تھی اور اگر کسی معجزہ کی تصدیق میں تشفی شہادت موجود ہو تو اس کے قبول سے محض معجزہ ہونے کی بنا پر کسی عاقل کو انکار نہیں ہوسکتا۔ مثلاً ایک سفر میں:۔

''صحابہ بھوک سے اس قدر بے تاب ہوئے کہ اونٹنیاں ذبح کرنا چاہیں' لیکن آپ ؐ نے تمام لوگوں کے زادراہ کے جمع کرنے کا حکم دیا' ایک چادر بچھائی گئی اور اس پر تمام زادراہ ڈھیر کیا گیا اس تمام سامان کی مجموعی تعداد نے صرف اس قدر زمین کا احاطہ کیا جس پر ایک بکری بیٹھ سکتی تھی اور اشخاص کی تعداد چودہ سو تھی لیکن تمام لوگوں نے سیر ہو کر کھالیا اور اپنے اپنے توشہ دان بھی بھر لئے۔ (۳)۔''

(۱)۔فہم انسانی باب ۱۰۔ (۲)۔یہ تمام قریب قریب ہیوم ہی کے الفاظ ہیں جو تم کراس کے مضمون "معجزات" میں جابجا ملیں گے۔ (۳)۔دیکھو کتاب ھذا بیان عام معجزات۔

کافی شہادت::

اب اس روایت میں اگر ان امور کی کافی شہادت مل جائے کہ (۱) تمام زادراہ صرف ایک بکری کے بیٹھنے بھر کی جگہ میں آ گیا تھا (۲) اشخاص کی تعداد چودہ سو تھی (۳) سب لوگوں نے یہ سیر ہو کر کھالیا (۴) اور اپنے اپنے توشہ دان بھر لئے تو ہکسلے جیسے حکیم و فلسفی تک کو اس روایت کے تسلیم کرنے میں کوئی تامل نہ ہوگا۔

چنانچہ اسی نوعیت کا ایک معجزہ حضرت مسیح کا انجیل میں مذکور ہے کہ پانچ روٹیوں اور مچھلیوں سے پانچ ہزار آدمیوں کا پیٹ بھر گیا اور پھر بھی اتنے ٹکڑے بچ رہے کہ جن کو جمع کرنے سے بارہ ٹوکریاں بھر گئیں۔ (۱)۔لیکن اس معجزہ کے باور کینے میں ''روایتہ'' جو دشواریاں نظر آتی ہیں انکو پوری طرح واضح کرنے کے بعد ہکسلے نے لکھا ہے۔

''اگر یہ ثابت ہو جائے کہ (۱) کھانا شروع کرتے وقت روٹیوں اور مچھلیوں کا وزن کیا تھا (۲) پانچ ہزار آدمیوں میں یہ تقسیم کی گئیں بلا اس کے کہ ان کی کمیت یا کیفیت میں کوئی اضافہ ہوا ہو (۳) تمام آدمی واقعتاً پوری طرح آسودہ ہو گئے (۴) اس کے بعد ٹوکریوں میں جو ٹکڑے جمع کئے ان کا وزن کیا تھا تو پھر ممکنات و ناممکنات کے بارہ میں میرے موجودہ خیالات کچھ ہی ہوں' لیکن مذکورہ بالا چار چیزوں کی تشفی بخش

کا تاریخ کے دفتر میں کہیں پتہ نہیں، لیکن معجزات کے عدم قبول کی کیا واقعاً یہی وجہ ہے؟ اور کیا اس نے اپنے اس دعویٰ کی چند ہی صفات آگے بڑھ کر خود تردید نہیں کر دی ہے؟ فرانس میں کوئی مشہور درسگاہ ہے، جس کے تقدس پر (بقول ہیوم) لوگ مدتوں فریضہ رہے ہیں۔

''بہروں کو سماعت، اندھوں کو بصارت مل جانا اور بیماروں کا اچھا ہو جانا اس مقدس درگاہ کی معمولی کرامتیں تھیں، جن کا ہر گلی کوچے میں چرچا رہتا تھا، لیکن سب سے حیرت انگیز اور غیر معمولی بات یہ ہے کہ ان میں سے بہت سی کرامتیں ایسے اشخاص کو حکم یا ثالث بنا کر ان کے روبرو ثابت کر دکھائی گئی ہیں جن کی دیانت پر حرف رکھنا ناممکن ہے، پھر ان پر ایسے گواہوں کی مہر تصدیق ثبت ہے جن کی شہرت وسند مسلم ہے جس زمانہ میں ان کرامتوں کا ظہور رہا وہ علم کا زمانہ ہے اور جگہ بھی ایسی جو دنیا کا مشہور ترین خطہ ہے اتنا ہی نہیں بلکہ یہ کرامتیں چھاپ چھاپ کر ہر جگہ شائع کی گئیں، با ایں ہمہ یسوعی فرقہ تک کو ان کی تکذیب یا پردہ دری کی مجال نہ ہوئی، حالانکہ یہ لوگ خود اہل علم تھے۔ مجسٹریٹ ان کی حمایت پر تھا اور ان خیالات کے جانی دشمن تھے جنکی تائید میں یہ معجزات پیش کئے جاتے تھے۔ اب یہ بتاؤ کہ کسی امر کی توثیق وتصدیق کے لئے اتنی تعداد میں موافق حالات ہم کو کہاں میسر آ سکتے ہیں اور ان دل بادل شہادتوں کے خلاف ہمارے پاس بجز اس کے اور کیا دلیل ہے کہ یہ واقعات بذات خود قطعاً ناممکن اور سراسر خارق فطرت ہیں اور معقول پسند آدمیوں کی نگاہ میں ان کی تردید کیلئے بس یہی ایک دلیل کافی ہے (ا)۔'' اللھم احفظنا من شرور انفسنا۔

ہیوم کا صریح تناقض ::

ایک ہی مضمون کے اندر ایسے زبردست فلسفی کی ایسی صریح تناقض بیانی جس قدر حیرت افزا ہے اس سے کہیں زیادہ عبرت انگیز ہے۔ بات یہ ہے انسان کا یقین ہمیشہ اس کی منطق کا ساتھ نہیں دیتا۔ جبریہ اس کے قائل ہیں کہ انسان اپنے افعال

میں مجبور محض ہے اور اس دعویٰ پر انہوں نے اٹل سے اٹل دلائل قائم کر دیتے ہیں' تاہم دیکھو کہ ۲۴ گھنٹے کی زندگی میں وہ خود کتنے لمحے ان دلائل کی بناء پر اپنے کومجبور محض یقین کرتے ہیں' ہیوم کے دلائل فلسفہ نے بے شک یہ ثابت کر دیا کہ معجزہ فی نفسہ ناممکن نہیں لیکن پھر بھی دل سے یہ کھٹک نہیں نکلتی کہ واقعات (معجزات) بذات خود ناممکن اور سراسر خارق عادت ہیں۔ اور ان کی تردید کیلئے بس یہی ایک دلیل کافی ہے' فرانس کی درسگاہ کے متعلق جو کرامتیں مشہور ہیں انکی توثیق وتصدیق کیلئے اسی درجہ کی شہدت اس کو مل گئی جس کا چند صفحے پہلے اس کے نزدیک سارے تاریخ کے دفتر میں وجود نہ تھا لیکن پھر بھی ان کرامتوں سے قطعی انکار ہے لہذا معلوم ہوا کہ معجزات کا یقین کرانے کیلئے کسی معجزہ یا کرامت کی تائید میں صرف ممکن سے ممکن انسانی شہادت کا مہیا کر دینا کافی نہیں ہے بلکہ پہلے اس کے عدم امکان کا وسوسہ پوری طرح ذہن سے نکالنا چاہیئے اور پھر خود یقین کی ماہیت واسباب پر بحث کرنی چاہیئے۔

انتہائی استبعاد::

اوپر اگر چہ ہم نے ہیوم کی اس تعریف میں چنداں مضائقہ نہیں خیال کیا تھا کہ معجزات نام ہے خارق فطرت واعات کا' لیکن تم نے اقتباس بالا کے آخری زیر خط جملہ میں دیکھ لیا کہ ''خارق'' کا لفظ کس قدر گمراہ کن ہے خود ہیوم ہی کے فلسفہ کی رو سے معجزات بالذات ممکن ہونا قطعی طور پر قابل توجہ فقرات کو زیر خط میں مولف ہذا نے کیا ہے۔

محقق ہو چکا ہے' پھر بھی اس کی زبان قلم اس لغزش سے اپنے کو نہیں بچا سکتی کہ واقعات (معجزات) بذات خود قطعًا ناممکن اور سراسر خارق فطرت ہیں۔ اصل یہ ہے کہ نفسی اختلافات کی بناء پر ہمارے ذہن میں یہ غلط خیال بے طرح جاگزین ہو چکا ہے کہ فطرت یا قانون فطرت ایک اٹل اور ناممکن التغیر شے ہے۔ اس لئے کسی واقعہ

کو خارق فطرت کہتے ہی اس کے ناممکن ہونے کا تصور ذہن پر مسلط ہو جاتا ہے۔

لہذا جب یہ محتتم طور پر ثابت ہو چکا ہے کہ خود معجزہ کی ذات میں عدم امکان داخل نہیں ہے بلکہ تشفی بخش شہادت کی موجودگی میں اس کا یقین کیا جا سکتا ہے تو اس کو خارق فطرت کی گمراہ کن تعبیر کے بجائے ہلکسلے کے الفاظ میں زیادہ سے زیادہ انتہائی حیرت انگیز واقعہ کہا جا سکتا ہے' لیکن انتہائی حیرت انگیز سے بھی مناسب تر تعبیر انتہائی مستبعد کی ہو گی۔

فطرت کی یکسانی::

ایک عام خیال جو اس ''حیرت انگیزی'' میں اضافہ کرتا ہے' یہ ہے کہ کارخانہ فطرت کے تمام پرزے ہمیشہ اور ہر حالت میں یکساں ہی نتائج پیدا کرتے ہیں' حکماء جب تک فطرت کی ایک رنگی پر زور دیتے ہیں تو اسی مغالطہ میں مبتلا نظر آتے ہیں حتیٰ کہ مل کو اپنی ''منطق'' (۱)۔ میں اس خیال کی تردید کرنی پڑی کہ فطرت کی کارفرمائی یکسانی پر مبنی ہوتی ہے' ہم خود غور کریں تو کچھ نہ کچھ مثالیں ایسی سامنے آتی رہتی ہیں جن سے یہ مغالطہ دور ہو جانا چاہیئے۔ ابھی اج ہی اخبار پڑھتے اس قسم کے دو واقعے نظر پڑے (۲)۔

عورتوں کے علی العموم بہ وقت واحد ایک لڑکا ہوتا ہے یا کبھی کبھی دو' لیکن حال میں ملسکو (امریکہ) میں ایک عورت کے ایک ساتھ آٹھ لڑکے پیدا ہوئے' ایک دوست سے اس واقعہ کا ذکر آیا تو انہوں نے کہا' کچھ عرصہ ہوا کہ برہما میں ایک عورت کے چھ لڑکے ہونے کی خبر شائع ہوئی تھی۔ طبی دنیا کا عام تجربہ ہے کہ جب خون کی حرارت ۱۰۷ یا ۱۰۸ درجے پہنچ جاتی ہے تو آدمی نہیں بچتا' لیکن برسٹل میں انفلوئنزا کی مریض ایک لڑکی کا بخار ۱۱۴ درجہ تک پہنچ گیا' پھر بھی وہ اچھی ہو گئی اور زندہ ہے' خود حیرت زدہ ڈاکٹر کی شہادت ہے کہ:۔

''جب وہ پہلی دفعہ اس لڑکی کو دیکھنے کے لئے بلایا گیا تو اس کی حرارت ۱۱۲ نکلی' خیال ہوا کہ تھرمامیٹر میں کچھ نقص ہے' دوسرا تھرمامیٹر منگا کر لگایا تو پھر وہی ۱۱۲۔ ڈاکٹر کو اب بھی یقین نہ آیا' اس نے دو تھرمامیٹر اور منگائے' بالآخر یقین کرنا پڑا' کچھ علاج سے بخار اپنی معتدل حالت پر آ گیا لیکن رات کو پھر بڑھ گیا اور دوسرے دن صبح کو جب ڈاکٹر نے دیکھا تو ۱۱۴ تھا' حیرت کی انتہا نہ رہی بہر حال علاج سے فائدہ ہوا اور اب مریضہ خاصی روبصحت ہے۔''

تریکون متی (ٹرگنا میٹری) یا ''مساحت المثلاث'' وغیرہ ریاضیات عالیہ کی وہ شاخیں ہیں جن کی کالجوں میں

---

(۱)۔ نظام منطق کتاب ۳ باب ۳ (۱)۔ یہ دونوں واقعے آج ۲۷ فروری ۱۹۲۲ء کے لیڈر میں مذکور ھیں۔

ریاضیات کے اعلیٰ مدارج میں تعلیم دی جاتی ہے' ۱۰' ۱۱ برس کے بچے جو علی العموم زیادہ سے زیادہ اسکول کی چوتھی پانچویں جماعت میں پڑھتے ہیں ان کی ریاضی دانی بس حساب کے چند ابتدائی قوائد تک محدود ہوتی ہے جو لڑکے غیر معمولی طور پر ذہین و محنتی اور جن کی تعلیم کا گھر پر معلم رکھ کر خاص اہتمام کیا جاتا ہے وہ بہت ترقی کرتے ہیں تو ۱۳' ۱۴ برس کی عمر میں اسکول کی تعلیم پوری کر پاتے ہیں۔

لیکن گزشتہ سال اکتوبر میں (۱۷ کا تار' لیڈر) راج نرائل نامی ۱۱ برس کے ایک مدراسی لڑکے کا معجزہ ریاضیات (اسی عنوان سے) یہ چھپا تھا کہ اس نے بلا کسی علم کی مدد کے اعلیٰ الجبرا' تریکون متی' تحلیلی اقلیدس (جامیٹری) وغیرہ از خود حاصل کی ہے۔

ولادت مسیح (بے باپ کے) یا احیائے موتی سے بڑھ کر کس شے میں انتہائی استبعاد یا اعجاز ہوسکتا ہے لیکن سائنس کی تحقیقات نے (جس کے نزدیک انسان کی حقیقت حیوان عالم سے زیادہ نہیں) حیوانات ہی کے اندر اسکے نظائر بھی تلاش کر لئے' چنانچہ یکسلے جیسے سائنسدان نے معجزات ہی کے ضمن میں لکھا ہے :۔

''رہا مریم کے کنوارپن میں مسیح کا پیدا ہونا تو یہ نہ صرف ممکن التصور شے ہے بلکہ علم الحیات کی تحقیقات نے ثابت کر دیا ہے کہ بعض اصناف حیوانات میں یہ روزانہ کا واقعہ ہے' یہی حال احیائے موتی کا ہے بعض جانور مر کر مومیات کی طرح بالکل خشک ہو جاتے ہین اور عرصہ تک اسی حالت میں رہتے ہیں لیکن جب ان کو مناسب حالات میں رکھ دیا جاتا ہے تو پھر جان آجاتی ہے۔ (۱)۔''

اپنے جہل مرکب نہ ہوگی۔

فرانس کی جس مشہور درسگاہ کی کرامات شفا کا اوپر ذکر گزرتا ہے' ہیوم نے معتبر سے معتبر شہادت کے باوجود ان کو قطعاً ناممکن قرار دیا تھا' لیکن ڈاکٹر مول بلا کسی مطالبہ شہادت کے قدیم مصری اور یونانی مندروں کی کرامات شفا کو تنویم ہی کا معجزہ نما نفسی اثر سمجھتا ہے (۲)۔۔غرض جو چیز ہیوم کے نزدیک قطعاً ناممکن تھی۔ ہول کے نزدیک اب اس میں اتنا استبعاد بھی باقی نہیں کہ کسی غیر معمولی شہادت کا مطالبہ کرے۔

جان اسٹورٹ مل نے معجزہ کی تعریف یہ کی تھی۔ کہ وہ عبارت ہے ایسے واقعہ سے جس کے پہلے وہ لوازم و شرائط نہ پائے جاتے ہوں۔ جو دوبارہ اس کو وجود میں لانے کے لئے کافی ہوتے ہیں۔لیکن آج ہمارے سامنے وہ لوازم و شرائط موجود ہیں جن کی بنا پر عصا اسی طرح اژدہا بن جاتا ہے۔جس طرح کہ کرسی شیر نظر آسکتی ہے' تم کہو گے تو پھر اس صورت میں حضرت موسیٰ کا اعجاز کیا رہا؟ اس کا جواب آئے گا' سر دست تم صرف اتنا سمجھ لو کہ عصا کا اژدہا بن جانا اتنا مستعد واقعہ نہیں ہے۔جس پر یقین کے لئے نفس نوعیت واقعہ کی بنا پر کسی غیر معمولی شہادت کی احتیاج ہو۔

عام تجربات::

تنویمی تجربات کے علاوہ یوں بھی کچھ نہ کچھ ایسے پر اسرار واقعات مشاہدہ و مسموع ہوتے رہتے ہیں۔جن کی توجیہ عام قوانین فطرت سے نہیں ہوتی اور جو بہت سے معجزات کے متعلق ہماری حیرت و استبعاد میں کمی پیدا کرتے رہتے ہیں۔ ہمارے صوبہ کے مشہور انگریزی اخبار ''لیڈر'' نے پچھلے سال اپریل میں بردوان کا ایک عجیب و غریب واقعہ چھاپا تھا۔جو نامہ نگار کے الفاظ میں حسب ذیل ہے۔

''بردوان میں ایک عجیب پر اسرار واقعہ پیش آیا جس نے لوگوں میں کافی سنسنی پیدا

کردی ہے۔لالہ کندن لعل کپور ایک کھتری زمیندار 11 ماہ حال کو ٦ بجے شام کے وقت مرا۔ متوفی چونکہ سوریہ بنسی کھتری تھا اس لئے جب تک دوسرے دن صبح آفتاب نہ نکل لیا اس کی لاش جلائی نہیں گئی' جلانے سے پہلے اس کے لڑکے (نند لال) نے ایک خالی کمرہ میں جہاں کوئی اور نہ تھا لاش کا فوٹو لیا' لیکن اس کی حیرت کی انتہا نہ رہی جب اس نے دیکھا کہ اس کے فوٹو پر پانچ اور دھندلی تصویریں آ گئی ہیں' ان تصویروں میں سے دو کو تو خاندان کے لوگوں نے پہچانا تھا کہ متوفی کی پہلی بیوی اور لڑکی کی ہیں' جن کو مرے ہوئے کئی سال ہو چکے ہیں' باقی تین تصویریں جو زیادہ روشن نہ تھیں پہچانی نہ جا سکیں۔"

"ٹائمس آف سیلون" میں ایک انگریز پلانٹر (چائے کا کاشتکار) نے اپنے قلیوں کی قربانی اور پوجا کے کچھ مشاہدات لکھے تھے جو اس کو عجیب معلوم ہوتے تھے' ان میں یہ بھی تھا (۳)۔۔

"ایک شخص آگ کی سوراخ دار چٹی' ہتھیلی پر رکھ کر مندر کے گرد رقص وطواف کرتا تھا'

---

(۱)۔ ڈاکٹر مرل کی کتاب ہپناٹزم ص ۳۵۵ (۲)۔ ہپناٹزم ص ۳۵٦۔ (۳)۔ "لیڈر" نے ٹائمس آف سیلون" کے حوالہ سے نقل کیا ہے۔

اس نے مجھ کو یقین دلایا کہ یہ چٹی اس کو بالکل گرم نہیں محسوس ہوتی تھی' حالانکہ جب میں نے تجربتہً چٹی کے اس حصہ کو جو اس شخص کی ہتھیلی پر تھی چھوا تو میری انگلی جل گئی' انکا بڑا پجاری کم وبیش ایک منٹ تک آگ میں ہاتھ ڈالے رہا اور کوئی اثر نہ ہوا' اسی طرح اور بھی بہت قلیوں نے نہایت غیر معمولی حرکتیں کیں۔"

ان چشم دید عجایب کو لکھ کر پلانٹر نے ناظرین اخبار سے درخواست کی ہے کہ اگر کسی اور صاحب نے اس قسم کے واقعات دیکھے ہوں تو براہ مہربانی اطلاع دیں یا اگر ان کی کوئی توجیہ' تشریح ہو سکتی ہو تو کریں' اس پر خود "ٹائمس" نے لکھے ہے کہ سیلون اور ہندوستان دونوں جگہ مذہبی رسوم کے موقع پر اس قسم کے واقعات اکثر دیکھنے میں

آتے ہیں مثلاً کولمبو میں محرم کے موقع پر لوگ آگ میں چلتے ہیں، ہم کو نہیں معلوم کہ ایسے واقعات کی اب تک علمی توجیہ ہوسکی ہے، ایک نظریہ یہ ہے کہ لوگ اپنے آپ پر عمل تنویم کر لیتے ہیں (۱)۔۔

بہر حال توجیہ ہو سکے یا نہ ہو سکے لیکن ایڈیٹر ٹائمس نے پلامر کے بیان کی تکذیب نہیں کی، نہ کسی مزید شہادت کا طالبہ کیا، کیوں؟ اس لئے کہ اس طرح کے واقعات اور بھی وقتاً فوقتاً پیش آتے رہتے ہیں جنکو سامنے رکھنے کے بعد پلامر کا بیان اتنا مستبعد نہیں رہتا کہ نفس نوعیت واقعات ہی کی بنا پر ان کی تغلیط و تردید کر دی جائے یا کسی غیر معمولی شہادت کا مطالبہ کیا جائے، پھر کیا وجہ ہے کہ تم اس واقعہ کو غلط سمجھو کہ حضرت ابراہیمؑ کو آگ نہ جلا سکی، زیادہ سے زیادہ یہ ہوسکتا ہے کہ اس کی بناء پر تم ان کی نبوت کا اقرار نہ کرو، لیکن نفس واقعہ سے انکار کا کیا حق حاصل ہے؟

رویائے صادقہ ::

رویا یا خواب کی تشفی بخش عقدہ کشائی سے حکمت و فلسفہ کا ناخن اب تک عاجز ہے مختلف اصناف خواب کی توجیہ کے لئے جو جو نظریات فرض کئے گئے ہیں وہ خود ایک خواب پریشان معلوم ہوتے ہیں لیکن قدرت اپنی عجائب آفرینیوں کے لئے انسانی توجیہات کا انتظار نہیں کرتی۔

تم کسی مبصر آدمی سے دریافت کرو، اس کو اپنی زندگی کے بہت سے ایسے خواب یاد ہوں گے جو واقعات مستقبل کی تمثیلی یا صریحی پیش بینی تھے، میرے ایک فلسفی دوست کو اپنے خوابوں کی صحت کا اس قدر تجربہ ہے کہ جب کسی شخص سے خواب میں ان سے بے لطفی ہو جاتی ہے تو بیداری میں اس کے نتیجہ کے لئے وہ تیار رہتے ہین اور اکثر کچھ نہ کچھ بدمزگی کی نوبت آ ہی جاتی ہے، مجھ کو اپنے خواب بہت ہی کم یاد رہتے ہیں لیکن جو جس قدر زیادہ وضاحت کے ساتھ یاد رہتا ہے، اسی قدر زیادہ صحیح نکلتا ہے، ۱۹۲۰ء کے روزنامچہ میں (۱۵) اپریل ایک جگہ لکھا ہے کہ :۔

''آج دوپہر کو سویا تو کیا خواب دیکھتا ہوں کہ ''ح'' کا خط آیا ہے جس میں ''س'' کا بھی ایک خط ملفوف ہے' اٹھنے کے بعد ڈاک آئی تو یہ خواب بالکل واقع تھا' انتہا یہ کہ خطوں کا جو مضمون خواب میں دیکھا تھا وہی قریب قریب بیداری میں بھی پایا' حالانکہ مجھ کو ''ح'' کے خط کا کوئی انتظار نہ تھا اور ''س'' کا خط تو حاشیہ خیال میں بھی نہ تھا۔''

پروفیسر ہلپر کت اسیریا کے آثار قدیمہ کا ایک مشہور ماہر ہے' اس نے دو بابلی کتاب کے متعلق ایک

(۱)۔تنویم مقناطیسی کی تحقیقات کی رو سے آدمی خود اپنے اوپر بھی عمل کرسکتا ہے۔

اشکال کو جو بیدار میں حل نہیں ہو سکا تھا' خواب میں حل کیا اور وہ بھی اس طرح کہ بابل کے ایک کاہن نے خواب میں آکر اس کی رہنمائی کی۔(۱)۔

جب عام لوگوں کے یہ تجربات ہیں تو پھر اس میں کیا استعجاب و استبعاد رہ جاتا ہے کہ بعض نفوس قدسیہ (انبیاء) کے تمام خواب رویائے صادقہ یا ایک طرح کا وحی والہام ہوتے ہیں' رسالت پناہ ؐ پر وحی کی ابتداء رویائے صادقہ (صالحہ) سے ہوتی تھی' اخبار بالغیب کی گرہ بھی بڑی حد تک رویائے صادقہ سے کھل جاتی ہے۔

حقیقی اسرار نبوت::

اسرار نبوت میں سب سے زیادہ پر اسرار مقام وہ ہے جہاں ابراہیمؑ کو خدا خود ندا دیتا ہے (ونا دیناہ ان یا ابراھیم) جہاں سے موسیٰؑ کو وکلم اللہ موسیٰ تکلیما) کی بنا پر کلیم اللہ کا شرف عطا ہوتا ہے اور جہاں محمد ؐ اور خدا (۲)۔میں قاب قوسینیا اس سے بھی کم کی دوری رہ جاتی ہے یہی وہ مقام ہے جہاں منطق و استدلال کا ''حجاب اکبر'' اٹھ جاتا ہے اور ظنی علم کی وجہ جگہ کشف و مشاہدہ کا حق الیقین حاصل ہو جاتا ہے۔

ابراہیمؑ کو کس نے ندا دی؟ موسیٰؑ نے طور پر کس سے کلام کیا اور ''لن ترانی'' کے باوجود کیا دیکھا؟ وہ کون سی ہستی تھی جس میں اور محمد ؐ میں صرف قاب قوسین کی

دوری تھی؟ اور ''اوحی الی عبدہ ما اوحی'' کا ماجرا کیونکہ پورا ہوا؟ ان سوالات کا جواب جامۂ تحدید میں رہ کر نہ دیا جا سکتا ہے اور نہ سمجھا جا سکتا ہے۔

حقیقی آیات نبوت کی عام مثالیں::

عام معجزات کی نوعیت ہے' چونکہ اس کی مثالیں جیسا کہ اوپر معلوم ہو چکا ہے' معمولی واقعات زندگی میں بھی ملتی رہتی ہیں' لہذا اسی نسبت سے ان کے استبعاد میں بھی بہت کچھ کمی ہو جاتی ہے' لیکن ''وادی ایمن'' اور ''سدرہت المنتہی'' کی واردات جو اصلی معجزات اور مقام نبوت کی حقیقی ''آیات کبری'' ہیں' ان کی بظاہر کوئی مثال اس عالم ناسوت میں نہیں نظر آتی جس سے عام انسانوں کو ان کی فہم میں مدد ملے۔ بے شک لنریک من ایاتنا الکبری کا رتبہ بلند ملا جس کو مل گیا اور یہ سچ ہے کہ آفتاب کی عالم افروزی کا اندازہ ستاروں کی چمک سے نہیں ہو سکتا' تاہم یہ قدر استعداد تجلی طور کا ہلکا سا پرتو ذرات پر کبھی کبھی پڑ ہی جاتا ہے اور چشم بینا کی ہدایت کے لئے اتنا ہی بس ہے' انبیائے مرسلین کے بعد اولیائے مقربیہ کے ہاں ان تجلیات کی کافی شہادتیں ملتی ہیں' لیکن عام انسانی سطح سے چونکہ یہ درجہ بھی بہت بلند ہے' اس لئے اور نیچے اتر کر ہم کو اپنی سطح کی کچھ مثالیں تلاش کرنی چاہئیں۔

پروفیسر ولیم جیمس جو ہمارے زمانہ کا سب سے نامور محقق نفسیات اور جس کا شمار اکابر فلاسفہ میں ہے' اس نے لوگوں کے ذاتی واردات مذہب' یا مذہبی تجربہ وشعور کے مختلف اصناف پر ۵۰۰ صفحات سے زائد کی ایک کتاب لکھی (۳)۔ ہے' اس میں بلا قید مشرق ومغرب انبیاء واولیاء عوام وخواص' علماء وحکماء سب کے تجربات مذہبی کی آپ بیتی واردات کو یکجا کیا۔ اسی ذخیرہ میں سے ہم صرف عام انسانی سطح کے چند واقعات کا بہ ترتیب ذیل انتخاب کرتے

---

(۱)۔ انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا مضمون ''ڈریم'' (۲)۔ یا جبریل میں ''س'' (۳)۔ اس کا نام fo suoigileR secneirepxE ehT seiteiraV تجربہ مذہبی کے اصناف۔ پروفیسر موصوف کا

بہتر صورت مجھ کو اپنے احساس کے ادا کرنے کی نہیں ملتی۔ ساتھ ہی مجھ کو ایک یہ دہشت بھی محسوس ہوئی کہ کون عجیب وخوفناک واقعہ ظاہر ہوا چاہتا ہے۔ (ص ۶۲)

ایک سائنس دان کے اعترافات سنو!

بیس تیس سال کی عمر کے مابین بتدریج اور لا مذہب ہو گیا تھا۔ تاہم اس غیر معین شعور سے میں کبھی خالی نہیں رہا۔ جس کا ہربرٹ اسپنسر نے حقیقہ مطلقہ رکھا ہے۔ لیکن اسپنسر کی طرح یہ حقیقت میرے لئے محض ناممکن العلم نہ تھی۔ کیونکہ گو میں نے طفلانہ طریقہ سے خدا سے دعائیں مانگنا چھوڑ دیا تھا۔ اور مذہبی رسم کے مطابق کبھی نماز نہیں پڑھی۔ نہ دست بدعا ہوا۔ تاہم میرا زیادہ حال کا یہ تجربہ یہ بتلاتا ہے۔ کہ عملاً اس ذات کے ساتھ مجھ کو وہی تعلق رہا ہے۔ جو دعا اور نماز کو ہوتا ہے۔ جب مجھ پر کوئی مصیبت پڑی خواہ وہ خانگی ہو یا کاروباری یا جب میں کسی معاملہ کے متعلق پریشان و متردد ہوا اور میرا دل بیٹھنے لگا تو اعتراف کرتا ہوں کہ استعانت کے لئے میں اسی تعلق کی طرف بھاگا جو اس ذات کے ساتھ مجھ کو حاصل تھا۔ اس نے میری ہمیشہ نصرت کی اور ایسا معلوم ہوتا تھا کہ اس کی تائید غیبی نے مجھ کو بے انتہا قوی کر دیا ہے۔ میں پاتا ہوں کہ اس کے ساتھ میرا تعلق دراصل شخصی تھا۔ کیونکہ ادھر چند سال سے اس استعانت کی قوت نے میرا ساتھ چھوڑ دیا ہے۔ جس سے مجھ کو ایک صریح فقدان کا شعور ہے اور اقرار ہے۔ کہ میں اپنی زندگی میں ایک بڑی قوت و نصرت سے محروم ہو گیا ہوں۔ جس ذات کو میں اس سے تعبیر کر رہا ہوں یہ اسپنسر کی نامعلوم حقیقت نہ تھی۔ بلکہ یہ میرا خدا تھا۔ جس کی تائید پر مجھ کو بھروسہ تھا۔ لیکن جس کو نہیں معلوم میں نے کس طرح گم کر دیا۔ (ص ۶۔۶۵ (ا)۔)

سوئٹزرلینڈ کے ایک شخص کی آپ بیتی یہ ہے:

''میں پوری طرح صحیح وتندرست تھا۔ کسی قسم کی تھکن بھوک یا پیاس قطعاً نہ تھی۔ گھر سے جو خبر ملی تھی۔ اچھی تھی۔ غرض دور و نزدیک کسی قسم کی کوئی پریشانی نہ تھی۔ ہوشیار

رہنما ہم لوگوں کے ساتھ تھا۔ رات میں بھٹکنے کا بھی مطلقاً اندیشہ نہ تھا۔ مختصر طور پر اپنی اس حالت کو یوں ادا کر سکتا ہوں کہ میرا دل و دماغ اس وقت کامل توازن کی حالت میں تھا۔ کہ یکا یک مجھ کو اپنے اندر ایک طرح کا ارتفاع محسوس ہوا اور یہ معلوم ہوا کہ خدا موجود ہو گیا۔ اس کی رحمت و قوت میرے سارے وجود میں نفوذ کر رہی ہے۔ یہ کیفیت اس درجہ شدید تھی کہ ساتھیوں سے بہ مشکل اتنا کہہ سکا کہ آگے چلو میرا انتظار نہ کرو۔ اب مجھ میں کھڑے ہونے کی تاب نہ تھی۔ ایک پتھر پر بیٹھ گیا۔ اور آنکھوں سے آنسوؤں کا دریا اُمڈ آیا۔ میں نے خدا کا شکر ادا کیا کہ اس نے ایک حقیر اور میرے جیسی گناہگار مخلوق پر اتنا بڑا رحم و فضل فرمایا۔ کہ زندگی ہی میں اپنے پہچوا کر اپنی ربوبیت کا کرشمہ دکھلایا۔ میں نے اس سے نہایت الحاح کے ساتھ دعا کی کہ میری تمام زندگی اس کی رضا جوئی میں بسر ہو۔ جواب ملا کہ بس تو روز بروز عاجزی و مسکنت کے ساتھ میری رضا پر چلنے کی کوشش کر اور اس کا فیصلہ مجھ خدائے قادر و توانا پر چھوڑ دے کہ اس سے بھی زیادہ شعور کے ساتھ تو شاہدہ حق کے قابل ہوا ہے یا نہیں؟ یہ احساس و اثر اس قدر واضح اور گہرا تھا کہ میں نے اپنے اپنے دل سے سوال کیا کہ کیا موسیٰ نے کوہ طور پر کچھ اس سے زیادہ وضاحت کے ساتھ دیکھا تھا۔ اس قدر بیان کر دینا اور مناسب ہو گا کہ اس عالم وجد میں خدا کسی شکل و صورت اور رنگ و بو سے متصف نہ تھا۔ نہ میں اس کی موجودگی کی کوئی خاص جگہ محسوس کر رہا تھا۔

(ص ۶۶۔۶۷)

جیمس نے تو اس قسم کے تجربات کا ایک انبار لگا دیا ہے۔ لیکن ہم ایک طویل بیان کے دو جملوں کے اقتباس پر بس کرتے ہیں۔ قیاس اور اخذ نتائج کے لئے امید ہے کہ یہی تین چار مثالیں کافی ہوں گی۔ امراض دماغی کے ایک ماہر ڈاکٹر نے خود اپنا تجربہ لکھا ہے۔

''اس کے بعد مجھ پر ایک نہایت فرحت و انبساط کی کیفیت طاری ہوئی۔ جس کے

ساتھ ہی ایک ایسی اشراقی یا انشراحی حالت پیدا ہوئی۔ جس کا بیان ناممکن ہے۔ اس حالت میں دوسری چیزوں کے ساتھ اس بات کا بھی مجھ کو صرف یقین نہیں بلکہ عینی مشاہدہ ہوا کہ کائنات بے جان مادہ سے نہیں بنی ہے۔ بلکہ ایک ذی حیات وجود ہے۔ مجھ کو خود اپنے اندر ایک ابدی حیات کا احساس ہوا یہ کیفیت صرف چند سیکنڈ تک رہی۔ لیکن اس کی یاد اور حقیقت کا احساس آج چوتھائی صدی گزر جانے پر بھی اسی طرح تازہ ہے"۔ (۱)۔ اس حالت کو سامنے رکھ کر ذرا ان آیات کو پڑھیے ایاک نستعین نصروا لہ اللہ و ما النصر الا من عند اللہ۔

ان مثالوں کو سامنے رکھ کر اب یہ حدیث پڑھو۔

"ایک دفعہ صبح کی نماز کے لئے آپ ؐ دیر سے برآمد ہوئے نماز کے بعد لوگوں کو اشارہ کیا۔ کہ اپنی اپنی جگہ ٹھہر جائیں۔ پھر فرمایا کہ آج شب کو میں نے اتنی رکعتیں پڑھیں جتنی کہ میرے مقدر تھیں۔ تو نماز ہی میں کچھ اونگھ سا گیا (نعست) اس حالت میں میں دیکھا کہ جلال الٰہی بے پردہ میرے سامنے ہوا خطاب ہوا۔ اے محمد ؐ تم جانتے ہو کہ فرشتگان خاص کس امر میں گفتگو کر رہے ہیں؟ عرض کی نہیں اے میرے رب میں نہیں جانتا۔ اس نے اپنا ہاتھ دونوں مونڈھوں کے بیچ میں میری پیٹھ پر رکھا۔ جس کی ٹھنڈک میرے سینہ تک پہنچ گی۔ اور آسمان و زمین کی تمام چیزی نگاہوں کے سامنے جلوہ گر ہوئیں۔ سوال ہوا یا محمد ؐ تم جانتے ہو کہ فرشتگان خاص کس امر گفتگو کر رہے ہیں؟ عرض کی ہاں میرے رب"۔

اس کلام میں نہیں کہ مکالمہ طور اور ماجرائے اسرا (معراج) کا مقام مذکورہ بالا مثالوں سے اتنا ہی بلند ہے۔ جتنا کہ انبیاء کا مقام انسانوں سے بلند ہونا چاہیئے۔ تاہم عالمے ہست کہ ایں عالم ازاں تمثالے است ان مثالوں سے ایک نہ ایک حد تک مقام برتر کا دھندلا سا تصور پیدا کیا جا سکتا ہے اور ہمارے مدعا کے لئے اسی قدر کافی ہے۔

مقدمات ثلثہ::

یقین معجزات کیلئے منطق استدلال کے تین مقدمات تھے جن میں سے دوتو ہیوم اور ہکسلے نے بترتیب پورا کر دیا تھا۔تیسرا مختلف اصناف استبعاد کے شواہد سے پورا ہو جاتا ہے۔ان مقدمات ثلٰثہ کا خلاصہ یہ ہے۔

(۱) معجزات بذات خودکوئی نا قابل تصور یا ناممکن الوقوع شے نہیں ہیں۔(ہیوم)

(۲) زیادہ سے زیادہ ان کو انتہائی حیرت انگیز یا انتہائی مستبعد واقعات سے تعبیر کیا جاسکتا ہے۔اس لئے (الف) انسانی شہادت کی بنا پر ان کو قبول کو کیا جا سکتا ہے۔

(ب) البتہ انتہائی حیرت انگیزی واستعباد کی وجہ سے بظاہران کو قبول کرنے کے لئے جو شہادت مطلوب ہے۔اس کو بھی ہر لحاظ سے انتہائی حد تک قابل اعتبار ہونا چاہیئے۔(ہکسلے)

(۳) لیکن معجزات میں جس قسم کا استبعاد یا حیرت انگیزی پائی جاتی ہے۔اس کے شواہد چونکہ عام انسانوں کے مادی نفسی یا روحانی تجربات میں بھی ملتے رہتے ہیں۔ جن کے قبول و یقین کیلئے لوگ کوئی غیر معمولی شہادت طلب نہیں کرتے۔

لہذا یقین معجزات کے لئے بھی غیر معمولی شہادت کی ضرورت نہیں۔

اصلی بحث یقین کی ہے::

لیکن سوال یہ ہے کہ ہیوم وہکسلے کی ناقص منطق سے اگر کوئی شخص گمراہ ہوگیا تھا۔تو کیا وہ اس منطق کا صرف تیسرا مقدمہ پورا کر دینے سے راہ راست پر آ جائے گا۔اور کیا اب صفحات بالا کے پڑھ لینے سے معجزہ کا کوئی منکر نہ رہ جائے گا۔مجھ کوتو اندیشہ ہے کہ محض یہ سیاہ نقوش ایک منکر کو بھی مومن نہ بنا سکیں گے۔آپ کہیں گے کہ شاید استدلال ہی بودا ہے۔لیکن کیا دنیا کا کوئی قوی ہے۔قومی استدلال بھی نفس اپنی قوت استدلال کی بنا پر کسی کو معجزات کا یقین دلا سکتا ہے۔ارسطو مل اور ہیگل (۱)۔ جو منطق کے اقانیم ثلثہ ہیں۔کیا یہ سب کے مل کر بھی کوئی ایسی منطق یا عقلی استدلال پیدا کر سکتے تھے۔جو بذاتہ ہر عام و خاص کو معجزات کا یقین دلا دیتا؟

(۱)۔پوری حدیث کیلئے دیکھو آگے ذکر مشاہدات۔ (۲)۔ارسطو * اور مل * علی الترتیب قیاسی اور استقرائی منطق کے امام ہیں جن کا تعلق اضافی حقائق وعلوم سے ہے لیکن ہیگل (جرمنی) نے منطق کے زمین و آسمان ہی بدل دیئے یعنی منطق کو مابعد الطبیعیات بنا کر اسکے ذریعہ ''حقیقت مطلقہ'' کا سراغ لگانا چاہا ہے۔

ان سوالات کا جواب نفی میں ہے۔اور یقیناً نفی میں ہے تو پھر معجزات کے متعلق خالی امکان وقوع اور شہادت وقوع کی چنداں اہم نہیں رہ جاتی۔ بلکہ اصلی بحث یقین کی ماہیت اور اس کے علل و اسباب کی ہے۔

IqbalCyberLibrary.Net All rights reserved. ©2002-2006

کی طبعیت تنقیض اسلام کی ہر شہادت کو قبول کرنے پر حریص تھی۔ انہوں نے نہ صرف شہادت کی تحقیق و تفتیش کے بغیر اس خبر کا یقین کرلیا۔ بلکہ اس کی روایتی و درایتی تصنیف کے بعد بھی ان کا یقین قائم رہا۔ لیکن

(۱)۔ معجزات کا تعلق چونکہ تاریخ اور روایت کے واقعات سے ہے نہ کہ ریاضی کی مجردات سے' اس لئے ہم مجردات ریاضیہ کے علم و یقین کی جو نوعیت ہے اس کی بحث میں نہیں پڑنا چاہتے ورنہ دراصل یہ یقین بھی کسی ایسی اطلاقی اور اٹل یا ناقابل تغیر بنیاد پر نہیں قائم ہے جس کا انکار نہ ہو سکے بلکہ مل * جیسے منطقی و فلسفی کا تو یہ دعویٰ ہے کہ ریاضیات کی مفروضہ قطعیت محض ایک وہم و فریب ہے جس طرح براق کی اس تعریف سے کہ وہ نام ہے آدھے گھوڑے اور آدھے انسان کا' یہ نہیں لازم آتا کہ براق کو وجود یقینی اور واقعی ہے' اسی طرح دائرہ کی اس تعریف سے کہ وہ نام ہے ایسی شکل کا جس کے نصف قطر تمام برابر ہیں' یہ نہیں لازم آتا کہ واقعتا ایسا کوئی دائرہ موجود بھی ہے' انتہا یہ کہ مل * کے نزدیک اس میں بھی کوئی تناقض نہیں کہ دو اور تین مل کر چھ ہو سکتے ہیں۔

ان ہی اہل یورپ میں جو گروہ اس درجہ اسلام کے ساتھ عدوات نہیں رکھتا تھا۔ کہ اس کے جزبہ انصاف پسندی کو مغلوب کرلیا ہو۔ اس کو تحقیق کے بعد یہ روایت ہی سرے سے بے اصل و مضحکہ خیز نظر آئی۔ اس سے بھی بڑھ کر یہ کہ ایک مسلمان مورخ جو کتب خانہ اسکندریہ کے جلانے کو دامن اسلام پر وحشت و جہالت کا ایک بدنما داغ سمجھتا تھا۔ اور کسی طرح اس کا محبت اسلام سے لبریز دل اس کے قبول کرنے پر آمادہ نہ تھا۔ اس کی تحقیقات نے اس روایت کو نہ صرف دشمنوں کا صریح افترا و بہتان قرار دیا۔ بلکہ الٹے خود ان ہی افترا پرداز دشمنوں کو اصلی مجرم ثابت کر دکھایا۔

''ہم الزام ان کو دیتے تھے قصور اپنا نکل آیا۔'' (۱)۔

ہے جو آفتاب کی ان کرنوں میں پائی جاتی ہے اور جو اس غلہ کو پکاتی ہے جس کا صبح ہم نے ناشتہ کیا ہے۔

نظم و یکسانی کی لذت کیلئے انسان کی فطرت جس درجہ حریص ہے اسی کو ملحوظ رکھ کر ہمارے زمانہ کے ایک زبردست معلوم فلسفہ پروفیسر ردائس نے تنبیہ کی ہے کہ جہاں کہیں بھی ہم کو کسی قانون فطرت کی وحدت و یکسانی کا یقین محسوس ہو‘ یہ یاد رکھنا چاہئے کہ اس احساس وحدت کا بڑا حصہ اصل فطرت کی واقعی وحدت کے بجائے اس نا قابل استیصال جذبہ پر مبنی ہو سکتا ہے جو وحدت و نظم کی پسندیدگی کیلئے خود ہمارے نفوس کے اندر موجود ہے۔(۱)۔

(۱)۔ جیمس کا مضمون ’’جذبہ عقلیت‘‘ fo ytilanoitaR tnemitneS

یہی تعصب تھا جس کی بنا پر ایک بڑے سائنس دان نے جیمس سے کہا کہ کلام نفسی کا دعویٰ اگر صحیح بھی ہو تو بھی تمام اہل سائنس کو اس کے دبانے اور چھپانے پر ایکا کر لینا چاہئے‘ کیونکہ اس سے فطرت کی یکسانی اور نیز بہت سی ایسی چیزوں کی تکذیب ہوتی ہے جن کے مانے بغیر سائنس دان اپنا کام نہیں چلا سکتے۔ اس قول کو نقل کر کے جیمس نے لکھا ہے کہ اگر یہی سائنس دان حضرات کلام نفسیکو سائنس کے حق میں مفید مطلب پاتے تو اس سے اغماض کی بجائے نہ صرف اس کی شہادت کی تحقیق پر آمادہ ہو جاتے بلکہ یہی شہادت یقین کے لیے کافی ہوتی (۲)‘۔ اب تم ہی فیصلہ کرو کہ کیا عقل پرست سائنس کے تعصبات وہم پرست مذہب کے تعصبات سے کچھ بھی کم یا مختلف ہیں؟ اور کیا اہل سائنس کا انکار معجزات وحدت و یکسانی کے مذکورہ بالا تعصب کا نتیجہ نہیں ہے؟

نظریات فلسفہ کا یقین ::

خیر اہل سائنس یا حکماء کو تو خود ہی بڑی حد تک اس امر کا اعتراف ہے کہ سائنس کے نظریات ونوامیں زیادہ تر اضافی اور مفروضی ہیچیت رکھتے ہیں' لیکن فلاسفہ یا متالین جو حقائق عالیہ اور صداقت مطلقہ کے چہرہ سے پردہ اٹھانے کا دعویٰ رکھتے ہیں' ان کے اصول ونظریات پر تو انسانی جذبات یا ذاتی میلان کا سایہ تک نہ پڑنا چاہیے تھا' مگر یہ کس قدر حسرت انگیز منظر ہے کہ سب سے زیادہ فلسفہ ہی کے مذاہب ونظامات شخصی جذبات وخواہشات کا عکس نظر آتے ہیں' بلکہ سچ یہ ہے کہ جتنے فلاسفہ اتنے ہی مذاہب ہیں' کہ ایک عام دلچسپ تقسیم کی رو سے فلاسفہ کی دو قسمیں یہ قرار پائی ہیں کہ رونے والے (بکائیہ) اور ہنسنے والے (ضحکیہ) فلاسفہ جن کو زیادہ سنجیدہ اصلاح میں علی الترتیب شریہ اور ''خیریہ (۳)'' کہا جاتا ہے یا اس کو ''یاسیہ'' اور ''رجائیہ'' بھی کہہ سکتے ہو' اگر نفسیاتی تحلیل کی جائے تو اس اختلاف کا مبنی رونے اور ہنسنے' یاس و رجاء امید وبیم وغیرہ کے ذاتی جذبات واحوال ہی ثابت ہوں گے۔

دور جدید کا ایک زبردست فلسفی شوپنہار جس کا شمار فلسفہ کے اکابر ائمہ میں ہے اور جو فلاسفہ کی رونی جماعت کا ایک نامور فرد ہے اس کا سارا فلسفہ ہی یہ ہے کہ ''صداقت مطلقہ' صرف ارادہ یا خواہش ہے نہ کہ عقل یا فکر اور یہ ارادہ چونکہ ''بے عقل'' ہے' اس لئے اس کی کوئی غایت نہیں' دنیا میں کوئی فلاح وسعادت نہیں بلکہ یہ تمام تر بے مقصد آزادہ کا ایک کھلونا یا تماشہ ہے' خارجی عالم اسی بے عقل و بے مقصد ارادہ کی محض ایک تصویر ہے۔

کرہ عقل کی سب سے اونچی سطح پر بسنے والے ان فلاسفہ کے باہمی اختلافات بلکہ تضاد آراء کا یہ عالم ہے کہ جتنے منہ اتنی باتیں' کوئی کہتا ہے کہ دنیا تمام تر عقل پر مبنی ہے' کوئی مدعی ہے کہ اس کا وجود سراپا بے عقلی ہے کوئی شخصی خدا کا یقین رکھتا ہے' کوئی کہتا ہے کہ شخصی خدا ناقابل تصور ہے' کسی کو ذہن سے باہر خارجی دنیا کا ادعان ہے'

کوئی ثابت کرتا ہے کہ خارجی دنیا کا وجود محض وہم وفریب' کسی کی زبان پر ہے کہ ایک مستقل وقائم بالذات روح ہے' کوئی پکارتا ہے کہ نفس کے تغیر پذیر احوال کے سوا کچھ نہیں ہے' کسی کا دعویٰ ہے کہ سلسلہ علل لا متناہی ہے' کوئی مانتا ہے کہ نہیں' ایک علۃ العلل ہے' کوئی انسان کو مجبور محض پاتا ہے اور کوئی مختار' کوئی جسد و عالم کی وحدت کا وحدت کا قائل ہے اور کوئی کثرت کا' بظاہر مہمل سے مہمل بات بھی تم کو ایسی نہ ملے گی جس کا باور کرنے والا عاقل سے عاقل فلسفی نہ ملتا ہو۔

---

(۱)۔ دیکھو اصول نفسیات جلد دوم ص ۳۱٦ fo yhposolihP ehT suoigileR tcepsA (فلسفہ کا مذھبی پہلو) مصنفہ پروفیسر رائس (۲)۔ ارادہ یقین ص ۱۰ طبع جدید ۱۹۱۷ء (۳)۔ انگریزی میں ان کا لقب علی الترتیب stsimisseP stsimitpO ھے۔

عقل انسانی کی ان ہی حیرانیوں کو دیکھ کر آدمی پکار اٹھتا ہے کہ کسی چیز کو حق کہنے کے صرف یہ معنی ہیں کہ جب تم اس کو حق یقین کرو تو حق ہے ورنہ نہیں (۱)۔ اور خصوصاً موجودہ زمانے میں تو اس سرعت وکثرت کے ساتھ نظریات ابل پڑے ہیں کہ ایک کو دوسرے سے زیادہ واقعی خیال کرنا قریباً ناممکن ہو گیا ہے' اس قدر مختلف ہندسات اس قدر مختلف منطقیں' اس قدر مختلف طبعیاتی وکیمیاوی مفوضات پیدا ہو گئے ہیں کہ صحیح سے صحیح اصول کی نسبت بھی گمان ہوتا ہے کہ وہ کسی واقعیت کا پرتو ہونے کے بجائے محض انسانی ذہن کی ایجاد ہے۔ (۲)۔

مشاہدات کا یقین::

تم سمجھتے ہو گے کہ علم ویقین کی یہ اضافی یا ذہنی نوعیت زیادہ سے زیادہ اصول ونظریات تک محدود ہو گی۔ باقی مشاہدات ومحسوسات جو ان اصول ونظریات کا آخری مرجع ہیں تو وہ بہر حال کوئی اضافی شے نہیں ہو سکتے کیونکہ ان کے متعلق زید وعمرو کی نوعیت یقین میں کوئی تفاوت ناممکن ہے لیکن تمہارا یہ ''ناممکن'' نہ صرف ''ممکن'' بلکہ واقعہ

ہے۔

دن رات کے ان معمولی تجربات کا تو ذکر ہی کیا کہ ایک چیز جو ایک آدمی کو خوبصورت معلوم ہوتی ہے دوسرے کو بدصورت نظر آتی ہے' ایک کو خوش مزہ محسوس ہوتی ہے' دوسرے کو بدمزہ' آلات حس و مشاہدہ کی ساری دنیا عبارت ہے' رنگ و بو' آوازہ و مزہ' سردی و گرمی' شکل و صورت' طول و عرض (امتداد) پستی و بلندی' دوری و نزدیکی سے لیکن کیا ان میں سے ایک شے کے متعلق بھی عامی' حکیم و فلسفی سب کا یقین یکساں نوعیت رکھتا ہے۔

عامی آدمی اپنے حواس کی مذکورہ بالا ساری دنیا کو ٹھوس خارجی حقائق یقین کرتا ہے لیکن حکیم یا سائنسداں کے نزدیک ان میں سے کسی ایک کا بھی خارج میں کوئی وجود نہیں اور آج کل کے سائنسداں تو بار بار اس حقیقت کو دہراتے رہتے ہیں کہ آسیاء دراصل وہ یا ویسی نہیں جیسی کہ ہمارے حواس کو محسوس ہوتی ہیں (ماڈرن بلیف ص ۵۶) ذہن یا احساس سے باہر نہ کوئی رنگ ہے نہ بو' نہ کوئی آوازہ ہے نہ مزہ' لیکن حکمت کو چونکہ اپنی تحقیقات میں قدم قدم پر مادہ و قوت کے الفاظ دہرانا پڑتے ہیں' اس لئے خاصل حکیم کے دل میں مادہ پرستی کا ایک ایسا جذبہ و میلان پیدا ہو جاتا ہے کہ باوجود اس اقرار کے کہ "مادہ" کسی نامعلوم شے کا نام ہے' پھر بھی کسی نہ کسی مفہوم میں اسکے وجود خارجی کے یقین پر اپنے کو مجبور پاتا ہے' بخلاف اس کے فلسفہ یا مابعد الطبیعات کا عالم چونکہ حکیمانہ تعصبات سے بالاتر ہے لہذا بے جھجک سرے سے وجود مادہ ہی کا انکار کر دیتا ہے' اس کے نزدیک بس جو کچھ وجود ہے وہ ذہن یا نفس کا' مگر یقین کی گردن دلائل سے کب جھکتی ہے' ممکن ہے کہ چند لمحات کے لئے حکیم یا فلسفی عالم رنگ و بو یا مادہ کے وجد فی الخارج کے خلاف یقین پر قائم رہ سکتا ہو' لیکن بالآخر اس کو جبلات کی حکومت قاہرہ اسی نقطہ پر واپس لاتی ہے

---

(۱)۔ ارادہ یقین]nowledge) of Theories (The (نظریات

علم) از پروفیسر واکر ص ۴۳۲ بحوالہ (۲)۔ Truth of

جہاں سے غور و فکر نے اس کو منحرف کیا تھا اور شب و روز کی زندگی میں وہ عالم رنگ و بو کے وجود خارجی پر اسی طرح اذعان رکھتا ہے جس طرح ایک عامی آدمی۔

غرض یقین اپنی ماہیت کی رو سے تمام تر صرف ایک نفسی میلان ہے' جو نہ علم کا پابند ہے نہ جہل کا جسکا انحصار نہ عقل پر ہے نہ بے عقلی پر' جو نہ سچ پر موقوف ہے نہ جھوٹ پر' وہ فلسفہ' حکمت' علم و عقل سب چیزوں سے پیدا ہو سکتا ہے اور کسی سے بھی نہیں پیدا ہو سکتا اور جب پیدا ہونا چاہتا ہے تو کلیفرڈ کے اس مشورہ کا منہ نہیں دیکھتا کہ ''جھوٹ پر یقین کرنے سے بہتر ہے کہ ہمیشہ یقین کے بغیر رہو۔''

کیا عجیب بات ہے کہ یقین کی اس ماہیت پر بھی کہ وہ دلائل کا کوئی منطقی نتیجہ نہیں بلکہ محض ایک ذہنی میلان ہے خود اسی شخص کی نکتہ رس نظر پڑی تھی جو یقین معجزات کا سب سے بڑا مخالف ہے' چنانچہ ''ارسٹاٹیلین'' سوسائٹی کے ایک ممبر براڈ نامی نے ۴۳'۴۴ سال ہوئے' ہیم کے نظریہ معجزات پر ایک مضمون کے ضمن میں خود ہیوم کے اصول کی بناء پر لکھا (۱) ۔ ہے کہ :۔

''ہیوم کو یقین معجزہ سے اس لئے انکار ہے کہ معجزہ گزشتہ مستمر تجربہ کے منافی ہوتا ہے مثلاً گزشتہ تجربہ یہ ہے کہ الف کے بعد ہمیشہ ب ظاہر ہوتا رہا ہے جس سے ہمارے اندر ایک قوی یقین پیدا ہو جاتا ہے کہ آئندہ بھی ب ہمیشہ الف کے تابع ہوگا' ایک مذہبی آدمی معجزہ پر اس لئے یقین کرتا ہے کہ اس کے اندر عجائب پرستی اور ایسی چیزوں کے یقین کا ایک فطری میلان موجود ہے جس سے مذہب کی تائید ہوتی ہو' دونوں صورتوں میں یقین کا نفسیاتی سبب ظاہر ہے' ہیوم کا عدم یقین اس کے اس فطری میلان پر مبنی ہے کہ جو کچھ پہلے ہوا ہے وہی آئندہ بھی ہوگا اور مذہبی آدمی کا یقین اس کی عجائب پرستی اور ایسی چیزوں کے قبول کرنے کے فطری میلان پر مبنی ہے جن سے مذہب کی تائید ہوتی ہو لیکن خود ہیوم کو تسلیم ہے کہ گزشتہ مستمر تجربہ سے آئندہ پر حکم

لگانے کا ہم کو کوئی منطقی حق حاصل نہیں ہے' لہذا مذہبی آدمی کا یقین معجزات پر اور ہیوم کا یقین قوانین فطرت پر (جس کا نتیجہ معجزات کا عدم یقین ہے) منطق کی نگاہ میں دونوں بالکل یکساں حیثیت رکھتے ہیں' دونوں صورتوں میں یقین نفسیاتی علت پر مبنی ہے اور کسی صورت میں بھی کوئی منطقی علت ہیوم نہیں پیش کرسکتا۔''

جب یہ معلوم ہوچکا کہ یقین کی ماہیت صرف ایک طرح کا غیر منطقی میلان نفسی ہے تو اس کے اسباب کی جستجو منطق و فلسفہ کے دلائل میں بے سود ہے' منطقی یا فلسفیانہ دلائل زیادہ میلان یقین کی تقویت وتضعیف کا کام دے سکتے ہیں' لیکن خود اس میلان کی تخلیق ان کے بس سے باہر ہے' یہ میلان بذات خود ایک نفسی حقیقت ہے لہذا اس کے اسباب تخلیق کا سراغ نفسیات (علم النفس) ہی کے اوراق میں مل سکتا ہے کم و بیش تمام علمائے نفسیات نے یقین کی ماہیت و اسباب پر بحث کی ہے لیکن ہمارے لئے یہاں علم النفس کے عام تفصیل طلب طرز بحث سے ہٹ کر کسی قدر مختلف اور مختصر راہ زیادہ مناسب ہوگی۔

---

(۱)۔ دیکھو ارسطاطیلین سوسائٹی (جمعیت ارسطاطالیسیہ) لندن کی روداد بابت ۱۹۱۶' ۱۷ء ص ۹۲۔

نفسیات یقین::

البتہ بنیاد بحث کے لئے استناداً کسی معتبر شہادت کا سامنے رکھنا ضروری ہے جس کیلئے عہد حاضر میں امریکہ کے سب سے بڑے استاد نفسیات پروفیسر ولیم جیمس کا نام مستندترین ضمانت ہوسکتا ہے' اس لئے پہلے ہم پروفیسر موصوف کی کتاب ''اصول نفسیات'' کے باب احساس حقیقت (جلد دوم) سے اسباب یقین کے متعلق چند اصولی باتیں بلفظہ نقل کرتے ہیں۔

(ا) ''معالجات (تدابیر شفا طلبی) کے بارے میں انسان کی زود اعتقادی اسی قسم کے نفسی اسباب یعنی جذباتی (احوال) پر مبنی ہے' حتی کہ جب کوئی محبوب و عزیز شخص

خطرناک بیماری یا تکلیف میں مبتلا ہو تو ناگوارسے ناگوارشے بھی زوداعتقادی کی راہ میں نہیں حائل ہوسکتی (خصوصاً عورتوں کے لئے) جس شے میں کچھ بھی امید شفا ہو‘ اس کے کرنے سے تسلی حاصل ہوتی ہے لہذا جو علاج بھی ایسی حالت میں تجویز کیا جائے وہ آتش گیر مادہ کے لئے چنگاری کا کام دیتا ہے۔ طبعیت فوراً اس پر عمل کے لئے آمادہ ہو جاتی ہے‘ آدمی اس علاج کا سامان کرتا ہے اور کم از کم ایک دن کے لئے اس کو یقین ہو جاتا ہے کہ خطرہ جاتا رہا ہے‘ لہذا معلوم ہوا کہ یقین آفرینی کے بڑے اسباب امید و ہم وغیرہ کے جذبات ہیں جن کے احاطۂ اقتدار میں ماضی‘ مستقبل اور حال تینوں داخل ہیں ”ص ۳۴۰‘ ۳۱۱)

اس کے بعد دوسرے ہی صفحہ پر ہے کہ:۔

(۲) ”سب سے زیادہ یقین آفرین وہ نظریہ ہوتا ہے جو ہمارے محسوسات کی تشفی بخش توجیہ کے علاوہ ایسی چیزیں ہمارے سامنے پیش کرتا ہو جو سب سے زیادہ دلچسپ ہوں اور جو ہمارے حاسۂ جمال پرستی اور جذباتی و عملی ضروریات کو سب سے زیادہ متاثر کرتی ہوں۔“

لیکن ہم کو یہاں نفسیات یقین کے متعلق اصل میں جس مختصر متن کی شرح کرنی ہے وہ یہ ہے کہ:۔

(۳) ”ارادہ (خواہش) اور یقین (جس کے معنی نفس اور اشیاء کے مابین ایک خاص تعلق کے ہیں ایک ہی نفسیاتی واقعہ کے دو نام ہیں۔“ (ص ۳۲۱)

خواہش یقین::

ارادہ اور یقین کے ایک ہونے کے معنی یہ ہیں کہ کسی چیز کے یقین کے لئے لازمی ہے کہ پہلے دل میں اس کے یقین کا ارادہ یا خواہش پیدا ہو‘ یقین ایک قسم کی تشفی ہے جب تک اس کے لئے طلب و تشنگی نہ موجود ہو یہ نہیں حاصل ہوتا۔ پانی پینے اور اس سے سیراب ہونے کے لئے ضروری ہے کہ پہلے پیاس لگے‘ لیکن اکثر پیاس لگنا ہی

پانی پی لینے کے لئے کافی نہیں ہوتا بلکہ شرط یہ ہے کہ اس کے پینے سے کوئی روکنے والا خیال موجود نہ ہو مثلاً پانی کا دشمن کے ہاتھ سے ملنا' اس کی ناپاکی کا شبہ یا کسی بیماری کے لئے اس کے مضر ہونے کا اندیشہ' اسی طرح نفس پیاس کے علاوہ کبھی کبھی ترغیبات کی موجودگی بھی پانی پینے پر آمادہ کر دیتی ہے مثلاً گرمی کے موسم میں کسی دوست کے یہاں صفائی ونفاست کے ساتھ کوری کوری صراحیوں میں ٹھنڈا پانی رکھا ہوا ہو اور ان کے آس پاس لکھنؤ کے نازک کاغذی آبخورے چنے ہوں تو بے پیاس کے پیاس لگ آتی ہے۔

موانع وموئیدات یقین ::

یقین کی صورت میں ہم ان دونوں چیزوں کو علی الترتیب خواہش یقین کے موانع اور موئیدات سے تعبیر کریں گے' جب کوئی چیز یقین واذ گان کے لئے پیش کی جاتی ہے تو خواہش اور اس کے موانع وموئیدات میں باہم ایک نفسی معرکہ آرائی ہوتی ہے اور یقین یا عدم یقین کا فیصلہ اس معرکہ آرائی ے آخری نتیجہ پر منحصر ہوت ا ہے' اگر خواہش یقن زیادہ قوی ہے تو وہ بلا موئیدات کی اعانت کے موانع پر غالب آجاتی ہے۔ اگر موانع زیادہ قوی ہیں تو وہ خواہش کو مغلوب کر دیتے ہیں' اگر موانع سرے سے نہیں موجود ہیں تو تنہا خواہش کافی ہوسکتی ہے یا اگر موانع بہت ہی معمولی درجہ کے ہیں تو ضعیف سے ضعیف خواہش بھی اپنے موئیدات کی مدد سے ان کو زیر کر لے گی' عقل یا منطقی دلائل کو زیادہ سے زیادہ ان ہی موانع وموئیدات کی صف میں جگہ مل سکتی ہے' لیکن اصل یہ ہے کہ اس معرکہ کے تینوں (خواہش' موانع اور موئیدات) پہلوانوں کا اصل حربہ جذبات ہی ہوتے ہیں۔

اب اوپر اقتباس اول میں جیمس نے جو مثال دی ہے اس کو سامنے رکھ کر دیکھو کہ یقین کے پیدا کرنے میں خواہش وارادہ کو کیا دخل ہے اور موئیدات وموانع کا اس پر کیا اثر پڑتا ہے۔

فرض کرو کہ زید کے گھر میں ایک شخص مہینوں سے مریض پڑا ہے‘ طبی علاج کوئی کارگر نہیں ہوتا‘ ایک دوست آ کر کہتا ہے کہ شہر میں ایک متقی‘ پرہیز گار‘ بے طمع بزرگ ہیں جن کی دعا سے بہتوں کو فائدہ ہوا ہے تم بھی ان ہی کی طرف کیوں نہ رجوع کرو‘ ظاہر ہے کہ زید کے دل میں اس مریض کے لئے شفا طلبی کی خواہش موجود ہے اب اگر اس کو بزرگوں سے بدعقیدگی (مانع) نہیں ہے تو بے تکلف دوست کے مشورے پر عمل کے لئے آمادہ ہو جائے گا اور طبیعت میں کم از کم کچھ دیر کے لئے شفا کی ایک امید بندھ جائے گی جس کا نام میلان یقین ہے‘ اب بزرگ موصوف کے پاس پہنچ کر وہ دیکھتا ہے کہ اہل حاجت کا میلہ لگا ہوا ہے‘ پھر ان کے ارتقا اور بے لوثی کی کچھ مثالیں آنکھ کے سامنے آتی ہیں‘ لازماً ان چیزوں سے زید کے میلان یقین کی اور تائید وتقویت ہوتی ہے لیکن اگر اس کو بزرگوں سے بدعقیدگی ہے وہ نہایت سخت ملحد و مادہ پرست ہے تو ایسی حالت میں ہو دوست کے مشورہ پر عمل کرنے کی جگہ الٹے اس سے طرح طرح کی بحثیں کرنے پر آمادہ ہو جائے گا‘ دعا کے اثر کو قانون فطرت کے منافی بتائے گا‘ اس کی شہادت پر جرح کرے گا‘ جو لوگ ان بزرگ کے پاس حاجت لے کر جاتے ہیں ان کو اوام پرست کہے گا اور اپنے اندر کوئی میلان یقین نہ محسوس کرے گا۔

البتہ اگر یہی مادہ پرست و بدعقیدہ زید ایک دولت مند آدمی ہے‘ مریض خود اس کا اکلوتا‘ نوجوان ہونہار لڑکا ہے‘ جو اس کی دولت کا تنہا وارث اور خاندان کا ایک ہی چراغ ہے‘ جس مرض میں اپنے بوڑھے باپ کی تمام امیدوں اور آرزوں کا یہ مرکز مبتلا ہے وہ نہایت خطرناک ہے‘ ڈاکٹر اور اطباء علاج کرتے کرتے تھک گئے اور جواب دے چکے ہیں‘ ان حالات میں زید کی خواہش شفا طلبی جس درجہ قوی ہوگی‘ معلوم ہے ان ہی مواقع کے لئے کہا جاتا ہے کہ مصیبت میں خدا یاد آتا ہے۔ اب زید کی ساری بدعقیدگی دھری رہ جائے گی‘ دوست کا مشورہ اس کی مایوسیوں میں امید

کی ایک جھلک ثابت ہوگا‘ اس کی انتہائی طلب و تشنگی‘ الحاد و مادہ پرستی کے تمام دلائل و موانع پر غالب آئے گی اور وہ بلا پیچ و حجت دوست کے ساتھ ہو جائے گا اور جتنی ہی زیادہ اس کی خواہش قوی ہوگی‘ اتنی ہی زیادہ امید و یقین کے ساتھ یہ ان بزرگ کی خدمت میں حاضر ہوگا‘ لیکن اگر زید کے الحاد و بدعقیدگی کا جذبہ اتنا زبردست ہے کہ وہ اس کی قوی سے قوی خواہش شفا طلبی کو بھی زیر کر سکتا ہے تو بڑے سے بڑے بزرگ بھی بے کار ثابت ہوگی اور دوست کی جانب سے دعا کی شفا بخشی کے دلائل و شواہد کا اگر انبار بھی لگا دیا جائے تو رائیگاں جائے گا۔ ختم اللہ علی قلوبھم وعلی سمعھم وعلی ابصارھم غشٰوۃ میں غالباً اسی حقیقت کی جانب اشارہ ہے‘ ایمان و یقین کا حاسہ قلب ہے‘ اگر وہ مختوم ہے تو پھر عقل انسانی کی کوئی منطق اس مختومیت کا ازالہ نہیں کر سکتی۔ ساحروں کے دل میں ذوق ایمان کی کچھ نہ کچھ تشنگی موجود تھی‘ حضرت موسیٰؑ کا معجزہ دیکھ کر بے اختیار سربسجود ہو گئے اور پکار اٹھے امنا برب ھرون و موسیٰ۔ لیکن کیا فرعون کے معاند و مختوم قلب پر بھی کوئی معجزہ اثر کر سکا؟ انبیائے کرام خصوصاً ﷺ کی حیات طیبہ تمہارے سامنے ہے‘ سیرت النبی ﷺ میں ابتدائی قبول اسلام کے صفحات پڑھو‘ ہر سطر ذوق ایمان و طلب و یقین کے مذکورہ بالا نفسی حقائق سے معمور ملے گی۔

نفسیات یقین کی شہادت واقعات سیرت سے::

حضرت ابوذر غفاریؓ کے قبول اسلام کا واقعہ یہ ہے کہ وہ بت پرستی سے متنفر ہو چکے تھے اور حق کی تلاش میں تھے‘ انہوں نے اپنے بھائی (انیس) سے کہا کہ تم مکہ جاؤ اور دیکھو کہ یہ شخص آنحضرت ﷺ جو نبوت کا دعویٰ کرتا ہے اس کی تعلیم و تلقین کیا ہے؟ انہیں مکہ آئے اور واپس جا کر بیان کیا کہ وہ مکارم اخلاق کی تعلیم دیتا ہے اور جو کلام پیش کرتا ہے وہ شاعری سے الگ ہے۔ ان مویدات یقین کے بعد حضرت ابوذرؓ خود مکہ گئے اور گو اس وقت مکہ کی سرزمین پر اعلان اسلام کے لئے نہایت خطرناک مواقع موجود تھے‘ تاہم رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضری کے بعد ذوق ایمان کی

تشفی نے اتنا جوش پیدا کر دیا کہ عین حرم کے اندر حضرت ابوذر ؓ نے نہایت بلند آہنگی سے اعلان کر کے کہا کہ اشھد ان لا الہٰ الا اللہ و اشھد ان محمدؐ اعبدہ و رسولہ۔ اس اعلان کی بدولت جان بچنی مشکل ہوگئی۔ (۱)۔

حضرت حمزہؓ کو آپ ؐ سے صرف دو تین برس بڑے تھے اور ساتھ کھیلے تھے وہ گو ابھی تک ایمان نہیں لائے تھے' لیکن آپ ؐ کی ہر ادا کو محبت کی نظر سے دیکھتے تھے' دل میں نور حق موجود تھا بالآخر ان بے رحمانہ ایذاؤں نے جو دشمنان اسلام آنحضرت ؐ کو پہنچاتے تھے' اظہار اسلام پر بیتاب کر دیا' اظہار تو کر دیا' لیکن گھر پر آئے گو متردو تھے کہ آبائی دین کو دفعتاً کیونکر چھوڑ دوں' تمام دن سوچتے رہے آخر غور و فکر کے بعد یہ فیصلہ کیا کہ دین حق یہی ہے (۲)۔ موانع یقین موجود تھے' لیکن دین حق کے قبول اور اس کے داعی کی حمایت کا جذبہ ان موانع سے قوی تر تھا۔

قیصر روم کے پاس جس وقت داعی اسلام ؐ کا نامہ مبارک پہنچا اور قیصر و ابوسفیان میں باہم جو گفتگو ہوئی اس کے بعد گو قیصر کے ضمیر میں ایمان و اذعان کی روشنی پیدا ہوئی اور اس نے کہا کہ مجھ کو یہ ضرور خیال تھا کہ ایک پیغمبر آنے والا ہے' لیکن یہ خیال نہ تھا کہ وہ عرب میں پیدا ہوگا۔ میں اگر وہاں جا سکتا تو خود اس کے پاؤں دھوتا' لیکن قیصر نے ابوسفیان سے جو گفتگو کی تھی اس سے بطارقہ اور اہل دربار سخت برہم ہو چکے تھے نامہ مبارک پڑھے جانے کے

---

(۱)۔ یہ پورا واقعہ پڑھنے کے لائق ہے دیکھو۔ سیرت النبی ؐ جلد دوم۔ (۲)۔ سیرت النبی ؐ جلد اول۔

بعد اور بھی برہم ہوئے' یہ حالت دیکھ کر قیصر نے اہل عرب کو دربار سے اٹھا دیا اور گو اس کے دل میں نور ایمان آ چکا تھا لیکن تاج و تخت کی تاریکی میں وہ روشنی بجھ کر رہ گئی تخت و تاج کی حرص' دولت ایمان کی ترغیب سے قوی تر ثابت ہوئی۔ (۱)

خسرو پرویز کے تاریک دل میں قیصر روم کے برابر بھی ایمان کی روشنی نہ تھی' اس پر طرہ یہ ہوا کہ عجم کا طریقہ یہ تھا کہ سلاطین کو جو خطوط لکھتے تھے ان میں عنوان پر پہلے

بادشاہ کا نام ہوتا تھا' بخلاف اس کے نامہ مبارک پر پہلے خدا کا نام اور پھر عرب کے دستور کے موافق رسول اللہ ﷺ کا نام تھا' خسرو نے اس کو اپنی تحقیر سمجھا اور بولا کہ میرا غلام ہو کر مجھ کو یوں لکھتا ہے' پھر نامہ مبارک چاک کر ڈالا' لیکن چند روز کے بعد سلطنت عجم کے پرزے اڑے۔(۲)۔

اسی قسم کے واقعات کی بنا پر مصنف ''سیرت'' نے اوائل دعوت میں اسلام لانے والوں اور اس کے مخالفین کو جو مشترک خصائص گنائے ہیں ان سے بھی تمام تر یقین کے انہیں اصول و اسباب کی تائید ہوتی ہے جو اوپر بیان ہوئے' تفصیل کیلئے خود سیرت (جلد اول) کی طرف رجوع کرنا چاہیئے' یہاں اختصار کے ساتھ صرف ضروری خلاصہ کا اعادہ کیا جاتا ہے۔

اسلام لانے والوں کے خصائص مشترک۔

(۱) اکثر وہ لوگ اسلام لائے جو پہلے سے تلاش حق میں سرگرداں اور فطرتاً نیک طبع و پاکیزہ اخلاق تھے حضرت ابوبکرؓ حضرت صہیبؓ اور حضرت ابوذرؓ وغیرہ کا شمار ان ہی طالبان حق میں ہے (خواہش یقین)

(۲) بعض صحابہ ایسے تھے جو احناف کے تربیت یافتہ تھے' یعنی وہ لوگ جو زمانہ اسلام سے پہلے بت پرستی ترک کر چکے تھے اور اپنے آپ کو حضرت ابرہیمؑ کا پیرو کہتے تھے (موانع یقین کی کمی)

(۳) یہ امر سب سے مشترک تھا کہ یہ لوگ قریش کے مناصب نظم میں سے کوئی منصب نہیں رکھتے تھے بلکہ اکثر ایسے تھے مثلاً عمارؓ خبابؓ ابوفکیہہؓ صہیبؓ وغیرہ جن کو دولت و جاہ کے دربار میں جگہ بھی نہیں مل سکتی تھی' (موانع کی کمی)

قریش سے بڑھ کر اسلام کا کون دشمن ہوگا' لیکن ان کی دشمنی کے کیا اسباب تھے؟

(۱) مکہ کی جو عزت تھی کعبہ کی وجہ سے تھی' قریش ہمسایگان خدا بلکہ آل اللہ یعنی خاندان الٰہی کہلاتے تھے جس کی صرف یہ وجہ تھی کہ وہ کعبہ کے مجاور و کلید بردار تھے'

عرب ایک مدت سے بت پرستی میں مبتلا تھا، خلیل بت شکن کی یادگار (کعبہ) تین سو ساٹھ معبودوں سے مزین تھی۔

اسلام کا اصلی فرض اس طلسم کو برباد کر دینا تھا، لیکن اس کے ساتھ قریش کی عظمت و اقتدار اور عالمگیر اثر کا بھی خاتمہ تھا، اس لئے قریش نے شدت سے مخالفت کی اور ان میں جن لوگوں کو جس قدر زیادہ نقصان کا اندیشہ تھا، اسی قدر وہ مخالفت میں سرگرم تھے۔

(۲) قریش کو عیسائیوں سے بالطبع نفرت تھی لیکن اسلام اور عیسائیت میں بہت سی باتیں مشترک تھیں سب سے بڑھ کر یہ کہ اس زمانہ میں اسلام کا قبلہ بیت المقدس تھا، ان اسباب سے قریش کو خیال ہوا کہ آنحضرت عیسائیت قائم کرنا چاہتے ہیں۔

(۱)۔ ایضاً، پورا مکالمہ پڑھو۔ (۲)۔ سیرت النبیؐ جلد اول۔

(۳) ایک بڑا سبب قبائل کی خاندانی رقابت تھی، قریش میں دو قبیلے نہایت ممتاز اور حریف یکدگر تھے، بنو ہاشم اور بنو امیہ، آنحضرتؐ کی نبوت کو خاندان بنو امیہ اپنے رقیب (ہاشم) کی فتح خیال کرتے تھے، اسلئے سب سے زیادہ اسی قبیلہ نے آنحضرتؐ کی مخالفت کی۔

(۴) ایک اور بڑا سبب یہ تھا کہ قریش میں سخت بداخلاقیاں پھیلی ہوتی تھیں، بڑے سے بڑے ارباب اقتدار نہایت ذلیل اور بداخلاقیوں کے مرتکب تھے۔ ابولہب نے حرم محترم کا غزال زریں چرا کر بیچ ڈالا تھا، اخنس بن شریق نمام و کذاب تھا، نضر بن حارث کو جھوٹ بولنے کی سخت عادت تھی، آنحضرتؐ ایک طرف بت پرستی کی برائیاں بیان فرماتے تھے، دوسری طرف ان بداخلاقیوں پر سخت داروگیر تھے جس سے ان کی عظمت و اقتدار کی شہنشاہی ہی متزلزل ہوتی جاتی تھی، قرآن مجید میں پیہم علانیہ ان بدکرداروں کی شان میں آیتیں نازل ہوتی تھیں۔

غرض اولاً تو ان قریش میں ایمان و یقین کی خواہش کا کوئی نشان نہیں ملتا، ثانیاً اگر نفس

خواہش کچھ موجود بھی ہوتی تو مذکورہ بالا موانع اس قدر زبردست تھے کہ جب تک یہ نہ ہٹا دیئے جاتے' اس خواہش کا ظہور ناممکن تھا۔

یقین کے متعلق اس ساری گفتگو کا ماحصل یہ ٹھہرتا ہے۔

(۱) بذات خود یقین' عام انسانی جذبات و احساسات ہی کی طرح کا ایک نفسی میلان یا ذہنی کیفیت ہے' فلسفہ و حکمت بلکہ ریاضی تک کے منطقی دلائل سے جو یقین پیدا ہوتا ہے' اس کی ماہیت بھی اسی نفسی میلان سے زیادہ میلان ہیں ہے۔

(۲) یقین کی بنیاد عقلی و نقلی تمام چیزوں میں یقین کی نفس خواہش اور پھر اس خواہش کے موانع و مؤیدات کا وزن ہے۔

(۳) ان بنیادی اسباب یقین کی تعمیر تمام تر ان جزبات و معتقدات اور مزعومات و مفروضات (علوم عقلیہ) سے ہوتی ہے جو کسی شے کے قبول و یقین کو پیش کرنے سے پہلے افراد یا جماعت کے نفس میں جاگزین ہوتے ہیں۔

لہذا اب یہ دیکھنا یہ ہے کہ معجزات کے یقین و قبول کے لئے کس قسم کے معتقدات کی نفس میں پہلے سے موجودگی لازم ہے۔

غایت معجزات

معجزہ منطقی دلیل نہیں::

اوپر آغاز کلام میں معجزہ کا جو مفہوم بیان کیا جا چکا ہے' اس سے معلوم ہوا ہوگا کہ معجزہ نبوت کی کوئی منطقی **دلیل** نہیں ہے' البتہ جو شخص مذہب کا قائل ہے غیب پر ایمان رکھتا ہے اور اس سنت الٰہی کا معتقد ہے کہ بندوں کی ہدایت و رہنمائی کے لئے خدا ان ہی کے اندر سے کسی نہ کسی برگزیدہ بندہ کو اپنے پیام کے ساتھ بھیجتا رہا ہے' اس کے سامنے جب کسی مقدس انسان کی طرف سے اس پیام کے حامل یا نبی ہونے کا دعویٰ کیا جاتا ہے اور یہ داعی الی اللہ اپنے ظاہری و باطنی کمالات اخلاقیہ واوصاف حمیدہ کے لحاظ سے عام انسانوں سے برتر نظر آتا ہے تو اس شخص کے دل میں ایمان کی ایک لہر پیدا ہوتی ہے اب اگر اس پیغمبر سے کوئی معجزہ نما واقعہ ظاہر ہوتا ہے یا اس کی طرف کسی معجزہ کا انتساب کیا جاتا ہے تو وہ اس کی صداقت کی ایک آیت یا نشانی کا کام دیتا ہے جس سے ذوق ایمان کی تقویت ہوتی ہے اور اس طرح ایمان کے تشنہ کام نفوس کے لئے ایک معنی میں معجزہ براہ راست خود نبوت کی نہیں' البتہ مدعی نبوت صداقت کی ایک نفسی **دلیل** بن جاتا ہے۔

معجزہ کی اصل غایت::

اس **دلیل** یا آیت کی جو غرض و غایت ہوسکتی ہے اس کی نفسی حقیقت کو یوں سمجھو کہ مذہب کی بنیاد تمام تر اسرار و غیوب پر ہے' سب سے بڑا سر یا غیب بلکہ غیب الغیب خود خدا کا وجود اور اس کی ذات ہے' حشر و نشر' جن و **ملک**' وحی و الہام تمام تر چیزیں ایک عالم غیب ہیں' نبوت نام ہے اسی عالم غیب کے ساتھ روابط و علائق کا' معجزہ میں بھی چونکہ ایک طرح کا غیب پایا جاتا ہے' یعنی وہ عالم ظاہری کے سلسلہ علل و اسباب سے الگ معلوم ہوتا ہے' اس لئے جو شخص غیب پر ایمان رکھتا ہے اس کا نفس

قدرتاً اس یقین کی طرف مائل ہو جاتا ہے کہ جس برگزیدہ انسان سے معجزہ ظاہر ہوا ہے وہ عالم غیب سے خاص تعلق رکھتا ہے لیکن اگر کوئی شخص سرے سے ایمان نہیں رکھتا یعنی سرے سے خدا اور مذہب ہی کا منکر ہے تو ظاہر ہے کہ اس کے لئے معجزہ تصدیق نبوت کی نہ کوئی دلیل بن سکتا ہے اور نہ ایت' کسی نبی کے صادق یا کاذب ہونے کا تصفیہ تو اس کے بعد کی شے ہے کہ پہلے آدمی کا نفس اس امر کا قائل ہو کہ خدا کا کوئی وجود ہے اور وہ ہدایت خلق کے لئے انبیاء کو بھیجتا یا نہیں بھیج سکتا ہے' جو آدمی نقطہ' خط یا سطح وغیرہ مبادی اقلیدس کا ہی کا قائل نہیں اس کو تم اقلیدس کی کوئی شکل کیسے سمجھا سکتے ہو' جس طرح علوم کی فرعی تفصیلات کے ماننے کے لئے پہلے ان کے مبادی کا ماننا لازمی ہے' اسی طرح تفصیلات مذہب پر یقین کرنے کے لئے پہلے نفس مذہب کا یقین ضروری ہے۔

مل نے ہیوم کے انکار معجزات کی تنقیح کرتے ہوئے لکھا ہے۔

''جو شخص کسی فوق الفطرت ہستی اور انسانی معاملات میں اس کی مداخلت کا پہلے ہی سے قائل نہیں ہے اس کے سامنے اگر کسی انسان کی نسبت فوق الفطرت یا خارق عادت باتوں کی روایت کی جائے تو وہ ان کو معجزہ نہ مانے گا' معجزات سے خود خدا کا وجود نہیں ثابت کیا جا سکتا' اس لیئے اگر خدا کا اعتقاد پہلے ہی سے نہ موجود ہو تو کسی فوق الفطرت ہستی کی مداخلت کے علاوہ معجزہ نما واقعات کی اور بھی توجیہات ممکن ہیں' یہاں تک تو ہیوم کی دلیل بامعنی کہی جا سکتی ہے لیکن اگر ایک ایسی ذات کا وجود قطعی یا غالب طور پر بھی مان لیا جائے تو جو موجودہ نظام فطرت کی خالق ہے اور اس لئے اس میں تغیر و ترمیم بھی کر سکتی ہے' تو ہیوم کی دلیل بے معنی ہو جاتی ہے جب تم نے خدا کو مان لیا تو پھر جس شے کو اس کے ارادہ نے پیدا کیا تھا اس پر اس ارادہ کا براہ راست عمل و اثر خواہ مخواہ کا فرض نہیں رہتا بلکہ ایک سنجیدہ ''امکان'' بن جاتا ہے' کیونکہ اس صورت میں سوال کی نوعیت ہی بدل جاتی ہے اور خدا کی مداخلت یا عدم

توجیہہ سے ان کا موجودہ علم اسی طرح عاجز ہو جس طرح کہ انبیائے سابقین کے زمانہ میں ان کے معجزات کی توجیہہ سے وقت کا علم عاجز تھا یا بعض کی توجیہہ سے اب بھی عاجز ہے' مثلاً شق قمر۔ لیکن اصل یہ ہے کہ عمل تنویم کے تجربات میں اگر تھوڑی سی قیاسی وسعت اور پیدا کر لی جائے تو شق قمر وغیرہ تقریباً ہر قسم کے خوارق کی توجیہہ ہو سکتی ہے کیونکہ اس عمل کا دارومدار تمام تر عامل کی قوت اثر آفرینی اور معمولی کی اثر پذیری پر ہے۔ یہ نفسی تاثیر و تاثیر کم و بیش ہر انسان میں موجود ہے جس کی ادنیٰ مثالیں ہم کو روزانہ کی معمولی زندگی میں ملتی رہتی ہیں۔ ہماری زبان کی ایک عامیانہ مثل ہے کہ ''خربوزہ کو دیکھ کر خربوزہ رنگ پکڑتا ہے'' جس کے یہی معنی ہیں کہ ایک آدمی دوسرے آدمی کے اوضاع و اطوار سے اثر پذیر ہوتا ہے' نیک صحبت کے فوائد اور بری صحبت کے مضار کا بھید بھی نا محسوس تاثر ہے جس قدر کسی شخص کی قوت ارادی یا قوت تاثیر زبردست ہوتی ہے' اسی قدر زیادہ وہ دوسروں پر اثر ڈال سکتا ہے' دنیا کے اکابر رجال کی کامیابی کا ایک بڑا راز یہی قوت رہی ہے' ان کے صرف کہنے کا لوگوں پر جو اثر پڑتا ہے وہ اعیان ملک سے چرخہ کتوا لیا ہے اور اپنی سیدھی سادی گفتگو اور تحریروں سے جس طرح اس کی خوبیوں کا یقین ہزاروں لاکھوں انسانوں کے دل میں پیدا کرلیا ہے' وہ بڑی حد تک اسی قوت کا کرشمہ ہے' ورنہ ملک میں ان سے زبردست خطیب انشاء پرداز اور منطقی سینکڑوں ملیں گے' لیکن اثر آفرینی کا یہ سحر و جادو کسی کی تقریر' کسی کی تحریر اور کسی کے دلائل میں نہیں ملتا۔ غرض اثر آفرینی (ا)۔ کی یہی قوت جس کو عامل تنویم عشق سے بڑھا کر کرسی کو شیر اور جھاڑو کو حسین عورت بنا دے سکتا ہے۔

ان واقعات کی بنا پر ہم کو یقیناً اپنے قیاس میں اتنی توسیع کا حق حاصل ہے کہ ماہرین تنویم یا عام اکابر رجال و مصلحین کی قوت اثر آفرینی کے مقابلہ میں انبیائے کرامؑ کی وہبی و روحانی قوت تاثیر و نفوذ کا مرتبہ کہیں زیادہ اعلیٰ و ارفع ہوتا ہے اور

اس لئے وہ ان سے بھی بدرجہا زیادہ عجیب تر و محیر العقول امور کا یقین لوگوں کے دل میں پیدا کر دے سکتے ہیں۔ عامل تنویم 'اثر آفرینی کے لیء کچھ نہ کچھ ظاہری حرکات و سکنات یا الفاظ و خطاب کا محتاج ہوتا ہے اور اس کا زیادہ تر اثر افراد تک محدود رہتا ہے لیکن نبی کی اعلی و روحانی قوت تاثیر کے لئے صرف باطنی ارادہ کافی ہوسکتا ہے اور اس کا اثر افراد سے بڑھ کر جماعت تک کو محیط ہوسکتا ہے۔

البتہ یہاں ایک وسوسہ دل میں پیدا ہوگا جس کا دور کر لینا ضروری ہے وہ یہ کہ معجزہ کی اس توجیہ کو قبول کرنے کے معنی یہ ہوں گے کہ اس کی حقیقت ایک طرح کے سحر 'نظر بندی یا فریب حواس سے زیادہ نہیں ہے 'یعنی جس شخص کو کوئی معجزہ نظر آتا ہے 'اس کا وجود خود اس شخص کی نظر 'حواس یا زیادہ صحیح یہ ہے کہ ذہن سے باہر کسی خارجی و حقیقی شے کی صورت میں نہیں ہوتا۔

---

(۱)۔ انگریزی میں اس اثر آفرینی کیلئے noitsegguS(کی اصطلاح ہے جس کی پوری حقیقت کو تجربات اور مثالوں سے سمجھنے کیلئے انگریزی دان حضرات ڈاکٹر سیڈس کی دلچسپ کتاب 'نفسیات اثر آفرینی ygolohcysP fo)noitsegguS ehT(کی طرف رجوع کر سکتے ہیں۔

بعض وسوسوں کا جواب::

اور معجزہ کی جو غایت معلوم ہوچکی ہے اس کے لحاظ سے اس وسوسہ کا صاف جواب تو یہ ہوگا کہ وہ غایت ہر نوع حاصل ہے 'معجزہ فی نفسہ چاہے کوئی خارجی شے ہو یا محض ذہنی 'اصلی غرض صرف اتنی ہے کہ جس فرد یا جماعت کے سامنے کوئی معجزہ پیش کیا جائے اسکے علم کے لحاظ سے وہ اپنے اندر کچھ نہ کچھ غیب رکھتا ہو 'ہاں بظاہر اس سے بھی ایک اور قوی تر اشکال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اس صورت میں نبی اور عامل تنویم یا ساحر میں کیا فرق رہ جاتا ہے؟ اس اشکال کا حل بھی ضمناً اوپر ہی گزر چکا ہے کہ معجزہ بجائے خود نبوت کی کوئی منطقی دلیل نہیں ہے 'بلکہ جس شخص میں ظاہری و باطنی کمالات

یعنی اصلی خصائص نبوت واوصاف حمیدہ عام انسانوں کے مقابلہ میں فوق العادہت حد تک مجمع ہوتے ہیں' اس کے حق میں معجزہ محض تائید مزید کا کام دے سکتا ہے اور جس شخص پر نبوت کے یہ اصلی خصائص وکمالات روحانی متوثر نہ ہوں وہ بلا شبہ نبی کو بھی زیادہ سے زیادہ ایک بڑا ساحر قرار دے گا جیسا کہ منکرین نے ہمیشہ کہا ہے کہ ھذا ساحر کذاب ۔ ان ھذا الساحر علیم ۔ قالوا ھذا سحر مبین ۔ ویقولوا سحر مستمر ۔ (۱)۔

لیکن اس وسوسہ کا (کہ توجیہ بالا کی بنا پر معجزہ کی حقیقت کسی خارجی وواقعی وجود کی جگہ محض ایک ذہنی یا خیالی وہم کی رہ جاتی ہے) تحقیقی جواب دراصل مابعد الطبیعات سے متعلق ہے جو تمام عقلی موشگافیوں کی آخری عدالت مرافعہ ہے' مگر اس عدالت کا آخری فیصلہ یہ ہرگز نہیں ہے کہ حقیقی یا واقعی وجود صرف خارجی چیزوں کا ہے' بلکہ اس کے نزدیک تو یہی امر سرے سے مشتبہ ہے کہ خود خارج کا کوئی وجود ہے اور اساطین فلسفہ کی ایک بڑی جماعت (تصوریہ) کا مسلک یہ ہے کہ ''عالم تمام حلقہ دام خیال ہے۔'' حقیقی وجود صرف روح' ذہن یا نفس کا ہے ۔ باقی دریا' پہاڑ' چاند' سورج زمین و آسمان جو کچھ دیکھتے ہو یہ سب تمہارے ذہن ہی کے اندر ہیں ۔ مادہ اور عالم مادی محض ایک ''وہم وگمان'' (۲)۔ ہے اس جماعت نے

---

(۱) ۔ متکلمین اسلام کے ہاں سحر و معجزہ کی بحث ایک مستقل مسئلہ ہے لیکن ان میں بھی اہل تحقیق کا مسلک یہی ہے کہ دونوں میں کوئی نوعی فرق نہیں ہے بعضوں کے نزدیک تو محض استعمال کا فرق ہے یعنی انبیاء اور اولیاء اپنے نفس کی قوت معجز نمائی کو مقاصد خیر کیلئے استعمال کرتے ہیں اور ساحر مقاصد شر کیلئے (سفینۃ الراغب ص ۱۱۸) مولانا حمید الدین فراہی جن سے بڑھ کر موجودہ دنیائے اسلام میں شاید ہی کسی کو فہم القرآن کی سعادت حاصل ہو وہ بھی لا یفلح الساحرون سے یہی نتیجہ اخذ فرماتے ہیں کہ معجزہ اور سحر میں صرف یہ فرق ہے کہ ساحر فلاح یاب نہیں ہوتا یعنی وہ اپنی قوت سحر کو خود اپنے یا دوسروں کیلئے فلاح و خیر کے اغراض میں استعمال نہیں کرتا' بلکہ علی العموم

جادوگروں کی اخلاقی حالت نہایت پست ہوتی ہے لیکن لا یفلح الساحر حیث اتی" کی نص قرآنی کا زیادہ صاف و صحیح مطلب یہ معلوم ہوتا ہے کہ ساحر کا سحر جب نبی اور اس کے معجزہ کے مقابلہ میں آتا ہے تو وہ مغلوب و ناکام رہتا ہے جیسا کہ عصائے موسیٰ کے مقابلہ میں ظاہر ہوا اس سے سحر و معجزہ میں جبکہ دونوں میں مقابلہ ہو' ظاہری فرق و تمیز کا بھی ایک یقینی معیار ہاتھ آ جاتا ہے' باقی دونوں کی باطنی حقیقت میں کیا فرق ہے' یہ تو فن سحر کا عالم ہی جان سکتا ہے جیسا کہ تمام فنی حقائق میں معلوم ہوتا ہے اور جیسا کہ حضرت موسیٰ کے مدمقابل ساحروں نے فرق جان لیا تھا۔ (۲)۔ مابعدالطبیعات کے اس نازک مسئلہ کی توضیح کی گنجائش یہاں نہیں نکالی جا سکتی' البتہ دور جدید میں تصوریت کے بانی برکلے کا فلسفہ اردو میں منتقل ہو چکا ہے جو لوگ فلسفہ کا ذوق رکھتے ہیں وہ تو اس کی اصل کتاب "مکالمات" رساوی کا مطالعہ کر سکتے ہیں عام لوگ شاید فلسفہ برکلے سے زیادہ فائدہ اٹھا سکیں گے (مطبوعہ دارالمصنفین)

اس جماعت نے عالم خارجی کی ایک توجیہ یہ کی ہے کہ جن چیزوں کو ہم موجودات خارجی سمجھتے ہیں وہ صرف ذہن کے تصورات ہیں جو خدا ہمارے اندر پیدا کر دیتا ہے' اسی راز کی طرف اکبر مرحوم نے باتوں باتوں میں اس طرح اشارہ کیا ہے کہ جو کچھ ہے سب خدا کا' وہم و گمان ہمارا' لہٰذا جس ذات یا قوت نے سارے ذہن میں "عصائے" موسوی اور ثابت و مسلم قمر کا تصور پیدا کیا تھا' اسی نے اگر تھوڑی دیر کے لئے عصا کی جگہ اژدھا اور قمر مسلم کی جگہ شق قمر کا تصور پیدا کر دیا تو دونوں کے وجود کی حقیقت و نوعیت میں کیا فرق پڑا؟

سائنس جس کا جذبہ مادہ پرستی دلائل سے لاجوابی اور خود مادہ کو غیر مادی و غیر جوہری کہنے کے باوجود مادیات کے وجود خارجی سے یک قلم دست برادری پر راضی نہیں اور اس تار عنکبوت میں کسی نہ کسی طرح الجھا رہنا ہی پسند کرتا ہے وہ بھی کم از کم محسوسات کی نسبت تو یہ ماننے پر مجبور ہی ہے کہ رنگ و بو' آواز و مزہ' سردی و گرمی و

غیرہ کا وجود صرف ایک ذہنی احساس یا تصور ہے جس کو مادہ نامی کوئی "نامعلوم شے" ہمارے ذہن میں خلق کر دیتی ہے اور جس کا ذہن سے باہر کوئی وجود نہیں' جب رنگ اور آواز جس کو ہم اپنی آنکھوں سے دیکھتے اور کانوں سے سنتے ہیں' اس کے حقیقی و واقعی وجود کے صرف اتنے ہی معنی ہیں کہ ہم اس کا احساس و تصور رکھتے ہیں تو پھر کیا ضرورت ہے کہ معجزات کے وجود کو ہم حقیقی و واقعی ثابت کرنے کی کوشش کریں۔

ایک اور اعتراض::

یہ تو وہ شبہات تھے جو معجزہ اور سحر و تنویم کی یکسانی یا معجزات کے محض ذہنی وجود کی بنا پر پیدا ہوتے تھے' لیکن ایک اور اعتراض معجزہ کی تمام ان توجیہات پر وارد ہوتا ہے جن کی رو سے یہ فطرت کے معمولی غیر متغیر قوانین اور علل و اسباب (چاہے وہ نفسی ہوں یا طبعی یا مادی) ہی کے کسی نہ کسی ایسے مخفی عمل کا معلول کیا جاتا ہے' جس کا ظہور معجزہ کے وقت تک عام لوگوں کو علم نہیں ہوتا۔ یہ ایک اعتراض معجزہ کے اضافی ہونے کا ہے۔ فرض کرو کہ شق قمر کی علت خواہ تنویم کی طرح کوئی نفسی قانون ہو یا کیمیاوی جذب و اتصال کی طرح جو چاند کے مختلف اجزاء کو باہم ملحق کیے ہوئے ہے' کوئی ایسا مادی قانون دفع و افتراق ہو جس نے چاند کے دو ٹکڑے کر دیتے ہوں' ان دونوں صورتوں میں شق قمر صرف اسی وقت تک معجزہ ہے جب تک کہ اس کے نفسی یا مادی قوانین و علل کا انکشاف نہیں ہوتا۔ لاسلکی پیام رسانی کے انکشاف سے پہلے اگر کوئی شخص ہندوستان میں بیٹھ بیٹھ کر ایک سیکنڈ میں امریکہ کا کوئی واقعہ معلوم کر لیتا تو یہ کسی معجزہ سے کم نہ ہوتا' لیکن اب معمولی بات ہے۔

بے شبہ اس معنی میں معجزہ یقیناً اضافی شے ہے اور ہمیشہ رہے گا' کوئی معجزہ ایسا نہیں پیش کیا جا سکتا جو اس احتمال اضافیت سے خالی ہو' کیونکہ انسان کا علم ہی تمام تر اضافی ہے مگر اس کا علم قطعی و مختتم طور پر تمام قوانین فطرت کا احاطہ کر سکتا تو البتہ کسی حد تک معجزہ کی نسبت یہ مطالبہ بجا ہو سکتا تھا کہ ابد الاباد تک کسی قانون فطرت سے اس

کی توجیہ نہ ہونی چاہیئے' لیکن جب ہمارا علم ہی اضافی ہے تو کوئی معجزہ احتمال اضافیت سے کیسے خالی ہو سکتا ہے؟ ایک مدعی نبوت یہ اعجاز دکھلا سکتا ہے کہ ایک ہفتہ تک آفتاب غروب نہ ہو لیکن اس کا قطعی یقین کیسے دلایا جا سکتا ہے کہ آگے چل کر علم ہیت کے اکتشافات سے اس اعجاز کی توجیہ نہ ہو سکے گی؟ لہذا جو شے آج معجزہ ہے بالفرض کل وہ طبعی واقعہ ثابت ہو جائے تو بھی اس سے آج اس کے معجزہ ہونے پر کوئی اثر نہیں پڑ سکتا اور معجزہ کی غرض و غایت کو پورا کرنے کے لئے اسی قدر کافی ہے (دیکھو ص ۱۷۳٬۴)۔

۲۔ دوسری صورت::

یہ ہے کہ عام طور پر تو کارخانہ کائنات ایک مقررہ سنت یا بندے ہو قوانین ہی کے ما تحت چلتا رہتا ہے' لیکن کبھی کبھی خدا اپنے مرسلین و مقربین کی تائید غیبی کیلئے اس "سنگ جاریہ" میں مداخلت اور تغیر و تبدل کو بھی جائز رکھتا ہے۔ خواہ یہ تغیر و تبدل فطرت میں کسی نئے حذف و اضافہ کی وساطت سے ہو' یا اس کا منشاء براہ راست ارادہ الہٰی ہو۔ اور جس طرح اسپنوزا کے نزدیک خدا کی خدائی اس میں نظر آتی ہے کہ عالم ایک بندھے ہوئے غیر متغیر نظام کا پابند ہو' اسی طرح بہت سے فلاسفر اپنی عقل کو اس پر مجبور پاتے ہیں کہ ہر معلول کی براہ راست علت فطرت کی کوئی قوت نہیں بلکہ ایک ہستی برتر کا ارادہ ہے۔ ان فلاسفہ کے نزدیک وقوع معجزہ کے لئے بھی ارادہ الہٰی کی براہ راست مداخلت ہی والا احتمال زیادہ قابل قبول ہوگا۔

اس صورت کے مختلف احتمالات::

صورت مداخلت کے ان احتمالات ثلثہ میں اگرچہ کوئی قطعی تفریق ہر جگہ نہیں کی جا سکتی' تاہم جو موٹا سا فرق کیا جا سکتا ہے اس کو ان مثالوں سے سمجھ لینا چاہیئے۔

(ا) عام قانون فطرت یہ ہے کہ انسان کا بچہ بلا اتصال جنسی نہیں پیدا ہوتا۔ لیکن اس اتصال جنسی سے جو مادہ تولید رحم مادر میں داخل ہوتا ہے' اس کو اگر خدا خود رحم کے اندر

ہی پیدا کر دے جس طرح کہ اور بہت سی رطوبات جسم میں پیدا ہوتی رہتی ہیں تو بلا اتصال جنسی لڑکا پیدا ہوسکتا ہے اور مداخلت خداوندی کی یہ صورت فطرت میں ایک نئے عارضی اضافہ کی وساطت پر مبنی ہوگی، ممکن ہے کہ ولادت مسیح میں خدا نے اپنی مداخلت کی اسی صورت سے کام لیا ہو۔

(۲) اسی طرح اضافہ کے بجائے حذف کی مثال یہ ہوسکتی ہے کہ چاند کے مختلف اجزاء جس کیمیاوی جذب واتصال کی قوت سے آپس میں پیوستہ ہیں، ان میں سے صرف اس حصہ قوت کو جو چاند کے نصفین میں موجب اتصال ہے تھوڑی دیر کے لئے خدا حذف یا سلب کرلے جس سے شق قمر کا معجزہ ظاہر ہوسکتا ہے۔

(۳) تیسرا احتمال یہ ہے کہ کسی مادی واسطہ کا حذف واضافہ کئے بغیر براہ راست خدا نے صرف ارادہ ''کن فیکون'' سے قمر کو شق اور مسیح کو پیدا کر دیا ہو۔

یہی آخری صورت عمیق النظر فلاسفہ ومتکلمین اور اہل حق کا مذہب ہے، بلکہ تنویمی احتمال کی تو خود کلام مجید کی رو سے گنجائش نہیں، اس لئے کہ تنویم کا عمل اس کے عامل کے علم وارادہ کے تحت ہوتا ہے اور معجزات میں انبیاء علیہم السلام کے علم وارادہ کو قطعاً دخل نہیں ہوتا، اسی لئے وہ فرمائش وتعدی پر کسی آیت یا معجزہ کو خود پیش کر سکنے سے عجز کا صاف اعتراف اور اس امر کا غیر مشکوک اعلان کرتے ہیں کہ آیات تو صرف اللہ ہی کے اختیار میں ہیں انما الایات عند اللہ، انما الایات عند ربی۔ اور اگر رسول ان کو پیش کرتا یا کرسکتا ہے تو صرف اللہ ہی کے براہ راست حکم واذن سے، خود کسی رسول میں ہرگز اس کی طاقت نہیں کہ اللہ کی مرضی ومشیت کے بغیر کوئی آیت یا معجزہ پیش کر سکے۔ وما کان لرسول ان یاتی بایۃ الا باذن اللہ۔ اگر عامل تنویم کی طرح انبیاء علیہم السلام اپنے ہی علم وارادہ سے معجزات ظاہر کرتے ہوتے تو حضرت موسیٰؑ اپنے عصا کو سانپ کی صورت میں ظاہر فرما کر خود اسی سے کیوں ڈرتے اور پھر اس کے عصا بنا دینے کو اللہ تعالیٰ براہ راست اپنی طرف کیوں منسوب فرماتا کہ ڈرو نہیں ہم اس کو پھر

ابھی چھڑی ہی بنا دیں گے۔ لاتخف سنعید ھا سیر تھا الاولی۔

باقی اور جتنے احتمالات اوپر بیان ہوئے وہ بھی بس احتمالات وتاویلات ہی کے درجہ میں ہیں لیکن تاویل خواہ بعید ہی ہو تکذیب کے مقابلہ میں اہون ہے۔ لہذا یہ درحقیقت ایسے طف مزاج عقل پرستوں پر اتمام حجت وانکار وتکذیب کی راہ سے ان کو بچانے کے لئے ہیں، جو بچوں کی طرح مٹھائی وعقل کا نام لئے بغیر کسی اعلی حقیقت کی طرف ملتفت ہی نہیں ہوتے اور جن کی عقل، عقل کے نام سے اتنی مرعوب ہے کہ کو دعقل کی نارسائی تک بھی رسائی نہیں پا سکے ہیں۔

اصل بحث وتوجہ کی بات ایک ہی ہے کہ سارے کارخانہ فطرت کی اساس وبنیاد کوئی بے شعور وبے ارادہ مبد سے یا اندر باہر انفس وآفاق میں جو کچھ بھی ہے اور ہوتا ہے تمام تر بالذات وبراہ راست کسی علم وارادہ والی ذات کی مشیت وقدرت کا ظہور ہے۔ فلسفہ اور فلسفیانہ عقل کے لئے ایک طرف تو یہ بات بہت پرانی ہو چکی ہے کہ جہاں کہیں جو کچھ بھی ہے یا ہو رہا ہے، وہ ایک ہی ہستی کی جلوہ فرمائی وکارفرمائی کے مظاہر ہیں اور فلسفہ تصوریت کی رو سے (جس کا جدید فلسفہ میں خصوصا دور دورا رہا ہے) یہ ہستی اسی نوعیت کی ہے جس کو ہم شاعر الذات، نفس وروح یا ناد یفو سے تعبیر کرتے ہیں۔ باقی مادہ طبیعت یا مادی وطبعی عوامل وقوانین کی ساری تعبیرات واصطلاحات دفتر بے معنی ہیں۔~{~

تیرے الفاظ نے کر رکھے ہیں دفتر پیدا
ورنہ کچھ بھی نہیں اللہ کی قدرت کے سوا

نئی بات جو سائنس اور سائنس دانوں کے نام سے مرعوب ذہنوں اور عقلوں کے لئے خصوصا لائق توجہ ہے یہ ہے کہ مادہ کی بظاہر جس ٹھوس چٹان پر مادیت یا طبعی عوامل وقوانین کی پوری عمارت کھڑی تھی وہ خود نئی طبیعات ہی میں برف کی طرح پگھل رہی ہے، اب ازلی وغیر فانی مادہ اور ٹھوس سالمات پرانا افسانہ ہو چکے ہیں۔

قائم بالذات جوہر کی حیثیت سے مادہ کو اب کوئی اساسی حقیقت نہیں تسلیم کیا جاتا ۔ وہ اب عملاً برقی توانائی یا برقیات میں گم ہو کر رہ گیا ہے‘ لیکن خود برق یا برقیات کی انتہائی حقیقت کیا ہے‘ کوئی نہیں جانتا‘ یہی نہیں بلکہ مادہ کو کسی معنی میں بھی موجود جاننے کے لئے عام انسانی ذہن و دماغ کے لئے کم از کم اتنا سہارا ناگزیر تھا کہ وہ کسی جگہ (یا مکان میں) موجود ہے لیکن نظریہ اضافیت نے اس آخری سہارے کو بھی چھین لیا۔

''مادہ جو ہماری عام عقل و فہم کے لئے ایک موجود فی المکان اور قائم فی الزمان جوہر تھا اور کائنات نام تھا مادہ کے ڈھیوں ڈلوں یا ایسے مادی جوہروں کا جو خاص قوانین کے مطابق زمان و مکان میں ادھر سے ادھر مارے مارے پھرتے تھے۔ اب جو بڑا انقلاب سائنس کے نقطہ نظر سے برپا ہوا ہے وہ صحیح معنی میں اسی واقعہ کا نتیجہ ہے کہ مادہ اور زما و مکان سرے سے تین جداگانہ حقائق ہی نہیں قرار دیئے جاتے۔''(۱)۔

ایک عام آدمی عریاں الفاظ میں اس کے سوا کیا سمجھ سکتا ہے کہ مادہ نہ کسی جگہ ہے نہ کسی وقت میں یعنی نہ کسی زبان میں تو پھر ''ہے'' کے کیا معنی؟ اضافیت کے اس شاہکار کو پوری طرح سمجھنا سمجھانا تو اعلٰی ریاضیات کے ماہرین ہی کا کام ہے‘ عام عامیوں کو سچ پوچھیئے تو ایسے مادہ کی نسبت جو زمان و مکان سے اگر یا مستقل بالذات ہو کر

(۱)۔ ماڈرن بلیف مقدمہ صفحہ ۱۵۱۔

کسی جگہ اور وقت میں یا زمان و مکان کے مظروف کی حیثیت سے نہ پایا جاتا ہو بے ساختہ یہی کہنا پڑتا ہے کہ ''ریاضیات نے تحلیل کرتے کرتے ہماری خارجی (یا مادی) دنیا کو قریباً عدم تک پہنچا دیا ہے (۱)۔'' اور یہ تو بہر حال واضح ہو گیا ہے کہ کائنات کو کوئی مشین نہیں قرار دیا جا سکتا۔ پرانی مادیت دیوالیہ ہو چکی ہے یعنی وہ مادیت جو

کائنات، زندگی اور ذہن سب کا محض ایک مادی تصور رکھتی تھی (۲)۔۔اسی طرح سائنس وریاضی کے جھروکوں سے بھی فلسفیانہ تصوریت ہی جھانکنے لگی ہے حتی کہ :۔

''سائنس دانوں کو طبعی کائنات میں کسی اساسی خارجی یا معروضی حقیقت کی جستجو میں معلوم ہوا ہے کہ کوئی خارجی حقیقت اگر سرے سے ہو بھی' تو وہ کوئی ایسی نہایت ہی عجیب وغریب شے ہوگی جو کبھی خواب وخیال میں بھی نہ آتی تھی۔ایڈنگٹن نے نظریئہ اضافیت کے ضمن میں لکھا ہے کہ اگر میں غلطی نہیں کرتا تو طبعات کی ایک دوسری جدید ترقی کوانٹم تھیوری تک پہنچ کر ہم نے خارجی حقیقت کی جستجو کے مقصد کو ترک کردیا ہے اور طبعی کائنات کی ایسے عناصر میں تحلیل کرنا پڑی ہے جو صراحتاً ذہنی (Subjective) ہیں' اگر خارجی دنیا کو جاننے میں ہمارے لئے خود اپنے ذہنی عنصر کو جدا کرنا مشکل ہے تو خود ان [knowing (Self) شعور کے مسئلہ میں جہاں ذہن و خارج (یعنی جاننے والا اور جانا گیا) حقیقتہً ایک ہو جاتے ہیں اس کو جدا یا ممتاز کرنا کہیں زیادہ مشکل ہوگا۔''(۲)۔

غرض فلسفہ کے بعد سائنس میں بھی ہوا کا رخ جس طرح تصوریت یعنی اس خیال کی طرف جا رہا ہے کہ ہماری کائنات اور اس کی نیرنگیاں بے شعور مادہ کی میکانکی کارستانیاں نہیں بلکہ ذہن وشعور کی کارفرمائیاں ہیں اور خالص سائنس دان نہ سہی لیکن سائنس دان فلسفی کی حیثیت سے سرجیمس' جیانس' ماکس' پلانک' شرو ڈونگز آئنسٹائن وغیرہ جیسے رجال سائنس کا تصوریت کی جانب رجحان بڑھتا جا رہا ہے اور کائنات کا اساسی سرچشمہ شعور کو قرار دینے لگے ہیں' جیسا کہ سرجیمس جیانس کا صاف اعتراف ہے کہ میرا رجحان تصوریہ کے اسی نظریہ کی طرف ہے کہ اساسی و بنیادی حقیقت شعور ہے اور مادی کائنات اس سے ماخوذ ہے (ماڈرن ہلیف ص ۵۴۰)

مذاہب کا وجود اسی ذی شعور و ذی علم اساسی سرچشمہ کائنات کے سوا کیا ہے اور جب ساری کائنات ہی کسی نہ کسی طرح اس کے علم وشعور سے ماخوذ یا اس کی مخلوق ہے تو

مگر جو شخص اس خالق کائنات قوت ہی کا قطعاً منکر ہو اجو سرے سے غیب ہی پر ایمان نہ رکھتا ہو اور جو آرنسٹ ہیگل (جرمنی کا مشہور ملحد و مادہ پرست) کی طرح خود خدا' روح' حشر و نشر وغیرہ کو معجزات (بمعنی اوہام' خرافات) قرار دیتا ہو' اور جس کے نزدیک ''معجزات کا یقین جہالت و بربریت کی آخری نشانی ہو' جس کا فنا کر دینا ہی علم و تمدن کی فتح ہو گی۔ (۲)۔'' تو ایسے آدمی کو آپ کسی معجزہ کا اس معنی میں کیونکہ یقین دلا سکتے ہیں کہ وہ کسی غیبی قوت کا آفریدہ ہے' یا جس شخص سے وہ ظاہر ہوا ہے' اس کے عالم غیب کے ساتھ رابطہ و تعلق (نبوت) کی آیت یا نشانی ہے؟

یقین کی اوپر جو حقیقت بیان کی گئی ہے' اس کے لحاظ سے معجزہ پر یہ حیثیت ایت نبوت کے یقین کرنے کے لئے ضروری ہے کہ غیب پر ایمان ہو' جس کے بغیر یقین معجزہ کی خواہش کا پیدا ہونا ناممکن ہے' پھر بھی جس شخص کی نسبت کوئی معجزہ بیان کیا جاتا ہو یا جس سے یہ ظاہر ہوا ہو' اس کی زندگی انک لعلی خلق عظیم۔ کی تفسیر اور ظاہری و باطنی کمالات کا بجائے خود ایک معجزہ ہو (یہ چیزیں خواہش یقین کے لئے مئویدات کا کام دیں گی) خود بینی ذاتی اغراض یا ہوا و ہوس کے موانع یقین نہ موجود ہوں' جس طرح ان شرائط کی عدم موجودگی میں کوئی دلیل یقین معجزات پر آمادہ نہیں کر سکتی' بالکل اسی طرح ان کی موجودگی میں کوئی دلیل یقین معجزات سے باز نہیں رکھ سکتی۔

میرے ایک دوست جن کا شمار کم از کم مسلمانوں میں تعلیم جدید کے مستثنٰی افراد میں سے ہے' آج سے چند برس پہلے مغربی عقل و حکمت کے شدید پرستار تھے اور وجود خدا کا ان سے اقرار کرانا اس لئے ناممکن تھا کہ وہ مل کی منطق اور ہکسلے و ہیگل کی تحقیقات سے نہیں ثابت ہوا تھا۔ قرآن میں ان کے نزدیک علم النفس کے بیسیوں دقائق مرعی تھے اور اس کا پیش کرنے والا پیمبر اسلام (علیہ السلام) سکندر' سیزر' سقراط و نپولین وغیرہ قائدین عظام و مصلحین عالم کی صف اول میں اپنی جگہ رکھتا تھا۔ تاہم اگر آیات قرآنی کو بحیثیت کلام الٰہی ان کے سامنے تلاوت کیا جاتا' یا پیغمبر

اسلام علیہ السلام کی مکارم اخلاق سے معمور زندگی کو آپ کی پیغمبری کے ثبوت میں بیان کیا جاتا تو وہ ''خواب جاہلاں'' کی باتمکین ''خاموشی'' یا زیادہ سے زیادہ ایک خندہ تحقیر کی سزاوار تھی' ظاہر ہے کہ بدعقیدگی کے اس عالم میں روایات معجزہ کی حقیقت اس سے زیادہ کیا ٹھہر سکتی ہے کہ وہ محض اپنے رواہ کی خواہش اعتقادیوں یا جاہلانہ عجائب پرستیوں کا مجموعہ ہیں' لیکن ادھر ان کی اس درجہ حیرت انگیز کایا پلٹ ہوئی ہے کہ عقلیات مغرب کا سارا طور مارا نکے

---

(۱)۔ ehT selpicnirP fo ecneicS (حاشیہ) طبع آخر ۱۹۱۳، ص ۷۶۶۔ (۲)۔ دیکھو ہیگل کی کتاب fo efiL sradnoW (عجائبات حیات) باب ۳ معجزات۔

نزدیک ''صد کتاب وصد ورق در نار کن'' سے زیادہ مستحق نہیں ہے۔ قرآن کریم وقائق نفسیہ کی جگہ ''حقائق الہیہ'' کا منبع بن گیا ہے۔ ''سیرت نبویہ'' کا ایک ایک حرف نبوت پر شاہد عدل ہے جو زبان جیمس اور راونٹ کی نفسیاتی تحقیقات سے رطب اللسان رہتی تھی اسکو انتہائی لذت اب صرف بزرگان دین کے مناقب' کشف و کرامات اور مسائل تصوف کے ذکر میں ملتی ہے حتی کہ دور اول کے ناصح احباب کو اب خود ان پر ''خوش اعتقادی'' کا گمان ہونے لگا ہے۔

اس قلب ماہیت کا نتیجہ یہ ہے کہ انبیائے عظام علیہم السلام کا ذکر ہی کیا' ملک کی موجود تحریک ''ترک موالات'' کے بانی کی ذرا غیر معمولی اخلاق سے آراستہ زندگی بھی ان کو روحانی کمالات ہی کا پرتو نظر آتا ہے' انتہا یہ کہ ان کی طرف جو طرح طرح کی کرامتیں منسوب کی جاتی ہیں (۱)۔ ان میں ایک مشہور واقعہ بعض درختوں سے روئی جیسی ایک چیز کا نکلنا تھا' میرے یہ دوست بھی اس کو تائید غیبی کی ایک نشانی سمجھنے میں شریک تھے میں نے کہا کہ کچھ لوگ اس روئی کو کسی کیڑے کی رطوبت بتلاتے ہیں۔ کہا ق' اس سے کیا ہوتا ہے' خدا نے اسی وساطت سے تائید کی ہوگی۔

شرائط یقین و غایت معجزات کے مقدمات بالا کو سامنے رکھ کر اب ذرا ریگستان عرب

کے اس امی انسان کی زندگی' دعوت ار تعلیمات پر ایک سرسری نظر کرو جس نے ساڑھے تیرہ صدی ادھر کوہ صفا پر کھڑے ہو کر اپنی نبوت کا اعلان کیا تھا' اس قدسی صفات انسان کی امانت و دیانت نے ہم وطنوں کی طرف سے اس کے لئے امین کا لقب حاصل کیا تھا' اس کی راست گوئی' دوست و دشمن سب کو یکساں تسلیم تھی' حضرت خدیجہؓ جو کو پچیس برس تک آپ ؐ کی زوجیت کا شرف حاصل رہا' وہ ایک موقع پر آپ ؐ کو تسلی دیتی ہیں کہ ہرگز نہیں خدا کی قسم! خدا آپ ؐ کو کبھی غمگین نہ کرے' آپ ؐ رحم کرتے ہیں' مقروضوں کا بار اٹھاتے ہیں' غریبوں کی اعانت کرتے ہیں' مہمانوں کی ضیافت کرتے ہیں' حق کی حمایت کرتے ہیں مصیبتوں میں لوگوں کے کام آتے ہیں۔

اس اپنے پرائے کے غمخوار کی دعوت صرف یہ تھی کہ لوگو لا الہ الا اللہ کہو تو نجات پاؤ گے' اس دعوت سے باز رکھنے میں رؤسائے قریش جب ہر قسم کی تدبیروں سے تھک گئے تو انہوں نے آپ کے سامنے حکومت کا تخت زرو جواہر کا خزانہ اور حسن کی دولت پیش کی اور بالاخر وہ وقت آیا جب آخری ہمدم و دمساز یعنی ابو طالب نے بھی ساتھ چھوڑنا چاہا۔ جس کا جواب ابوالعزم من الرسول کی زبان سے فقط یہ ملا کہ چچا جان اگر قریش میرے داہنے ہاتھ میں سورج اور بائیں ہاتھمیں چاند رکھ دیں تب بھی اپنے اعلان حق سے باز نہ آؤں گا۔ نتیجہ وہی ہوا جو ہونا چاہیئے تھا' یعنی حق کامیاب ہوا' لیکن کیا اس کامیابی سع داعی حق ؐ نے خود کوئی فائدہ حاصل کیا؟

مسجد نبوی ؐ کے صحن میں آپ ؐ کے سامنے مال غنیمت کے انبار لگ جاتے تھے' مگر خود اس انبار کو تقسیم کرنے والے شاہ کونین ﷺ کی زندگی یہ تھی کہ آپ ؐ کھال کی چٹائی یا خالی زمین پر آرام فرماتے تھے' کاشانہ نبوت گو انوار الٰہی کا مظہر تھا' تاہم اس میں رات کو چراغ نہیں جلتا تھا' کئی کئی دن تک فاقہ سے شکم مبارک پر دو دو تین تین پتھر بندھے ہوتے' گھر کا کام کاج خود کرتے' کپڑوں میں پیوند خود لگاتے' گھر

میں خود جھاڑو دیتے‘ دودھ دوھ لیتے‘ بازار سے سودا لاتے‘ جوتی پھٹ جاتی تو خود گانٹھ لیتے‘ اونٹ کو اپنے ہاتھ سے باندھتے‘ اس کو چارہ دیتے‘ غلام کے ساتھ مل کر آٹا گوندھتے‘ حضرت فاطمہؓ آپ کی محبوب ترین اولاد تھیں جن کی عام خانگی زندگی یہ تھی کہ چکی پیسنے

(۱)۔ یہ تحریر گزشتہ تحریک موالات کے شباب کے زمانہ میں لکھی گئی تھی‘ اس وقت طرح طرح کی یہ کرامتیں ملک میں پھیلی تھیں۔

تھی کہ چکی پیسنے سے ہاتھوں میں چھالے پڑ گئے تھے‘ بار بار مشکل میں پانی بھرنے سے سینہ پر گھٹے پڑ گئے تھے‘ گھر میں جھاڑو دیتے دیتے کپڑے چیکٹ ہوجاتے تھے‘ لیکن بایں ہمہ جب انہوں نے آنحضرتؐ سے ایک بار گھر کے کاروبار کیلئے ایک لونڈی مانگی اور ہاتھ کے چھالے دکھائے تو آپؐ نے صاف انکار کردیا کہ یہ فقراء اور یتامٰی کا حق ہے۔

اتنا ہی نہیں کہ آپؐ دنیاوی عیش و آرام سے دست بردار تھے‘ بلکہ دشمنان دین طرح طرح کی ایذائیں پہنچاتے تھے‘ گالیاں دیتے تھے (گو رحمت للعالمین کا ہاتھ انکے حق میں بھی ہمیشہ صرف دعا ہی کیلئے اٹھتا تھا اور ان کے ساتھ نیکی ہی کا حکم فرماتے تھے) راہ میں کانٹے بچھا دیتے تھے‘ نماز پڑھتے میں جسم مبارک پر نجاست ڈالتے تھے۔ ایک دفعہ آپؐ حرم میں نماز پڑھ رہے تھے‘ عقبہ بن معیط نے آپؐ کے گلے میں چادر لپیٹ کر اس زور سے کھینچی کہ آپؐ گھٹنوں کے بل گر پڑے۔

یہ سب کچھ تھا لیکن دعوت حق‘ نوع انسان کی ہدایت اور فلاح و بہبود کی تعلیمات کا کام بلا شائبہ تزلزل جاری تھا۔ کیوں؟ اس لئے کہ آپؐ کو اپنے فرستادہ خدا ہونے کا اذعان ہر وقت اس کی نصرت و معیت پر اعتماد اور بالآخر باطل کے زہوق اور حق کے غلبہ کا اسی طرح یقین تھا جس طرح تم کو رات کی تاریکی کے بعد طلوع صبح کا یقین ہوتا ہے‘ کفار کی دشمنی اور ایذا رسانی سے تنگ آ کر ابو طالب

سمجھاتے ہیں کہ اے جان پدر! ''اس کام سے ہاتھ اٹھالو۔'' آپ ؐ فرماتے ہیں کہ عم محترم! میری تنہائی کا خیال نہ کیجئے۔ حق زیادہ دیر تک تنہا نہیں رہے گا' عجم و عرب ایک دن اسکے ساتھ ہوگا۔ کفار قریش! بدنیتی (قتل) کے ساتھ آپ ؐ کے تعاقب میں نکلے ہیں۔ غار ثور جس میں آپ ؐ مخفی ہیں' اسکے قریب پہنچ گئے ہیں کہ رفیقۃ فی الغار (حضرت ابوبکرؓ) نے گھبرا کر عرض کی کہ یا رسول اللہ (ﷺ) دشمن اس قدر قریب ہیں کہ ذرا نیچے جھک کر اپنے پاؤں کی طرف دیکھیں تو ہم پر نظر پڑ جائے گی۔ آپ ؐ نے فرمایا لاتحزن ان اللہ معنا۔ غم نہ کرو خدا ہمارے ساتھ ہے۔

ایک موقع پر آپ ؐ کسی درخت کے نیچے تنہا استراحت فرما رہے تھے کہ ایک بدو جو شاید اسی موقع کی تاک میں تھا چپکے سے آیا اور آپ ؐ کی تلوار درخت سے اتار کر نیام سے باہر کھینچ لی اور آپ ؐ کے سامنے آیا کہ دفعتاً آپ ہوشیار ہو گئے۔ دیکھا کہ ایک بدو تیغ بکف کھڑا ہے جس نے پوچھا کہ اے محمد ؐ اب تم کو کن بچا سکتا ہے؟ ایک پراطمینان صدا آئی کہ ''اللہ''!

کیا تشنگان ایمان کیلئے خود یہ صدا معجزہ نہیں ہے؟ اور کیا جن لبوں سے یہ صدا نکلی تھی ان کو کوئی دیکھنے والا کاذب تصور کرسکتا تھا' اسی کا اثر تھا کہ حضرت عبداللہؓ بن سلام اٹھے کہ لیس ھذا بوجہ کذاب (یہ جھوٹے کا منہ نہیں ہے)

یہ سمندر کے صرف چند قطرے تھے اور اگرچہ انسان کا ناقص قلم پیغمبرانہ سیرت کے تمام خط و خال کا کامل طور پر نمایاں نہیں کرسکتا۔ تاہم 'سیرۃ النبی) کے گزشتہ دو حصوں میں (جہاں سے یہ چند منتشر قطرات ماخوذ ہیں) انسانی ہاتھ سے جو نا تمام مرقع کھچ سکا ہے' اسی سے تم بڑی حدت اندازہ کرسکتے ہو کہ کسی پیکر بشری کے اندر انک لعلی خلق عظیم کی اس ''جامعیت کبری'' کا ظہور بجائے خود اتنا بڑا اعجاز ہے جس سے بڑھ کر کوئی معجزہ نہ طلب کیا جاسکتا ہے اور نہ پیش کیا جاسکتا ہے۔

ایسی اعجاز مجسم' جامع ہستی کے متعلق جو صاحب شمشیر و نگیں بھی ہو اور گوشہ نشین بھی'

بادشاہ کشورکشا بھی ہو اور گدائے بینوا بھی' فرمانروائے جہاں بھی ہو اور سجہ گرداں بھی' مفلس قانع بھی ہو اور غنی دریا دل بھی جس کی زبان ہمہ وقت ذکر الٰہی اور تسبیح و تہلیل میں مصروف ہو' جس کے پاؤں رات رات بھر نماز میں کھڑے رہنے سے آماس کر آتے ہوں' اگر کوئی ایسا واقعہ بیان کیا جائے جو خدا کی طرف سے تائید غیبی کی نشانی یا آیت معلوم ہو تو اس شخص کو اس کے قبول و یقین میں کیا تامل ہو سکتا ہے جو خدا اور غیب پر ایمان رکھتا ہے' لیکن جو شخص ہیگل کی طرح خدا اور غیب ہی کا منکر ہو یا فرعون کی طرح خود اپنے کو خدا کہتا ہو ((انا ربکم الاعلی) یا جس کے قلب کو ابوجہل و ابولہب کی طرح کفر و عناد کی تاریکی نے سیاہ کر رکھا ہو' اس کے سامنے بڑے سے بڑا معجزہ پیش کرنے پر بھی زیادہ سے زیادہ یہ جواب مل سکتا ہے کہ ''سحر مستمر''

یہی راز تھا کہ سیرت نبویہؐ کے سارے دفتر میں بمشکل ایک آدھ ایسا واقعہ ملتا ہے کہ معجزہ کی بنا پر لوگوں نے رسالت کی تصدیق کی ہو' بلکہ عہد رسالت کے ہزاروں ایمان لانے والے وہی ہیں جن کے دل میں ایمان کا مزہ تھا اور جن کے فلئے ''روئے و آواز پیمبر'' ہی اصل معجزہ تھا گو آج ظاہری روئے و آواز ہم سے مستور ہے' لیکن معنوی آدمی قرآن و حقیقی ''روئے پیمبر'' سیرت طیبہ ابد الآباد تک ذوق ایمان رکھنے والوں کے لئے معجزہ نمائی کرتی رہے گی۔

لب لباب

گزشتہ مباحث کا لب لباب یہ ہے۔

(۱) معجزہ نام ہے پیغمبرانہ اوصاف و مکارم اخلاق کے جامع انسان کے تعلق سے کسی ایسے واقعہ کے ظہور کا جس کی کم از کم بوقت ظہور عام علل و اسباب سے توجیہ نہ ہو سکے۔

(۲) ایسے واقعات بذات خود عقلاً ناممکن نہیں' ان کی حیثیت زیادہ سے زیادہ ''انتہائی حیرت انگیز'' یا مستبعد واقعات کی ہوتی ہے' اس لئے بظاہر ان کو قبول کرنے کے لئے

بھی نہاتی غیر معمولی شہادت کی ضرورت نظر آتی ہے۔

(۳) لیکن دراصل یہ استبعاد ایسا نہیں ہوتا جس کی کافی مثالیں عام زندگی میں بھی نہ ملتی ہوں اور جن کے قبول کرنے کے لئے کسی غیر معمولی شہادت کا مطالبہ نہیں کیا جاتا۔ لہذا یقین معجزات کے لئے بھی معمولی درجہ کی قابل اعتماد شہادت کافی ہو سکتی ہے۔

(۴) مگر یقین صرف شہادت وغیرہ خارجی چیزوں سے نہیں پیدا ہوتا بلکہ اس کا دارومدار زیادہ تر یقین کی خواہش اور اس کے مواقع و مئویدات پر ہے جس کا تعلق بڑی حد تک خود یقین کرنے والے کے گزشتہ معتقدات اور مزعومات سے ہوتا ہے۔

(۵) یقین معجزات کی خواہش کا پیدا ہونا موقوف ہے ''ایمان بالغیب پر''

(۶) اگر غیب پر ایمان ہے اور فرعون و ابوجہل کی طرح عناد و تعصب کے موانع موجود نہیں ہیں' ساتھ ہی انبیاء کی نبوت کی زندگی اپنے احوال و اخلاق کے لحاظ سے بجائے خود اس کی نبوت کی مئوید ہے تو معجزہ (بمعنی خارق عادت) کا کیا ذکر ہے' خود پیمبر کی آ ا ز و اصوات ہی معجزہ ہے۔

در دل ھر کہ دانش رہ مزہ است
روئے و آواز پیمبر معجزہ است

انبیاء اور آیات و دلائل::

گزشتہ صفحات میں جو کچھ پھیلایا گیا ہے، وہ انسانی افکار و خیالات کی جہاں تک دسترس ہے اس کی تشریح ہے، لیکن مسلمانوں کے نزدیک ہدایت و ارشاد کا اصلی سر چشمہ قرآن مجید ہے۔اس لئے آیات و دلائل کی نسبت اخیر فیصلہ اسی کی عدالت میں ہونا چاہیئے۔قرآن مجید میں اکثر انبیاء کے سوانح و حالات کے ضمن میں ان آیات اور معجزات کا بھی بیان ہے جو ان کو خدا کی بارگاہ سے عطا ہوئے تھے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ آیات اور دلائل انباء کے سوانح کا ضروری جز ہیں۔خصوصاً حضرت موسیٰ اور حضرت عیسیٰ علیہما السلام کے معجزات سب سے زیادہ تفصیل اور تکرار کے ساتھ قرآن میں بیان ہوئے ہیں کہ نزول قرآن کے وقت ان ہی دونوں انبیاء کی امتیں عرب میں کوجود تھیں اور ان ہی کے سامنے اسلام اپنے دعووں کو پیش کر رہا تھا۔ قرآن مجید میں جن انبیاء کا تذکرہ ہے ان میں سے کم و بیش حسب ذیل انبیاء کے آیات و دلائل بیان ہوئے ہیں۔حضرت نوح، حضرت لوط، حضرت صالح، حضرت ہود، حضرت شعیب، حضرت ذکریا، حضرت یونس، حضرت موسی، حضرت عیسٰی اور حضرت محمد ؐ صلوات اللہ علیہم اجمعین۔بعض ایسے انبیاہ بھی ہیں جن کے آیات و دلائل کے ذکر سے قرآن خاموش ہے۔ مثلاً حضرت اسحٰق، حضرت اسماعیل، ذوالکفل السیع وغیرہ۔لیکن اس خاموشی سے یہ نہیں ثابت ہوتا کہ ان کو کسی قسم کی نشانی اور دلیل نہیں عطا ہوئی تھی۔صحیح بخاری (۱)۔اور صحیح مسلم (۲)۔ میں ہے کہ آپ نے فرمایا۔

مامن الانبیاء نبی الا اعطی من الایات ما مثلہ او من او امنعلیہ البشر۔

ہر نبی کو کچھ ایسی باتیں دی گئیں جس کو دیکھ لوگ اس پر ایمان لائے۔

البتہ انبیائے کرام کے حالات پر نظر ڈالنے سے یہ ظاہر ہوتا ہے وہ غیر معمولی آیات و دلائل ان ہی انبیاء کو مرحمت ہوئے جن کو سخت و شدید معاندین اور منکرین کا سامنا کرنا پڑا اور ضرورت بھی ان ہی کو تھی کہ وہ ان کے عناد و انکار کا وہ ان کے ذریعہ سے جواب دے سکتے' باقی وہ انبیاء جو اپنی جماعتوں میں صرف تجدید و اصلاح کے لئے مبعوث ہوئے' ان کو اس قسم کے دلائل کی حاجت نہ تھی کہ ان کی جماعتوں نے ان کی دعوت کے مقابلے میں عناد و انکار کا اظہار نہیں کیا تھا۔

قرآن مجید اور اصطلاح آیات و دلائل::

قرآن مجید نے انبیاء کے ان معجزات کو عموماً آیت یعنی نشانی کے لفظ سے تعبیر کیا ہے:۔

کلما جاء موسی بایتنا بیت قالو اما ھذا الا سحر مفتری۔ (قصص ۴)

جب موسیٰ انکے پاس ہماری آیت لے کر آئے تو انہوں نے کہا کہ یہ تو صرف مصنوعی جادو ہے۔

(۱)۔ کتاب الاعتصام باب قول النبی ﷺ بعثت بجوامع الکلم (۲)۔ کتاب الایمان باب وجوب الایمان برسالہ نبیا محمد ﷺ الی جمیع الناس و نسخ الملل بملتع۔

فارسلنا علیھم الطوفان والجراد والقمل والضفادع والدم ایت مفصلت۔ (اعراف ۱۶)

تو ہم نے فرعون کی قوم پر طوفان' ٹڈی' جوں' مینڈک اور خون کی کھلی ہوئی آیتیں بھیجیں۔

فرعون حضرت موسیٰ سے کہتا ہے۔

ان کنت جئت بایۃ فات بھا ان کنت من الصدقین فالقئی عصاہ فاذاھی ثعبان مبین (اعراف

(۱۳

اگر تم کوئی آیت لے کر آئے ہو تو اب لاؤ' اگر تم سچے ہو'
موسیٰ نے اپنی لاٹھی ڈال دی تو وہ دفعتہً سانپ بن گئی۔

کفار معجزہ طلب کرتے ہیں تو اس کے جواب میں ارشاد ہوتا ہے۔

انما الایت عنداللہ (انعام ۴)

آیتیں تو خدا ہی کے پاس ہیں۔

انما الایت عنداللہ (عنکبوت ۵)

آیتیں تو خدا ہی کے پاس ہیں۔

کفار کہتے ہیں۔

فلیاتنا بایتہ کما ارسل الاولون (انبیاء۔ ۱)

چاہیئے کہ وہ ہمارے پاس کوئی آیت لائیں جیسے پہلے پیغمبر بھیجے گئے۔

حضرت صالح اپنے معجزہ کی نسبت کہتے ہیں۔

ویاقوم ھذہ ناقۃ اللہ لک ایہت (ہود۔ ۶)

اور اے لوگو! یہ خدا کی اونٹنی آیت ہے۔

لفظ آیت اور معجزہ کی حقیقت::

آیت کے معنی ''نشانی'' اور ''علامت'' کے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے انسانوں کو علم و احساس کے جو ذرائع عطا کئے ہیں وہ حقیقت میں صرف آیات و علامات کی شناخت اور یاد ہے۔ دنیا میں جس قدر چیزیں ہیں تم ان کو کس طرح جانتے اور پہچانتے ہو' صرف آیات و علامات سے' کلیات سے لے کر جزئیات تک جو کچھ ہم کو خرج سے علم حاصل ہوا ہے وہ محض نشانیوں کو دیکھ کر' ہم جانتے ہیں کہ یہ گھوڑا ہے' یہ انسان ہے' یہ درخت ہے' یہ سیب ہے' یہ انگور ہے' لیکن ہم کیونکر جانتے ہیں؟ اس طرح کہ ان

چیزوں کی جو مخصوص نشانیاں ہیں وہ الگ الگ ہمارے ذہن میں محفوظ ہوگئی ہیں اور اب ان ہی کی مدد سے ہم کہتے ہیں کہ یہ فلاں چیز ہے؟ ہم پہچانتے ہیں کہ یہ زید ہے' یہ عمر ہے' یہ میرا عزیز ہے' یہ میرا گھوڑا ہے' یہ میرا گھر ہے' مگر یہ تمام شناختیں آیات وعلامات ہی کی مدد سے ہیں اگر دنیا میں ہر شے کی مخصوص آیات وعلامات مٹا دی جائیں تو ہم یقیناً کسی چیز کو نہ شناخت کر سکتے' نہ جان سکتے نہ پہچان سکتے ہیں۔

یہی آیات وعلامات کی جان پہچان اور شناخت ہے جو حیوان وانسان اور عقلمند و بے وقوف میں فرق پیدا کرتی ہے جس میں ان آیات وعلامات کی شناخت' تمیز اور یاد کی قوت جس قدر زیادہ ہوگی' اسی قدر اس کی عقل و دانائی کا کمال زیادہ ہوگا۔ ہماری منطق کا تمام تر استدلال بجز آیات وعلامات کے اور کیا ہے' ہم اپنے جس دعویٰ پر جو دلیل قائم کرنا چاہتے ہیں وہ ان ہی آیات وعلامات کی مدد سے کرتے ہیں' بلکہ ہمارے تمام تجربے اور مشاہدے بلکہ طبیعات' کیمیاتیات' نباتات' حیوانات' ارضیات' ہندسیات' ریاضیات وغیرہ جو کچھ اور جس قدر علوم بھی ہیں وہ صرف علامات شناسی کا مجموعہ ہیں جن سے ہم براہ راست جزئیات کا علم حاصل کرتے ہیں اور پھر ہم ان سے کلیات تیار کر لیتے ہیں۔

غرض ہمارا تمام تر فن استدلال دراصل ان ہی آیات وعلامات پر موقوف ہے' اگر اشیاء کی علامات و آیات محو کر دی جائیں تو ہم نہ کسی زیز کو پہچان سکیں گے اور نہ کسی دعویٰ پر کوئی دلیل قائم کر سکیں گے' ہم علت سے معلول پر اور معلول سے علت پر استدلال کرتے ہیں' مگر ان ہی آثار وعلامات کے ذریعے ہم کو تجربہ سے معلوم ہو گیا ہے کہ یہ شے جب پیدا ہوتی ہے تو اس کے ساتھ یہ آثار و آیات ظاہر ہوتے ہیں۔ اب کبھی ہم اس طرح استدلال کرتے ہیں کہ یہ شے پیدا ہوگئی ہے اس لئے اس کا ''فلاں نشان اور علامت ظاہر ہے اس لئے وہ شے بھی ہے۔'' یہ معلول سے علت پر استدلال ہے' کبھی ہم آگ کے وجود سے حرارت کے وجود پر اور کبھی

حرارت کے وجود سے آگ کے وجود پر استدلال کرتے ہیں۔

ہم کسی غیر آباد مکان میں پہنچ جاتے ہیں' وہاں ہم کو ایک شاندار عمارت نظر آتی ہے' اگرچہ ہم نے اس عمارت کے بنانے والوں کو نہیں دیکھا ہے مگر اس عمارت کو دیکھ کر ہم کو یقین ہو جاتا ہے کہ یہ کسی معمار کی صنعت ہے ایک جنگل میں ایک جھونپڑے کے اندر ایک تنہا زخمی پڑا ہے' مگر ہم دیکھتے ہیں کہ اس کے زخم صاف ہیں مرہم پٹی ٹھیک ہے' اس کے آرام و آسائش کے تمام سامان قرینہ سے رکھے ہوئے ہیں' ہم نے گو اس کے تیماردار کو نہیں دیکھا' مگر آس پاس کے علامات و آثار بتاتے ہیں کہ اس بیمار کا کوئی تیماردار ہے اور وہ نہایت رحم و مہربانی سے اسکی دیکھ بھال کر رہا ہے' ایک شخص آ کر کہتا ہے ''میں طبیب ہوں'' اس کے پاس جو مریض آتے ہیں وہ اس کے نسخہ سے شفا بھی پاتے ہیں۔ اب گو ہم نے اس کو طب کی تحصیل کرتے ہوئے نہیں دیکھا مگر اس کے آثار و علامات کو دیکھ کر اس کے دعوے کی تصدیق کر سکتے ہیں' یہی ہمارا فن استدلال ہے اور اسی پر ہمارے تمام حصولی علوم کی بنیاد ہے۔

آیات اللہ::

قرآن مجید میں آیت کا لفظ اس معنی میں اس کثرت سے آیا ہے کہ ہم یہاں ان کا استقصاء بھی نہیں کر سکتے صرف متفرق سورتوں سے چند آیات یہاں نقل کرتے ہیں جن سے مفہوم کی تشریح ہو جائے گی۔

ان فی السموات والارض لایت للمئومنین و فی خلقکم وما یبث من دآبۃ ایت لقوم یوقنون واختلاف الیل والنھار وما انزل اللہ من السماء من رزق فاحیابہ الارض بعد موتھا و تصریف الریح ایت لقوم یعقلون تلک ایت اللہ نتلوھا علیک بالحق فبای حدیث بعد اللہ و ایتہ یومنون ۔ (جاثیہ - ۱)

آسمانوں میں اور زمین میں ایمان والوں کے لئے نشانیاں
ہیں اور تمہاری پیدائش میں اور زمین میں جو چوپائے چلتے
ہیں' ان میں ان کے لئے جو یقین کرتے ہیں نشانیاں ہیں اور
رات دن کے الٹ پھیر اور آسمان سے جو خدا روزی برستا
ہے اور جس سے زمین کو مرنے کے بعد زندہ کرتا ہے اور
ہواؤں کے پھرنے میں عقل والوں کیلئے نشانیاں ہیں' یہ
آیتیں ہیں جنگو ہم سچائی کے ساتھ پڑھ کر تم کو سناتے ہیں تو
پھر خدا اور اس کی نشانیوں کے بعد وہ کس چیز پر ایمان لائیں
گے

ان فی خلق السموت والارض واختلاف اللیل
والنھار والفلک التی تجری فی البحر بما
بے شک آسمانوں کی اور زمین کی پیدائش اور رات دن کے
الٹ پھری اور ان کشتیوں میں جو دریا کے اندر

ینفع الناس وما انزل اللہ من السماء من ماء فاحیابہ
الارض بعد موتھا وبث فیھا من کل دابہ۔ و
تصریف الریاح والسحاب المسخر بین السماء
والارض لایت یقوم یعقلون (بقرہ : ۲)
انسانوں کو فائدہ پہنچانے والے سامان لے کر چلتی ہیں اور
خدا جو آسمان سے پانی برساتا ہے جس سے وہ زمین کو مرنے
کے بعد زندہ کرتا ہے اور زمین میں جو چوپائے اس نے پھیلا
رکھے ہیں اور ہواؤں کو مختلف سمتوں میں چلاتے ہیں اور ان
بادلوں میں جو آسمان اور زمین کے بیچ میں مسخر ہیں عقل

والوں کیلئے نشانیاں ہیں۔

وھو الذی انزل من السماء ماء فاخرجنا بہ نبات کل شئی فاخرجنا منہ خضرًا نخرج منہ حبا متراکبًا ومن النخل من طلعھا قنوان دانیہٖ وجنت من اعناب والزیتون والرمان مشتبھًا وغیر متشابہ انظروا الی ثمرہ اذا اثمر وینعہ۔ ان فی ذلکم لایت لقوم یئومنون۔ (انعام : ۱۲)

اور وہی خدا ہے جس نے آسمان سے پانی برسایا' پھر ہم نے اس سے ہر چیز کی نشوونما کو ظاہر کیا پھر اس سے سبزے پیدا کئے جس سے ہم تہ بہ تہ دانہ نکالتے ہیں اور کھجور جن کے خوشے نیچے لٹکے ہوتے ہیں اور انگوروں کے باغوں کو اور زیتون اور انار کو اس نے پیدا کیا جو باہم ملے جلے ہوتے ہیں اور ان میل بھی ہوتے ہیں' ان کے پھلنے اور پکنے کو دیکھو' ان چیزوں میں ایمان والوں کے لئے نشانیاں ہیں۔

ھو الذی جعل لکم الیل لتسکنوا فیہ والنھار مبصرًا ان فی ذلک لایت لقوم یسمعون (یونس: ۷)

اس نے تمہارے لئے رات بنائی کہ تم اس میں آرام کرو اور دن کو اس نے روشن بنایا اس میں ان کیلئے جو سنتے ہیں نشانیاں ہیں۔

ومن ایتہ ان خلق لکم من انفسکم ازواجًا لتسکنوا الیھا وجعل بینکم مودۃ ورحمۃ ان فی ذلک لایت لقوم یتفکرون ومن ایتہ خلق السموت

والارض واختلاف السنتيكم والوانكم ان فی ذلك لايت للعلمين ومن ايته منامكم باللیل والنهار وابتغائو كم من فضله ان فی ذلك لايت لقوم يسمعون ومن ايته يريكم البرق خوفًائو طمعًائو ينزل من السماء ماء فيحيی به الارض بعد موتها ان فی ذلك لايت لقوم يعقلون ومن ايته ان تقوم السماء والارض بامرہ۔ (روم:۳)

اور خدا کی نشانیوں میں سے یہ ہے کہ اس نے خود تمہاری ہی جنس سے تمہارے ہی جوڑے بنائے کہ تم کو ان کے پاس سکون اور قرار حاصل ہو اور تم دونوں کیلئے لطف و محبت پیدا کر دیا' اس میں سوچنے والوں کیلئے نشانیں ہیں اور اس کی نشانیوں میں سے زمین و آسمان کی پیدائش اور تمہاری زبانوں کا اور رنگوں کا ایک دوسرے سے الگ ہونا ہے اس میں جاننے والوں کیلئے نشانیں ہیں اور اس کی نشانیوں میں رات اور دن کو تمہاری نیند ہے اور تمہارا اسکی مہربانی (روزی) کی تلاش کرنا ہے اس میں ان کیلئے جو سنتے ہیں نشانیاں ہیں اور اسکی نشانیوں میں سے یہ ہے کہ وہ تم کو بجلی دکھاتا ہے جس میں (عذاب) کا خوف اور (رحمت کی) امید دونوں ہیں اور آسمان سے پانی برساتا ہے پھر اسکے ذریعہ سے زمین کو اس کے مرنے کے بعد زندہ کر دیتا ہے۔ اس میں عقل والوں کیلئے نشانیاں ہیں اور اسکی نشانیوں میں سے یہ ہے کہ آسمان اور زمین اس کے حکم سے قائم ہیں۔

ومن ایتہ اللیل والنھار والشمس والقمر (فصلت ۵)

اوراس کی نشانیوں میں سے رات' دن' سورج اور چاند ہیں۔

یہ آیات اللہ یعنی خدا کی نشانیاں' خدا کے وجود اور اس کے صفات کمالیہ کی علامات ہیں جس طرح ویرانہ کی عمارت معمار کے وجود کو اور ایک زخمی کی مرہم پٹی اور اس کے آرام و آسائش کا اہتمام تیماردار کے رحم و کرم کے صفات کو ظاہر کرتا ہے' اسی طرح اس عالم کی یہ عظیم الشان عمارت جس کی چھت آسمان اور صحن زمین ہے' ایک خالق و صانع کے وجود کو بتاتی ہے اور زمین کے اندر و باہر ابر' بارش' دن رات' چاند سورج' درخت' میوے' پھل غلہ کے اقسام وغیرہ' زمین کے جانداروں کی زندگی کے سامان آرام و آسائش اس خالق و صانع کے رحم و کرم' عطاو بخشش اور دیگر اوصاف کمال کو نمایاں کرتے ہیں اور بتاتے ہیں کہ خالق کو اپنے تمام مخلوقات کے ساتھ ایک خاص تعلق اور اعتناء ہے' کفر ان ہی کے دلوں میں پرورش پاتا ہے جو ان آیات الٰہی میں غور و فکر نہیں کرتے اور ان کی جلوہ گری سے حقیقی جلوہ آرا ہستی کو سمجھنے کی کوشش نہیں کرتے۔

وتلک عاد وجحدو اباپت ربھم (ہود۔۵)

اور یہ عد کا قبیلہ ہے جس نے اپنے پروردگار کی نشانیوں کا انکار کیا۔

اولئک الذین کفروا باپت ربھم (کہف: ۱۲)

یہ وہ لوگ ہیں جنھوں نے اپنے پروردگار کی نشانیوں کا انکار کیا۔

ولا تکونن من الذین کذبوا بایات اللہ (یونس: ۱۰)

اور ان لوگوں میں نہ ہو جنھوں نے خدا کی نشانیوں کو جھٹلایا۔

فمن اظلم ممن کذب باپت اللہ (انعام: ۲۰)

اس سے بڑھ کر ظالم اور کون ہوگا جس نے خدا کی نشانیوں کو جھٹلایا۔

جس طرح یہ آیات الٰہی عام بندہ اور خدا اور خالق ومخلوق کے تعلق اور رابطہ کو نمایاں کرتی ہیں' اسی طرح اللہ تعالٰی کسی خاص بندہ سے اپنے تعلق اور رابطہ کو اپنے مخصوص علامات وآیات کے ذریعہ سے نمایاں کرتا رہتا ہے۔

(۱) انبیاء قوموں کے تاریک ترین زمانوں میں نورالٰہی کا مشعل ہاتھ میں لے کر تنہا مجمعوں کے اندر آتے ہیں' لوگ اس نور کو بجھانا چاہتے ہیں اور تیغ وخنجر سے مشعل کے تھامنے والے کے دست وبازو کو زخمی کرنا چاہتے ہیں مگر وہ شمع الٰہی بجھنے کے بجائے رفتہ رفتہ اپنے دائرہ نورانی کو وسیع کرتی جاتی ہے اور بالآخر سطح ارض کے کناروں تک پہنچ جاتی ہے۔

یریدون لیطفئوا نور اللہ بافواھھم واللہ متم نورہ ولو کرہ الکفرون ھوالذی ارسل رسولہ بالھدی و دین الحق لیظھرہ علی الدین کلہ ولو کرہ المشرکون .

(صف۔ ۱)

وہ چاہتے ہیں کہ اپنے منہ سے خدا کے نور کو بجھا دیں اور خدا اپنے نور کو پورا روشن کرنیوالا ہے گوکافر اس سے خوش نہ ہوں اسی نے اپنے رسول کو ہدایت اور سچائی کا مذہب دے کر بھیجا ہے تاکہ وہ اس کو ہر مذہب پر غالب کردے' گومشرک اس سے ناراض ہوں۔

(۲) باوجود تمام معاندانہ کوششوں اور مخالفانہ جدوجہد کے اس نورالٰہی کا پھیلتا جانا خود اس بات کی شہادت ہے کہ وہ خدا کی طرف سے ہے اور اس مشعل گیر دست وبازو میں خدا کی غیر مرئی قوت کام کررہی ہے۔

وما رمیت اذ رمیت ولکن اللہ رمی (انفال: ۲)

اور تم نے وہ مٹھی بھر کنکریاں نہیں پھینکیں بلکہ خدا نے پھینکیں۔

قدم قدم پر تائیدات الٰہی اس کے ساتھ دیتی ہیں۔

انا نحن نزلنا الذکر وانا لہ لحافظون۔ (الحجر: ۱)

ہم نے اس نصیحت کو اتارا ہے اور بے شک ہم ہیں اس کی حفاظت کرنے والے۔

(۳) پیغمبر کے صحیفہ زندگی کا صفحہ صفحہ ہر قسم کے اخلاقی داغ سے پاک ہوتا ہے اس کی سچائی اور راست بازی عالم آشکارا اور دوست دشمن سب کے نزدیک بے عیب ہوتی ہے۔ حضرت صالحؑ کی نسبت کافروں نے گواہی دی۔

یصالح قد کنت فینا مرجوا قبل ھذا (ہود: ۶)

اے صالح پہلے تم سے بڑی بڑی امیدیں تھیں۔

حضرت شعیبؑ کے باوجود ان کو اقرار کرنا پڑا کہ وہ بڑے عبادت گزار ہیں۔

یشعیب اصلوتک تامرک ان نترک مایعبد ابائونا (ہود: ۸)

اے شعیبؑ! کیا یہ تمہاری عبادت گزاری تم کو کہتی ہے کہ اسکو چھوڑ دیں جس کو ہمارے باپ دادا پوجتے تھے۔

آنحضرتؐ اپنی شہادت میں خود اپنی زندگی کو پیش کرتے ہیں۔

فقد لبثت فیکم عمرًا من قبلہ ط افلا تعقلون . (یونس: ۲)

میں نے تمہارے درمیان مدت تک عمر گزاری ہے کیا تم سمجھتے ہو۔

(۴) سب سے آخر یہ کہ تبلیغ و دعوت میں دین الٰہی کی نصرت اور اشاعت میں مخالفین کی شکست اور ہزیمت میں صحابہ کو مزید ایمان اور تسکین کے حصول میں عجیب و غریب مافوق فہم نشانات ظہور پذیر ہوتے ہیں' جن کو عرف عام میں معجزات کہتے ہیں۔

غرض یہی وہ امور ہیں جو خالق فطرت اور داعی حق کے درمیان رابطہ خاص اور علاقہ مخصوص کو نمایاں کرتے ہیں اور جن سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ وہ فرستادہ الٰہی ہے۔

آیات و دلائل کی دو قسمیں' ظاہری اور باطنی::

تفصیل بالا سے یہ واضح ہوتا ہے کہ آیات اور نشانات دو قسم کے ہوتے ہیں' ایک ظاہری اور مادی اور دوسری باطنی اور روحانی' ظاہری اور مادی آیات و دلائل تو وہ خوارق ہیں جن کو لوگ عام طور پر معجزات کہتے ہیں' مثلاً مردہ کا زندہ ہونا عصا کا سانپ بن جانا' انگلیوں سے پانی کا چشمہ ابلنا' بیمار کو اچھا کرنا وغیرہ' باطنی اور روحانی آیات و دلائل مدعیٔ نبوت کی صداقت' معصومیت' تزکیہ' تاثیر' تعلیم' ہدایت' ارشاد' فلاح اور تائید ہے' اہل نظر اور حقیقت شناسوں کے لئے یہی باطنی آثار و آیات نبوت کی حقیقی نشانیاں ہیں' باقی ظاہری نشانیاں صرف سطحی اور ظاہر بین نگاہوں کے لئے ہیں جو ہر چیز کو ان ظاہری ہی آنکھوں سے دیکھ کر پہچانتی ہیں۔

نبوت کی باطنی نشانیاں واقعات کی روشنی میں::

ہم نے نبوت کی ظاہری اور باطنی دو نشانیاں قرار دی ہیں اور باطنی نشانیوں کو ظاہری علامات پر ترجیح دی ہے اور یہ بتایا ہے کہ حقیقت شناس صرف باطنی نشانیوں کے طلب گار ہوتے ہیں۔ آگے چل کر ہم بتائیں گے کہ قرآن مجید بھی انہی کو نبوت کی اصلی علامات قرار دیتا ہے' یہاں واقعات کی روشنی میں یہ واضح کرنا ہے کہ عہد نبوی میں بھی جو لوگ اہل نظر تھے وہ انہی علامات کی تلاش کرتے تھے' چنانچہ ان لوگوں کو

بھی چھوڑ دو جنہوں نے بالاخر نبوت کی تصدیق کی' اس عہد کے ان یہودیوں اور عیسائیوں کو دیکھ جنہوں نے گوکسی سبب سے علی الاعلان اس کی تصدیق کی جرات نہیں کی' مگر وہ اندرونی طور سے متاثر ہو چکے تھے۔

بنی اسرائیل سے بڑھ کر عرب میں علامات الٰہی کا رازداں کوئی اور نہ تھا' سینکڑوں یہودی مشکانہ آنحضرت ؐ کی خدمت میں آئے' امتحانات لئے' تجربات کئے' مگر ان کا امتحان و تجربہ کیا تھا؟ یہ تھا کہ وہ آپ ؐ کے اخلاق کی ازمائش کرتے تھے۔ صحف انبیائے بنی اسرائیل کے سوالات دریافت کرتے تھے' آپ ؐ کی تعلیمات کا گہرا مطالعہ کرتے تھے' ان میں سے کسی نے آ کر آپ ؐ سے خارق عادت معجزہ کا مطالبہ نہیں کیا کیونکہ انہیں معلوم تھا کہ یہ تماشے بظاہر اور لوگ بھی دکھا سکتے ہیں اور یہ خوارق نبوت کی باطنی اور اندرونی علامات نہیں ہیں۔ آنیوالے نبی کی بشارتیں اور صفتیں توراہ اور انجیل دونوں میں مذکور تھیں لیکن ان میں سے کسی میں بھی صاحب خوارق ہونا اور ظاہری معجزات دکھانا ان کی صفت نہیں بتائی تھی۔ بلکہ توراۃ میں اس کے اوصاف یہ بتائے گئے تھے کہ وہ فران سے طلوع ہوگا۔ دس ہزار قدوسیوں کے ساتھ آئے گا' اس کے ہاتھ میں آتشیں شریعت ہوگی' وہ غریبوں اور مسکینوں کا مددگار ہوگا اور بدکاروں کو جنگی مرد کے مانند ہلاک کرے گا۔ وہ عبادت گزار اور خدا کے احکام کا مطیع ہوگا' مختون قوم (عرب) میں پیدا ہوگا۔ انجیل نے بتایا تھا کہ وہ تسلی کی روح ہوگا' وہ مسیح کی نامکمل تعلیم کی تکمیل کرے گا۔ خدا کی زبان اس کے منہ میں ہو گی۔

سینکڑوں یہود نصاریٰ آپ ؐ کی خدمت میں ائے اور انہوں فنے آپ کی نبوت کا امتحان لیا' مگر امتحان کے پرچہ میں مادی معجزات کا سوال شامل نہ تھا' بلکہ عام علمی اور مذہبی باتوں کی نسبت استفسار تھا۔ قرآن مجید نے ان کے دو سوالوں کو دہرایا یسئلونک عن ذی القرنین (کہف) اور یسئلونک عن الروح۔ پہلے سوال میں " ذی

" نہیں۔

" اس خاندان میں کوئی بادشاہ گزرا ہے؟

" نہیں

" جن لوگوں نے اس مذہب کو قبول کیا ہے وہ کمزور ہیں یا صاحب اثر ؟

" کمزور لوگ ہیں۔

" اس کے پیرو بڑھ رہے ہیں یا گھٹتے جاتے ہیں؟

" بڑھتے جاتے ہیں۔

" کبھی تم لوگوں کو اسکی نسبت جھوٹ کا بھی تجربہ ہے؟

" نہیں۔

" وہ کبھی عہد و اقرار کی خلاف ورزی بھی کرتا ہے؟

" ابھی تک تو نہیں لیکن اب جو معاہدہ ہوا ہے دیکھیں وہ اس پر قائم رہتا ہے یا نہیں؟

" تم لوگوں نے اس سے جنگ کی ہے؟

ابوسفیان: ہاں

" نتیجہ جنگ کیا رہا

" کبھی ہم غالب رہے کبھی وہ۔

" وہ کیا سکھاتا ہے؟

" کہتا ہے کہ ایک خدا کی عبادت کرو' کسی اور کو خدا کا شریک نہ بناؤ' نماز پڑھو' پاکدامنی اختیار کرو' سچ بولو' صلہ رحم کرو۔

اس گفتگو کے بعد قیصر نے کہا کہ تم نے اس کو شریف النسب بتایا' پیغمبر ہمیشہ اچھے خاندان سے پیدا ہوتے ہیں' تم نے کہا کہ اس کے خاندان میں کسی اور نے نبوت کا دعویٰ نہیں کیا۔ اگر ایسا ہوتا تو میں سمجھتا کہ یہ خاندانی خیال کا اثر ہے۔ تم تسلیم کرتے ہو کہ اس خاندان میں کوئی بادشاہ نہ تھا' اگر ایسا ہوتا تو میں سمجھتا کہ اس کو بادشاہت کی

ہوس ہے۔تم مانتے ہو کہ اس نے کبھی جھوٹ نہیں بولا۔ جو شخص آدمیوں سے جھوٹ نہیں بولتا وہ خدا پر کیونکہ جھوٹ باندھ سکتا ہے' تم کہتے ہو کہ کمزوروں نے اس کی پیروی کی ہے' پیغمبروں کے ابتدائی پیرو ہمیشہ غریب ہی لوگ ہوتے ہیں۔تم نے تسلیم کیا کہ اس کا مذہب ترقی کرتا جاتا ہے' سچے مذہب کا یہی حال ہے کہ بڑھتا جاتا ہے۔تم تسلیم کرتے ہو کہ اس نے کبھی فریب نہیں دیا' پیغمبر کبھی فریب نہیں دیتے' تم کہتے ہو کہ وہ نماز و تقوی اور عفاف کی ہدایت کرتا ہے اور اگر یہ سچ ہے تو وہ یقیناً پیغمبر ہے۔

باوجود طول کلام کے ہم نے یہ تمام سوالات و جوابات نقل کر دیتے ہیں' غور کرو یہ تمام سوالات صرف پیغمبر کے حقیقی آثار و علامات سے متعلق ہیں۔ ان میں سے ایک سوال بھی ایسا نہیں ہے جس میں یہ مذکور ہو کہ یہ ملکہ کا مدعی نبوت کوئی معجزہ بھی پیش کرتا ہے؟ حالانکہ اگر نبوت کی حقیقی علامت خوارق عادت ہوتے تو سب سے پہلے عیسائی قیصر کو یہی سوال پوچھنا چاہئے تھا۔

حضرت جعفرؓ نجاشی کے دربار میں اسلام پر تقریر کرتے ہیں تو فرماتے ہیں ایھا الملک ہم لوگ ایک جاہل قوم تھے' بت پوجتے تھے' مردار کھاتے تھے' بدکاریاں کرتے تھے' ہمسایوں کو ستاتے تھے' بھائی بھائی پر ظلم کرتا تھا' قوی لوگ کمزوروں کو کھا جاتے تھق۔ اس اثناء میں ہم میں ایک شخص پیدا ہوا جس کی شرافت اور صدق و دیانت سے ہم لوگ پہلے سے واقف تھے' اس نے ہم کو اسلام کی دعوت دی اور یہ سکھایا کہ ہم پتھروں کو پوجنا چھوڑ دیں' سچ بولیں' خونریزی سے باز آئیں' یتیموں کا مال نہ کھائیں' ہمسایوں کو تکلیف نہ دیں' عفیف عورتوں پر بدنامی کا داغ نہ لگائیں' نماز پڑھیں' روزے رکھیں' زکوۃ دیں۔ ہم ان پر ایمان لائے' شرک اور بت پرستی چھوڑ دی اور تمام اعمال بد سے باز آئے (۱)۔

نجران کے عیسائی علماء جب آنحضرت ﷺ کی خدمت میں آئے تو انہوں نے قرآن

کی آیتیں سنیں مسلمانوں کی روحانی کیفیتوں کا مشاہدہ کیا۔ حضرت عیسیٰ کی نسبت اسلام کی فیصلہ دریافت کیا' اس کے بعد آنحضرت ؐ نے قرآن مجید کے حکم کے مطابق ان سے مباہلہ کرنا چاہا مگر انہوں نے منظور نہیں کیا اور آپس میں کہا کہ اگر یہ واقعی پیغمبر ہے تو ہم تباہ ہو جائیں گے' بالاخر سالانہ خراج پر صلح کر لی' دیکھو انہوں نے اسلام کی تعلیمات کا ہر طرح امتحان کیا لیکن دعویٰ کے ثبوت میں انہوں نے ظاہری نشان نہیں مانگا۔

اب خاص عرب کے حقیقت شناس افراد کا مطالعہ کرو' آنحضرت ؐ کی نبوت کی ان میں سے ہزاروں اشخاص نے تصدیق کی' جن کے فضل و کمال' عقل و ہوش اور فہم و ذکا پر ان کے حالات و واقعات گواہ ہیں مگر ان میں ایک بھی ایسا نہ تھا جو باطنی علامات کے دیکھ لینے کے بعد ظاہری نشانیوں کا طلب گار رہا ہو۔ مسلمانوں میں سب سے پہلے حضرت خدیجہؓ اسلام لائیں۔ چنانچہ آغاز وحی ہی میں آنحضرت ؐ نے جب حضرت خدیجہ ؓ سے اپنے مشاہدات روحانی تذکرہ فرمایا تو وہ ایمان لے آئیں' مگر کس اثر سے؟ اس کی توضیح اس سے ہوتی ہے کہ جب آپ نے تقاضائے بشریت ان سے اپنے خوف جاں کا تذکرہ کیا تو انہوں نے جواب دیا۔

(۱)۔ مسند ابن حنبل جلد اول صفحہ ۳۰۲۔

واللہ ما یخزیک اللہ ابدا انک لتصل الرحم و تحمل الکل و تکسب المعدوم و تقری الضیف و تعین علی نوائب الحق (بخاری بدء الوحی)

خدا کی قسم! خدا آپ کو کبھی رسوا نہ کرے گا' آپ صلہ رحم کرتے ہیں اور قرضداروں کا بوجھ اٹھاتے ہیں' غریبوں کی مدد کرتے ہیں مہمانوں کو کھانا کھلاتے ہیں' حق کی مصیبتوں پر لوگوں کی اعانت کرتے ہیں۔

حضرت ابوذرؓ کو جب آنحضرت ؐ کی بعثت کا حال معلوم ہوا تو انہوں نے اپنے بھائی سے کہا کہ ذرا اس شخص کے پاس جا کر دیکھو جو دعویٰ کرتا ہے کہ اس کے پاس آسمان سے خبر آتی ہے،وہ مکہ آئے اور تحقیق حال کر کے واپس گئے اور حضرت ابوذرؓ سے جا کر کہا:

رایتہ یامر بمکارم الاخلاق و کلاما ماھو بالشعر۔

(مسلم مناقب ابی ذر)

میں نے اس کو دیکھا وہ مکارم اخلاق کا حکم دیتا ہے اور ایک کلام پیش کرتا ہے جو شعر نہیں۔

اس قسم کے بیسیوں واقعات ہیں جن سے حقیقت حال کی تشریح ہوتی ہے اور جن کی تفصیل سے "سیرہ نبوی ﷺ" کی گزشتہ جلدیں بھری پڑی ہیں۔

قرآن مجید اور نبوت کی باطنی علامات::

یہ تمام بیانات درحقیقت قرآن مجید کی ان آیتوں کی تشریح ہیں جن میں نبوت کی حقیقت اور اس کے اصلی آثار وعلامات بتائے گئے ہیں۔

یااھل الکتب قدجاء کم رسولنا یبین لکم کثیرا مما کنتم تخفون من الکتب و یعفوا عن کثیر . قدجاء کم من اللہ نورو کتب مبین ویھدی بہ اللہ من اتبع رضوانہ سبل السلم ویخرجھم من الظلمت الی النور باذنہ ویھدیھم الی صراط مستقیم۔ (مائدہ:٣)

اے یہود و نصاریٰ! تمہارے پاس ہمارا رسول آچکا جو تمہاری کتاب کی بہت سی باتیں جن کو تم چھپاتے ہو صاف صاف بیان کرتا ہے اور بہت سی باتوں سے درگزر کرتا ہے،

ہے اور برے کام سے روکتا ہے اور پاک چیزوں کو ان کے لئے حلال اور ناپاک چیزوں کو ان پر حرام کرتا ہے اور (رسم و رواج کے) جو بوجھ اور بیڑیاں ان پر پڑی ہوتی تھیں وہ ان سے دور کرتا ہے۔

یایھا النبی انا ارسلنک شاھدا و مبشرا و نذیرا و داعیا الی اللہ باذنہ و سراجا منیرا۔ (احزاب:۲)

اے پیغمبر! ہم نے تجھ کو (اپنا) گواہ اور نیکوکاروں کو خوشخبری سنانے والا اور (بدکاروں) کو ڈرانے والا' خدا کی طرف اس کے حکم سے پکارنے والا اور روشن چراغ بنا کر بھیجا ہے۔

الغرض نبوت کے اصلی آثار و علامات یہ ہیں کہ وہ آیات الٰہی تلاوت کرتا ہے' زنگ آلود نفوس اور سیہ کار قلوب کو جلا دیتا ہے۔ لوگوں کو کتاب و حکمت اور اخلاق کی تعلیم دیتا ہے' اچھی باتوں کو پھیلاتا ہے اور برائیوں سے روکتا ہے' وہ طیبات کو حلال اور خبائث کو حرام کرتا ہے' وہ قوموں کے بوجھ کو اتارتا ہے اور ان کے پاؤں کی بیڑیوں کو کاٹ ڈالتا ہے وہ خدا کا گواہ بن کر اس دنیا میں آتا ہے۔ لوگوں کو خدا کی طرف دعوت دیتا ہے نیکوکاروں کو بشارت سناتا ہے بدکاروں کو عذاب الٰہی سے ڈراتا ہے اور اس ظلمت کدہ عالم میں وہ ہدایت کا چراغ بن کر چمکتا ہے۔ قریش آنحضرتؐ سے معجزہ کے طالب ہوتے ہیں' اس کے جواب میں ارشاد ہوتا ہے۔

وقال الذین لا یعلمون لو لا یکلمنا اللہ اوتاتینا ایۃ ط کذلک قال الذین من قبلھم مثل قولھم تشابھت قلوبھم قد بینا الایت لقوم یوقنون ط انا ارسلنک بالحق بشیرا و نذیرا ولا تسئل عن اصحب الجحیم۔ (بقرہ:۱۴)

اور جن کو علم نہیں وہ کہتے ہیں کہ خدا خود ہم سے باتیں کیوں نہیں کرتا یا ہمارے پاس کوئی نشانی کیوں نہیں آتی' ان سے پہلے لوگوں نے بھی اسی طرح کہا تھا' دونوں کے دل ایک ہی قسم کے ہوگئے' ہم نے تو نشانیاں ان لوگوں کے لئے جو یقین کرتے ہیں کھول کر رکھ دیں۔ (اے محمدؐ) ہم نے تجھ کو سچائی دے کر نیکوکاروں کو خوشخبری سنانیوالا اور بدکاروں کو ڈرانے والا بنا کر بھیجا اور (جن کو اب بھی یہ نشانیاں باور نہ آئیں) ان دوزخیوں کی تم سے بازپرس نہ ہوگی۔

کفار پیغمبر کی صداقت کی نشانی چاہتے ہیں' اس کے جواب میں ارشاد ہوتا ہے کہ اس کی صداقت کی روشنی تو اس کا سرتاپا وجود ہے اور اہل یقین کے لئے اس کی سچائی کی تمام نشانیاں ظاہر کر دی گئی ہیں' اس کی حقانیت نیکوکاروں کو خوش خبری سنانا اور بدکاروں کو ڈرانا اور متنبہ کرنا اور اس سے انقلاب انسانی اور نتائج روحانی کا ظہور یہ خود اسکی صداقت کی کھلی نشانیاں ہیں۔

وقالوا لو لا انزل علیه ایت من ربه ط قل انما الایت عندالله ط وانما انا نذیر مبین اولم یکفهم انایکفهم انا انزلنا علیك الکتب یتلی علیهم۔ (عنکبوت: ۵)

اور وہ کہتے ہیں کہ اس (پیغمبر) پر اس کے پروردگار کی طرف سے نشانیاں کیوں نہیں اتریں' کہدے کہ نشانیاں تو خدا کے پاس ہیں اور میں تو کھلا ڈرانے والا ہوں' ان کافروں کو یہ نشانی کافی نہیں کہ تجھ پر ہم نے کتاب اتاری جو ان کو پڑھ کر سنائی جاتی ہے۔

یعنی خود یہ دعوت الٰہی اور پیغام ربانی آیت ونشانی ہے اور اہل

بصیرت کے لئے یہی معجزہ ہے۔

اولم یکن لھم ایۃ ان یعلمہ علموا بنی اسرائیل

(شعراء: ۱۱)

کیا ان کافروں کے لئے یہ نشانی کافی نہیں ہے کہ بنی اسرائیل کے عالم لوگ اس کو جانتے ہیں۔

یعنی پیغمبر اسلام ؐ کا معجزہ یہ ہے کہ ایک امی ہوکر وہ ایک ایسی کتاب اور ایسی تعلیم پیش کرتا ہے جس کی صداقت کو علمائے بنی اسرائیل جانتے اور سمجھتے ہیں' کیا یہ معجزہ جہلائے قریش کی تسلی کے لئے کافی نہیں ہے کہ بڑے بڑے علماء اس کی سچائی کے دل سے معترف ہیں۔

وقالو لولا یاتینا بایۃ من ربہ اولم تاتھم بینۃ مافی الصحف الاولی ولوانا اھلکنھم بعذاب من قبلہ لقالوا ربنا لولا ارسلت الینا رسولا فنتبع ایتک

(طہ۔ ۸)

اور وہ کہتے ہیں کہ یہ پیغمبر اپنے پروردگار کی طرف سے کوئی نشانی ہمارے پاس کیوں نہیں لاتا کیا انکو اگلی کتابوں کی گواہی نہیں پہنچی اور اگر ہم انکو اس سے پہلے ہلاک کر دیتے تو یہ کہتے کہ اے ہمارے پروردگار! کیوں تو نے ہمارے پاس کوئی پیغمبر نہیں بھیجا کہ ہم تیری نشانیوں کی پیروی کرتے۔

یعنی گزشتہ انبیاء کی کتابوں میں انے والے پیغمبر کے جو صفات اور نشانیاں مذکور تھیں' پیغمبر اسلام کا انکا مصداق کامل ہونا یہی سب سے بڑی نشانی ہے۔ یا اس آیت کا دوسرا مطلب یہ ہوسکتا ہے کہ یہ کفار بار بار یہی کہتے ہیں کہ معجزہ دکھاؤ' معجزے تو انہیں دکھائے جا چکے' کیا یہ نہیں معلوم کہ گزشتہ قومیں معجزات دیکھ کر بھی جب ایمان

نہ لائیں تو ان کا کیا حشر ہوا۔ کفار کا سوال تھا۔

ویقول الذین کفروالولا انزل علیہ ایہت من ربہ۔ (رعد: ۱)

کہ اس پیغمبر پر اس کے خدا کی طرف سے کوئی نشانی کیوں نہیں اتری۔

اس کے جواب میں خدا نے ارشاد فرمایا۔

انما انت منذر وبلکل قوم ھاد (رعد۔ ۱)

اے محمدؐ تو صرف ڈرانیوالا ہے اور ہر قوم میں ایک ہادی گزرا ہے۔

مقصود یہ ہے کہ نبوت کی حقیقت معجزہ نہیں ہے بلکہ انذار اور ہدایت ہے۔

ظاہری آیات اور نشانات::

لیکن اس کے معنی یہ نہیں ہیں کہ انبیاء ظاہری آیات اور مادی نشانات سے خالی ہوتے ہیں' تمام انبیائے کرام کی سیرتیں بیک زبان اس کی تصدیق کرتی ہیں کہ باطنی ایتوں کے ساتھ ان کو ظاہری حصہ بھی ملتا ہے۔ قرآن مجید نے اکثر انبیاء کے سوانح وواقعات کے ضمن میں انکے ظاہری آثار ودلائل کو بھی بہ تفصیل بیان کیا ہے' بلکہ کہنا یہ ہے کہ یہ مادی اور ظاہری نشانات نبوت کی اصل حقیقت سے خارج ہیں' یہی سبب ہے کہ متعدد مقامات پر قرآن مجید نے کفار کی مادی نشانیوں کی طلب میں آپ کی طرف سے یہ الفاظ کہے۔

ھل کنت الا بشرًا رسولًا (بنی اسرائیل)

میں تو صرف ایک انسان پیغمبر ہوں۔

ظاہری نشانات صرف معاندین طاب کرتے ہیں::

لیکن نبوت کے ظاہری اور عیانہ آثار وعلامات یعنی خارق عادت معجزات صرف وہ

فرقہ طلب کرتا ہے جس کے دل کی آنکھیں اندھی ہوتی ہیں اور جو تعصب وعناد اور جہل کے باعث حق کے ماننے کے لئے تیار نہیں ہوتا چنانچہ انبیائے کرام پر ایمان لانے والوں کے حالات پر غور کرو تو معلوم ہوگا کہ معجزات کی طلب نیکوکاروں نے نہیں کی حضرت موسیٰؑ کو بنی اسرائیل کے مقابلہ میں نہیں بلکہ فرعون کے مقابلہ میں دیا گیا۔ حضرت عیسیٰؑ سے ان کے حواریوں نے نہیں بلکہ یہودیوں نے معجزہ طلب کیا، آنحضرتؐ سے ابوبکرؓ و عمرؓ نے نہیں بلکہ ابوجہل و ابولہب نے معجزہ مانگا۔ یہی حال دوسرے انبیاء کا بھی ہے۔ قرآن مجید نے اس حقیقت کی پوری تصریح کی ہے اور طلب معجزہ کے سوال کو ہمیشہ کفار کی طرف منسوب کیا ہے۔

وقال الذین لایعلمون لولا یکلمنا اللہ اوتاتینا ایہت۔ (بقرہ: ۱۴)

اور جن کو (کتاب الٰہی کا) علم نہیں (یعنی کفار قریش) کہتے ہیں کہ کیوں خدا ہم سے خود باتیں نہیں کرتا یا ہمارے پاس کوئی نشانی کیوں نہیں آتی۔

وقالوا لولا نزل علیہ ایہت (انعام۔ ۴)

اور کفار نے کہا کہ اس پیغمبر پر کوئی نشانی کیوں نہیں اتاری گئی۔

ویقول الذین کفروا لولا انزل علیہ ایہت (رعد: ۱)

اور کفار نے کہا کہ اس پیغمبر پر کوئی نشانی کیوں نہیں اتاری گئی۔

و قالوا لو لا یاتینا بایہت من ربہ۔ (طہ:۸)

اور کفار نے کہا کہ یہ پیغمبر اپنے پروردگار کی طرف سے کوئی نشانی ہمارے پاس کیوں نہیں لاتا۔

دیکھو کہ ہر آیت میں کفار ہی کا معجزہ طلب کرنا ظاہر کیا گیا ہے۔

کفار کا یہ معجزہ طلب کرنا نفی معجزہ کی دلیل نہیں::

کفار نے اس بار بار کے اصرار سے کہ پیغمبر ہم کو معجزہ کیوں نہیں دکھاتے' بعض نادان یہ سمجھتے ہیں کہ پیغمبر اسلامؐ نے ان کو کوئی معجزہ نہیں دکھایا کہ اگر وہ کوئی معجزہ دیکھ چکے ہوتے تو بار بار معجزہ کے لئے اصرار کیوں کرتے؟ لیکن یہ استدلال سرتاپا غلط ہے' ان کو نفس معجزہ مانگنے پر بھی بلکہ مادی اور ظاہری معجزات طلب کرنے پر تنبیہہ کی گئی ہے اور بتایا گیا ہے کہ نشانیوں کے ظاہری ہونے کے بعد بھی یہ عناد سے طلب معجزہ پر مصر ہیں۔ چنانچہ ان تمام مقامات میں جہاں کفار کی اس طلب معجزہ کا ذکر ہے یہ تصریح موجود ہے اور انہیں یہ ہدایت کی گئی ہے کہ ان خوارق سے انہیں تسلی نہ ہوگی' ان کو چاہیئے کہ بوت کے اصلی آثار و علامات کی طرف توجہ کریں کہ سعادتمند دلوں کی تسلی ان ہی سے ممکن ہے۔

وقال الذین لایعلمون لولا یکلمنا اللہ او تاتینا ایۃ ط کذلک قال الذین من قبلھم مثل قولھم تشابھت قلوبھم قدبینا الایت لقوم یوقنون ہ انا ارسلنک بالحق بشیرا و نذیرا ولا تسئل عن اصحب الجحیم۔ (بقرہ: ۱۴)

اور جو نہیں جانتے وہ کہتے ہیں کہ کیوں خدا ہم سے خود باتیں نہیں کرتا یا ہمارے پاس کوئی نشانی نہیں آتی' ان سے پہلے کے لوگوں نے بھی اسی طرح کہا تھا دونوں کے دل ایک سے ہوگئے ہیں ہم نے نشانیاں ان لوگوں کے لئے جو یقین کرتے ہیں کھول کر رکھ دی ہیں اے پیغمبر! ہم نے تجھ کو سچائی دے کر نیکوکاروں کو خوشخبری سنانیوالا اور بدکاروں کو ڈرانے

والا بنا کر بھیجا ہے اور (جن کو یہ نشانیاں باور نہ آئیں) ان دوزخیوں کی تم سے باز پرس نہ ہوگی۔

اس آیت کریمہ میں صاف موجود ہے کہ ہم نشانیاں کھول کر بتا چکے ہیں' لیکن ان نشانیوں سے وہی فائدہ اٹھا سکتے ہیں جو اہل یقین ہیں اور جو ہر امر میں شک کرتے ہیں' ان کا علاج صرف دوزخ ہے۔ دوسری آیت میں ہے۔

وقالو الولا یاتینا بایہت من ربه اولم تاتهم بینہت مافی اصلحف الاولی۔ ولو انا اهلکنهم بعذاب من قبله لقالوا ربنا لولا ارسلت الینا رسولا نتبع ایتك۔ (طہٰ: ۸)

اور کہتے ہیں کہ یہ پیغمبر اپنے پروردگار کی طرف سے کوئی نشانی ہمارے پاس کیوں نہیں لاتا' کیا ان کے پاس گزشتہ کتابوں کی گواہی نہیں پہنچی اگر ہم اس سے پہلے کسی عذاب سے ان کو ہلاک کر دیتے تو وہ کہتے کہ اے ہمارے پروردگار! کیوں ہمارے پاس کوئی رسول تو نے نہیں بھیجا کہ ہم تیری نشانیوں کی پیروی کرتے۔

اس آیت میں بھی معجزات ظاہر ہونے کے بعد مزید معجزات کی طلب پر گزشتہ قوموں کے واقعات کی طرف جو اگلی کتابوں میں مذکور ہیں' متوجہ کیا گیا ہے' کہ دیکھ لو دنیا میں ان کا کیا حشر ہوا' جنہوں نے معجزوں کو دیکھ کر بھی ایمان نہیں قبول کیا۔

معجزات تو بہر حال کسی نہ کسی آنی زمانہ اور مخصوص وقت میں ظاہر ہوتے ہیں اور پھر دنیا کے دوسرے حوادث کی طرح فنا ہو جاتے ہیں۔ اس بناء پر اگر ہر معاند کے سوال پر پیغمبر معجزہ ہی دکھاتا رہے تو یہ تسلسل شاید کبھی ختم نہ ہو اور پیغمبر کی زندگی صرف ایک تماشہ گر کی حیثیت اختیار کرے' اس لئے ظاہری معجزہ طلب کرنے والوں کو دائمی اور

مسلسل معجزہ کی طرف ملتفت ہونے کی تاکید ہوتی ہے۔

وقالوا لولا انزل علیہ ایت من ربہ قل انما الایت
عنداللہ وانما انا نذیر مبین ۵ اولم یکفھم انا انزلنا
علیک الکتب یتلی علیھم۔ (عنکبوت:۵)

اور وہ کہتے ہیں کہ اس پیغمبر پر اس کے پروردگار کی طرف سے
کوئی نشانی کیوں نہیں اترتی' کہہ دے کہ نشانیاں تو خدا ہی
کے پاس ہیں میں صرف کھلا ہوا ڈرانے والا ہوں' کیا یہ ان کو
بس نہیں کرتا کہ ہم نے تجھ پر کتاب اتاری جو ان کو پڑھ کر
سنائی جاتی ہے۔

معاندین کو معجزہ سے بھی تسلی نہیں ہوتی::

نفسیات انسانی کا خاصا ہے کہ جب کسی طرف سے اس کے جذبات مخالفانہ ہوتے ہیں تو وہ اس کی کسی بات کو حسن ظن پر محمول نہیں کرتا اور اس کو اس کی ہر شے کے اندر شر' خبث اور بدی نظری آتی ہے' جلی سے جلی اور واضح سے واضح برہان بھی اسکے دل کے ریب اور قلب کے شک کو دور نہیں کرتے اور ان کے کھلے اور بدیہی دعووں کو بھی تسلیم کرنے کے لئے آمادہ نہیں ہوتے اور ہر قسم کی دلیلوں کے سن لینے کے بعد بھی وہ اپنے لاعلاج مرض شک سے نجات نہیں پاتے تو آخر الحیل کے طور پر وہ پیغمبروں سے خارق عادت معجزوں کا مطالبہ کرتے ہیں اور چونکہ انہیں بدگمانی سے یہ یقین ہوتا ہے کہ ہماری ہی طرح کا ایک مدعی انسان کبھی ایسی عجیب وغریب چیز پر قدرت نہیں رکھتا' اس لئے وہ کبھی کوئی خارق عادت امر پیش نہ کرے گا اور اس طرح اس کی رسوائی عالم آشکارا ہو جائے گی اور خود اسی کے ہاتھوں سے اس کے دعووں کے تاروپود بکھر جائیں گے۔ لیکن قدرت الٰہی آخری حجت کے طور پر ان کے سامنے معجزات اور خوارق عادت بھی پیش کر دیتی ہے تاہم ان کو دیکھ کر بھی معاجندانہ روح'

ثمـا دبـر واستكبـر ه فقـال ان هذا الا سحـر يئوثـر

(مدثر۔ ۱)

پھر پیٹھ پھیر کر چلا اور غرور کیا اور کہا کہ یہ تو جادو ہے جو اگلے وقتوں سے چلا آتا ہے۔

کنار ایک دوسرے کو منع کیا کرتے تھے کہ محمدؐ کے پاس نہ جایا کرو، کیونکہ وہ جادو کیا کرتے ہیں۔

ھل ھذا الا بشر مثلك افتاتون السحر وانتم تبصرون

. (انبیاء: ۱)

یہ محمدؐ تمہاری ہی طرح آدمی ہیں۔ کیا تم جادو کے پاس آتے ہو اور تم دیکھ رہے ہو۔

قال الذین کفرو اللحق لما جاء هم هذا سحر مبین .

(احقاف: ۱)

حق کے منکرین کے پاس جب حق آیا تو انہوں نے کہا کہ یہ تو کھلا جادو ہے۔

آنحضرتؐ نے جب معجزہ شق القمر دکھایا تو کنار نے اس کو بھی جادو کہا۔

---

(۱)۔ تورات کتاب الخروج (۲)۔ یوحنا کی انجیل باب ۱۰۔۱۹
(۳)۔ متی کی انجیل باب ۹۔۳۴ (۴)۔ لوقا کی انجیل ۱۱۔۱۸
(۵)۔ یوحنا کی انجیل ۱۳۔۳۷ ص (۶)۔ متی کی انجیل ۱۱۔۱۰
(۷)۔ متی کی انجیل ۱۱۔۱۰ (۸)۔ صحیح مسلم مناقب ابی ذر۔

اقتربت الساعہت وانشق القمر وان یروا ایہت یعرضوا ویقولوا سحر مستمر۔ (قمر: ۱)

نزدیک آ گئی قیامت اور چاند پھٹ گیا اور اگر وہ کوئی بھی نشانی دیکھیں تو منہ پھیر لیں اور کہیں کہ یہ تو جادو ہے جو ہمیشہ سے ہوتا چلا آیا ہے۔

IqbalCyberLibrary.Net All rights reserved ©2002-2006

لقال الذین کفروا ان ھذا الا سحر مبین . (انعام: ۱)

اے پیغمبر! اگر ہم تجھ پر ایسی کتاب بھی آسمان سے اتار دیں
جو اوراق میں لکھی ہو کہ وہ اس کو اپنے ہاتھوں سے چھوئیں تو وہ
جو کافر ہیں یہی کہیں گے کہ یہ فقط ایک ساحرانہ تماشا ہے۔

وان یروا کل ایہت لایئومنوا بھاحتی اذاجائوک
یجادلونک یقول الذین کفروا ان ھذا الا اساطیر
الاولین . (انعام: ۳)

اور اگر وہ تمام نشانیاں بھی دیکھ لیں گے تو وہ ایمان نہ لائیں
گے یہاں تک کہ وہ جب تیرے پاس آتے ہیں تو وہ تجھ سے
جھگڑا کرتے ہیں اور کافر کہتے ہیں کہ یہ تو صرف اگلوں کی
کہانیاں ہیں۔

وقالو الولا انزل علیہ ملک ولو انزلنا ملکا لقضی
الامرثم لاینظرون . ولو جعلنہ ملکا لجعلنہ رجلا و
للبسنا علیھم مایلبسون۔ (انعام: ۱)

اور کہتے ہیں کہ اس پیغمبر کے ساتھ کوئی فرشتہ کیوں نہیں اتارا
گیا۔ کہہ دے کہ اگر فرشتہ اتارا جاتا تو ان کو پھر مہلت نہ دی
جا سکتی اور بات پوری ہو جاتی؟ اگر ہم رسول کا ساتھی کسی فرشتہ
کو بناتے تو اس کو بھی انسان ہی کی صورت میں بناتے تو پھر
وہی شبے انکے دلوں میں ہم پیدا کرتے جواب یہ کر رہے
ہیں۔

ولوانـنـا نزلـنـا الیھم الملئکہت و کلمھم الموتی
وحشرنا علیھم کل شئی قبلا ما کانوا لیئومنوا الا

انیشاء اللہ ولکن اکثر ھم یجھلون. (انعام:۱۴)

اور اگر ہم ان کے پاس آسمان سے فرشتے بھی اتار کر بھیجیں اور مردے بھی ان سے باتیں کریں اور ہر چیز ان کے سامنے لاکھڑی کردیں تو وہ ایمان نہ لائیں گے' لیکن یہ کہ خدا کی مشیت ہو۔ لیکن اکثر لوگ جانتے ہیں۔

آنحضرتؐ کو فرط شفقت سے یہ خیال بار بار آتا تھا کہ یہ رؤسائے قریش ایمان کی دولت سے محروم نہ رہنے پائیں' خدا نے فرمایا کہ ان کو حقیقت میں براہ راست نبوت سے انکار نہیں بلکہ ان کو نبوت سے اسلئے انکار ہے کہ ان کو اولاً نفس خدا پر یقین نہیں۔ یہ بظاہر نبوت کی نشانیوں کو طلب کرتے ہیں' مگر واقعہ یہ ہے کہ ان کو خدا کی نشانیاں بھی تسلیم نہیں' ایسے لوگوں کی قسمت میں ایمان کی سعادت نہیں' ان کے لئے معجزے بیکار ہیں یہ سعادت ان ہی کو ملتی ہے جو حق کے طالب ہیں اور حق باتوں کو سنتے ہیں۔

قدنعلم انه لیحزنك الذی یقولون فانهم لایكذبونك
ولكن الظلمین بایات الله یجحدون ولقد كذبت
رسل من قبلك فصبروا على ما كذبوا او ذوا حتی
اتهم نصرنا ولا مبدل لكلمت الله ولقد جائك من
نباى المرسلین وان كان كبر علیك اعراضهم فان
استطعت ان تبتغی نفقا فی الارض اوسلما فی
السماء فتاتیهم بایهت ولوشاء الله لجمعهم على
الهدى فلاتكونن من الجهلین . انما یستجیب
الذین یسمعون والموتی یبعثهم الله ثم الیه
یرجعون' وقالو الولانزل علیه ایهت من ربه ط قل ان

اللہ قادر علی ان ینزل ایہت ولکن اکثر ھم لا یعلمون ۔ (انعام: ۴)

ہم جانتے ہیں کہ ان کافروں کی باتیں تجھ کو غمگین کرتی ہیں لیکن تجھ کو غمگین نہ ہونا چاہیئے کیونکہ وہ تجھ کو نہیں جھٹلاتے ہیں بلکہ دراصل ان ظالموں کو خدا کی نشانیوں سے انکار ہے تجھ سے پہلے انبیاء بھی جھٹلائے گئے تو انہوں نے اپنی تکذیب پر صبر کیا اور ان کو بھی ایذا پہنچائی گئی' یہاں تک کہ ان کے پاس خدا کی نصرت آئی خدا کی باتوں کو کوئی بدلنے والا نہیں' گزشتہ پیغمبروں کے واقعات مجھ کو معلوم ہو چکے ہیں اور اگر ان کاروں کی روگردانی تجھ پر گراں ہو تو اگر تجھ میں طاقت ہو تو زمین میں کوئی سرنگ یا آسمان میں کوئی سیڑھی ڈھونڈ کر ان کو کوئی نشانی لا کر دے (ان نشانیوں سے ان پر کوئی اثر نہ ہوگا) اگر خدا چاہتا تو ان کو راہ ہدایت پر متفق کر دیتا تو (غمگین ہو کر) جاہلوں میں سے نہ بن' دعوت الٰہی کو وہی قبول کرتے ہیں جو آواز پر کان دھرے ہیں (اور یہ کافر جو دل کے مردے ہیں' ان کو خدا ہی اٹھائے گا' پھر اسی کی طرف لائے جائیں گے' یہ کہتے ہیں کہ اس پیغمبر پر اس کے پروردگار کی جانب سے کوئی نشانی کیوں نہیں اتاری گئی کہہ دے کہ خدا نشانی لانے پر قادر ہے لیکن اکثر لوگ نادان ہیں۔

لیکن معجزہ دیکھنے پر بھی ان کے قلوب کو اطمینان حاصل نہ ہوگا کیونکہ اس شک و شبہ کا منشاء عناد ہے حق طلبی نہیں' اگر حق طلبی مقصود ہوتی تو پہلی ہی دفعہ دیکھ کر وہ ایمان لے آتے۔

واقسمو بالله جهد ایمانهم لئن جائتهم ایہت
لیئومنن بہا ط قل انما الایت عند الله وما یشعر
کم انہا اذا جائت لا یئومنون وقلب افهدتهم
وابصارهم کما لم یئومنون به ول مرہت وندر هم
فی طغیانهم یعمهون. ولو اننا نزلنا الیهم
الملئکہت وکلمهم الموتی وحشرنا علیهم کل
شئی قبلا ما کانوا لیومنوا الا انیشاء الله ولکن
اکثرهم یجهلون و کذالك جعلنا لکل نبی عدوا
شیطین الانس والجن یوحی بعضهم الی بعض
زحرف القول غرورا۔ (انعام: ۱۳)

اور یہ کافر خدا کی بڑی بڑی قسمیں کھاتے ہیں کہ اگر کوئی نشانی
ان کے پاس آجائے گی تو وہ اس پر ایمان لے آئیں گے
کہدے کہ نشانیں تو کداہی کے پاس ہین اورتمہین کس نے
بتایا کہ یہ نشانیاں دیکھ کر ایمان لائیں گے، یہ ایمان نہیں لائیں
گے (نشانی کے بعد) ہم ان کے دلوں کو (حصول یقین سے)
اوران کی آنکھوں کو (اپنے دیکھنے پر اعتبار کرنے سے) پھیر
یدتے ہیں، جس طرح کہ یہ پہلے اس پر ایمان نہیں لائے اور
ہم ان کوان کی اسی سرکشی کی حالت میں چھوڑ دیں گے کہ
بھٹکتے رہیں، اگر ہم ان کے پاس فرشتے بھی اتار کر بھیجیں اور
مردے بھی اٹھ کر ان سے باتیں کریں اور ہر چیز ہم ان کے
سامنے بھی کر دیں تو وہ ایمان لانیوالے نہیں مگر جو چاہے اللہ،
لیکن ان میں اکثر نادان ہیں اور ہم نے اسی طرح ہر نبی کا

معاند انسانوں اور جنوں سے بنایا ہے جو ایک دوسرے کو
دھوکے کی نمائشی باتیں سکھایا کرتے ہیں (اسی عناد کے
باعث وہ نشانیوں کو نہیں جانتے)

اگر رفع حاجت کے لئے ان کو معجزہ دکھایا بھی جاتا ہے تو حیلہ جوئی کرکے کہتے ہیں کہ گزشتہ انبیاء کو جیسے معجزے دیئے جب تک وہی معجزے ہم کو نہ دیئے جائیں ہم ایمان نہ لائیں گے۔

فلیاتنا بایہت کما ارسل الاولون (انبیاء:۱)
چاہیے کہ ہمارے پاس کوئی نشانی لائے جیسے پہلے لوگ پیغمبر
بنا کر بھیجے گئے۔

لیکن فرض کرو کہ وہی معجزات دکھائے بھی جائیں تو ان کو حیلہ جو طبیعت ان سے کب تسلی پائے گی، وہ فوراً یہ کہہ دیں گے جیسا کہ انہوں نے بارہا کہا ہے کہ یہ محض ساحرانہ کرشمہ ہے اور ہماری آنکھوں کو مسحور کردیا گیا ہے۔

وقالو ایایہاالذی نزل علیہ الذکر انك لمجنون۔
لو مایاتینا بالملکہت ان کنت من الصدقین .
ماتنزل الملکہت الا بالحق وما کانوا اذا منظرین
انا نحن نزلنا الذکر ونا لہ لحفظون . ولقد ارسلنا من
قبلك فی شیع الاولین وما یاتیھم من رسول الا
کانوا بہ یستھزوئون . کذلك نسلکہ فی
قلوب المحرمین لایئومنون بہ وقد خلت سنہت
الاولین . و لوفتحنا علیھم بابًا من السماء فظلوا فیہ
یعرجون لقالوا انما سکرت ابصار نابل نحن قوم
سحورون۔(حجر:۱)

اور کافر کہتے ہیں کہ اے وہ جس پر نصیحت اتری ہے تجھ پر کوئی جن سوار ہے کیوں تو فرشتوں کو ہمارے پاس نہیں لے آتا‘ اگر تو سچا ہے (خدا کہتا ہے) ہم فرشتوں کو دنیا میں حق کے ساتھ اتارتے ہیں اگر فرشتے اتار دیئے جائیں تو پھر ان افروں کو مہلت نہ دی جائے گی۔ اس نصیحت کو ہم نے اتارا ہے اور ہم ہی اسکے نگہبان ہیں‘ ہم نے تجھ سے پہلے قوموں میں بھی پیغمبر بھیجے اور ان میں سے کسی کے پاس کوئی پیغمبر نہ گیا لیکن انہوں نے اس سے تمسخر کیا‘ اسی طرح ہم گنہگاروں کے دلوں میں بٹھا دیتے ہیں‘ وہ اس پر ایمان نہ لائینگے یہ اگلوں سے رسم ہوتی آئی ہے اور اگر ہم ان پر آسمان کا کوئی دروازہ بھی کھول دیں اور وہ اس میں چڑھ بھی جائیں تو یہی کہتے رہیں گے کہ ہماری آنکھوں کو متوالا بنایا گیا ہے بلکہ ہم پر جادو کردیا گیا ہے۔

حاصل یہ کہ ان معاندین کے شکوک وشبہات کا تو برتو بادل معجزات اور آیات کی روشنی سے بھی نہیں چھٹتا‘ آنحضرت ؐ نے جب پہلے پہل اسلام کی دعوت ان کے سامنے پیش کی تو آپ ؐ کو انہوں نے ’’مجنون‘‘ کا خطاب دیا‘ قرآن مجید نے ان کی تردید کی۔

ما انت بنعمۃ ربک بمجنون (ن: ۱)

تو اپنے پروردگار کی عنایت سے مجنون نہیں۔

اس کے بعد آپ ؐ نے ان کے سامنے معجزات اور آیات پیش کئے کہ کہیں مجنوں سے بھی یہ افعال صادر ہو سکتے ہیں؟ تو انہوں فنے آپ کو مجنون کے ساتھ ’’کاہن‘‘ اور ’’جادوگر‘‘ کہا۔

فما انت بعمہت ربك بكاهن ولا مجنون (طور):

تو اپنے پروردگار کی عنایت سے نہ تو کاہن ہے اور نہ مجنون۔

قال الکفرون ان ھذا السحر مبین (یونس: ۱)

کافروں نے کہا کہ یہ تو کھلا ہوا جادوگر ہے۔

آپ نے ان کے اس الزام کے جواب میں اپنی تعلیمات وتلقینات کو پیش فرمایا کہ کاہن و جادوگر علم وحکمت کا یہ خزانہ نہیں رکھتے لیکن پر عناد قلوب کو اس سے بھی تسلی نہ ہوئی اور کہا کہ علم وحکمت کے اسرار انہیں کوئی سکھاتا ہے۔

وقالوا معلم مجنون۔ (دخان: ۱)

اوران ماندوں نے کہا کہ یہ سکھایا ہوا مجنوں ہے۔

الغرض انسانوں کے افہام وتفہیم اور ہدایت ورہنمائی کے جو اسلوب اور طریق ہو سکتے تھے وہ سب ان کے سامنے پیش کیے گئے مگر انہیں شک وشبہ کی کشمکش سے نجات نہ ملی۔

بایں ہمہ انبیاء ومعاندین کو معجزات دکھاتے ہیں اور وہ اعراض کرتے ہیں۔::

معاندین کی اس پیہم طلب اور اصرار سے خیال ہوسکتا ہے کہ اگر ان کو کوئی معجزہ دکھایا جائے تو شاید ایمان لے آئیں لیکن تمام انبیاء کی سیرتیں شہادت دیتی ہیں کہ ایسا نہیں ہوا۔انہوں نے معجزات دیکھے،پھر بھی اپنے انکار واعرض پر نہایت استقلال کے ساتھ قائم رہے،حضرت موسٰی نے فرعون کو بار بار معجزاہ دکھایا لیکن اس کا انکار ایمان سے متبدل نہ ہوا،جیسا کہ توراہ اور قرآن دونوں میں بہ تکرار بیان ہوا ہے۔

قرآن مجید میں ہے۔

فلما جاء ھم بایتنا اذا ھم منھا یضحکون ۔ وما نریھم

من ایہت الا ھی اکبر من اختھا واخذ نھم

بڑے دن کا عذاب تم کو آئے گا' تو انہوں نے اس کی کونچ
کاٹ ڈالی پھر نادم ہوئے تو عذاب نے انہیں آ گھیرا۔ اس
واقعہ میں بڑی نشانی ہے صالح کی قوم کے لوگ اکثر مومن نہ
تھے۔

عہد محمدی ؐ کے فرعونوں اور معاندوں کی نفسی کیفیت بھی یہی تھی کہ ان کو نشانیاں دکھائی جاتی تھیں مگر انہیں عناد کی کور باطنی کے باعث ان سے تسکین نہیں ہوتی تھی' چنانچہ کفار قریش کے حال میں قرآن مجید کا بیان ہے۔

وما تاتیھم من ایٰہت من ایت ربھم الا کانوا عنھا
معرضین فقد کذبوا بالحق لما جاء ھم فسوف
یاتیھم انبئوا ما کانوا بہ یستھزئون . (انعام: ۱)

ان کے پاس خدا کی نشانیوں میں سے کوئی نشانی نہیں آتی
لیکن وہ اس سے اعراض کرتے ہیں حق ان کے پاس آیا تو
انہوں نے اس کو جھٹلایا تو عنقریب جس چیز کا مذاق اڑاتے
ہیں اس کی حقیقت ان کو معلوم ہو گی۔

ایک موقع پر قرآن مجید نے اسی واقعہ کو بیان کیا ہے کہ جب محمد رسول ؐ کے صدق نبوت کی کوئی نشانی ظاہر ہوتی ہے تو معاندین قریش کہتے ہیں کہ ان نشانیوں سے ہم کو تسکین نہ ہو گی جب تک گزشتہ پیغمبروں کی طرح خود ہم کو بھی وہی نشانیاں نہ دی جائیں۔ یعنی نبوت کے تمام آثار و کیفیات خود ہم پر طاری نہ ہوں تا کہ ہم کو دھوکہ اور فریب کا شبہ نہ رہے۔ خدا نے کہا کہ یہ نبوت ہر ایک کا حصہ نہیں۔

واذا جائتھم ایہت قالوالن نومن حتی نوتی مثل ما
اوتی رسل اللگ ط اللہ اعلم حیث یجعل رسالتہ
ط (انعام: ۱۵)

اور جب ان (کفار قریش) کے پاس کوئی نشانی آتی ہے تو
کہتے ہیں کہ ہم اس وقت تک نہ مانیں گے جب تک ہم کو بھی
وہ کچھ نہ دیا جائے جو خدا کے پیغمبروں کو دیا گیا ہے' خدا بہتر
جانتا ہے کہ وہ اپنی پیغامبری کا منصب کس کو عطا کرے۔

اسلئے بالاخر معاندین کی طلب معجزہ سے تغافل برتا جاتا ہے::

ان تمام منازل کے طے ہوچکے بعد بالاخر معاندین پر حجت تمام ہو جاتی ہے اور پھر طلب معجزہ کے لئے ان کے پیہم اصرار الحاح اور طلب کی کوئی پرواہ نہیں کی جاتی اور صرف عذاب الٰہی کی آخری نشانی ان کے فلئے باقی رہ جاتی ہے۔انجیل کے مطابق حضرت عیسٰیؑ نے تمام انبیاء سے زیادہ معجزات اور نشانیاں دکھائیں تاہم فریسی یہودیوں کو معجزہ کی تشنگی باقی رہ گئی اور ہر ملاقات میں انہوں نے معجزہ کی نئی فرمائش کی۔

''تب فریسی نکلے اور اس سے (حضرت عیسٰی سے) حجت کرکے اس سے امتحان کے لئے کوئی آسمان سے نشان چاہا۔''(مرقس ۸۔۱۱)

حضرت عیسٰیؑ نے آہ سرد بھر کر فرمایا۔

''اس زمانہ کے لوگ کیوں نشان چاہتے ہیں' میں تم سے کہتا ہوں کہ زمانے کے لوگوں کو کوئی نشان نہ دیا جائے۔''(مرقس ۱۸۔۱۲)

ایک دفعہ حضرت عیسٰی نے ایک گونگے کو اچھا کیا۔بعضوں نے کہا کہ۔

''یہ بعل زبول دیوتا کی مدد سے ایسے عجیب کام کرتا ہے اور اوروں نے آزمائش کے لئے اس سے ایک آسمانی نشان مانگا۔''(لوقا ۱۱۔۱۶)

حضرت عیسٰی نے ان کے جواب میں فرمایا۔

''اس زمانہ کے لوگ برے ہیں' وہ نشان ڈھونڈتے ہیں' پر کوئی نشان ان کو نہ دیا جائے گا' مگر یونس نبی کا نشان۔''(لوقا ۱۱۔۲۹)

اللہ تعالیٰ نے معاندین قریش کے جواب میں قرآن مجید میں اسی نکتہ کا اظہار فرمایا۔

وما منعنا ان نرسل بالایت الا ان کذب بها الاو

لون ۔ (بنی اسرائیل:٦)

اور ہم کو نشانیوں کے بھیجنے سے صرف اس امر نے باز رکھا کہ

پہلوں نے ان کو جھٹلایا۔

قرآن مجید میں چار یا پانچ مقام پر مذکور ہے کہ عہد محمدی ؐ کے معاندین نے کہا۔

لولا انزل علیه ایهت من ربه۔ (رعد:٤)

محمد ؐ پر اس کے خدا کی طرف سے کوئی نشانی کیوں نہیں

اتاری جاتی۔

اس کے جواب میں ان کو نبوت کی اصل حقیقت' انذار' تبشیر اور ہدایت کی طرف متوجہ کیا گیا اور خرق عادت کی کسی مزید نشانی کے دکھانے سے تغافل اور احتراز برتا گیا۔ عیسائی معترضین قرآن مجید کی ان آیتوں کو پیش کر کے کہتے ہیں کہ محمد ؐ نے معجزہ دکھانے سے اس لئے انکار کیا کہ ان کو خدا کی طرف سے کوئی معجزہ نہیں ملا تھا۔ اگر ان آیتوں سے یہ استنباط صحیح ہے تو انجیل کی جو آیتیں ہم نے اوپر نقل کی ہیں ان کا مطلب کیا ہوگا؟ کیا حضرت عیسیٰؑ کا فریسیوں کو معجزہ دکھانے سے انکار کرنا بھی یہی نتیجہ اخذ کرتا ہے کہ نعوذ باللہ ان کو کوئی معجزہ خدا کی طرف سے نہیں ملا تھا۔

معجزہ کے انکار یا تاخیر کے اسباب::

اصل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی کائنات روحانی کو بھی ایک نظام اور اصول کے تحت رکھا ہے اس بناء پر ہم کو ضرورت ہے کہ ان مصالح اور اسباب کا پتہ لگائیں جن کی بناء پر باوجود قدرت اور اشد ضرورت کے معجزات سے کلیتہً انکار کیا گیا ہے یا انکے ظہور میں تاخیر ہوتی ہے۔ قرآن مجید کے امعان مطالعہ سے ان اسباب کو ذیل کی صورتوں میں محدود کیا جا سکتا ہے۔

(ا) معجزات کے زریعہ سے جو لوگ ایمان لاتے ہیں ان کا ایمان محض جبری' تقلید اور بالواسطہ ہوتا ہے' وہ لوگ اپنے دل میں انبیاء کے محاسن تعلیم کا کوئی خاص ذوق نہیں پاتے۔ صرف معجزات کی قوت اور اعجوبگی ان کو متحیر اور مبہوت کر دیتی ہیں' حالانکہ انبیاء کی تعلیم کا سب سے بڑا مقصد یہ ہوتا ہے کہ ان کی جماعت میں ایسے افراد شامل ہوں جو شریعت کے رمز شناس اور اس کے اسرار و حکم سے ذوق آشنا ہوں' یہی حالت ہے جس کو قرآن مجید نے "شرح صدر" اور انشراح قلب سے تعبیر کیا ہے۔

فمن یرد اللہ ان یھدیہ یشرح صدرہ للاسلام

جس کو خدا ہدایت دینا چاہتا ہے اس کے سینہ کو قبول اسلام کے لئے کھول دیتا ہے۔

اس قسم کے لوگوں کے لئے معجزات کی ضرورت نہیں ہوتی۔ ان کے لئے آفتاب و ماہتاب آسمان و زمین دن اور رات غرض دنیا کا ایک ذرہ معجزہ ہوتا ہے۔ اور خدا کے وجود خدا کی وحدانیت اور پیغمبر کی نبوت پر بلاواسطہ دلالت کرتا ہے۔ ان کے لئے صرف تفکر اور بصیرت کی ضرورت ہوتی ہے۔ یہی گروہ ہے۔ جس پر زیادہ سے زیادہ انبیاء کی نگاہ انتخاب پڑتی ہے۔ اور وہ ان کو صرف تفکر اور اعتبار کی ترغیب دیتے ہیں۔ اس گروہ کے بالمقابل ایک کور باطن فرقہ اور بھی ہوتا ہے' جس پر نظام فطرت کے دوسرے شواہد و آیات کی طرح معجزات کا بھی کوئی خاص اثر نہیں پڑ سکتا۔ انبیاء کو ابتدائے بعثت میں ان ہی دو گروہوں سے سابقہ پڑتا ہے اور چونکہ فطرہ ایک معجزات سے بے نیاز ہوتا ہے اور دوسرے پر معجزات کا کوئی اثر نہی پڑ سکتا' اس لئے ان دونوں گروہوں کیلئے معجزات بیکار ہوتے ہیں اور اس بناء پر انبیاء ان کے پیش کرنے سے انکار کرتے ہیں۔ اسی نکتہ کو خداوند تعالٰی نے ان آیتوں میں بیان کیا ہے۔

قل انظروا ماذا فی السموت والارض وما تغنی

الایات والنذر عن قوم لایؤمنون . (یونس: ١٠)

کہہ کہ دیکھو زمین و آسمان میں کس قدر نشانیاں ہیں اور نشانیاں اور ڈراوے تو اس قوم کے لئے کچھ بھی مفید نہیں جو ایمان نہیں لانا چاہتی۔

ویقول الذین کفروا لولا انزل علیه ایٰت من ربه ط قل ان الله یضل من یشاء ویهدی الیه من اناب۔ (رعد: ۴)

اور کفار کہتے ہیں کہ اس پر خدا کی طرف سے کوئی معجزہ کیوں نہیں اترتا' کہہ خدا جس کو چاہتا ہے گمراہ کرتا ہے اور جو اس کی طرف رجوع کرتا ہے اس کو ہدایت کرتا ہے۔

(۲) بعض دفعہ معاندین ایسی نشانیوں کے طلب گار ہوتے ہیں جن کے بار کے متحمل قوت انسانی کے دوش و بازو نہیں ہو سکتے' خدا کا خود انسانوں کے سامنے آنا' خدا کا ہر انسان سے باتیں کرنا' فرشتوں کا نظر آنا' آسمان سے کوئی مجسم کتاب اترنا' بازی گر کی طرح پیغمبر کا آسمان پر چڑھنا' کفار کی طرف سے جب اس قسم کے معجزات طلب کئے جاتے ہیں تو' انبیاء کو ہمیشہ انکار کرنا پڑتا ہے اور اس انکار کا منشا خود منکرین کی فطرت ہے۔

یسئلك اهل الکتاب ان تنزل علیهم کتبًا من السماء فقد سالوا موسٰی اکبر من ذلك فقالوا ارنا الله جهرةً فاخذتهم الصعقة بظلمهم (نساء: ۲۲)

تم سے یہود کہتے ہیں کہ ان کے اوپر آسمان سے ایک کتاب اتار دو لیکن ان لوگوں نے تو موسٰی سے اس سے بھی بڑا سوال

کیا تھا یعنی ان لوگوں نے کہا تھا کہ ہمیں خدا کو کھلم کھلا دکھلا دو' اس ظلم کا جو انہوں نے اپنے اوپر کیا یہ نتیجہ ہوا کہ بجلی کی کڑک نے انکو دبا دیا۔

وقال الذین لایعلمون لولا یکلمنا اللہ او تاتینا ایۃ کذلک قال الذین من قبلھم مثل قولھم تشابھت قلوبھم۔ (بقرہ: ۱۴)

اور جن لوگوں کو علم نہیں وہ کہتے ہیں کیوں خدا ہم سے باتیں نہیں کرتا یا کوئی نشانی ہمارے پاس نہیں لاتا' اسی طرح ان سے پہلے لوگوں نے بھی کہا' دونوں کے دل ایک سے ہیں۔

لوما تاتینا بالملئکۃ ان کنت من الصدقین ماننزل الملئکۃ الا بالحق وما کانوا اذا منظرین۔ (حجرات: ۱)

کیوں نہیں فرشتوں کو ہمارے پاس لے آتے اگر تم سچے ہو (خدا کہتا ہے) ہم فرشتوں کو نہیں اتارتے لیکن حق کے ساتھ' اگر وہ ان کافروں کے سامنے اتریں تو پھر ان کو مہلت نہ دی جا سکے گی۔

(۳) مادیت کی ترقی کے زمانہ میں تمام فضائل و محاسن کا مرکز صرف دولت' جائداد' مال و اسباب ہوتے ہیں یہی وجہ ہے کہ عام لوت اخلاق و عدات' تمدن و معاشرت' رسم و رواج غرض تمام چیزوں میں امراء کی تقلید کرتے ہیں لیکن انبیاء ہمیشہ اپنی معاشرت' اپنی وضع' اپنے لباس غرض اپنی ایک ایک ادا سے یہ ثابت کرتے ہیں کہ فضائل کا منبع صرف روح ہے اور زخارف دینوی سے ان کو کوئی تعلق نہیں۔

اسی بنا پر جب منکرین انبیاء سے اس قسم کے معجزات طلب کرتے ہیں جو امراء کے

ساتھ مخصوص ہیں تو انبیاء کو عموماً ان کا انکار کرنا پڑتا ہے۔

وقالوا مال ھذا الرسول یاکل الطعام ویمشی فی
الاسواق لولا انزل الیه ملك فیکون معه نذیرا اویلقی
الیه کنز اوتکون له جنهت یاکل منها وقال
الظلمون ان تتبعون الا رجلا مسحورا۔ (فرقان: ۱)

اور ان لوگوں نے کہا کہ یہ پیغمبر کیوں کھاتا ہے اور کیوں
بازاروں میں چلتا پھرتا ہے کیوں اس پر ایک فرشتہ نہیں اترتا
جو اس کے ساتھ لوگوں کو ڈرائے یا اس پر کوئی خزانہ کیوں نہیں
اتارا جاتا یا اسکے پاس کوئی باغ کیوں نہیں ہے جس سے وہ
کھائے اور ظالموں نے کہا تم صرف ایک ایسے شخص کا اتباع
کرتے ہو جس پر کسی نے جادو کردیا ہے۔

(۴) آیت بالا سے یہ بھی ظاہر ہوتا ہے کہ اس انکار کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ کفار کا عام خیال یہ تھا کہ خدا کی طرف سے جو قاصد بن کر آئے اس کو مرتبۂ بشریت سے بالاتر ہونا چاہیئے اور اس کو بے انتہا خدائی قدرتیں حاصل ہونی چاہئیں' اس بنا پر جب اس قسم کے معجزے طلب کیے جاتے ہیں جن سے ان ظن فاسد کی تائید ہوتی ہے تو انبیاء ان سے انکار کرتے ہیں۔

قل لا اقول عندی خزائن اللہ ولا اعلم الغیب ولا
اقول لکم انی ملك ان اتبع الا مایوحی الی۔ (انعام:
۵۰)

کہہ میں یہ نہیں کہتا کہ میرے پاس خدا کے خزانے ہیں اور نہ
میں غیب کی باتیں جانتا ہوں اور نہ میں نے یہ کہا کہ میں
فرشتہ ہوں میں تو صرف وحی کا اتباع کرتا ہوں۔

(۵) متحدی بہ معجزات یعنی وہ معجزات جو کفار کے مطالبہ پر صادر ہوتے ہیں' ان کی تاخیر کا ایک بڑا سبب یہ ہے کہ ایسے معجزات پر ایمان نہ لانے کے بعد پیغمبر کو ہجرت کا حکم ہوتا ہے اور منکرین کا گروہ ہلاک کر دیا جاتا ہے' چنانچہ اس کی مثالیں قوم نوح' ثمود اور فرعون سے لے کر قریش تک کی تمام تاریخیں پیش کرتی ہیں اور قرآن مجید نے اس کو بتصریح بیان کر دیا ہے۔ حضرت صالح کی امت نے ان سے نشانی طلب کی۔ خدا نے کہا' نشانی تمہیں دکھائی جائے گی' لیکن اس کے بعد بھی ایمان نہ لائے تو تمہاری ہلاکت یقینی ہے۔

وما منعنا ان نرسل بالایات الا انکذب بها الاولون واتینا ثمود الناقهت مبصره فظلموا بها وما نرسیل بالایت الا تخریفا۔ (بنی اسرائیل: ٦)

اور ہم نے نشانیاں بھیجنا اس لئے موقوف کیا کہ اگلوں نے ان کو جھٹلایا اور ہم نے ثمود کو اونٹنی کی نشانی دی سمجھانے کو اور پھر اس کا حق نہ مانا اور نشانیاں جو ہم بھیجتے ہیں تو ڈرانے کو۔

لیکن جس طرح افراد کی موت وحیات کا ایک زمانہ ہے اسی طرح قوموں کی ہلاکت وبربادی کی بھی ایک خاص مدت معین ہے۔

ولکل امهت اجل۔ (اعراف و یونس)

ہر قوم کا ایک زمانہ مقرر ہے۔

اس لئے اس قسم کے معجزات کے ظہور میں اس مدت معینہ تک کے لئے تاخیر کی جاتی ہے اور پیغمبر اور معاندین دونوں اس کے منتظر رہتے ہیں۔

ویقولون لولا انزل علیه ایهت من ربه فقل انما الغیب لله فانتظروا انی معکم من المنظرین۔ (یونس: ٢)

اور وہ لوگ کہتے ہیں کہ کیوں اس پر خدا کی طرف سے کوئی
نشان نہیں اترتا' کہہ کہ غیب صرف خدا کے ساتھ مخصوص ہے
تم لوگ اس کے ظہور کا انتظار کرو' میں بھی تمہارے ساتھ منتظر
ہوں۔

یہی سبب ہے جن انبیاء کو اللہ تعالے نے اپنی رحمت کا مظہر اتم بنایا' ان کے ہاتھوں سے تحدی اور مطالبہ کے معجزوں کے صدور میں تاخیر برتی جاتی تھی' حضرت عیسیٰؑ کے متعلق انجیل کی آیتیں گزر چکی ہیں کہ یوں تو ان سے بیسیوں معجزے سرزد ہوتے تھے' مگر تحدی اور مطالبہ کے معجزہ سے انہوں نے بالعموم انکار کیا کہ وہ بنی اسرائیل کو تباہ و برباد دیکھنا نہیں چاہتے تھے۔ یہاں تک کہ حواریین نے جب زیادت ایمان اور ترقی ایمان کے لئے معجزہ کی فرمائش کی تو خدا نے جواب دیا۔

انی منزلها علیکم فمن یکفر بعد منکم فانی اعذبه
عذابًا لا اعذبه احدًا من العلمین. (مائدہ:١۵)

میں یہ آسمانی خوان تم پر اتار سکتا ہوں لیکن اس کے بعد اگر تم
میں سے کسی نے انکار کیا تو میں اس کو ایسا سخت عذاب دوں گا
کہ دنیا میں کسی کو نہ دیا ہوگا۔

غرض کائنات روحانی کا یہی اصول پیش نظر تھا جس کی وجہ سے آنحضرتؐ کفار کے مطالبہ کی پروہ نہیں کرتے تھے کیونکہ آپؐ جانتے تھے کہ ان کے مطالبہ اور تحدی کے مطابق معجزہ آنے کے بعد ان کو پھر فرصت نہ دی جا سکے گی اور وہ برباد ہو جائیں گے' چنانچہ معاندین قریش آنحضرتؐ سے یہ معجزہ طلب کرتے تھے کہ فرشتوں کو ہماری آنکھوں کے سامنے لے آؤ' خدا نے کہا کہ اگر وہ سامنے آئیں بھی تو انسانوں کی صورت میں آئیں گے اور تم کو پھر وہی شبہ رہ جائے گا۔ علاوہ ازیں قانون الٰہی میں یہ آخری حجت ہے' اگر فرشتے اتر آئے اور اس سے بھی تمہاری تسلی نہ ہوئی تو پھر

تم کو اس مطالبہ کے معجزہ کے بعد مہلت نہ مل سکے گی اور تم ہلاک و برباد کر دیئے جاؤ گے۔

لوماتاتینا بالملئکۃ ان کنت من الصدقین
ماننزل الملئکۃ الا بالحق وما کانوا اذا منظرین۔
(حجر: ا)

کیوں تم فرشتوں کو ہمارے پاس نہیں لے آتے اگر تم سچے ہو۔خدا کہتا ہے فرشتوں کو حق کے ساتھ اتارتے ہیں اگر وہ اتریں تو پھر تم کو اس وقت مہلت نہ دی جا سکے گی۔

(۲) معاندین عموماً پیغمبروں کو جھوٹا جان کر یہ مطالبہ کرتے ہیں کہ جس آخری معجزہ عذاب کی تم دھمکی دیتے ہو وہ آخر کب آئے گا اور وہ جلد کیوں نہیں آتا؟ چونکہ اپنی نافہمی سے ان کو یقین ہوتا ہے کہ یہ معجزانہ عذاب ظاہر نہ ہوگا اس لئے وہ اس کا مطالبہ بار بار کرتے ہیں کہتا کہ لوگوں میں پیغمبر کی سبکی ہو اور ہماری طرح اور لوگ بھی اس کو کاذب تسلیم کریں۔ چنانچہ قرآن مجید میں بار بار ہر قرن کے کافروں کے اس مقولہ کو دہرایا گیا ہے اور اس کا جواب دیا گیا ہے حضرت شعیبؑ کی امت نے کہا۔

قران نظنک لمن انکاذبین فاسقط علینا کسفًا من
السماء ان کنت من الصدقین۔ (شعراء: ۱۰)

اور ہمارے خیال میں تم جھوٹے ہو اگر سچے ہو تو ہم پر آسمان کا ایک ٹکڑا گرا دو۔

لیکن اس کے لئے خدا کے ہاں ایک قانون مقرر ہے۔

یکل امۃ اجل اذا جاء اجلھم فلایستاخدون
ساعۃ ولا یسقتدمون . قل ارایتم ان اقکم عذابہ
بیاتا اونھارا اماذا یستعجل منہ المجرمون اثم اذا

وقع امنتهم به ط الئن وقد كنتم به تستعجلون۔

(یونس:۵)

ہر قوم کا ایک وقت مقرر ہے تو جب اس کا مقرر وقت آ جاتا ہے تو پھر نہ ایک گھڑی وہ دیر کر سکتے ہیں اور نہ جلدی' کہدے اے پیغمبر! بھلا دیکھو تو اگر خدا کا عذاب راتوں رات یا دن کو آ پہنچے تو یہ گنہگار جلدی کر کے کیا کر لیں گے' کیا جب انے والا واقعہ آ جائے گا تب تم ایمان لاؤ گے' اب ایمان لاتے ہو حالانکہ تم تو اسی کی جلدی کر رہے تھے۔

عقیدہ و معجزات کی اصلاح::

قرآن مجید کے مطالعہ سے یہ حقیقت واضح اور نمایاں ہو جاتی ہے کہ اس کی نظر میں ان ظاہری معجزات کی چنداں وقعت نہیں' وہ لوگوں کو ہمیشہ اصل روح نبوت کی طرف متوجہ کرتا ہے اور اس کے خاص اسباب ہیں۔ اسلام دنیا میں دین الٰہی کی تکمیل اور گزشتہ مذہبی اغلاط کی تصحیح کے لئے آیا تھا' ان ظاہری معجزات نے گزشتہ قوموں میں بہت سے فاسد عقیدے پیدا کر دیئے تھے' جن انبیاء اور بزرگوں سے بکثرت معجزات صادر ہوئے۔ ان میں الوہیت اور خدائی کع عنصر تسلیم کیا گیا اور اس طرح توحیداور نبوت کی اصلی حقیقت جس پر دین الٰہی کی بنیاد ہے متزلزل ہو گئی اس لئے قرآن مجید نے نہایت وضاحت' نہایت صفائی اور نہایت تصریح کے ساتھ ان غلطیوں کا پردہ چاک کیا اور دنیا میں توحید اور نبوت کی اصلی حقیقت اس استواری اور مضبوطی کے ساتھ قائم کر دی آئندہ فساد اور سوء عقیدہ کے سیل وطوفان سے اس کو گزند پہنچنے کا خطرہ باقی نہ رہا۔

(ا) سب سے پہلے اس نے یہ حقیقت واضح کی کہ نبوت اور ظاہری معجزات میں کوئی تلازم نہیں اور یہ آثار و دلائل اصل نبوت سے خارج امور ہیں۔ نبوت کے اصلی

لوازم وحی، مخاطبہ الٰہی، تزکیہ، انذار، تبشیر، تعلیم اور ہدایت ہیں۔ جیسا کہ اس کی تفصیل پہلے گزر چکی ہے۔ اس بنا پر جب معاندین نے معجزہ کا مطالبہ کیا ہے تو قرآن مجید نے اکثر اس کے جواب میں نبوت کی اصلی حقیقت کی طرف ان کو متوجہ کیا ہے۔

وقال الذین لایعلمون لولا یکلمنا اللہ او تاتینا ایۃ ط کذلک قال الذین من قبلھم مثل قولھم تشابھت قلوبھم قدبینا الایت لقوم یوقنون ط انا ارسلنک بالحق بشیرا و نذیرا ولا تسئل عن اصحاب الجحیم۔ (بقرہ: ۱۴)

اور جن کو علم نہیں وہ کہتے ہیں خدا خود ہم سے کیوں باتیں نہیں کرتا یا ہمارے پاس کوئی نشانی کیوں نہیں آتی ان سے پہلے لوگوں نے بھی اسی طرح کہا تھا دونوں کے دل ایک ہی قسم کے ہو گئے ہم نے تو نشانیوں ان لوگوں کے لئے کھول دی ہیں جو یقین کرتے ہیں۔ اے محمدؐ ہم نے تجھ کو سچائی دے کر نیکوکاروں کو خوشخبری سنانے والا اور بدکاروں کو ڈرانے والا بنا کر بھیجا ہے (جنکو اب بھی یہ نشانیں نظر نہ آئیں) تو ان دوزخیوں کا حال تجھ سے نہ پوچھا جائے گا۔

وقالوا لولا انزل علیہ ایت من ربہ قل انما الایت عنداللہ وانما انا نذیر مبین اولم یکفھم انا انزلنا علیک الکتب یتلی علیھم۔ (عنکبوت: ۵)

اور وہ کہتے ہیں کہ اس پر اس کے پروردگار کی طرف سے نشانیاں کیوں نہیں اترتی ہیں کہدے کہ نشانیں تو خدا کے

پاس ہیں اور میں تو کھلا ڈرانے والا ہوں' کیا ان کافروں کو یہ
نشانی کافی نہیں کہ ہم نے تجھ پر کتاب اتاری جو ان کو پڑھ کر
سنائی جاتی ہے۔

ویقول الذین کفروا لولا انزل علیه ایہت من ربه
انما انت منذر ولکل قوم ھاد۔(رعد:ا)

اور کافر کہتے ہیں کہ اس پر کوئی نشان اس کے پروردگار کی
طرف سے کیوں نہیں اتارا جاتا' اے محمدؐ تو تو ڈرانے والا
ہے اور ہر قوم کا ایک ہدایت کرنے والا ہوتا ہے۔

(۲) قرآن مید نے نہایت وضاحت اور تکرار کے ستھ اس حقیقت کا اعادہ کیا ہے کہ ہمارا پیغمبر بشر اور خالص بشر ہے اس میں الوہیت کا کوئی شائبہ نہیں ہے اور اس لئے وہ اپنی طرف سے خدا کے حکم کے بغیر کچھ نہیں کرسکتا۔

قل انما انا بشر مثلکم یوحی الی۔ـ (کہف: ۱۲۔
حم السجدہ:)

میں بھی تمہاری طرح ایک آدمی ہوں (البتہ) مجھ پر وحی کی
جاتی ہے۔

کفار قریش کا خیال تھا کہ پیغمبر کے ساتھ فرشتوں کا پرا ہونا چاہیئے' کبھی کبھی خود خدا اس کے سامنے آکر نمایاں ہو' اس کے لئے سونے چاندی کا محل ہو' عجیب وغریب اقسام کے باغ اس کے قبضہ میں ہوں' ہمارے سامنے وہ آسمان پر چڑھے اور وہاں سے ہمارے لئے کتاب اتار لائے۔

وقالو لن نؤمن لك حتی تفجر لنا من الارض ینبوعا
او تکون لك جنہت من نخیل و عنب فتفجر
الانہار خللها تفجیرا او تسقط السماء کما زعمت

علينا كسفا اوتاتى بالله والملئكة قبيلا . اويكون لك بيت من زخوف اوترقى فى السماء و لن لئومن لرقيك حتى تنزل علينا كتبا تقرئوه۔ (بنی اسرائیل: ۱)

اور کافروں نے کہا ہم تم پر اس وقت تک ایمان نہ لائیں گے جب تک ہمارے لئے زمین سے ایک چشمہ نہ بہادو یا تمہارے قبضہ میں کھجور اور انگور کا ایک باغ نہ ہو اور پھر تم اس کے بیچ میں نہریں نہ بہادو یا جیسا کہا کرتے ہو آسمان کو ٹکڑے کرکے ہم پر نہ گرادو یا خدا اور فرشتوں کو ضامن بنا کر لے آؤ یا تمہارے لئے سونے کا ایک گھر نہ ہو جائے یا تم آسمان پر نہ چڑھ جاؤ اور وہاں تمہارے آسمان پر چڑھنے کا یقین اس وقت تک ہم کو نہ آئے گا جب تم وہاں سے کوئی ایسی کتاب نہ اتار لاؤ جس کو ہم پڑھ سکیں۔

ان سب کے جواب میں قرآن مجید آپ ؐ کو سکھاتا ہے۔

قل سبحان ابی هل كنت الا بشرًا رسولًا۔ (بنی اسرائیل: ۱۰)

کہدے اے پیغمبر! سبحان اللہ! میں کون ہوں۔ایک آدمی پیغمبر۔

قل لا اقول لكم عندى خزآئن الله ولا اعلم الغيب ولا اقول لكم انى ملك ان اتبع الا ماليوحى الى۔ (انعام: ۵۰)

اے پیغمبر! ان لوگوں سے کہہ دے کہ میں یہ تم سے نہیں کہتا

کہ میرے پاس خدا کے خزانے ہیں اور نہ میں غیب کی باتیں جانتا ہوں اور نہ تم سے یہ کہتا ہوں کہ میں فرشتہ ہوں' میں تو اس حکم کی پیروی کرتا ہوں جو میری طرف الہام کیا جاتا ہے۔

قل لا املك نفسی نفعًا و لا ضرًا الا ما شاء الله ولو کنت اعلم الغیب لاستکثرت من الخیر و ما مسنی السوء ان انا الا نذیر و بشیرًا لقوم یوقنون ۔

(اعراف۔۲۳)

اے پیغمبر! ان لوگوں سے کہہ دے خود میرا نفع اور نقصان بھی میرے قبضہ اختیار میں نہیں' لیکن جو چاہے خدا' اور اگر میں غیب کی باتیں جانتا تو اپنا بہت سا فائدہ کر لیتا اور مجھ کو کوئی گزند نہ پہنچتا' میں تو صرف ڈرانے والا اور خوشخبری سنانے والا ہوں ان لوگوں کو جو ایمان رکھتے ہیں۔

غور کرو کہ زمین سے باغ کا اگا دینا یا سونے کا محل کھڑا کر دینا یا چشمہ بہا دینا یا آسمان سے لکھی لکھائی کتاب اتار دینا' نہ خدا کی قدرت سے باہر تھا اور نہ اس رسول کے ان معجزات سے مافوق مطالبہ تھا جس کے ہاتھ سے چشمے بہہ چکے تھے' جس کے اشارے سے درخت چل چکے تھے یا جو معراج میں ساتوں آسمانوں کی منزلیں طے کر چکا تھا۔ لیکن چونکہ اگر ان کے مطالبہ پر یہ امور واقع ہو جاتے تو وہ اگر بدعقیدگی کو راہ دیتے تو وہ آپ ؐ کو جادوگر کہہ دیتے اور اگر خوش عقیدگی کا اظہار کرتے تو آپ ؐ کو نعوذ باللہ مافوق بشر تسلیم کر لیتے اور یہ دونوں باتیں اصول اسلام کے منافی ہیں اس لئے سرے سے ان کے اس جاہلانہ مطالبہ کو رد کر دیا گیا کہ چند لوگوں کے ایمان و عدم ایمان کی خاطر نفس پیغام و دعوت کی اصول کی بیخ کنی نہیں کی جا سکتی۔

(۳) عام لوگوں میں انبیاء کی نسبت یہ غلط عقیدہ پیدا ہو گیا تھا کہ وہ براہ راست عالم

کائنات کے تصرف پر قادر ہیں چنانچہ موجودہ انجیل کے مصنفوں نے حضرت عیسیٰ کے معجزات کو جس طرح پیش کیا ہے اس نے عیسائیوں کے دلوں میں یہ یقین پیدا کر دیا ہے کہ یہ تمام کائنات حضرت عیسیٰ کے قبضہ قدرت میں تھی اور وہ اس میں جس طرح چاہتے تھے تصرف کرتے تھے۔ یہی بنیادی پتھر ہے جس پر انجیل کے مصنفوں نے دین حق کی دیوار کج کھڑی کی اور اسی کا نتیجہ ہے کہ توحید کی عمارت اس پر قائم نہ رہ سکی۔ قرآن مجید نے نہایت شدت اور نہایت اصرار سے یہ حقیقت واضح کی ہے کہ معجزات اور نشانات' پیغمبر کی قوت اور ارادہ سے نہیں' بلکہ خدا کی قدرت اور مشیت سے ظاہر ہوتے ہیں۔

قل انما الایت عند اللہ (انعام۔۱۳)

کہہ دے اے پیغمبر! کہ نشانیاں تو خدا ہی کے پاس ہیں۔

قل انما الایت عنداللہ (عنکبوت:۵)

کہہ دے اے پیغمبر! کہ نشانیاں تو خدا ہی کے فپاس ہیں۔

قل ان اللہ قادر رعلی ان ینزل ایہت (انعام:۴)

کہہ دے اے پیغمبر! کہ خدا کو قدرت ہے کہ وہ نشان اتارے۔

سب سے زیادہ صاف اور صریح آیت یہ ہے۔

وما کان لرسول ان یاتی بایہت الا باذن اللہ (رعد:۲)

کسی رسول میں یہ قدرت نہیں کہ وہ خدا کی اجازت کے بغیر کوئی نشانی لائے۔

انجیل میں حضرت عیسیٰ کے معجزات جس عبارت اور لب ولہجہ میں بیان ہوئے ہیں ان کا صاف منشا یہ ہے کہ گویا حضرت عیسیٰ کو تمام کائنات کی بادشاہی سپرد کر دی گئی

تھی اس لئے وہ خاص اپنی قدرت اور اختیار سے جو چاہتے تھے کر دیتے تھے' قرآن مجید اس عقیدہ کو تسلیم نہیں کرتا۔ اس نے حضرت عیسیٰؑ کے تمام معجزات کو بیان کر دیا ہے مگر اسی کے ساتھ اس عقیدہ باطل کو بھی رد کرتا گیا ہے اور نہایت تصریح کے ساتھ یہ ظاہر کر دیا ہے کہ یہ جو کچھ تھا خدا کی قدرت سے تھا' حضرت عیسیٰؑ کے اختیار سے نہیں۔ چنانچہ خود حضرت عیسیٰؑ کی زبان سے قرآن کہتا ہے۔

انی قد جئتکم بایۃ من ربکم انی اخلق لکم من الطین کھیئۃ الطیر فانفخ فیہ فیکون طیرا باذن اللہ وابری الاکمہ والابرص واحی الموتی باذن اللہ۔ (آل عمران:۵)

میں تمہارے رب کی طرف سے ایک نشانی لے کر آیا ہوں کہ میں مٹی سے پرندہ کی صورت کا ایک جانور بناتا ہوں اور اس میں پھونک مارتا ہوں تو وہ خدا کے حکم سے پرندہ ہو جاتا ہے اور مادرزاد اندھے اور کوڑھی کو اچھا اور مردہ کو زندہ کرتا ہوں خدا کے حکم سے۔

دوسرے موقع پر حضرت عیسیٰؑ پر اپنے احسانات جتاتے ہوئے خدا نے فرمایا۔

واذتخلق من الطیر کھیئۃ الطیر باذنی فتنفخ فیھا فتکون طیرا باذنی و تبرء الاکمہ والابرص باذنی واذ تخرج الموتی باذنی۔ (مائدہ:۱۹)

اور یاد کر جب تو مٹی سے پرندہ کی طرح صورت میرے حکم سے بناتا تھا' پھر اس میں پھونک مارتا تھا تو وہ خدا کے حکم سے پرندہ ہو جاتا تھا اور تو اندھے کو اور کوڑھی کو میرے حکم سے اچھا کرتا تھا اور جب مردے کو میرے حکم سے زندہ کرتا تھا۔

یہ قرآن مجید کے اسی اظہار حقیقت اور خالص تعلیم کا اثر تھا کہ اسلام میں توحید اور

نبوت کی حقیقتیں مشتبہ نہ ہوئیں اور پیغمبر السلام[1] میں الوہیت کا ادنٰی سا شائبہ بھی مسلمانوں نے کبھی تسلیم نہیں کیا اور تمام دنیا کے مذاہب میں توحید کامل کی علمبرداری صرف اسلام کے دست و بازو کو سپرد ہوئی۔

مسئلہ اسباب وعلل میں افراط وتفریط::

عقیدہ معجزات کے اصلاحات ہی کے تحت میں مسئلہ اسباب وعلل سے بھی تعرض کرنا ہے جس نے دوسرے مذاہب کی طرح اسلام میں بھی دو فرقے پیدا کر دیئے ہیں۔ ایک فرقہ وہ ہے جو دنیا میں صرف اسباب وعلل کے اختیارات کو تسلیم کرتا ہے اور ان اختیارات کو ناقابل نسخ وتغیر مانتا ہے۔ اس کے نزدیک اس عالم میں جو کچھ ہوتا ہے وہ ان ہی مادی علل واسباب کے ماتحت ہوتا ہے اور ان میں کسی قسم کا ردوبدل اور نسخ و تغیر نہیں ہوتا اور اس لئے وہ خرق عادت کو ممتنع اور محال یقین کرتا ہے کیونکہ یہ اسباب وعلل اور عالم کا یہ نظام کارسنتہ الٰہی۔ اور سنن الٰہی میں تغیر وتبدل نہیں ہوسکتا۔ جیسا کہ قرآن مجید کی حسب ذیل آیتوں سے ثابت ہوتا ہے۔

ولن تجد لسنہت اللہ تبدیلًا (احزاب:۸)

تم خدا کی سنت (طریقہ) میں ہرگز تبدیلی نہ پاؤگے۔

ولن تجد لسنہت اللہ تحویلًا۔ (ملئکہ:۵)

تم خدا کی سنت (طریقہ) میں ہرگز تغیر نہ پاؤگے۔

لاتبدیل لخلق اللہ (روم:۴)

اللہ کے بنائے کو بدلنا نہیں۔

دوسرا فریق اللہ تعالٰی کو نظام خاص 'قوانین فطرت اور اسباب وعلل کا پابند ٹھہرانا اس کی شان قدرت کے منافی سمجھتا ہے اور وہ ان بیچ کے وسائط کے بغیر اس کو فرمانروائے مطلق یقین کرتا ہے' یہ فریق اپنے دعوٰی پر حسب ذیل دلیلیں پیش کرتا ہے۔

فعال لما یرید(بروج)

وہ جو چاہتا ہے کرتا ہے۔

کذلک اللہ یفعل مایشاء۔ (ال عمران:۴)

اسی طرح خدا جو چاہتا ہے کرتا ہے۔

ویفعل مایشاء۔ (ابراہیم:۴)

اور خدا جو چاہتا ہے وہ کرتا ہے۔

ان اللہ یفعل مایشاء۔(حج۔۲)

بے شک خدا جو چاہتا ہے کرتا ہے۔

ولکن اللہ یفعل مایرید۔(البقرہ:۳۳)

لیکن خدا جو چاہتا ہے کرتا ہے۔

ان اللہ یحکم ما یرید(مائدہ:۲)

بے شک اللہ جو چاہتا ہے حکم دیتا ہے۔

ان اللہ یفعل ما یرید۔(حج:۲)

بے شک اللہ جو چاہتا ہے کرتا ہے۔

ان آیتوں سے ثابت ہوتا ہے کہ ہر شے کی علت صرف خدا کی قدرت' مشیت وارادہ ہے اور اس لئے ہر قسم کے خرق عادت ممکن ہیں۔

حقیقت یہ ہے کہ یہ دونوں فریق افراط وتفریط کے دو کناروں پر ہیں اور انہوں نے قرآن مجید کی تمام آیتوں پر غور وتدبر کی نظر نہیں ڈالی ہے۔ یہی سبب ہے کہ انہوں نے اشیاء کے خواص وطبائع اور عقلی مصالح وحکم کا انکار کیا ہے۔

قرآن مجید اسباب ومصالح کا قائل ہے::

حالانکہ ان آیات بالا کی بناء پر یہ دعوی کرنا کہ قرآن اسباب وعلل اور مصالح وحکم کا منکر ہے' کتاب الہی سے اپنی جہالت کا ثبوت پیش کرنا ہے اور اللہ تعالے کے

صفات کمالیہ اور اس کے حکیم ہونے کی نفی کرتا ہے۔ قرآن مجید نے جابجا مخلوقات الٰہی میں تدبر اور تفکر کی دعوت دی ہے' اگر یہ صحیفہ قدرت اسباب و مصالح سے خالی ہوتا تو یہ دعوت بے سود تھی۔ قرآن مجید ان عجائب قدرت کو آیات اللہ کے نام سے تعبیر کرتا ہے اور ان کے اسرار و حکم پر غور و فکر کرنے کا حکم دیتا ہے اور اسی **دلیل** سے وہ خدا کی قادر و حکیم ہستی کے وجود پر استدلال کرتا ہے۔ اگر یہ چیزیں اسباب و مصالح سے خالی ہوتیں تو ان میں غور و فکر کرنا بیکار ہوتا۔ قرآن نے آسمان و زمین' چاند' سورج' ہوا' بادل' پھول' پھل' جسم و جان' ان میں سے ہر شے کو اللہ کی وسیع قدرت اور دقیق مصلحت کا اعلان عام قرار دیا ہے اور انسان کو بار بار ادھر متوجہ کیا ہے۔

ان فی خلق السموت والارض واختلاف الیل والنھار لایت لاولی الالباب . الذین یذکرون اللہ قیاما و قعودا و علی جنوبھم ویتفکرون فی خلق السموت والارض ربنا ماخلقت ھذا باطلا۔ (ال عمران: ۲۰)

آسمان اور زمین کے بنانے اور رات اور دن کے بدلنے میں عقل والوں کے لئے نشانیاں ہیں اور جو اللہ کو اٹھتے بیٹھتے اور لیٹے یاد کرتے ہیں اور آسمان و زمین کی پیدائش میں غور کرتے ہیں (اور کہتے ہیں) اے ہمارے پروردگار! تو نے یہ بے فائدہ نہیں بنایا ہے۔

خدا نے ان لوگوں کو جو اشیاء کی پیدائش کو خالی از مصلحت جانتے ہیں' زجر فرمایا ہے۔

افحسبتم انما خلقنکم عبثا و انکم الینا لا ترجعون۔ (مومنون: ٦)

کیا تم یہ گمان کرتے ہو کہ ہم نے تم کو بے فائدہ پیدا کیا ہے

اور تم ہمارے پاس نہیں لوٹائے جاؤ گے۔

وما خلقنا السموت والارض وما بینھما لاعبین (دخان:۲) وھو الذی انزل من السماء ماء فاخرجنا به نبات کل شئی فاخرجنا منه خضرا نخرج منه حبا متراکبا ومن النخل من طلعھا قنوان دانیہت و جنت من اعناب والزیتون والرمان متشبھا وغیر متشابه ط انظر ولالی ثمرہ اذا اثمر وینعه۔ (اعنام:۱۲)

اور ہم نے آسمانوں اور زمین کو اور جو ان کے درمیان ہے ان کو محض کھیل کے لئے نہیں بنایا اور اسی خدا نے آسمان سے پانی اتارا، پھر ہم نے اس سے ہر شے کی روئیدگی پیدا کی، پھر ہم نے اس سے ہری کھیتی نکالی اور اس سے تو بر تو دانے پیدا کئے اور چھواروں کے درخت سے اس کے پھولوں سے لٹکے ہوئے خوشے اور انگور اور زیتون اور سیب کے باغ جن کے میوے ایک ہی قسم کے اور مختلف اقسام کے بھی پیدا ئے جب وہ پھیلتا ہے تو اس سے پھل اور اس کے پکنے کو دیکھو۔

اگر ان چیزوں میں اللہ تعالیٰ مصالح و احکام کے آثار پوشیدہ نہ رکھتا تو ان میں نظر و فکر کیوں دیتا۔ متعدد مقامات پر اللہ تعالیٰ نے مخلوق الٰہی کے "منافع" کی خاص تصریح فرمائی ہے۔

والانعام خلقھا لکم فیھا دف ومنافع ومنھا تاکلون ولکم فیھا جمال حین تریحون وحین تسرحون وتحمل اثقالکم والی بلد لم تکونوا بلغیه الا بشق

الانفس ط ان ربکم لرء وف رحیم . والخیل والبغال
والحمیر لترکبوھا وزینہت ط ویخلق مالاتعلمون .
وعلی اللہ قصد السبیل ومنھا جائر ط ولو شاء
لھدلکم اجمعین . ھوالذی انزل من الماء ماء لکم
منہ شراب و منہ شجر فیہ تسیمون . ینبت لکم
الزرع والزیتون والنخیل والاعناب ومن کل
الثمرات ط ان فیذلك لایہت لقوم یتفکرون.
وسخرلکم اللیل ولنھار واشمس والقمر والنجوم
مسخرات بامرہ ط ان فی ذلك لایت لقوم یعقلون .
وما ذرالکم فی الارض مختلفًا الوانہ ط ان فی ذلك
لایہت لقوم یذکرون. وھو الذی سخر البحر
لتاکلوا منہ لحا طویا واتسخر جوا منہ حلیہت
تلبسونھا وتری الفلك مواخر فیہ ولتبتغوا من فضلہ
ولعلکم تشکرون۔(نحل: ۲۰۱)

اورخدا نے جانوروں کو پیدا کیا ان کے اون میں خوشگوار گرمی
اور بہت سے فائدے ہیں ان میں سے بعض جانور تمہاری
خوراک ہیں اورتم کوان سے رونق ہے جب شام کوان کوپھیر
لاتے ہواور جب چراتے ہواوروہ تمہارے مال واسباب کو
اس شہر تک اٹھالے چلتے ہیں جہاں تم بغیر سخت تکلیف کے
نہیں لے جاسکتے تھے بے شک تمہارا رب شفقت والامہربان
ہے اور گھوڑے خچر اور گدھے بنائے کہ تم ان پر سوار ہواور
رونق ہواوروہ پیدا کرتا ہے جوتم نہیں جانتے' خداہی پر ہے

سیدھی راہ اور اس سے ہٹنے والے بھی' اسی نے آسمان سے
تمہارے لئے پانی اتارا' کچھ اس میں سے پینے کے کام آتا
ہے اور کچھ سے درخت اگتے ہیں جس میں تم اپنے جانور
چراتے ہو'اس پانی سے خدا تمہارے لئے کھیتی اگاتا ہے اور
زیتون' چھوہارے' انگور اور ہر قسم کے پھل پیدا کرتا ہے' اس
مین غوروفکر کرنے والوں کے لئے بڑی نشانی ہے اور ایس خدا
نے رات اور دن اور سوج اور چاند تمہارے کام میں لگائے
اور تارے اس کے حکم سے کام میں لگے ہیں۔ اس میں عقل
والوں کے لئے نشانیاں ہیں اور جو بھکیرا ہے تمہارے لئے
زمین میں کئی رنگ کے غلے اور روانے' اس میں ان کے لئے
جو سوچتے ہیں نشانی ہے اور وہی خدا ہے جس نے دریا کو کام
میں لگایا ہے کہ تم اس سے تازہ گوشت کھاؤ اور اس سے وہ
(موتی اور مونگے) نکالو جس کو زینت کا سامان بنا کر پہنتے ہو
اور تم دیکھو کہ کشتیاں اس دریا کو پھاڑتی ہوئی چلتی ہیں اور اس
واسطے کہ تلاش کرو اس کی روزی کو اور شاید احسان مانو۔

غور کرو اگر ان چیزوں میں مصالح وحکم نہ ہوتے تو اللہ تعالی ہم انسانوں کو ان چیزوں کی پیدائش پر شکر کا حکم کیوں دیتا؟ بعض اشیاء کے مصالح اور اسباب کو خود قرآن مجید نے نہایت وضاحت کے ساتھ بیان کیا ہے۔ پہاڑوں کی مصلحت یہ ظاہر کی ہے۔

والقی فی الارض رواسی ان تمیدبکم (نحل:۲)

اور اس نے زمین میں بڑے بڑے پہاڑوں کے گروڈال
دیئے ہیں کہ زمین تم کو لے کر جھک نہ پڑے۔

ستاروں کی پیدائش کی یہ غرض بتائی۔

وبالنجم هم يهتدون۔ (نحل: ۲)

اور ستاروں سے لوگ راہ پاتے ہیں۔

رات کی پیدائش کی یہ مصلحت بتائی:

جعل لكم الليل لتسكنوا فيه۔ (یونس: ۷۱)

اور اسی نے رات بنائی کہ تم سکون حاصل کرو۔

چاند کے گھٹنے بڑھنے کی غایت یہ ظاہر کی۔

يسئلونك عن الاهلهت قل هى مواقيت للناس۔

(بقرہ: ۲۴)

لوگ تجھ سے چاند کی نسبت دریافت کرتے ہیں کہہ دے کہ وہ

لوگوں کے لئے وقت اور زمانہ کا معیار ہیں۔

سایہ' آفتاب' رات' دن' ہوا اور پانی کے مصالح یہ تعلیم کہتے۔

الم تر الى ربك كيف مدالظلج ولوشاء لجعله

ساكناج ثم جعلنا الشمس عليه دليلا ثم قبضنه الينا

قبضا يسيرا. وهو الذى جعل لكم اليل لباسا والنوم

سباتا وجعل النهار نشورا۔ وهو الذى ارسل الرياح

بشرا بين يدى رحمتهجوانزل من السماء ماء ظهورا

النحيى ے به بلدهت ميتا ونسقيه مما خلقنا انعاما

وانا سى كثيرا۔ (فرقان: ۵)

کیا تو نے نہ دیکھا کہ تیرے رب نے سایہ کو کس طرح پھیلا

رکھا اور اگر وہ چاہتا تو ایک ہی جگہ ٹھہرا رہتا' پھر سورج کو سایہ

کا رہنما بنایا' پھر اس سایہ کو ہم اپنی طرف آہستہ آہستہ سمیٹ

بادصر صر اور آندھی ہلاکت اور بربادی کا ذریعہ ہے۔

فارسلنا علیھم ریحا صرصرا فی ایام نحسات لنذیقھم عذاب الخزی (حم السجدہ:۲)

ہم نے عاد کی قوم پر بادصر صر بھیجا منحوس دنوں میں تا کہ ہم ان کو رسوائی کا عذاب چکھائیں۔

ریح فیھا عذابا الیم تدمر کل شئی بامر ربھا۔ (احقاف:۳)

ایسی آندھی جس میں دردناک عذاب تھا جو خدا کے حکم سے ہر شے کو برباد کر دیتی ہے۔

اذا ارسلنا علیھم الریح العقیم ما تذر من شئی اتت علیہ الا جعلتہ کالرمیم۔ (الذاریات:۲)

یاد کرو جب ہم نے فائدہ نہ پہنچانے والی آندھی ان پر بھیجی جو جس شے پر گزرتی تھی ان کو بوسیدہ ہڈی کی طرح کر دیتی تھی۔

آگ جلاتی ہے۔

تلفح وجوھھم النار۔ (ممومنین)

آگ ان کے چہروں کو جھلسا دیتی ہے۔

آگ لکڑی سے پیدا ہوتی ہے۔

الذی جعل لکم من الشجر الا خضر نارا (یونس:۵)

جس نے ہرے درختوں سے آگ کو پیدا کیا۔

قرآن مجید اشیاء کے طبعی خواص کا بھی منکر نہیں شراب میں خواص ہیں۔

قل فیھما اثم کبیر و منافع للناس و اثمھما اکبر من

نفعھما(بقرہ:۲۷)

کہہ دے کہ شراب اور جوئے میں بڑا گناہ ہے اور ان میں لوگوں کے لئے فائدے بھی ہیں لیکن ان کا گناہ ان کے فائدے سے زیادہ ہے۔

اون میں گرمی کی خاصیت ہے۔

فیھا دف۔(نحل)

جانوروں کے اون میں خوشگواری گرمی ہے۔

پانی میں پیاس بجھانے اور درخت اگانے کی خاصیت ہے۔

ھو الذی انزل من السماء ماء لکم منہ شراب و منہ شجر۔(نحل:۲)

وہی خدا آسمان سے پانی برساتا ہے'اس سے پینا ہے اور اس سے درخت ہیں۔

شہد میں صحت بخشنے اور بیماری دور کرنے کی خاصیت ہے۔

یخرج من بطونھا شراب مختلف الوانہ فیہ شفاء للناس۔(نحل:۸)

شہد کی مکھیوں کے پیٹ میں سے پینے کی چیز نکلتی ہے جس کے کئی رنگ ہوتے ہیں ان میں لوگوں کے لئے شفاء ہے۔

لیکن علت حقیقی قدرت ومشیت ہے::

غرض ان آیات کریمہ سے یہ بخوبی واضح ہو جاتا ہے کہ قرآن مجید اسباب وعلل مصالح وحکم اور طبائع وخواص کے وجود کوتسلیم کرتا ہے اور اس جماعت کا ساتھ نہیں دیتا جوان چیزوں کا انکار کرتی ہے اور یہ جانتی ہے کہ ان چیزوں کے تسلیم کرنے سے قدرت ومشیت الٰہی کے عقیدہ کا ابطال لازم آتا ہے۔حالانکہ یہ تو اس وقت لازم

آتا ہے جب ان اسباب علل اور طبائع وخواص کو خدا سے مستقل اور مستغنی تسلیم کیا جائے اور قرآن اس کی تعلیم نہیں دیتا۔قرآن کی تعلیم یہ ہے کہ اشیاء اسباب وعلل سے پیدا ہوتی ہیں اور ان میں طبائع وخواص ہیں' لیکن یہ اسباب وعلل اور طبائع و خواص خود خلاق عالم کے پیدا کردہ اور مقرر کردہ ہیں اور وہ ان ہی پر عموماً کاربند ہوتا ہے' لیکن وہ اس درجہ ان کا مجبور اور پابند نہیں کہ وہ ان میں تغیر نہیں کرسکتا اور کبھی اپنے خاص حکم وارادہ سے بھی وہ ان کو شکست نہ کرسکتا ہو کیونکہ اس عقیدہ سے کفر پرورش پاتا ہے اور خدا کی قدرت اور عظمت میں فرق آجاتا ہے' اسی لئے ہر موقع پر قرآن مجید نے اپنی تعلیم میں اس نکتہ کو ملحوظ رکھا ہے کہ اسباب وعلل کے ساتھ ساتھ خدا کی مشیت وارادہ کو پیش نظر رکھتا ہے تاکہ انسانوں میں خدا کی معذوری' مجبوری اور عام قدرت کا تصور نہ پیدا ہو اور نہ اس کی مشیت وارادہ پر خود اس کی مشیت و ارادہ کے سوا خارجی پابندیاں عائد ہوں۔ چنانچہ وہ تمام آیتیں جو اللہ تعالیٰ کی مشیت وارادہ کے متعلق اوپر دوسرے فریق کی طرف سے پیش کی گئی ہیں وہ اسی موقع کی ہیں اور جن سے یہی تعلیم مقصود ہے۔

ہم نے اوپر اسباب وعلل اور طبائع وخواص کے ثبوت میں جس قدر آیتیں لکھی ہیں۔ غور کرو ان سب میں فعل کی نسبت اللہ تعالیٰ نے خود اپنی طرف کی ہے' جس کا یہ مطلب ہے کہ ان مسبباب کے اسباب وعلل اور اشیاء کے طبائع وخواص خود اس نے اپنی مشیت وارادہ اور اپنے حکم وامر سے بنائے ہیں اور ہر جگہ اس کی توضیح کردی ہے تاکہ ظاہر میں انسان ان ظاہری علل واسباب وطبائع وخواص کو دیکھ کر اشیاء کی علت حقیقی کا انکار کر کے مبتلائے الحاد یا اسباب وخواص کو مستقلاً شریک تاثیر مان کر گرفتار شرک نہ ہو جائے۔ یہ انبیاء کی تعلیم کا خاص طریقہ ہے اور قرآن نے اس نکتہ کو کہیں فراموش نہیں کیا ہے۔ یہاں تک کہ انبیائے کرام اور بزرگان خاص کو بھی عادت جاریہ اور ظاہری علل واسباب کے خلاف باور کرنے میں جب استعجاب اور استبعاد

ہوا ہے تو اللہ تعالیٰ نے ان کو متنبہ کیا ہے اور ان کے اس استعجاب اور استبعاد کو اپنی قدرت اور مشیت کو یاد دلا کر رفع کیا ہے' حضرت سارہؑ کو پیرانہ سالی میں جب حضرت اسحاق کی پیدائش کی بشارت دی گئی تو 'توراۃ اور قرآن دونوں میں ہے کہ ان کو اس پر سخت تعجب ہوا۔ انہوں نے کہا:

یا ویلتی ء الد وانا عجوز وھذا بعلی شیخاط ان ھذا لشی ء عجیب۔(ہود:۷)

اے خرابی! کیا میں جنوں گی اور میں بڑھیا ہوں اور میرا یہ خاوند بوڑھا ہے' یہ تو بڑے تعجب کی بات ہے۔

فرشتوں نے جواب میں کہا:

اتعجبین من امر اللہ۔ (ہود:۷)

(اے سارہ) کیا تم خدا کے کام سے تعجب کرتی ہو۔

اس قدر تنبیہ ان کے ایمان کے لئے کافی تھی۔

حضرت زکریا بوڑھے ہو گئے تھے اور ان کی بیوی بانجھ تھیں۔ حضرت زکریا کو اپنی اور اپنی بیوی کی حالت کا قطعی علم تھا لیکن وہ اپنی اور اپنی بیوی کا ظاہری عدم استعداد اور اسباب وعلل کے نہ موجود ہونے کی صورت میں بھی خدا کی قدرت اور مشیت کے مؤثر حقیقی ہونے پر کامل رکھتے تھے' چنانچہ اسی حالت میں انہوں نے ایک وارث کی دعا مانگی' مگر جب ان کو اجابت دعا کی بشارت دی گئی تو تقاضائے بشریت سے کہ انسان ظاہری اسباب وعلل کے دیکھنے کا عادی ہے اس کمال ایمان کے باوجود ان کو یہ واقعہ مستبعد معلوم ہوا اور انہوں نے عرض کی:

رب ان یکون لی غلام وکانت امراتی عاقرا وقد بلغت من الکبر عتیا۔(مریم:۱)

اے میرے رب! کہاں سے میرے لڑکا ہوگا میری بیوی

بانجھ ہے اور میں بوڑھا ہو گیا ہوں یہاں تک کہ بڑھاپے
سے اکڑ گیا ہوں۔

خدا نے اس کے جواب میں صرف اسی قدر فرمایا:

قال کذلک قال ربک ھو علی ھین وقد خلقتک من
قبل ولم تک شیئا۔(مریم: ۱)

کہا یوں ہی ہے تیرے رب نے کہا یہ مجھ پر آسان ہے
(زکریا! تجھ کو یاد نہیں) کہ میں نے تجھ کو پیدا کیا اور تو کچھ نہ
تھا۔

حضرت مریمؑ کو جب حضرت عیسیٰؑ کی خوشخبری دی گئی تو انہوں نے بھی ظاہری علل واسباب کے خلاف ہونے پر حیرت ظاہر کی۔

قالت انی یکون لی غلام ولم یمسسنی بشر ولم
اک بغیا۔(مریم:۳)

مریم نے کہا' میرے لڑکا کہاں سے ہوگا' مجھ کو کسی آدمی نے
چھوا بھی نہیں اور نہ میں کبھی بدکار تھی۔

فرشتہ نے جواب میں کہا:

قال کذلک قال ربک ھو علی ھین ولنجعلہ ایہت
للناس ورحمہت منا۔(مریم:۲)

بولا یوں ہی ہے تیرے رب نے کہا وہ مجھ پر آسان ہے اور
ہم اس کو لوگوں کے لئے نشانی بنانا چاہتے ہیں اور اپنی طرف
سے رحمت۔

قرآن میں سنت اللہ کا مفہوم::

وہ فریق جو خرق عادت اور خلاف اسباب وعلل کے محال ہونے پر قرآن مجید کی ان

آیتوں سے استدلال کرتا ہے جن میں سنت الٰہی کے عدم تبدیل کا ذکر ہے' درحقیقت دانستہ یا دانستہ مفہوم قرآن کی تحریف کا مجرم ہے۔ قرآن مجید میں ''سنت الٰہی'' کا ایک خاص مفہوم ہے اور اسی اصطلاح خاص میں یہ لفظ کئی جگہ قرآن مجید میں استعمال ہوا ہے' خیر و شر' حق و باطل' نور و ظلمت' اور ظلم و انصار جب باہم ٹکراتے ہیں تو بالآخر اللہ تعالی خیر کو شر پر' نور کو ظلمت پر اور انصاف کو ظلم پر فتح اور کامیابی عطا کرتا ہے۔ گنہگار اور مجرم قومیں جب حق کی دعوت قبول نہیں کرتیں اور پند و موعظت ان کے لئے موثر نہیں ہوتی تو اللہ تعالی ان قوموں پر اپنا عذاب نازل کرتا ہے اور وہ بالآخر بجلی کی کڑک' آسمان کی گرج' زلزلہ کی تھرتھراہٹ' آندھی کی گڑگڑاہٹ' دریا کے طوفان' پہاڑ کی آتش فشانی یا دشمن کی تلوار سے ہلاک و برباد ہو جاتی ہیں' یہ سنت الٰہی ہے جو ہمیشہ سے قائم ہے اور ہمیشہ قائم رہے گی اور اس میں کبھی کوئی فرق پیدا نہ ہوگا' قرآن مجید میں جہاں جہاں یہ لفظ آیا ہے اسی مفہوم میں آیا ہے۔ چنانچہ وہ تمام آیتیں ذیل میں لکھ دی جاتی ہیں تاکہ ناظرین کو شک و شبہ نہ رہے۔ قریش داعی حق کو شہر مکہ سے نکالنے کی تیاری کرتے ہیں اور اس دعوت کو قبول کرنے سے اعلانیہ انکار کر دیتے ہیں تو خدا فرماتا ہے:

وان كادوا ليستفزونك من الارض ليخرجوك منها واذا يلبثون خلفك الاقليلا. سنته من قد ارسلنا قبلك من رسلنا ولا تجد لسنتنا تحويلا۔ (بنی اسرائیل:۸)

اور وہ (کفار قریش) تو تجھ کو اس شہر سے لگے تھے گھبرانے تاکہ وہ تجھ کو یہاں سے نکال دیں لیکن اگر ایسا ہوتو وہ تیرے بعد کم ٹھہریں گے' یہ دستور پڑا ہے ان رسولوں کا جن کو ہم نے تجھ سے پہلے بھیجا اور اللہ تعالی کے دستور کو ٹلتے نہ پائے گا۔

مدینہ کے منافقین اپنی شرارت سے باز نہیں آتے۔ خدا فرماتا ہے:

اینما ثقفوا اخذوا وقتلوا تقتیلا سنہت اللہ فی الذین خلوا من قبل ولن تجد لسنہت اللہ تبدیلا۔(احزاب:۸)

وہ جہاں پائے گئے پکڑے گئے اور مارے گئے' دستور پڑا ہوا ہے اللہ کا ان لوگوں میں جو پہلے ہو چکے اور تو اللہ کے دستور کو بدلنے نہ پائے گا۔

اس مفہوم کو واضح کرنے کے لئے سورہ فاطر کی حسب ذیل آیات سے بڑھ کر اور کون آیت ہو سکتی ہے۔

ولا یحیق المکر السئی الا باھلہ فھل ینظرون الا سنہت الاولین فلن تجد لسنہت اللہ تبدیلا ولن تجد لسنہت اللہ تحویلا اولم یسیروا فی الارض فینظرو کیف کان عاقبہت الذین من قبلھم۔(فاطر:۵)

اور بدی کا داؤ پیچ خود داؤ پیچ کرنے والوں کو الٹ جاتا ہے تو کیا اب یہ کافر پہلی قوموں کے دستور ہی کی راہ دیکھتے ہیں تو تم اللہ کے دستور کو ہرگز نہ بدلنے پاؤ گے اور نہ کبھی اللہ کے دستور کو ٹلتے پاؤ گے' کیا وہ زمین میں پھرے نہیں ہیں کہ دیکھتے کہ اس سے پہلی قوموں کا کیا انجام ہوا۔

حدیبیہ کے موقع پر کفار قریش کو تنبیہہ اور مسلمانوں کو تسکین دی جاتی ہے۔

ولو قاتلکم الذین کفروا لولوا الادبار ثم لا یجدون ولیا ولا نصیرا۔(فتح:۳)

اور اگر یہ کافر سے لڑتے تو پیٹھ پھیر دیتے پھر وہ کوئی حامی نہ پاتے اور نہ مددگار' اللہ کا دستور یہ پہلے سے چلا آتا ہے' اور تم اللہ کے دستور کو بدلتے نہ پاؤگے۔

اب ان آیتوں کے پڑھ لینے کے بعد بھی سنتہ اللہ کے مفہوم کے سمجھنے میں کس کو غلطی ہو سکتی ہے۔

قرآن میں فطرۃ اللہ کا مفہوم::

قرآن مجید کی ایک اور آیت ہے جس کو یہ فریق اپنے ثبوت میں پیش کرتا رہتا ہے۔

فطرت اللہ التی فطر الناس علیھا لا تبدیل لخلق اللہ۔ (روم: ۴)

خدا کی فطرت جس پر اس نے لوگوں کو بنایا' خدا کے بنائے میں بدلنا نہیں۔

اس موقع پر اس آیت کو پیش کرنا قرآن مجید کی معنوی تحریف ہے۔ قرآن مجید کی اصطلاح میں فطرہ اللہ سے مقصود توحید ہے جس کو وہ دین فطری سے تعبیر کرتا ہے' چنانچہ اوپر کی پوری آیت اگر پیش نظر ہو تو یہ مفہوم خود بخود آئینہ ہو جاتا ہے' خدا فرماتا ہے:

فاقم وجھک للدین حنیفاط فطرہت اللہ التی فطر الناس علیھاط لا تبدیل لخلق اللہ ط

سو باطل سے ہٹ کر اپنے آپ کو دین پر سیدھا قائم رکھو، ہی اللہ کی فطرت خاص پر اس نے لوگوں کو بنایا

ذلک الدین القیم ولکن اکثر الناس لا یعلمون۔ (روم: ۴)

ہے۔ خدا کے بنائے میں بدلتا نہیں' یہی سیدھا دین ہے' لیکن

بہت لوگ نہیں جانتے۔

قرآن مجید کی اس اصطلاح کی تفسیر ایک صحیح حدیث سے پوری ہو جاتی ہے۔حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

ما من مولود الا یولد علی الفطرۃ فابواہ یھودانہ او ینصرانہ ویمجسانہ کما تنتج البھیمۃ جمعاء ھل تحسون فیھا من جدعاء ثم یقول فطرۃ اللہ التی فطر الناس الخ۔ (بخاری تفسیر سورہ روم صفحہ ۷۰۴ ج ۲)

کوئی بچہ ایسا نہیں ہے جو فطرت پر پیدا نہیں ہوتا' لیکن ماں باپ اس کو یہودی' نصرانی اور مجوسی بنا دیتے ہیں' جس طرح ہر جانور صحیح و سالم بچہ پیدا کرتا ہے کیا تم نے دیکھا کہ کوئی کان کٹا بچہ بھی وہ جنتا ہے اس کے بعد آپ ﷺ نے یہ آیت پڑھی۔ ''خدا کی فطرت جس پر اس نے لوگوں کو پیدا کیا۔۔۔۔'' آخر آیت تک۔

معجزہ کا سبب صرف ارادہ الٰہی ہے::

الغرض اس تمام تفصیل سے یہ واضح ہوتا ہے کہ قرآن مجید نہ تو اسباب عادیہ کا منکر ہے اور نہ عالم کے نظام کار کو علل و مصالح سے خالی تسلیم کرتا ہے لیکن وہ ان تمام اسباب وعلل سے مافوق ایک اور قادر اور ذی ارادہ ہستی کو فرمانروائے کل یقین کرتا ہے جس کی مشیت اور ارادہ کی قوت سے کائنات کی یہ مشین چل رہی ہے' معجزہ کا سبب اور علت براہ راست اس کی مشیت اور ارادہ ہے' کبھی یہ مشیت اور ارادہ عادات جاریہ اور ظاہری علل و اسباب کے پردے میں ظاہر ہوتا ہے۔مثلاً قوم نوحؑ کے لئے طوفان آنا' قوم ہود کے لئے کوہ آتش فشاں کا پھوٹنا یا زلزلہ' حضرت ایوبؑ کا چشمہ کے پانی سے صحیح و تندرست ہو جانا۔قوم صالحؑ کے لئے آندھی آنا' مکہ میں قحط عظیم کا رونما ہونا۔غزوہ خندق میں آندھی چلنا۔یہ تمام نشانیاں ظاہری اسباب

کے خلاف نہیں ہوتا۔ مگر اس کا طریقہ ظہور خلاف عادت ہوتا ہے' مثلاً انبیاء کی دعاؤں سے پانی کا برسنا' بیمار کا اچھا ہونا یا کسی آفت کا ٹل جانا' خلاف عادت ہے اور نہ اس کے ظہور کا کوئی خاص وقت ہے' لیکن جس طریقہ سے اور جن اسباب وعلل سے یہ معجزات ظاہر ہوئے وہ خارق عادت ہیں۔ استجابت دعا اسی قسم میں داخل ہے

۴۔ کبھی نہ تو واقعہ خارق عادت ہوتا ہے اور نہ اس کا طریقہ ظہور خارق عادت ہوتا ہے' بلکہ اس کا قبل از وقت علم' خارق عادت ہوتا ہے' مثلاً انبیاء کی پیشین گوئیاں' ایک دفعہ زور سے آندھی چلی۔ آنحضرت ﷺ مدینہ سے باہر تھے۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ یہ آندھی ایک منافق کی موت کے لئے چلی ہے۔ چنانچہ جب لوگ مدینہ پہنچے تو معلوم ہوا کہ مدینہ میں ایک منافق اس آندھی سے مر گیا۔ اس معجزہ میں نہ تو آندھی کا چلنا خرق عادت ہے' نہ آدمی کا آندھی کے صدمہ سے مر جانا اسباب ہے بلکہ واقعہ کا قبل از وقت علم خرق عادت ہے۔

اہل ایمان پر اثر کی لحاظ سے معجزات کی دو قسمیں::

انبیاء کی زندگی علم وعمل دونوں کا مجموعہ ہوتی ہے اور ان کے تمام ارشادات وتعلیمات سے صرف ان ہی دونوں کی ترقی اور تکمیل مقصود ہوتی ہے اس لحاظ سے انبیاء کے بعض معجزات کا اثر صرف علم ویقین پر پڑتا ہے۔ ان سے کوئی عملی نتیجہ مرتب نہیں ہوتا' ہاتھ کا چمک اٹھنا' عصاء کا سانپ بن جانا' چاند کا شق ہو جانا' اگرچہ نہایت عظیم الشان معجزے ہیں لیکن اس کا نتیجہ صرف اس قدر ہے کہ ایک گروہ ایمان لایا اور دوسرے نے انکار کیا' لیکن انبیاء کے بہت سے معجزے ایسے ہوتے ہیں جن سے نہایت عظیم الشان عملی نتائج ظاہر ہوتے ہیں' مثلاً عصاء کے سانپ بن جانے سے بنو اسرائیل کو کوئی عملی فائدہ نہ پہنچ سکا' لیکن اس کے ذریعہ سے پانی کا جو چشمہ ابلا وہ ان کے لئے حیات بخش ثابت ہوا۔ پہلی قسم کے معجزات کو قرآن مجید میں حجت' برہان اور سلطان کے لفظ سے تعبیر کیا گیا ہے کہ ان سے علم ویقین کو ترقی ہوتی ہے اور دوسری

قسم کے معجزات کو اس نے تائید اور نصرت الٰہی کہا ہے' پہلی قسم کے معجزات طلب اور سوال کے محتاج ہوتے ہیں لیکن تائید اور نصرت الٰہی اس کی پابند نہیں ہوتی۔

آغاز نبوت میں چونکہ انبیاءصرف عقائد کی تعلیم دیتے ہیں اور کفار کی طرف سے ان ہی عقائد کا انکار کیا جاتا ہے اور ان ہی کے اثبات پر دلیل طلب کی جاتی ہے اس لئے اول اول انبیاء سے اسی قسم کے معجزات کا ظہور رہتا ہے جن کا اثر صرف علم و یقین پر پڑسکتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ خداوند تعالیٰ نے حضرت موسیٰ کو اسی قسم کے دو معجزے دے کر فرعون کے پاس بھیجا اور اسی بنا پر آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے کفار قریش کو معجزہ شق القمر دکھایا لیکن اس کے بعد انبیاء کی تعلیم و ہدایت سے مومنین مخلصین کا ایک گروہ پیدا ہو جاتا ہے جو عموماً مفلوک الحال' خانہ بدوش' بے سروسامان اور بے یارومددگار ہوتا ہے۔ یہ گروہ اگرچہ صفائے باطن' خلوص نیت اور شدت ایمان کی بنا پر کسی معجزہ کا خواستگار نہیں ہوتا' تاہم تائید الٰہی خود اس کی طلب گار ہوتی ہے اور ہر موقع پر اس کی حفاظت و حمایت کرتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ تائیدات الٰہیہ کا ظہور اکثر بغیر طلب و سوال کے ہوتا ہے' مسلمانوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم سے کسی معجزہ کا سوال نہیں کیا' لیکن آپ ﷺ سے اکثر معجزات کا ظہور ان ہی کے درمیان ہوا' بالخصوص غزوات میں اکثر تائید الٰہی نے مسلمانوں کی مدد کی ہے' غزوۂ بدر و حنین میں فرشتوں کا آسمان سے نازل ہونا' تھوڑے سے زادراہ کا تمام فوج کے لئے کافی ہونا' آپ ﷺ کی انگلیوں سے پانی کا نکلنا' یہ اور اس قسم کے بہت سے معجزات غزوات ہی کے زمانہ میں آپ ﷺ سے ظہور پذیر ہوئے اور ان سے تمام مسلمانوں نے ایسی حالت میں فائدہ اٹھایا جبکہ تمام دینوی اسباب و سائل منقطع ہو چکے تھے۔

اسی کا نام قرآن مجید کی زبان میں نصر (مدد اور) تائید ہے اور یہ ہر نبی کو آخر وقت میں عطا کی جاتی ہے اور عین اس وقت جب بظاہر اسباب مایوسیوں کے تمام مناظر

یہ نصرت مسلمانوں کو ہر قدم پر تسلی کا پیغام سناتی ہے' بدر ہو کہ احد' خندق ہو کہ حنین ہر جگہ وہی ان کی دستگیر تھی۔

لقد نصرکم اللہ فی مواطن کثیرۃ۔(توبہ:۴)

خدا نے بہت سے موقعوں پر تمہاری نصرت کی۔

لیکن سب سے بڑی نصرت بدر کی تھی' جب تین سو بے برگ و ساز نہتوں نے قریش کی ایک ہزار مسلح فوج کو کامل شکست دے دی۔

ولقد نصرکم اللہ ببدر وانتم اذلۃ۔(آل عمران:۱۳)

اور خدا نے یقیناً بدر میں تمہاری مدد کی جب تمہارے پاس کوئی قوت نہ تھی۔

لیکن عام معجزات اور نصرت الٰہی میں یہ فرق ہے کہ جو معجزات بطور حجت اور برہان کے پیش کیے جاتے ہیں وہ صرف انبیاء کی روحانی طاقت کا فیض ہوتے ہیں' یعنی ان کا یہ فیض سبب ہوتا ہے ارادہ الٰہی کے ظہور کا' لیکن نصرت الٰہی میں پیغمبر کی روحانی طاقت کے ساتھ مومنین کے کمال ایمان' شدت یقین' تزکیہ نفس اور استعداد قلب کی شرکت بھی ضروری ہوتی ہے چنانچہ حضرت عیسٰی علیہ السلام نے جب سخت فاقہ کی حالت میں نزول مائدہ (خوان آسمانی) کی درخواست کی تو انہوں نے تقوی اختیار کرنے کی تعلیم دی۔

اذ قال الحواریون یعیسی بن مریم ھل یستطیع ربک ان ینزل علینا مائدۃ من السماء قال اتقوا اللہ ان کنتم مئومنین۔(مائدہ:۱۵)

یاد کرو جب حواریوں نے کہا۔اے مریم کے بیٹے عیسٰی! کیا آپ کا پروردگار ہم پر آسمان سے ایک خوان اتار سکتا ہے عیسٰی

نے کہا 'خدا سے تقوی کرو' اگر تم کو یقین ہے۔

میدان جنگ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم صحابہ کو نزول ملائکہ کی بشارت سناتے ہیں تو ساتھ ساتھ صبر اور تقوی کی بھی تعلیم دیتے ہیں۔

اذ تقول للمئومنین الن یکفیکم ان یمد کم ربکم بثلاثہت الاف من الملئکہت منزلین. بلی ان تصبروا وتتقوا یاتو کم من فورھم ھذا یمدد کم ربکم بخمسہت الاف من الملئکہت مسومین۔(آل عمران:۱۳)

یاد کر اے پیغمبر! جب تو مسلمانوں سے کہہ رہا تھا کہ کیا تم کو یہ کافی نہیں کہ تمہارا پروردگار تین ہزار فرشتے اتار کر تم کو مدد دے (خدا کہتا ہے) ہاں اگر تم مستقل رہو اور تقوی کرو اور فوراً آ جائیں تو خدا پانچ ہزار فرشتوں کے ذریعہ سے تمہاری مدد کرے گا۔

یہی وہ معجزات تھے جن کی نسبت صحابہ کرامؓ بیان کرتے ہیں کہ ہم ان کو برکت سمجھا کرتے تھے۔

کفار کے لئے نتائج کے لحاظ سے معجزات کی دو قسمیں::

جس طرح مومنین پر اثر کے لحاظ سے معجزات کی دو قسمیں ہیں' اسی طرح کفار پر نتائج کی حیثیت سے بھی ان کی دو قسمیں ہیں۔ آیت ہدایت اور آیت ہلاک' انبیاء کفار کو پہلے ہدایت کی نشانیاں دکھاتے ہیں اور ان کو حق کی دعوت دیتے ہیں۔ کفار کی کثیر تعداد میں جس قدر صالح اجزاء ہوتے ہیں' وہ اس دعوت کو قبول کرتے جاتے ہیں۔ یہاں تک کہ بالآخر وہ وقت آتا ہے جب مادۂ فاسد کے سوا کفار کی جماعت میں کوئی صلاحیت پذیر عنصر باقی نہیں رہ جاتا تو اس وقت آیت ہلاک' آسمان کی بجلی' فضاء کی

آندھی، زمین کا سیلاب، لوہے کی تلوار بن کر رونما ہوتی ہے اور سطح خاکی کو ان کے وجود کی نجاست سے پاک کردیتی ہے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کو متعدد معجزے عنایت ہوئے تھے مگر وہ اس لئے تھے کہ ان کو دکھا کر فرعون کو حق کی طرف دعوت دی جائے، جب ایک مدت کے بعد اہل مصر میں جس قدر لوگ ایمان لاسکتے تھے لے آئے تو حضرت موسیٰ کو شق بحر کی آیت ہلاک عنایت ہوئی اور رود احمر کی لہریں فرعون کو اس کے سارے ساز و سامان اور امرائے دربار کے ساتھ ہمیشہ کے لئے نگل گئیں۔ حضرت نوحؑ کو آیت طوفان، حضرت صالحؑ کو آیت ناقہ، حضرت لوطؑ کو بربادی سدوم کی نشانی۔ حضرت شعیبؑ کو آیت صاعقہ، بحر، حضرت عیسیٰ کو آیت رفع اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو معجزہ بطشۃ الکبریٰ (بدر) جو دیا گیا تھا وہ اسی دوسری قسم میں داخل تھا، ان میں سے ہر معجزہ اور نشانی کے طور کے بعد یا خود اسی معجزہ اور نشانی کے ذریعے سے معاندین کی ہلاکت استیصال اور بربادی ہوئی اور اسی کو قرآن مجید نے سنتہ اللہ (خدا کا دستور) اور سنتہ الاولین (پہلوں کا دستور) کہا ہے کہ ہر پیغمبر کی قوم میں یہ اسی طرح ہوتا چلا آیا ہے:

ولا یحیق المکر السئی الا باھلہط فھل ینظرون الا سنہت الاولین۔(فاطر)

اور بدی کا داؤ پیچ کرنے والوں پر الٹ جاتا ہے تو کیا اب یہ کافر اگلی قوموں کے دستور ہی کی راہ دیکھتے ہیں۔

اینما ثقفوآ اخذوا وقتلوا تقتیلا . سنہت اللہ فی الدین خلوا من قبل۔(احزاب:۸)

یہ جہاں پائے گئے اور پکڑے گئے اور مارے گئے یہ اللہ کا دستور پڑا ہوا ہے اگلی قوموں میں۔

اس معجزہ عذاب کے ظاہر ہونے میں عموماً ایک وقت معین تک تاخیر کی جاتی ہے جس کے اسباب حسب ذیل ہیں:

۱۔ یہ معجزہ عذاب اس وقت تک ظاہر نہیں ہوتا جب تک آیات ہدایت سے قوم کے تمام صالح اجزاء اس کے فاسد عنصر سے الگ نہیں ہو جاتے اور مومنین اور کافرین ایک دوسرے سے پھٹ کر جدا نہیں ہو جاتے اور رسول کو بقیہ عناصر کے ایمان سے قطعی مایوسی نہیں ہو جاتی۔ حضرت نوحؑ نے ایک طویل زمانہ تک اپنی قوم کو دعوت دی اور اس کے بعد نا امید ہو کر انہوں نے آخری معجزہ کی دعا مانگی:

رب لا تذر علی الارض من الکفرین دیارا انك ان تذرھم یضلوا عبادك ولا یلدوآ الا فاجرا کفارا۔ (نوح:۲)

اے میرے پروردگار! زمین پر کافروں میں سے کوئی بسنے والا نہ چھوڑ، اگر تو ان کو چھوڑے گا تو وہ تیرے بندوں کو گمراہ کریں گے اور وہ نہ جنیں گے لیکن فاجر اور کافر کو۔

اس کے بعد طوفان آیا اور قوم نوحؑ کو بہالے گیا۔ اسی طرح حضرت موسیٰؑ کو جب فرعون سے پوری مایوسی ہوگئی تو انہوں نے دعا کی:

ربنا انك اتیت فرعون وملاہ زینۃ واموالا فی الحیوۃ الدنیا ربنا لیضلوا عن سبیلک ربنا اطمس علی اموالھم و اشدد علی قلوبھم فلا یئومنوا حتی یروا العذاب الالیم۔(یونس:۹)

اے ہمارے رب! تو نے فرعون کو اور اس کے سرداروں کو دنیا کی زندگی میں شان و شوکت اور دولت عطا کی ہے اے ہمارے رب! (وہ اس سے یہ کام لیتے ہیں کہ وہ) لوگوں کو

تیرے راستہ سے گمراہ کرتے ہیں خداوند ان کی دولت کو سمیٹ دے اور ان کے دلوں کو سخت کردے جب تک وہ تیرے دردناک عذاب کا مزہ دیکھیں گے ایمان نہ لائیں گے۔

اس موقع پر اسی قسم کی دعائیں دیگر انبیاء نے بھی کی ہیں۔

۲۔اسی منزل پر پہنچ کر پیغمبر کو اپنے مومنین کی جماعت کے ساتھ لے کر ہجرت کا حکم ہوتا ہے'حضرت نوحؑ کو مع رفقاء کے کشتی پر چڑھا کر کنارے سے الگ کیا جاتا ہے۔ حضرت ابراہیمؑ نمرود کے ملک سے اپنی ہجرت کا اعلان کرتے ہیں۔انی مھاجر الی ربی (عنکبوت) (میں خدا کی طرف ہجرت کرتا ہوں'حضرت موسیٰؑ بنی اسرائیل کو لے کر مصر سے نکل جاتے ہیں'حضرت لوطؑ'حضرت ہودؑ'حضرت شعیبؑ'حضرت صالحؑ'سب نے اپنی اپنی جماعتوں کو لے کر اپنی نافرمان قوموں سے علیحدگی اختیار کی اور جب تک یہ ہجرت نہیں ہو لیتی اور مومن و کافر الگ نہیں ہو جاتے'معجزۂ عذاب نہیں بھیجا جاتا۔حضرت نوحؑ جب کشتی پر سوار ہو کر علیحدہ نہ ہو لئے طوفان نہ آیا۔حضرت ابراہیمؑ جب تک کلدانیوں کے ملک (عراق) سے نکل کر شام اور مصر نہ چلے گئے ان پر عذاب نہ آیا'اسی طرح حضرت لوط'حضرت صالحؑ'اور حضرت شعیب علیہ السلام اپنی اپنی جماعتوں کو لے کر جب تک الگ نہ ہو گئے'ہلاکت کا عذاب نہیں آیا اور جب انہوں نے ہجرت کر لی تو یہ معجزۂ عذاب مختلف صورتوں میں ان قوموں پر نازل ہوا اور مومنین کی نجات اور کافروں کو ہلاکت نصیب ہوئی۔

قرآن مجید کی مختلف سورتوں میں ان واقعات کو بکثرت بیان کیا گیا ہے اور نیز اس کو اللہ تعالیٰ نے اپنا وہ دستور اور قانون فرمایا ہے جس میں تغیر اور تبدل ناممکن ہے'جیسا کہ اس سے پہلے قرآن مجید میں سنتہ اللہ کے مفہوم کے ضمن میں آیات قرآنی کے حوالہ سے اس کی پوری تفصیل گزر چکی ہے'سورہ یونس میں اللہ تعالیٰ اس اصول کو اس

طرح بیان کرتا ہے۔

فھل ینتظرون الا مثل ایام الذین خلوا من قبلھم قل فانتظروا انی معکم من المنتظرین ثم ننجی رسلنا والذین امنوا کذلك حقا علینا ننج المئومنین۔(یونس:۱۰)

کیا یہ کافر گذشتہ قوموں کی طرح واقعہ ہلاکت کا انتظار کرتے ہیں۔ کہہ دے کہ انتظار کرو' میں بھی تمہارے ساتھ انتظار کرتا ہوں۔ پھر ہم اپنے رسولوں کو نجات دیتے ہیں اور ایسے ہی ایمان لانے والوں کو ہم پر فرض ہے' ہم نجات دیں گے ایمان والوں کو۔

آنحضرتﷺ اور معجزہ ہدایت::

ہدایت کی غرض سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے جو معجزات اور نشانیاں صادر ہوتی رہتی تھیں' ان کا بڑا حصہ غیر معمولی قوت تاثیر استجابت دعا اور تائید و نصرت اور پیشین گوئی کا تھا' اسی غیر معمولی قوت تاثیر کا نتیجہ تھا کہ قریش لوگوں کو آپﷺ کے پاس جانے سے روکتے تھے' سیرت کی کتابوں میں اس قسم کے متعدد واقعات مذکور ہیں۔ قرآن مجید کی یہ آیت کفار کے اس باطنی اعتراف کا آئینہ ہے۔

لا تسمعوا لھذا القران والغوافیہ لعلکم تغلبون۔(السجدہ)

اس قرآن کو نہ سنو' اور اس میں شوروغل کرو شاید تم غالب آجاؤ۔

قرآن کے اثر کا ان پر یہ رعب چھایا ہوا تھا کہ وہ لوگوں کو اس سے باز رکھنے کی اس کے سوا کوئی تدبیر نہ دیکھتے تھے کہ وہ شوروغل اور ہنگامہ کرکے لوگوں کو سننے نہ دیں'

شق قمر آخری نشان ہدایت تھا::

ہدایت کی ان نشانیوں میں کفار مکہ کے لئے سب سے آخری اور فیصلہ کن نشان شق قمر تھا۔ جس کے بعد آیات ہلاکت کا آغاز ہونے والا تھا۔ احادیث میں ہے کہ کفار مکہ آپ ﷺ سے معجزہ کے طالب تھے تو آپ ﷺ نے ان کو شق قمر کا معجزہ دکھایا۔ چاند دو ٹکڑے ہو کر نظر آیا، لیکن معاندین کو اس عظیم الشان اور واضح تر معجزہ سے بھی ہدایت نہ ملی۔ بعضوں نے کہا محمد ﷺ نے جادو کیا ہے، کسی نے کہا ایسی عجیب عجیب باتیں ہمیشہ ہوتی رہتی ہیں۔ چنانچہ قرآن مجید نے اس واقعہ کا ذکر کیا ہے:

(۱)۔ صحیح بخاری آخر کتاب الوضو، و مسلم باب مالقی النبی صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم من اذی المشرکین۔ (۲)۔ صحیح بخاری تفسیر سورہ دخان۔ (۳)۔ صحیح بخاری اول کتاب المغازی۔ (٤)۔ ترمذی تفسیر سورہ روم۔ (٥)۔ صحیح مسلم باب قولہ تعالیٰ وما کان اللہ لیعذبہم۔ (٦)۔ ہم نے قرآن مجید کے بتائے ہوئے اصول الٰہی کے مطابق اولاً ایسا سمجھا تھا کہ شق قمر کا معجزہ ہجرت سے پہلے ظاہر ہوا ہوگا، لیکن سیر و مغازی اور کتب احادیث کا مطبوعہ ذخیرہ اس دعویٰ کے ثبوت اور انکار دونوں سے خاموش تھا، اسی اثناء میں حاکم کی مستدرک کی دوسری جلد حیدر آباد سے چھپ کر پہنچی، اس میں سورہ قمر کی تفسیر حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے جو واقعہ کے عینی شاہد ہیں یہ تصریح ملی کہ یہ نشان قبل مخرج النبی ﷺ یعنی ہجرت سے پہلے ظاہر ہوا۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ واقعہ ہجرت سے کچھ ہی پہلے کا ہے، حاکم کی یہ روایت بخاری و مسلم کی شرط کے مطابق اور حافظ ذہبی نے تلخیص مستدرک میں اس کی تلخیص کی ہے اور یہ بھی لکھا ہے کہ یہ روایت مصنف عبدالرزاق میں بھی موجود ہے۔ (مستدرک ج ۲ صفحہ ٤٧١ حیدر آباد۔)

اقتربت الساعۃ وانشق القمر وان یروا اٰیۃ یعرضوا ویقولوا سحر مستمر۔ (قمر: ۱)

قیامت کا وقت قریب آ گیا اور چاند شق ہو گیا اور اگر یہ کافر کوئی نشانی دیکھیں تو اس سے منہ پھیر لیتے ہیں اور کہتے ہیں

کہ یہ جادو تو ہمیشہ سے ہوتا آیا ہے۔

اب خداوند ذوالجلال کے رحم و کرم نے دوسری شان اختیار کی، یعنی اس کے قہر و غضب نے ان غیر صلاحیت پذیر ہستیوں سے سطح ارضی کو پاک کر دینے کا تہیہ کر لیا اور وہ سنت الٰہی جو تمام گذشتہ امتوں کے ساتھ جاری رہی تھی یعنی یہ کہ معجزوں کے دیکھنے کے بعد ایمان نہ لانے پر کفار کی ہلاکت اور بربادی فرض محتم ہو جاتی ہے وہ قریش کے حق میں بھی جاری ہوئی۔ گذشتہ دستور الٰہی کی تفصیل کے مطابق اس ہلاکت کے عذاب کے نازل ہونے کے لئے پہلے دو چیزوں کی ضرورت تھی۔

۱۔ مومنین کی جماعت کے ساتھ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شہر مکہ سے ہجرت۔

۲۔ ہجرت سے پہلے ہدایت کی کسی آخری کھلی نشانی کا ظاہر ہونا۔

چنانچہ ہجرت سے پہلے شق قمر کا نشان ظاہر ہوا اور اس کو دیکھ کر بھی جب قریش کے رؤسا اسلام نہ لائے تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو مکہ سے ہجرت کا حکم ہوا اور ہلاکت کے عذاب کے نازل ہونے کا وقت قریب آ گیا۔ صحابہ میں اسرار نبوت کے جو محرم تھے وہ پہلے ہی سمجھ چکے تھے کہ یہ ہجرت قریش کی بربادی کا پیش خیمہ ہے مستدرک حاکم ج ۳ صفحہ ۷ اور مسند ابن حنبل (جلد ا صفحہ ۲۱۶) میں ہے کہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مکہ سے نکلے تو حضرت ابوبکرؓ نے کہا انا اللہ مکہ والوں نے اپنے پیغمبر کو نکال دیا۔ اب یہ ضرور ہلاک ہو جائیں گے۔ چنانچہ اذن للذ ینوالی قتال کی آیت نازل ہوئی۔ (۱)۔

آنحضرت ﷺ اور معجزۂ ہلاکت::

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مکہ میں قریش کو تقریباً تیرہ برس تک دعوت دی

اوران تیرہ سالوں کے اندر اس راہ میں ہر قسم کی مصیبت اور تکلیف برداشت کی اور آیات ہدایت کے مختلف نمونے ان کو دکھائے۔ بالآخر شق القمر کا معجزہ بھی ان کی نگاہوں کے سامنے سے گزرا اور آخر وہ وقت آیا جو اپنے اپنے پیغمبروں کے سامنے دوسری قوموں پر آ چکا تھا۔ یعنی قبیلہ قریش میں سے وہ افراد صالحہ جو بے خوف وخطر حق کو قبول کر سکتے تھے انہوں نے حق کو قبول کر لیا اور صرف وہ روسائے قریش رہ گئے جو قبول حق کی مطلق صلاحیت نہیں رکھتے تھے یا وہ ضعفاء تھے جو ان روٗسا کی موجودگی میں حق کا ساتھ دینے کی قوت نہیں رکھتے تھے اور اس لئے ضرورت ہوتی کہ ان روٗسا کے وجود سے ارض حرم کو پاک کیا جائے۔

(۱)۔ نسائی کتاب الجهاد اور ترمذی تفسیر آیت بالا میں بھی یہ حدیث مذکور ہے۔ "مں"

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مکہ سے مایوس ہو کر طائف تشریف لے گئے، لیکن وہاں بھی کوئی حق کا سننے والا نہ تھا۔ بازار اور راستہ میں شریروں نے آپ ؐ کو پتھر مارے۔ یہاں تک کہ قدم مبارک خون آلود ہو گئے۔ آپ ؐ مکہ واپس آئے رہے تھے کہ فرشتہ جبال نے آپ ؐ کو ندا دی کہ اگر اجازت ہو تو پہاڑوں سے ان کو چکنا چور کر دیا جائے۔ رحمت عالم اب بھی مایوس نہ ہوئے اور بارگاہ الٰہی میں عرض کی کہ ابھی وہ معجزہ ہلاکت ظاہر نہ ہو۔ شاید کہ ان کی نسل سے کوئی توحید کا پرستار پیدا ہو۔ صحیح بخاری اور مسلم میں ہے کہ حضرت عائشہؓ نے آپ ﷺ سے دریافت کیا کہ یارسول اللہ! احد کے علاوہ آپ ﷺ پر سب سے سخت دن کون تھا؟ آپ ﷺ نے فرمایا۔ وہ دن جب میں نے (طائف کے سردار) عبد یالیل کے سامنے اپنے کو پیش کیا اور اس نے انکار کیا۔ میں مغموم واپس آ رہا تھا کہ فرشتہ جبال نظر آیا اور اس کے بعد آپ ﷺ نے کفار کی ہلاکت کے لیے فرشتہ جبال کی اجازت طلب اور اپنا جواب بیان کیا۔ (۱)۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس دن کو ایام مصائب کی تاریخ میں سب سے زیادہ سخت فرماتے ہیں۔ بظاہر ایسا سمجھا جاتا ہے کہ آپ ﷺ نے

طائف کی تکلیف کو سخت ترین دن فرمایا لیکن واقعہ یہ نہیں ہے۔ اس سے بھی زیادہ تکلیف اور مصیبت کی گھڑیاں آپ پر آئی ہیں۔ بلکہ اس لحاظ سے آپ اس کو سخت ترین دن قرار دیتے تھے کہ یہ قریش کی فرصت اور مہلت کی اخیر گھڑی تھی' اور اب معجزہ ہلاک ان کے سر پر سوار تھا اور رحمت عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اس کا صدمہ تھا' تاہم قریش کو اب آخری عذاب کی اطلاع دے دی گئی تھی اور وہ نادان استہزاء کرتے تھے۔ جیسا کہ دوسری قومیں بھی اپنے اپنے پیغمبروں کے ساتھ یہی کرتی آئی ہیں کفار قریش آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں جا کر کہتے تھے' جس عذاب کی دھمکی دی جاتی ہے وہ کیوں نہیں آتا؟ اگر تم میں قدرت ہے تو وہ عذاب لاؤ اور اپنی صداقت کی یہ آخری نشانی بھی دکھادو۔

ویقولون لولا انزل علیہ ایۃ من ربہ فقل انما الغیب للہ فانتظروا انی معکم من المنتظرین۔(یونس:۲)

اور یہ لوگ کہتے ہیں کہ اس پر خدا کی طرف سے کوئی نشان کیوں نہیں اترتا؟ اے پیغمبر! کہہ دے کہ غیب کی بات خدا کے پاس ہے تم اس کے ظہور کا انتظار کرو' ہم بھی تمہارے ساتھ منتظر ہیں۔

کبھی آ کر کہتے:

او تسقط السماء کما زعمت علینا کسفا او تاتی باللہ والملئکۃ قبیلا۔(بنی اسرائیل)

یا جیسا تم کہا کرتے ہو' آسمان کے ٹکڑے ٹکڑے کر کے ہم پر گرا دو یا خدا اور فرشتوں کو ہمارے سامنے لے آؤ۔

لو ما تاتینا بالملئکۃ ان کنت من

الصدقین۔(حجر: ۱)

اگر تم سچے ہو تو کیوں نہیں ہمارے پاس فرشتوں کو لے آتے ہو۔

خدا نے جواب میں کہا:

وما کانوا اذا منظرین۔(حجر)

جب فرشتے آ جائیں گے تو پھر انہیں مہلت نہ دی جائے گی۔

کفار قریش کو معجزہ عذاب کے دیکھنے کی جلدی تھی کیونکہ وہ سمجھتے تھے کہ یہ پیشین گوئی سراسر جھوٹ ہے۔ خدا نے کہا جب تک پیغمبر کی آمد کی برکات ختم نہ ہو جائیں یعنی تمام افراد صالحہ الگ نہ ہو جائیں عذاب نہ آئے گا۔

---

(۱)۔ مسلم باب مالقی النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم من اذی المشرکین و بخاری کتاب بداء الشق۔

ویستعجلونك بالسیئہت قبل الحسنہت وقد خلت من قبلھم المثلثط وان ربك لذو مغفرہت للناس علی ظلمھم وان ربك لشدید العقاب۔(رعد: ۱)

اور کفار جلدی چاہتے ہیں تجھ سے بھلائی سے پہلے برائی حالانکہ ان سے پہلے گذشتہ قوموں میں اس قسم کے واقعات گزر چکے ہیں اور تیرا رب لوگوں کی گنہگاری کے باوجود ان کو معاف کرتا ہے اور تیرا رب بڑے عذاب والا بھی ہے۔

اللہ تعالیٰ قرآن مجید کے معجزہ کو ذکر کر کے کہتا ہے:

لا یومنون بہ حتی یروا العذاب الالیم فیاتیھم بغتہت وھم لا یشعرون. فیقولوا ھل نحن منظرون.

افبعذابنا يستعجلون افرايت ان متعنهم سنين . ثم جاء هم ما كانوا يوعدون . ما اغنى عنهم ما كانوا يمتعون . وما اهلكنا من قريت الا لها منذرون (. شعراء : ۱۱)

وہ نہ مانیں گے اس کو جب تک دکھ کا عذاب نہ دیکھ لیں گے۔ پھر یہ عذاب اچانک ان پر اس طرح آ جائے گا کہ ان کو خبر نہیں ہونے پائے گی تو اس وقت کہیں گے کہ ہم کو مہلت بھی کچھ مل سکتی ہے؟ کیا یہ کفار ہمارا عذاب جلد مانگتے ہیں بھلا دیکھو تو اگر ہم نے ان کو چند سال فائدہ اٹھانے کا موقع دے بھی دیا' پھر ان پر وہ عذاب آ گیا جس کا وعدہ تھا تو کیا ان کی یہ دولت ان کے کچھ کام آئے گی' ہم نے کسی آبادی کو ہلاک نہیں کیا' لیکن اس کو سنانے والے پہلے موجود تھے۔

یعنی اس اصول کی بنا پر کہ قوموں کی ہلاکت سے پہلے ان کے اندر ایک ڈرسنانے والا مامور ہوا کرتا ہے۔ قریش میں بھی ایک ڈرسنانے والا آیا' اگر وہ اس کی نہ سنیں گے تو پچھلی قوموں کی طرح وہ بھی نیست و نابود ہو جائے گے۔ سورہ حج میں اللہ تعالی قریش کو مختلف قوموں کے حالات سنا کر کہتا ہے:

فکاین من قریت اهلکنا ها وهی ظالمت فهی خاویت علی عروشها وبئر معطلت وقصر مشید . افلم یسیروا فی الارض فتکون لهم قلوب یعقلون بها او اذان یسمعون بها فانها لا تعمی الابصار ولکن تعمی القلوب التی فی الصدور . ویستعجلونك بالعذاب ولن یخلف الله وعده . وان

یوما عند ربك كالف سنة مما تعدون و كاين
من قرية املیت لها وهی ظالمة ثم اخذتها
والی المصير. قل يايها الناس انما انا لكم نذير
مبین۔(حج:۷)

تو کتنی بستیاں ہم نے برباد کیں اور وہ گنہگار تھیں اور اب وہ
اپنی چھتوں پر ڈھئی پڑی ہیں اور کتنے کنوئیں بے کار پڑے
ہیں اور کتنے اونچے اونچے محل خراب اور ویران ہیں' کیا یہ کافر
زمین پر چلتے پھرتے نہیں ہیں کہ ان کے پاس دل ہوتے
ہیں جن سے سمجھتے یا کان ہوتے جن سے سنتے' کیونکہ
آنکھیں کچھ اندھی نہیں ہوتی ہیں جبکہ ان کو یہ عبرت ناک
مناظر سوجھائی نہ دیتے ہوں مگر وہ دل اندھے ہوتے ہیں جو
سینوں میں ہیں اور یہ کافر تجھ سے جلدی مانگتے ہیں عذاب
اور اللہ ہرگز اپنا وعدہ نہ ٹالے گا اور تیرے رب کے نزدیک
ایک دن تمہارے ہزار برس کے برابر ہے اور کتنی بستیاں ہیں
کہ میں نے ان کو ڈھیل دی اور وہ گنہگار تھیں پھر ان کو پکڑا اور
میری طرف پھر آنا ہے کہہ دے۔ اے لوگو! میں تو صاف
صاف تم کو ڈرسنانے والا ہوں۔

قرآن نے روسائے قریش کی طرف اشارہ کرکے پوچھا:

فهل ينظرون الا سنت الاولين۔(فاطرہ:۵)

کیا وہ پہلی قوموں کے دستور کا انتظار کر رہے ہیں۔

چنانچہ گذشتہ قوموں کے قانون کے پورے ہونے کے دن آ گئے' یعنی رسول اور
مومنین کو گنہگار قوم کی آبادی کے اندر سے نکل جانے کی اجازت ملی' کیونکہ جیسا پہلے

گزر چکا ہے' جب تک رسول اپنی قوم سے ہجرت نہیں کرتا۔ عذاب وہلاکت کا نشان ظاہر نہیں ہوتا' چنانچہ کفار قریش کو جو اس نشان کے دیکھنے کے لئے بے تاب تھے پہلے ہی سے جتا دیا گیا تھا۔

وان کادوا لیستفزونک من الارض لیخرجوک منھا واذا لا یلبثون خلافک الا قلیلا۔ سنۃ من قد ارسلنا قبلک من رسلنا ولا تجد لسنتنا تحویلا۔ (بنی اسرائیل:۸)

اور اگر وہ اس زمین سے تجھ کو گھبرانے لگے ہیں تاکہ یہاں سے تجھ کو نکال دیں تو یاد رہے کہ تیرے چلے جانے کے بعد وہ بہت کم پھر ٹھہر سکیں گے تجھ سے پہلے جو رسول گزرے ہیں ان کی یہ سنت ہے اور خدا کی سنت کو تم مٹا نہ پاؤ گے۔

ایک دفعہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم صحن حرم میں نماز پڑھ رہے تھے' روسائے قریش ادھر ادھر بیٹھے ہنسی دل لگی باتیں کر رہے تھے۔ ابوجہل نے کہا کہ کون مذبح جا کر وہاں سے اونٹ کی اوجھڑی اٹھالائے گا۔ چنانچہ ایک شریر نے یہ خدمت انجام دی اور جب انجام دی اور جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سجدہ میں گے تو وہ نجاست آپ ﷺ کی پشت مبارک پر ڈال دی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس بوجھ سے سر نہیں اٹھا سکتے تھے اور کفار اس منظر کو دیکھ کر ہنسی سے بے خود ہوتے جاتے تھے' حضرت عبداللہ بن مسعودؓ جو اس موقع پر موجود تھے' کہتے ہیں کہ میں دیکھ رہا تھا لیکن مجھ میں اتنی طاقت نہ تھی کہ میں ان کے سامنے کچھ کر سکتا۔ اسی اثناء میں ایک شخص نے جا کر حضرت فاطمہؓ کو اطلاع دی جو اس زمانہ میں بچی تھیں وہ آئیں اور اس نجاست کو ہٹایا تو آپ ﷺ نے سر اٹھایا۔ یہ پہلا موقع ہے کہ سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم روسائے قریش کے ایمان سے قطعاً مایوس ہوتے ہیں اور یہ اس لئے

نہیں کہ آپ ﷺ کے جسم مبارک کو تکلیف پہنچی بلکہ اس لئے کہ وہ نماز (یعنی مشاہدہ جمال الٰہی) میں جو اس دنیا میں آپ ﷺ کی محبوب ترین چیز تھی خلل انداز ہوئے۔

ارایت الذی ینھی عبدا اذا صلی ۔(علق)

کیا تو نے دیکھا اس شخص کو جو ایک بندہ الٰہی کو نماز سے روکتا ہے۔

یہ رؤسائے قریش کی مہلت کا اخیر لمحہ تھا' آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بلند آواز میں بد دعا کی اور آخری معجزہ ہلاکت کی درخواست کی' مگر پھر بھی رحمت عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شفقت دیکھئے کہ حضرت نوحؑ 'حضرت موسیٰ کی طرح پوری قوم کی تباہی و بربادی کی دعا نہیں کی بلکہ صرف قریش کے رئیسوں کے حق میں بد دعا کی اور ان میں سے بھی صرف سات رئیسوں کے نام لئے اور فرمایا کہ خداوندا! قریش کے سرداروں کو لے خداوندا! ابوجہل' عتبہ' شیبہ' عقبہ بن معیط' امیہ بن خلف' ولید بن عقبہ اور ابی بن خلف کو پکڑ۔ یہ بد دعا سن کر سب کے ہوش اڑ گئے۔(۱)۔

اب سنت الٰہی کے مطابق معراج کے ساتھ ہجرت کی دعا آپ ﷺ کو بتائی گئی۔

(۱)۔

رب ادخلنی مدخل صدق واخرجنی مخرج صدق واجعل لی من لدنك سلطانا نصیرا۔ (بنی اسرائیل: ۹)

خداوندا! مجھ کو خوبی سے کہیں پہنچا اور خوبی سے نکال اور اپنے پاس سے مجھے ایک مدد کرنے والی طاقت عطا کر۔

یہ دعا مقبول ہوئی اور بشارت آئی:

جاء الحق وزھق الباطل ان الباطل کان زھوقا۔(بنی اسرائیل: ۹)

الناس هذا عذاب اليم . ربنا اكشف عنا العذاب انا
مئومنون ان لهم الذكرى و قد جاء هم رسول مبين .
ثم تولوا عنه وقالوا معلم مجنون. انا كاشفوا
العذاب قليلا انكم عائدون . يوم نبطش البطشة
الكبرى انا منتقمون . فلقد فتنا قبلهم قوم
فرعون-(دخان: ۱)

اس دن کی راہ دیکھ جب آسمان صاف دھواں کرلا دے۔
جولوگوں کوگھیر لے اس وقت کہاں جائے گا یہ ہے دکھ کی مارا
تب گڑگڑائیں گے کہ خداوندا ہم سے یہ عذاب دورکردے ہم
ایمان لاتے ہیں کہاں ہے ان کے لئے سمجھنا حالانکہ ان کے
پاس کھول کرسنانے والارسول آچکا تو اس سے پیٹھ پھیری اور
کہا کہ سکھایا ہوا دیوانہ ہے' اچھا ہم تھوڑے دنوں کے لئے
عذاب دور کردیتے ہیں تم پھروہی کرنے والے ہو۔انتظار
کرو اس دن کا جب ہم بری پکڑ کریں گے۔ ہم بدلہ لینے
والے ہیں اوران سے پہلے ہم فرعون کی قوم کو آزما چکے ہیں۔

ان آیات کریمہ میں پورے واقعہ کی تصویر کھینچ دی گئی ہے اورآخر میں یہ بھی ظاہر کر دیا گیا ہے کہ بطش اکبران روسائے قریش کے لئے وہی حیثیت رکھتا ہے جوفرعون کے لئے غرق بحر کی حیثیت تھی۔حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے بیان کیا ہے کہ آیتیں قریش کی شان میں نازل ہوئی ہیں۔چنانچہ مکہ میں سخت قحط پڑا۔یہاں تک کہ بھوک سے آسمان اورقریش کی آنکھوں کے درمیان دھواں سا اڑتا نظر آتا تھا انہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سامنے آکر دعا کی درخواست کی' چنانچہ آپ ﷺ نے دعا کی اور بارش ہوئی۔خدا نے کہا کہ وہ پھر اپنی پہلی حالت پر آ

جائیں گے یعنی ایمان قبول نہ کریں گے' چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ تب اللہ تعالیٰ نے ان کے لئے بطشہ الکبریٰ (بڑی پکڑ) کا دن مقرر فرمایا یعنی بدر۔ (۱)۔

(۱)۔ صحیح بخاری تفسیر سورئہ دخان۔

یاد ہوگا کہ صحن حرم میں روسائے قریش جو نماز میں خلل انداز ہوتے تھے' آپ ﷺ نے انکا نام لے کر ہر ایک کے حق میں بددعا کی تھی۔ اس سے پہلے کہ غزوۂ بدر کا واقعہ پیش آئے' ہجرت کے بعد ہی آپ ﷺ نے ان کی ہلاکت و بربادی کا اعلان کر دیا تھا۔ بدر سے پہلے حضرت سعد انصاریؓ عمرہ کو گئے تھے۔ ابوجہل نے ان کو روکا۔ امیہ نے بیچ میں دخل دینا چاہا۔ حضرت سعدؓ نے کہا۔ امیہ تم دخل نہ دو۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہے کہ تم ان کے ہاتھوں سے مارے جاؤ گے۔ یہ سن کر امیہ ڈر گیا۔ چنانچہ جب بدر کا موقع پیش آیا تو اس نے جانے میں پس و پیش کیا' لوگوں کے طعن سے اس نے جانا چاہا تو اس کی بیوی نے دامن تھام لیا اور کہا کیا تم کو اپنے یثربی دوست کی بات یاد نہیں۔ (۱)۔

جب غزوۂ بدر کے لئے آپ ﷺ مسلمانوں کو ساتھ لے کر نکلے تو اس وقت جیسا کہ پہلی جلد میں تفصیل گزر چکی ہے۔ مسلمانوں کے سامنے قریش کی دو جمعیتیں تھیں' ایک قریش کا شامی قافلہ جو مدینہ کی راہ سے گزر کر مکہ کو جا رہا تھا دوسرا روسائے قریش کا جنگی لشکر جو مسلمانوں سے لڑنے کے لئے نکلا تھا۔ خدا نے مسلمانوں سے وعدہ کیا تھا کہ ان دو جمعیتوں میں سے ایک ان کے ہاتھ لگے گی۔ عام مسلمان یہی سمجھتے تھے کہ تجارتی قافلہ ان کے ہاتھ آئے گا لیکن حضور انور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اچھی طرح معلوم تھا کہ آج معمولی فتح و شکست کا دن نہیں بلکہ اس بطشتہ الکبریٰ کا دن ہے جس کا بارگاہ الٰہی میں مدت سے وعدہ تھا۔ رات کو جب مسلمان بدر کے پڑاؤ پر پہنچے ہیں تو انہیں یہ فکر ہوتی ہے کہ قریش کے تجارتی قافلہ کا پتہ لگایا جائے۔ چنانچہ مسلمان مخبر ادھر ادھر گئے اور ایک چرواہے کو پکڑ لائے اور اس سے قریش کے قافلہ کا

حال پوچھنے لگے۔ اس نے جواب دیا کہ قریش کے قافلہ کا تو مجھے علم نہیں' البتہ ان کا لشکر ادھر پڑا ہے۔ یہ سن کر مسلمانوں نے اس کو مارا یہ ہم سے صحیح حال چھپاتا ہے۔ مار کھانے پر اس نے کہا۔ اچھا ٹھہرو قافلہ کا حال بتاتا ہوں۔ جب لوگ اس کو چھوڑ دیتے تو پھر وہ یہی کہتا کہ مجھ کو قافلہ کی خبر نہیں' البتہ یہ جانتا ہوں کہ ادھر قریش کا لشکر سامنے پڑا ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نماز میں مصروف تھے۔ اس سے فراغت ہوئی تو فرمایا۔ جب وہ جھوٹ کہتا ہے تو تم چھوڑ دیتے ہو اور جب وہ سچ کہتا ہے تو تم مارتے ہو۔ س کے بعد آپ ﷺ نے فرمایا کہ یہ قریش کا تباہی کا دن ہے۔ یہ ابوجہل کا مقتل ہے' یہ عتبہ کا ہے' یہ ابی کا ہے وغیرہ۔ راوی کہتا ہے کہ آپ ﷺ نے جس کا مقتل جہاں متعین فرمایا تھا۔ ایک سرمو وہاں سے اس نے تجاوز نہیں کیا' جنگ میں وہ وہیں مرا پڑا ملا۔ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ جو صحن حرم کی بددعا کے دن موجود تھا وہ کہتے ہیں کہ عرب کے ساتوں رئیس جن کے حق میں آپ ﷺ نے بددعا کی تھی کل کے کل بدر کے میدان میں ڈھیر ہو گئے (۲)۔ اور ''بطشتہ الکبر ی'' کے انتقام کی پیشین گوئی پوری ہوئی۔

سورہ انفال جس میں بدر کے تمام واقعات کا ذکر ہے' اس میں اللہ تعالی نے یہ ظاہر کر دیا ہے کہ یہی وہ فیصلہ کا دن تھا جس کا مدت سے انتظار تھا۔

ویرید اللہ ان یحق الحق بکلمتہ ویقطع دابر الکافرین. لیحق الحق ویبطل الباطل و لو کرہ المجرمون۔ (انفال: ۱)

اور خدا جو چاہتا ہے کہ حق کو اپنی باتوں سے مستحکم کر دے اور کافروں کا پیچھا کاٹ دے تا کہ حق کو حق اور باطل کو باطل کر دے اگرچہ گنہگار اس کو پسند نہ کریں۔

---

(۱)۔ صحیح بخاری کتاب المغازی۔ (۲)۔ ایضاً (۳)۔ یہ دونوں واقعے صحیح بخاری و مسلم میں موجود ھیں۔

وسط سورہ میں فرمایا:

کداب ال فرعون والذین من قبلھم کفروا بایت الله فاخذھم الله بذنوبھم۔(انفال:۷)

یہ ویسا ہی ہوا جیسا فرعون والوں کا اور ان سے پہلے کا کہ انہوں نے اپنے پروردگار کی نشانیوں کو جھٹلایا تو ہم نے ان کے گناہوں کے سبب سے ان کو ہلاک کر دیا۔

یہ فیصلہ کا دن تھا۔

وما انزلنا علی عبدنا یوم الفرقان یوم التقی الجمعان۔ (انفال:۵)

اور جو ہم نے اپنے بندہ پر فیصلہ کے دن اتارا جس دن دونوں لشکر آمنے سامنے بھڑ رہے۔

اور یہ سب اسی لئے ہوا کہ۔

لیقضی الله امرا کان مفعولا۔(انفال:۵)

تا کہ خدا اس کام کو پورا کر دے جو پہلے مقرر کیا جا چکا تھا۔

نکتہ: بدر کے میدان میں جب تین سو بے سر و سامان مسلمان ایک ہزار لوہے میں غرق فوج سے مقابل تھے' آنخضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بھی اسی قسم کی بد دعا مانگی' جیسی حضرت نوحؑ نے طوفان سے اور حضرت موسیٰؑ نے غرق سے پہلے اپنی اپنی قوم کے لئے دعا مانگی تھی' حضرت نوحؑ نے کہا۔ ''خداوندا! اب زمین پر کوئی کافر بسنے والا نہ چھوڑ کہ جب تک وہ زندہ رہیں گے تیرے نام کی تقدیس نہ ہو گی اور نہ ان کی نسل سے کوئی تیرے نام لینے والا پیدا ہو گا۔'' حضرت موسیٰؑ نے کہا۔ ''خداوندا! ان کے دل سخت کر دے جب تک عذاب نہ دیکھ لیں گے ایمان نہ لائیں گے۔'' لیکن اس موقع پر آنخضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زبان مبارک سے جو

فقرہ نکلا وہ یہ تھا کہ ''خداوندا! اپنا وعدہ پورا کر' اگر یہ مٹھی بھر مسلمان تباہ ہو گئے تو پھر کوئی تیرا نام لینے والا نہ رہے گا۔''

حضرت نوحؑ اور حضرت موسیٰؑ نے براہ راست اپنی اپنی قوم کی تباہی کی دعا مانگی لیکن رحمت عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اب بھی دعا مانگی تو صرف اہل توحید کی فتح و نصرت کی' دشمنوں کی تباہی و بربادی کی نہیں۔

حاکم نے مستدرک (جلد ۳ صفحہ ۲۱) میں بہ روایت صحیح نقل کیا ہے کہ بدر کے قیدی جب گرفتار ہو کر آئے اور آپ ﷺ نے ان کے متعلق صحابہ سے مشورہ طلب کیا اور مختلف صاحبوں نے مختلف رائیں پیش کیں تو آپ ﷺ نے فرمایا۔ یہ کفار قریش اپنے ان ہی بھائیوں کی طرح ہیں جو ان سے پہلے تھے (یعنی گذشتہ انبیاء کی امتوں میں) نوحؑ نے دعا کی کہ ''خداوندا! زمین پر ان کافروں میں سے کوئی آباد گھر والا باقی نہ رکھ۔'' موسیٰؑ نے کہا ''ہمارے پروردگار ان کی دولت کو سمیٹ دے اور ان کے دلوں کو سخت کر دے۔'' ابراہیمؑ نے فرمایا۔ ''الٰہی اگر تو ان (نافرمانوں) پر عذاب بھیجے تو وہ تیرے بندے ہیں اور اگر تو ان کو معاف کر دے تو تو غالب اور دانا ہے۔'' اس کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے قریش کو خطاب کر کے فرمایا کہ تم لوگ وہ قوم ہو جس میں فریب اور دغا سے قتل کر دینے کا رواج ہے تو تم میں سے کوئی زر فدیہ یا اپنا سر دیئے بغیر لوٹ کر نہ جا سکے گا۔

اس روایت سے ہمارے اصول مذکور کی حرف بہ حرف تائید ہوتی ہے یعنی یہ کہ:

۱۔ بدر قریش کے لئے ایسا ہی عذاب ہلاکت کا دن تھا جیسا کہ گذشتہ قوموں پر ہلاکت کے دن آیا کیے ہیں۔

۲۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس موقع پر دو قسم کے انبیاء کے نام اور ان کی دعاؤں کا ذکر فرمایا ہے ایک وہ جنہوں نے سخت گیری کا پہلو اختیار کیا۔ مثلاً حضرت نوحؑ اور حضرت موسیٰؑ نے' دوسرے وہ جنہوں نے نرمی کا اظہار کیا' مثلاً

حضرت ابراہیمؑ اور حضرت عیسیٰؑ نے' آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان دونوں میں سے بیچ کی راہ اختیار کی۔

سحر اور معجزہ کا فرق اور ساحر اور پیغمبر میں امتیاز::

گذشتہ صفحات میں انبیاء کے جو خصائص و امتیازات اور علامات و آثار بتائے گئے ہیں ان سے خود سحر و معجزہ کا فرق اور ساحر و پیغمبر کا امتیاز ظاہر ہوتا ہے۔ سحر و شعبدہ صرف دل لگی کے آنی تماشے ہوتے ہیں' لیکن معجزات و آیات قوموں اور جماعتوں کے صلاح و فساد' تعمیر اور تخریب' ترقی اور تنزل کے اسباب و سامان ہوتے ہیں۔ ساحر کا مقصد کسی غیر معمولی واقعہ کا صرف حیرت انگیز طریقہ سے اظہار ہوتا ہے تاکہ وہ دیکھنے والوں کو تھوڑی دیر کے لئے متحیر کردے لیکن پیغمبر کا مقصد اپنے ان حیرت انگیز اعمال سے دنیا کی اصلاح' قوموں کی دعوت' جماعتوں کی تہذیب اور دین الٰہی کی تقویت کے سوا کچھ اور نہیں ہوتا۔ پیغمبر' بشیر' نذیر' مزکی' ہادی' سراج منیر اور شاہد عالم ہوتا ہے' ساحر ان تمام اوصاف سے خالی ہوتا ہے اور حیرت انگیز تماشا گری کے سوا کوئی اور ممتاز بات اس کے اندر نہیں ہوتی۔

قرآن مجید نے سحر کے متعلق جس قدر بیانات ہیں ان سے واضح ہوتا ہے کہ وہ سحر کی حقیقت کو تسلیم نہیں کرتا' اور تخیل اور نظر بندی سے زیادہ اس کو وقعت نہیں دیتا' ہاروت و ماروت کے قصہ میں سحر کے زور و قوت کا منتہا یہ بیان کیا ہے۔

ما یفرقون به بین المرء وزوجه وما هم بضارین من احد الا باذن الله ویتعلمون ما یضرهم ولا ینفعهم۔(بقرہ:۱۲)

سحر کا وہ فن سیکھتے ہیں جس سے خاوند اور اس کی بیوی میں تفریق کردیتے ہیں اور یہ کسی کو حکم الٰہی کے بغیر نقصان نہیں پہنچا سکتے اور یہ وہ چیز سیکھتے ہیں جو ان کے نقصان پہنچاتی ہے

اور نفع نہیں پہنچاتی۔

غرض سحر و جادو کوئی مموثر حقیقی شے نہیں' سورہ طہ میں نہایت تصریح کے ساتھ یہ حقیقت واضح کی گئی ہے کہ خیال سے زیادہ اس کی حقیقت نہیں۔

حبالھم و عصیھم یخیل الیہ من سحرھم انھا تسعی (طہ:۳)

پھر نا گا'مصر کے جادوگروں کی رسیاں اور لاٹھیاں ان کے جادو کے اثر سے موسیٰ کے خیال میں معلوم ہونے لگیں کہ وہ دوڑ رہی ہیں۔

حکم ہوا کہ موسیٰ تم بھی اپنا عصائے اعجاز ڈال دو' نتیجہ یہ ہوا کہ حق نے باطل پر فتح پائی۔

قلنا لا تخف انک انت الا علی والق مافی یمینک تلقف ما صنعوا. انما صنعوا کید سحر ولا یفلح السحر حیث اتی (طہ:۳)۔

ہم نے کہا موسیٰ ڈرو نہیں تم ہی سربلند رہو گے تمہارے داہنے ہاتھ میں جو ہے تم اس کو ڈال دو' وہ ان کی صنعت کاری کو نگل جائے گا بیشک جادوگروں نے جو صنعت کی تھی وہ جادو کا فریب تھا اور جادوگر جدھر سے بھی آئے وہ فلاح نہیں پا سکتا۔

ساحر اور نبی میں اللہ تعالیٰ نے جو فرق و امتیاز بتایا وہ یہی ہے کہ نبی فلاح پاتا ہے اور جادوگر فلاح نہیں پاتا نبی کے تمام اعمال' مساعی' جدوجہد اور معجزات کا مرکز و محور فلاح اور خیر ہوتا ہے اور جادوگروں کا مقصد صرف فریب دھوکہ اور شر ہوتا ہے۔

دوسری جگہ ایک اور آیت میں اسی مفہوم کو دہرایا گیا ہے۔حضرت موسیٰ مصر کے

جادوگروں سے کہتے ہیں:

ما جئتم به السحر ان الله سیبطله ان الله لا یصلح عمل المفسدین۔(یونس:۸)

جو تم لائے ہو وہ جادو ہے اللہ اس کو باطل کر دے گا بے شک اللہ شریروں کے کام کو نہیں سنوارتا۔

یعنی سحر و جادو کا ایک آنی تماشا ہوتا ہے اور اعجاز کا اثر دائمی ہوتا ہے اور اس کے نتائج دنیا میں نہایت عظیم الشان ہوتے ہیں۔فرعون نے حضرت موسیٰ کے اعجاز کو دیکھ کر کہا۔"یہ سب جادو کے کرشمے ہیں۔"حضرت موسیٰ نے جواب دیا:

اسحر ھذا ط ولا یفلح السحرون۔(یونس:۸)

کیا یہ جادو ہے اور جادو کرنے والے تو فلاح نہیں پاتے۔

غرض "فلاح" اور "عدم فلاح" سحر اور اعجاز کے درمیان سب سے بڑا فرق ہے۔

کفار آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نسبت کہتے تھے کہ یہ شیطان کی قوت سے یہ کلام پیش کرتے ہیں اور ان کے کلام کا سرچشمہ شیطان کی تعلیم ہے'خدا نے اس کے جواب میں کہا کہ اس حقیقت کا امتیاز کہ اس کا منبع اور سرچشمہ خیر ہے یا شر اور یہ شیطان کی قوت کا نتیجہ ہے یا ملکوتی طاقت اس کا مظہر ہے نہایت آسان ہے اور خود مدعی کی زندگی اور اس کے اخلاق و اعمال اس کے شاہد عدل ہیں'حضرت عیسیٰ کے قول کے مطابق کہ درخت اپنے پھل سے پہچانا جاتا ہے۔ان دونوں قوتوں کے درمیان تفریق کچھ زیادہ مشکل نہیں۔خدا نے کہا۔ہم بتائیں شیطان کس پر اترتے ہیں:

علی کل افاك اثیم یلقون السمع واکثرھم کذبون۔(شعراء:۱۱)

شیطان اترتے ہیں ہر جھوٹے گنہگار پر لا ڈالتے ہیں وہ سنی

لئے ان کا جذبہ انانیت اور ترفع ان کو داعیان حق کے علم کے نیچے کھڑے ہونے سے باز رکھتا ہے' اس بناء پر آیات اور نشانیوں سے ہدایت پانے کے لئے ضروری ہے کہ وہ اس جذبہ سے پاک ہوں۔ معاندین نے ہمیشہ انبیاء کو کہا بشرا مناواحد انتبعہ۔ یہ پیغمبر تو ہماری طرف ایک آدمی ہے' کیا ہم اس کی پس روی قبول کر لیں۔ مصر کے بادشاہ اور سرداروں نے اسی جذبہ کی بناء پر حضرت موسیٰؑ اور حضرت ہارونؑ کی دعوت کو قبول کرنے سے انکار کیا اور ان کو گوناگوں معجزات دیکھنے کے بعد بھی ہدایت نہیں ملی۔

ثم ارسلنا موسی واخاہ ھرون بایتنا و سلطان مبین . الی فرعون وملائہ فاستکبروا وکانوا قوما عالین . فقالوا انئومن لبشرین مثلنا و قومھما لنا عابدون۔ (مئومنون:۳)

پھر ہم نے موسیٰ اور اس کے بھائی ہارون کو نشانیاں اور کھلی قوت دے کر فرعون اور اس کے سرداروں کے پاس بھیجا تو انہوں نے غرور کیا اور وہ مغرور لوگ تھے تو انہوں نے کہا کیا ہم اپنی ہی طرح کے آدمیوں پر ایمان لائیں دراں حالیکہ ان کی قوم ہماری رعایا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں ایسے منکروں اور خود پسندوں کی نسبت اپنا یہ فیصلہ سنا دیا۔

ساصرف عن ایتی الذین یتکبرون فی الارض بغیر الحق وان یروا کل ایہت لا یئومنوابھا۔ (اعراف:۱۷)

ہم ان لوگوں کو اپنی نشانیوں کے سمجھنے سے پھیر دیں گے جو

زمین میں ناحق تکبر کرتے ہیں اور اگر وہ تمام نشانیوں کو دیکھ بھی چکیں تب بھی ایمان نہ لائیں گے۔

قریش کے معاندین جو اپنی قوم کے رؤسا، اکابر اور اہل دولت تھے وہ بھی ان نشانیوں سے اسی لئے ہدایت نہ پا سکے کہ ان کو ایک غریب و مفلس اور بے یارومددگار انسان کی پیروی گوارا نہ تھی۔ وہ کہتے تھے اگر نبوت ہوتی بھی تو مکہ کے طائف کے کسی بڑے آدمی کو ملتی۔

وقالوا لولا نزل ھذا القران علی رجل من القریتین عظیم۔ (زخرف:۳)

اورانہوں نے کہا یہ قرآن طائف اور مکہ کے کسی بڑے آدمی پر کیوں نہیں اترا۔

سب سے آخری چیز جو ان آیات اور نشانیوں سے ہدایت پانے کی صلاحیت اور استعداد پیدا کرتی ہے وہ دل کا قبول حق کی طرف میلان ہے۔ بڑے بڑے خوارق اور عجیب سے عجیب معجزات ان لوگوں کے نزدیک سحر و جادو سے زیادہ وقعت نہیں رکھتے، جن کے دل انابت اور رجوع الی الحق کی استعداد سے خالی ہیں۔

ویقول الذین کفروا لولا انزل علیه ایہت من ربہط قل ان اللہ یضل من یشاء و یھدی الیہ من اناب۔ (رعد۔۴)

اور کافر کہتے ہیں کہ اس پر اس کے خدا کی طرف سے کوئی نشانی کیوں نہیں اتری، کہہ دے کہ خدا جس کو چاہتا ہے گمراہ کرتا ہے اور اسی کو اپنی طرف راہ دکھاتا ہے جو خدا کی طرف اپنے کو رجوع کرتا ہے۔

اگر قبولیت اور اصلاح کی یہ استعداد نہ ہو تو بڑے سے بڑا معجزہ بھی باطل پرستی سے

زیادہ نہیں اور یہی وہ لوگ ہیں جن کے دلوں پر گمراہی کے شقاوت کی مہر لگی ہوئی ہے۔مشرک جو کسی مذہب حق کو نہیں مانتے اور علم سے بے بہرہ ہیں ان کا یہی حال ہے۔

ولئن جئتھم بایہت لیقولن الذین کفروآ ان انتم الا مبطلون . کذلک یطبع اللہ علی قلوب الذین لا یعلمون۔(روم:٦)

اور (اے پیغمبر)! اگر تو ان کے پاس کوئی نشانی لائے تو وہ جو منکر ہیں کہیں گے کہ تم فریبی ہو۔اس طرح اللہ ان لوگوں کے دلوں پر مہر کر دیتا ہے جو علم نہیں رکھتے۔

اہل کتاب یعنی یہود و نصاری پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی صداقت کے طلب ثبوت میں یہ کہتے کہ اس وقت تک ہم ان کو پیغمبر حق تسلیم نہ کریں گے۔ جب تک اسی قسم کے معجزے وہ نہ دکھائیں جیسے ان لوگوں کے دلوں پر مہر کر دیتا ہے جو علم نہیں رکھتے۔

اہل کتاب یعنی یہود و نصاری پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی صداقت کے طلب ثبوت میں یہ کہتے کہ اس وقت تک ہم ان کو پیغمبر حق تسلیم نہ کریں گے۔ جب تک اسی قسم کے معجزے وہ نہ دکھائیں جیسے ان پیغمبروں نے لوگوں کو دکھائے تھے۔قرآن کہتا ہے کہ فرض کرو کہ صرف ان ہی جیسے معجزوں سے پیغمبری کی سچائی تسلیم کی جا سکتی ہے تو ان پیغمبروں نے تو وہی معجزے دکھائے تھے۔پھر ان کو دیکھ کر ان کے زمانہ کے کل منکرین کیوں ایمان نہ لے آئے اور آخر تک وہ ان کو جادوگر ہی کیوں سمجھتے رہے۔

فلما جاء ھم الحق من عندنا قالوا لولا اوتی مثل ما اوتی موسیط اولم یکفروا بما اوتی موسی من قبلج

صرف اپنی خواہش نفسانی کی پیروی کرتے ہیں اور اس سے بڑھ کر گمراہ کون ہے جو ہدایت الٰہی کو چھوڑ کر اپنی خواہش نفسانی کی پیروی کرتا ہے اللہ خود سر لوگوں کو ہدایت نہیں کرتا ۔

www.IqbalCyberLibrary.Net
All rights reserved.
©2002-2006

٦۔ خصائص محمدی ﷺ ۔

www.IqbalCyberLibrary.Net
All rights reserved.
©2002-2006

خصائص النبوہ

دنیا میں ہر جنس اور ہر نوع کی کچھ نہ کچھ خصوصیات ہوتی ہیں جن سے وہ اپنے غیر سے ممتاز ہوتی ہے۔ وہ خصوصیات ایسی ہوتی ہیں جن سے اس جنس اور نوع کی کوئی فرو خالی نہیں ہوتی۔ اسی طرح نبوت کی بھی کچھ نہ کچھ خصوصیتیں ہیں جو اس کے لئے بمنزلتہ لوازم حقیقت کے ہیں۔ چنانچہ دنیا میں جس قدر پیغمبر کسی نہ کسی قوم اور کسی نہ کسی زمانہ میں آئے ہیں وہ ان خصوصیات سے ہمیشہ ممتاز ہوئے ہیں۔ مثلاً یہ خدا نے کسی نہ کسی طرح ان کو اپنے کلام و ارشاد سے مفتخر اور اپنے احکام سے مطلع فرمایا ہے' ان کے ادراک و احساس کی قوتوں کو اس قدر بلند کیا کہ عام انسانوں کو جو چیزیں نظر نہیں آتیں ان کو نظر آتی ہیں۔ عامہ بشر جن آوازوں کو نہیں سن سکتے وہ ان کو سنائی دی ہیں۔ ملائکہ الٰہی خدا کے قاصد بن کر ان کے پاس آئے ہیں۔ صداقت کے لحاظ سے ان کے خواب اور بیداری کا ایک ہی عالم رہا ہے۔ کیونکہ گو ان لوگوں کی آنکھیں سوتی ہیں (۱)۔ لیکن ان کے دل نہیں سوتے اور ان کو اللہ تعالیٰ نے اپنی نشانیوں میں سے کوئی نہ کوئی نشانی بھی عطا فرمائی ہے۔

(۲)۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم چونکہ افضل الرسل' خاتم النبیین تھے۔ اس لئے ان کی خصوصیات میں سے ہر خصوصیت کا وافر حصہ آپ ﷺ کو عنایت ہوا تھا' اسی لئے مکالمتہ الٰہی' نزول' ملائکہ' مشاہدہ' خواب و بیداری وغیرہ خصائص نبوت کے واقعات آپ ﷺ کی سیرت میں دوسرے انبیاء علیہم السلام کی سیرتوں سے بیشتر اور کامل نظر آتے ہیں۔ (۱)۔ چنانچہ قرآن مجید میں ان کے اشارات اور احادیث صحیحہ میں ان کی تفصیلات مذکور ہیں۔ مختلف انبیاء میں ان خصائص کا کم بیش ہونا بھی قرآن مجید کا فیصلہ ہے۔

تلك الرسل فضلنا بعضهم علي بعضط منهم من

كلم الله ورفع بعضهم درجت ط واتينا عيسى ابن

مریم البینت وایدنہ بروح القدسط(بقرہ:۳۳)

ان پیغمبروں میں سے بعض پر ہم نے فضیلت بخشی ہے ان میں سے بعض سے خدا نے باتیں کیں بعضوں کے رتبے بلند کئے اور مریم کے بیٹے عیسیٰ کو ہم نے کھلی نشانیاں دیں اور روح القدس کے ذریعہ سے اس کی تائید کی۔

دیکھئے کہ مکالمتہ الہیٰ' رفع درجات' عطائے نشان' تائید بروح القدس' یہ چاروں باتیں ایسی ہیں جن سے خدا کا کوئی فرستادہ محروم نہ تھا۔تاہم چونکہ ان میں سے ہر چیز تمام پیغمبروں میں یکساں نہ تھی بلکہ بعض کو ان میں سے کسی چیز کا حصہ وافر دیا گیا تھا اور بعض کو کوئی دوسری چیز زیادہ ملی تھی اس لئے ہر پیغمبر کی طرف اس خاص چیز کی نسبت مخصوص طور سے کی گئی ہے۔جس کا ان کی قسمت میں بڑا حصہ آیا تھا' اس سے یہ مقصود نہیں کہ نبوت کے ان خصائص سے کوئی پیغمبر محروم بھی تھا۔

(۱)۔ صحیح بخاری کتاب المناقب باب صفتہ النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم و کتاب التوحید باب و کلم اللہ موسیٰ تکلیما۔ (۲)۔ صحیح بخاری باب الاعتصام۔ (۳)۔ کما قیل حسن یوسف' دم عیسیٰ' یدبیضا' داری۔ آنچہ خوباں ہمہ دارند تو تنہا داری۔

ان خصائص میں سے اللہ تعالیٰ نے سب سے زیادہ زور وحی اور نزول ملائکہ پر دیا ہے' ہر جگہ رسول اور نبی کی گویا تعریف ہی یہی کی ہے کہ ایک انسان جس کو خدا نے اپنی پیغمبری کے لئے منتخب کیا ہو اور اس پر اپنی وحی نازل کی ہو۔

چنانچہ سورۂ نحل اور سورۂ انبیاء میں تمام پیغمبروں کا مشترک وصف یہ بتایا ہے۔

وما ارسلنا من قبلک الا رجالا نوحی الیھم۔(یوسف:۱۲)

اور ہم نے اپنا قاصد بنا کر تم سے پہلے کسی پیغمبر کو نہیں بھیجا لیکن وہ انسان تھے جن کی طرف ہم نے اپنی وحی بھیجی۔

نزول ملائکہ کی نسبت بھی خدا نے یہ فرمایا کہ وہ اپنے بندوں میں سے جس پر چاہتا ہے فرشتوں کو اس لئے اتارتا ہے کہ وہ اس کی بات کو ان تک پہنچادیں۔

ینزل الملئکۃ بالروح من امرہ علی من یشاء من عبادہ۔(نحل: ۱)

خدا اپنی بات کی روح دے کر اپنے بندوں میں جس پر چاہتا ہے فرشتوں کو نازل کرتا ہے۔

انکے علاوہ رویت ومشاہدۂ غیب اور سیر ملکوت کے احوال ومشاہد کا بھی اکثر انبیا علیہم السلام کے سوانح زندگی میں ان کے درجوں اور رتبوں کے مطابق پیش آتا۔ اسفار و کتب الہٰی سے ثابت ہے جیسا کہ آئندہ اوراق کے مطالعہ سے ناظرین پر روشن ہوگا۔

وصف میں خدا نے فرمایا:

منہم من کلم اللہ۔(بقرہ)

ان پیغمبروں میں سے بعض سے خدا نے باتیں کیں۔

اس آیت کریمہ میں یہ تصریح نہیں کہ کن پیغمبروں کو خدا تعالی نے اس مخصوص طریقہ کلام سے مشرف کیا' اس لئے اس شرف خاص میں حضرت موسیٰ کے ساتھ دوسرے انبیاء بھی شریک ہو سکتے ہیں۔آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو مکالمہ الہی کے تینوں مذکورہ طریقوں سے خدا کی ہم کلامی کا شرف حاصل ہوا ہے' بلکہ واقعہ معراج میں وہ مرتبہ بھی پیش آیا ہے جہاں حبیب ومحبوب کے درمیان قاصدو پیامبر سرے سے بیگانہ تھے۔جہاں زمان ومکان اور جلوہ ونگاہ کی شریعت بھی مخل تنہائی تھی' جہاں نہ کوہ سینا تھا نہ برق طور دشت ایمن تھا نہ نخل وادی' صوت سرمدی سامعہ نواز تھی اور حقیقت محمدیؐ گوش سامع فاوحی الی عبدہ ما اوحی (نجم) پھر اس نے اپنے بندہ سے چپ چاپ باتیں کیں' جو باتیں کیں۔

وحی

وما ینطق عن الھوی. ان ھو الا وحی یوحی (.نجم)

گومکالمہ الٰہی کی متعدد صورتیں ہیں جن میں سے ایک وحی بھی ہے، لیکن اسلام کے محاورہ میں وحی کا مفہوم اس قدر وسیع کر دیا گیا ہے کہ مکالمہ الٰہی کی تمام صورتیں اس کے تحت میں داخل ہوگئی ہیں۔وحی کے معنی لغت میں حسب ذیل ہیں:

الوحی' الاشارھت والکتابہ والرسالھت والالھام والکلام الخفی وکل ما القیتہ الی غیرک. (لسان العرب)

وحی کے معنی اشارہ کرنا' لکھنا' پیغام دینا' دل میں ڈالنا' چھپا کر بولنا اور جو کچھ تم دوسرے کے خیال میں ڈالو.

لکھنا۔عجاج کاشعر ہے:

حتی نحاھم جدنا ولنا حی
لقد' کان وحاہ الواحی

خط اور کتاب لبید کہتے ہیں۔

فمد افع الریان عری رسمہ
خلقا کما ضمن الوحی سلامھا

"تو زیان پہاڑ کے نالوں کے آثار پرانے ہوکر ایسے دھندلے ہو گئے جیسے پتھر میں لکھی ہوئی عبارت۔" حکم دینا۔عجاج کہتا ہے:

وحی لھا القرار فاستقرت
وشدھا بالراسیات الثبت

زمین کو ٹھہرنے کا حکم دیا تو وہ ٹھہر گئی.

All rights reserved. © 2002-2006

اور اسے جمے ہوئے پہاڑوں سے جکڑ دیا

چھپا کر بات کرنا۔ابو ذویب کا شعر ہے:

فقال لها وقد اوحت الیه

الا للہ امک ما تصیف

اس مرد نے کہا جب عورت نے اس سے پوشیدہ طریقہ پر گفتگو کی کہ تیری ماں کا کیا کہنا کہ وہ کیا فال بدلیتی ہے۔

اشارہ کرنا

یوحی الیها بانقاض ونقنقہ

وہ مرغ اس مرغ کی طرف کڑکڑا کے اشارہ کرتا ہے۔

آواز۔ابو زبید

مرتجز الجوف یوحی اعجم

گھوڑے کی پیٹ سے نہ سمجھنے والی آواز آتی ہے

لیکن اہل لغت کہتے ہیں کہ اس لفظ کے اصلی معنی دوسروں سے چھپا کر کسی سے چپکے چپکے بات کرنے کے ہیں' کسائی عرب کا محاورہ بتاتا ہے کہ وحیت الیہ بالکلام واوحیہ الیہ ھوان تکلمہ بکلام تخفیہ من غیرہیعنی کسی سے اس طرح باتیں کرو کہ اس کو دوسروں سے چھپاؤ۔ابو اسحاق لغوی کہتا ہے۔واصل الوحی فی اللغت کلھا اعلام فی خفاؤحی کا اصل مفہوم اس کے تمام معنوں پر ''چھپا کر اطلاع دینے'' کے ہیں۔

قرآن مجید میں یہ لفظ اپنے اصل مفہوم کے اندر تین معنوں میں آیا ہے۔

ا۔فطری حکم۔

واوحی ربك الی النحل (نحل)

تیرے پروردگار نے شہد کی مکھیوں کو وحی کیا۔

بان ربک اوحی لها (زلزال)

اس لئے کہ تیرے پروردگار نے ''زمین'' کو وحی کیا۔

عجاج کے اس شعر میں بھی یہی معنی ہیں۔

وحـــی لهـــا الـقـــرار فـــاستـــقـــرت

وشـــدهـــا بـــالـــراسيـــات الثبـــت

خدا نے زمین کو ساکن رہنے کی وحی کی تو وہ ساکن ہے اور اس کو مضبوط پہاڑوں سے باندھ دیا ہے۔

۲۔ دل میں بات ڈال لینا۔

واذا اوحيـــت الـــى الـحـــواريـيـــن ان امـنـــوا بـی وبرسولی۔(مائدہ)

اور جب میں نے حواریوں کو ''وحی کیا کہ مجھ پر اور میرے پیغمبر پر ایمان لاؤ۔''

واوحينا الى ام موسى ان ارضعيه (قصص: ۱۰)

اور ہم نے موسٰی کی ماں کو ''وحی کیا'' کہ اس بچہ کو دودھ پلاؤ۔

۳۔ چپکے بات کرنا۔

يوحی بعضهم الى بعض زخرف القول(انعام)

یہ ایک دوسرے کو چکنی چپڑی بات ''وحی'' کرتے ہیں۔

وان الشياطين ليوحون الى اوليائهم (انعام)

اور یہ شیطان لوگ اپنے دوستوں کو ''وحی'' کرتے ہیں۔

وحی کے ان متفرق معنوں میں ایک مفہوم مشترک ہے اور وہ یہ ہے کہ ''منہ سے لفظ نکالے بغیر ایک شخص کا دوسرے شخص کو مفہوم سمجھا دینا۔'' یا اگر الفاظ ہوں تو وہ اس قدر پوشیدہ ہوں کہ دوسرے ان کو نہ سن سکیں' اس لئے اشارہ کرنا' لکھنا' دل میں ڈال دینا' حکم فطری' خط و کتابت اور جانوروں کا اپنے حرکات سے اپنے مطلب ظاہر کرنا'

سب اس کے معنوں میں داخل ہیں۔ بہر حال اس تفصیل سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ وحی کا لفظ جس مذہبی معنی میں استعمال کیا ہے' آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مکالمہ الٰہی اور وحی کا آغاز رویا اور خواب سے ہوا' صحیح بخاری میں حضرت عائشہؓ سے مروی ہے:

اول ما بدی بہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من الوحی الرویا الصالحہت فی النوم فکان لا یری رویا الاجاء ت مثل فلق الصبح۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ وحی کا آغاز اچھے خواب سے ہوا۔ آپ جو خواب دیکھتے وہ صبح کی روشنی کی طرح ظاہر ہوتا تھا۔

صحیح بخاری کے پہلے ہی باب میں حدیث ہے کہ ایک صحابی نے پوچھا کہ یا رسول اللہ! آپ ﷺ پر وحی کیونکر آتی ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا:

احیانا یاتینی مثل صلصلہت الجرس وھو اشدہ علی فیفصم عنی وقد عیت عنہ ما قال۔ واحیانا یتمثل لی الملک رجلا فیکلمنی فاعی مایقول۔

کبھی گھنٹی کی آواز کی طرح میرے پاس آتی ہے اور یہ مجھ پر زیادہ سخت ہوتی ہے اور پھر یہ حالت دور ہو جاتی ہے اور جو کچھ وہ کہتا ہے میں اس کو محفوظ کر لیتا ہوں اور کبھی وہ فرشتہ جبریل میرے لئے انسان کی شکل میں نمودار ہوتا ہے اور مجھ سے باتیں کرتا ہے اور جو وہ کہتا ہے اس کو محفوظ کر لیتا ہے۔

صلصلہت الجرس "یعنی گھنٹہ کی آواز کی طرح کا ہونا۔" اس کی تشریح متکلمین اور ارباب باطن نے اپنے اپنے مذاق کے مطابق کی ہے' لیکن ہم اس کا صاف اور صریح مطلب وہ سمجھتے ہیں جو عوام ہاتف غیب یا منادی غیب کے لفظ سے سمجھتے ہیں' یعنی یہ کہ آواز سنائی دے' لیکن کوئی صورت نہ نظر آئے۔ بانگ جرس کے ساتھ اس

کی تشبیہ محض اس بات میں ہے کہ جس طرح دور سے جرس کی آواز سنائی دیتی ہے اور اس کے متعینہ اشاروں سے انسان کچھ سمجھ جاتا ہے' حالانکہ جرس یا اس کے بجانے والے کی شکل آنکھوں سے اوجھل یا بہت دور ہوتی ہے اسی طرح پیغمبر کبھی دور سے منادی غیب کی آواز سنتا ہے لیکن کوئی مجسم شکل اس کے سامنے نہیں ہوتی' اسی کے بالمقابل اپنے وحی کی دوسری صورت یہ بیان فرمائی کہ بولنے والا فرشتہ مجسم ہو کر سامنے آتا ہے اور وہ باتیں کرتا ہے۔

حدیثوں میں طریقہ وحی کی اور صورت بھی آتی ہے۔آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

ان روح القدس نفث فی روعی۔

روح القدس نے میرے دل میں پھونکا۔

اور کہیں یہ صیغہ مجہول کے ساتھ آیا ہے۔

نفث فی روعی۔

میرے دل میں پھونکا گیا۔

حافظ ابن قیم نے ان ہی حدیثوں کو پیش نظر رکھ کر وحی کی حسب ذیل قسمیں قرار دی ہیں۔

۱۔رویائے صادقہ۔سچ خواب دیکھنا۔

۲۔نفث فی الروع یا القاء فی القلب

۔دل میں پھونکنا یا دل میں ڈالنا۔

۳۔صلصلۃ الجرس۔گھنٹہ کی طرح آواز آنا۔

۴۔تمثل'فرشتہ کا کسی شکل میں متشکل ہو کر نظر آنا۔

۵۔فرشتہ کا اپنی اصلی صورت میں نمودار ہونا۔

۶۔وہ طریق مکالمہ جو معراج میں پیش آیا۔

۷۔بلاواسطہ مکالمہ۔

اسحاق کی روایت ہے کہ اس موقع پر یہ آیتیں نازل ہوئیں۔

والضحی واللیل اذا سجی . ما ودعك ربك وما قلی ۔(الضحی)

قسم ہے دن کی جبکہ وہ پوری روشنی پر ہو اور قسم ہے رات کی جبکہ وہ سنسان ہو جائے کہ تیرے پروردگار نے نہ تجھ کو چھوڑا ہے اور نہ تجھ سے اس نے اپنی محبت اٹھائی۔

لیکن صحیح بخاری تفسیر سورہ والضحی اور باب کیف نزول الوحی میں ہے کہ اس سورہ کا شان نزول یہ ہے کہ ایک دفعہ آپ ﷺ بیمار تھے۔ چند روز راتوں کو اٹھ کر عبادت الٰہی میں مصروف نہ ہو سکے تو ایک ہمسایہ عورت نے طعن سے کہا کہ "ایسا معلوم ہوتا ہے کہ (نعوذ باللہ) تیرے شیطان نے تجھ کو چھوڑ دیا کیونکہ وہ تین روز سے تیرے پاس نہیں آیا ہے۔" اس پر یہ سورہ نازل ہوئی۔ اس موقع پر دوسری آیت روایت ہے کہ اس عورت نے کہا "میں دیکھتی ہوں کہ تیرے رفیق نے تم سے ملنے میں تاخیر کی ہے۔" اس سے ثابت ہوتا ہے کہ یہ سورہ اس کے بعد کسی اور زمانہ میں نازل ہوئی ہے۔

تمام (٦)۔ محدثین کا اس پر اتفاق ہے کہ فترۃ الوحی یعنی سلسلہ وحی کے رک جانے (فترہ) کے بعد سب سے پہلے سورہ مدثر کی آیتیں نازل ہوئیں۔ آپ ﷺ حرا سے واپس آ رہے تھے کہ راہ میں ایک آواز سنائی دی۔ آپ ﷺ نے ادھر ادھر دیکھا، کچھ نظر نہ آیا، اوپر دیکھا تو وحی فرشتہ نظر آیا، آپ ﷺ حضرت خدیجہؓ کے پاس آئے تو کہا مجھے کمبل اوڑھا دو، اور مجھ پر ٹھنڈا پانی ڈالو۔ اسی حالت میں یہ آیتیں نازل ہوئیں:

---

(١)۔ بخاری واقعہ افك۔ (٢)۔ مسند ابن حنبل بسند عائشہؓ و مستدرك حاکم تفسیر سورئہ مزمل۔ (٣)۔ صحیح بخاری و جامع ترمذی تفسیر سورئہ نساء۔ (٤)۔ صحیح بخاری کتاب الحج و باب

کیف نزول الوحی۔ (٥)۔ صحیح مسلم باب عرق النبی ﷺ۔ (٦)۔ اس کے برخلاف صرف حضرت جابرؓ کی حدیث ہے۔ (بخاری باب بدء الوحی و باب کیف نزول الوحی کہ انہوں نے آنحضرت ﷺ سے سنا کہ سب سے پہلی وحی میں سورئہ مدثر کی یہ آیتیں نازل ہوئیں مگر اجماع عام یہ ہے کہ یہ حضرت جابرؓ کا وہم ہے وہ آیتیں فترہ وحی کے بعد سب سے پہلے اتریں۔

یایھا المدثر قم فانذر و ربك فکبر۔(سورئہ مدثر)

اے گلیم پوش! اٹھ اور لوگوں کو خدا سے ڈرا۔ اپنے رب کی کبریائی بیان کر۔

اس کے بعد مسلسل وحی نازل ہونی شروع ہوگئی (١)۔ اور اس کا تار اس وقت تک نہ ٹوٹا جب تک حیات طیبہ کا ظاہری سلسلہ منقطع نہ ہوگیا۔ یعنی چالیس برس کے سن سے لے کر تریسٹھ سال کے سن تک کل ٢٣ برس نزول وحی کے ہیں۔ حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے آخر عمر میں وحی کی کثرت ہو گئی تھی۔ (٢)۔ محدثین نے اس کی وجہ یہ بتائی ہے کہ چونکہ مسلمانوں کی کثرت ہو گئی تھی، اطراف ملک سے وفود کا سلسلہ جاری ہو گیا تھا، احکام اور لوگوں کے استفسارات بڑھ گئے تھے۔ اس لئے مخاطبہ الٰہی کی ترقی بھی اس کے ساتھ ضروری تھی۔

صحابہؓ کرام وفات نبوی ﷺ کے بعد جب ان ایام سعادت کو یاد کرتے تھے، جب مدینہ کی گلیاں روح الامین کی گزرگاہ اور مدینہ کے در و دیوار وحی کے مطلع انوار تھے تو ان کی آنکھیں اشک آلود ہو جاتی تھیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا معمول تھا کہ جمعہ کی نماز کے بعد ایک بوڑھی صحابیہ تھیں ان کی ملاقات کو تشریف لے جاتے تھے۔ آپ ﷺ کی وفات کے بعد حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ ان کے گھر تشریف لے گئے۔ دیکھا کہ ان کی آنکھوں سے آنسو جاری ہیں۔ سبب دریافت کیا تو کہا آہ! کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم وفات پا گئے اور وحی کا سلسلہ منقطع ہوگیا، یہ

سن کران صاحبوں کی آنکھوں سے بھی آنسو جاری ہو گئے۔(۳)۔

قرآن مجید نے وحی کی حقیقت کو اس قدر بلند کیا ہے کہ وہ نبوت کی مرادف ہو گئی ہے۔دنیا کے دوسرے مذاہب میں نبوت کی حقیقت یا تو سراسر مفقود ہے اور یا یہ کہ اس کو انسانیت اور بشریت کے پرتو سے اس قدر منزہ سمجھا ہے کہ اس کو الوہیت کا ہم رتبہ قرار دے دیا ہے، لیکن قرآن مجید نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو کئی دفعہ اس اعلان کی تاکید کی ہے۔

قل انما انا بشر مثلکم یوحی الی انما ھو الھکم اله واحد۔(کہف و فصلت)

کہہ دو کہ میں تمہاری ہی طرح ایک آدمی ہوں۔فرق یہ ہے) کہ میرے پاس وحی بھیجی جاتی ہے کہ تمہارا خدا ایک ہے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جو کچھ خدا کی طرف سے لوگوں کو سناتے تھے، وہ چیز آپ ﷺ کے نفس وارادہ سے نہیں اٹھتی تھی بلکہ خدا کی طرف سے ان کے اندر آتی تھی۔

وما ینطق عن الھوی ان ھو الا وحی یوحی(نجم:۱)

وہ خواہش نفس سے نہیں بولتا بلکہ وہ وحی ہے جو اس کو بھیجی جاتی ہے۔

البتہ اس کا مورد اور مہبط آپ کا پاک اور منزہ قلب تھا۔

فانه' نزله علی قلبك باذن الله(بقرہ:۱۲)

اسی نے اس کو تمہارے قلب پر خدا کے حکم سے اتارا ہے۔

(۱)۔صحیح بخاری باب بدء الوحی تفسیر سورئہ بدر۔ (۲)۔صحیح بخاری باب کیف نزول الوحی۔ (۳)۔صحیح مسلم فضائل حضرت ام ایمنؓ

نزل به الروح الامین علی قلبك۔(شعراء:۱۱)

روح الامین نے اس کو تیرے قلب پر اتارا ہے۔

اور یہی مجموعہ وحی آپ ﷺ کی نبوت کا بڑا معجزہ ہے۔ ارشاد ہوا کہ دنیا میں کوئی پیغمبر نہیں آیا لیکن اس کو ایسی چیز دی گئی جس کو دیکھ کر لوگ ایمان لائے لیکن مجھے جو چیز دی گئی وہ وحی ہے جو مجھ پر اتاری گئی۔(۱)۔

سرمایہ وحی کی بدولت اسلام کو ہاتھ آئی وہ قرآن کی صورت میں مسلمانوں کے سینوں اور سفینوں میں اب تک محفوظ ہے۔اس کے علاوہ جو کچھ ہے وہ گنج گرانمایہ حدیث صحیح کے اوراق میں مخزون ہے۔حدیث میں ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا۔ ''مجھے قرآن عطاء گیا اور اتنا ہی اور (۲)۔'' یعنی وہ احکام و مواعظ جن کو جان نثاروں نے حرزجان بنا کر رکھا اور دوسروں کو سپرد کیا۔یعلیؓ بن امیہ صحابی حجتہ الوداع کے زمانہ کا واقعہ بیان کرتے ہیں کہ جعرانہ میں آپ ﷺ تھے کہ ایک شخص نے آ کر سوال کیا' یا رسول ﷺ اللہ! آپ ﷺ اس شخص کے بارے میں کیا حکم دیتے ہیں جس نے کپڑوں میں خوشبو مل لینے کے بعد احرام کی نیت کی؟ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کسی قدر انتظار کیا۔آپ ﷺ پر وحی کی کیفیت طاری ہوئی جب وہ کیفیت زائل ہوئی تو آپ ﷺ نے دریافت کیا کہ وہ آدمی کہاں گیا؟ لوگ اس کو سامنے لائے۔آپ ﷺ نے فرمایا۔''جو خوشبو تم مل چکے ہو اس کو تین دفعہ دھو ڈالو اور اس کپڑے کو اتار ڈالو' پھر حسب معمول عمرہ ادا کرو۔(۳)۔

ایک حدیث میں ہے کہ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا۔روح القدس نے میرے دل میں یہ ڈالا ہے کہ کوئی انسان اس وقت تک مر نہیں سکتا جب تک وہ اپنی روزی پوری نہ کرے' تو لوگو خدا سے ڈرو اور روزی کی تلاش میں صحیح طریقہ کو کام میں لاؤ' رزق میں تاخیر تمہیں اس پر آمادہ نہ کرے کہ گناہ کے ذریعوں سے روزی تلاش کرو' کیونکہ جو خدا کے پاس ہے وہ اس کی بندگی ہی سے مل سکتا ہے۔(۴)۔حضرت ابوذرؓ سے روایت ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا۔مجھ سے جبرائیل نے کہا کہ آپ ﷺ کی امت

میں جو شخص اس حال میں مرا کہ اس نے کسی کو خدا کا شریک نہیں کیا تو وہ جنت میں داخل ہوگا۔

(۵)۔اور بہت سی حدیثیں ہیں جن میں یہ تصریح ہے کہ خدا نے مجھے حکم دیا ہے یا خدا نے مجھ سے یہ کہا ہے لیکن وہ قرآن مجید کے اجزا نہیں ہیں۔اسی لئے فقہاء نے وحی کی دو قسمیں کر دی ہیں۔وحی متلو یعنی وہ وحی جو تلاوت کی جاتی ہے یعنی قرآن' وحی غیر متلو جو تلاوت نہیں کی جاتی 'مثلاً وہ احکام و نصائح جو بروایت صحیح احادیث میں مذکور ہیں۔پہلی وحی کی خصوصیت یہ ہے کہ اس کا ایک ایک حرف تواتر روایت سے ثابت ہے اور وہ اپنے لفظ و معنی دونوں کے لحاظ سے خدا کا کلام ہے' دوسری قسم تواتر سے بہت کم مروی ہے اور وہ اپنے الفاظ کے لحاظ سے خدا کا کلام نہیں بلکہ اپنے معنی کے لحاظ سے خدا کا ارشاد ہے۔

---

(۱)۔صحیح بخاری باب کیف نزول الوحی و صحیح مسلم کتاب الایمان۔ (۲)۔ابوداؤد کتاب السنۃ۔ (۳)۔صحیح بخاری باب نزول القرآن۔ (۴)۔مستدرك حاکم ج ۲ (۵)۔حیدر آباد۔ (۶)۔صحیح بخاری کتاب الجنائز باب بدر الخلق۔

نزول ملائکہ

اللہ یصطفی من الملئکہت رسلا (الحج)

لفظ "ملائکہ" کا واحد "ملاک" ہے جو عربی قاعدہ سے "ملک" ہو گیا ہے۔ یہ الوکتہ سے مشتق ہے، جس کے معنی پیغام کے ہیں، اس لئے ملائکہ کے معنی پیغام رساں اور قاصد کے ہیں۔

ملائکہ الٰہی خالق اور مخلوق کے درمیان قاصد ہیں۔ قرآن مجید نے متعدد مقامات پر ان کو رسل اور رسل اللہ یعنی قاصدان الٰہی کہا ہے:

اللہ یصطفی من الملئکہت رسلا (الحج: ۱۰)

خدا فرشتوں میں سے اپنے پیغامبر منتخب کرتا ہے۔

علاوہ ازیں یہ خدا کے حکم سے عالم کی مشین کے پرزوں کو ہلاتے اور چلاتے ہیں اور اسی لئے خدا نے ان کو "مدبرات امر" کے نام سے بھی یاد کیا ہے (سورہ والنازعات) ان کی مخصوص صفت یہ ہے کہ خدا کے سراپا مطیع ہیں اور اس کے کسی امر یا اشارہ سے کبھی روگردانی نہیں کرتے۔

علیھا ملئکہت غلاظ شداد لا یعصون اللہ ما امرھم و یفعلون ما یومرون۔ (تحریم: ۱)

اس پر سخت اور مضبوط فرشتے ہیں، اللہ ان کو جو حکم دیتا ہے وہ اس سے روگردانی نہیں کر سکتے اور وہی کرتے ہیں جو ان کو حکم دیا جاتا ہے۔

انبیاء علیہم السلام کی تمام سیرتیں فرشتوں کی آمد ان کی بشارت اور نصرت سے معمور ہیں۔ توراہ اور انجیل۔ قرآن ہر کتاب الٰہی ان کے کارناموں کی شاہد ہے۔ حضرت آدمؑ کی بارگاہ میں انہوں نے سجدہ کیا۔ حضرت ابراہیمؑ کے مہمان خانہ میں یہ بھیجے گئے۔ حضرت لوطؑ کی حفاظت اور ان کی قوم کی بربادی پر یہ مامور ہوئے۔ حضرت

حاجرہؑ کو بیابان میں یہ نظر آئے۔حضرت یعقوبؑ کے خیمہ میں ان کا دنگل ہوا۔ حضرت ایوبؑ کے مناظرہ جبرو اختیار میں حکم یہ قرار پائے۔حضرت زکریاؑ اور مریمؑ کو بشارت انہوں نے دی۔آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت اقدس میں بھی یہ مختلف فرائض پر مامور ہوئے۔ یہ آپ ﷺ کی خدمت میں احکام الٰہی کے قاصد تھے' دشمنوں سے وجود اقدس کی محافظت ان کے سپرد تھی۔کمزور اور ناتواں مسلمانوں کی دستگیری ان کا فرض تھی۔ملائکہ کے سرخیل جبریلؑ ہیں اور وہی خدا اور پیغمبروں کے درمیان سفارت پر مامور ہیں' اور یہی آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں بھی آکر سفارت کا فرض انجام دیتے تھے اور خدا کا پیغام پہنچاتے تھے۔

نزول جبریلؑ ::

''جبریل'' کا عبرانی لفظ ہے جس کے لغوی معنی ''مرد خدا'' کے ہیں' لیکن اصطلاح شریعت میں اس فرشتہ کا نام ہے جو خدا اور خاصان خدا کے درمیان پیامبری کی خدمت انجام دیتا ہے۔توراۃ اور انجیل میں بھی یہ نام اسی حیثیت سے مستعمل ہوا ہے چنانچہ دانیال (۸'۱۶'۹'۲۱) میں اس کی پیامبری کا بیان ہے اسی طرح انجیل (لوقا' ۱۹'۲۶) میں مذکور ہے کہ وہ حضرت زکریاؑ کے پاس حضرت یحییٰؑ کی بشارت اور حضرت مریمؑ کے پاس حضرت عیسیٰؑ کی بشارت لے کر آیا تھا۔قرآن مجید نے بتایا ہے کہ وہ پیامبر جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور خدا کے درمیان وحی کا ایلچی تھا وہ یہی جبریلؑ تھا۔

من کان عدوا لجبریل فانہ' نزلہ' علی قلبك باذن اللہ۔ (بقرہ:۱۲)

جو جبریل کا دشمن ہو وہ ہو' کیونکہ (اے پیغمبر) اس نے خدا کے حکم سے تیرے دل پر اس کو نازل کیا ہے۔

اور کہیں اس کو الروح الامین (امانت دار روح) سے تعبیر کیا ہے۔

نزل به الروح الامین. علی قلبك لتکون من المنذرین۔(شعراء: ۱۱)

امانت دار روح اس کو لے کر تیرے دل پر اتری' تا کہ لوگوں کو خدا کے خوف سے ڈرانے والوں میں ہو۔

سورہ نحل میں اس کو روح القدس (پاکی کی روح) کہا گیا ہے۔

قل نزله روح القدس من ربك بالحق۔(نحل: ۱۴)

کہہ دے کہ اس کو روح القدس نے تیرے پروردگار کی طرف سے سچائی کے ساتھ اتارا ہے۔

رسول (فرستادہ) کا لفظ بھی اس کی شان میں استعمال کیا گیا ہے۔

انه لقول رسول کریم۔(الحاقه)

یہ تو ایک بزرگ فرستادہ کی بات ہے۔

سورہ تکویر میں اس "رسول" کے متعدد صفات کا بھی ذکر ہے۔

انه لقول رسول کریم. ذی قوہت عند ذی العرش مکین. مطاع ثم امین۔(تکویر)

یہ تو ایک بزرگ فرستادہ کی بات ہے جو قوت والا ہے اور تخت والے خدا کے حضور میں اس کا اعتبار ہے اس کی سب اطاعت کرتے ہیں اور وہ امانت والا ہے۔

سورہ نجم میں اس کے کچھ اور صفات بھی مذکور ہیں۔

علمه' شدید القوی ذومرہت فاستوی (نجم)

اس پیغمبر کو بڑی قوتوں والے اور بڑی طاقت والے نے تعلیم دی۔

آغاز وحی کے واقعہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جبریل کے لئے ''الملک'' کا لفظ فرمایا ہے اور ورقہ نے اس کو ناموس کے لفظ سے ادا کیا ہے۔ **ملک** کی اصل جیسا کہ ابتداء میں بتایا جاچکا ہے'ملاک جو الوکتہ سے نکلا ہے اور جس کے معنی پیام کے ہیں' اس لئے **ملک** کے معنی پیامبر کے ہوئے اور لفظ ناموس کے معنی محرم اسرار اور رازداں کے ہیں۔ بہر حال یہ تمام مختلف الفاظ اور عنوانات ایک ہی مفہوم ومعنی کو ادا کرتے ہیں۔ قرآن مجید میں جبریل کا نام تین مقام پر آیا ہے۔ دو جگہ سورہ بقرہ میں اور ایک جگہ سورہ تحریم میں' لیکن اس خصوصیت کے ساتھ کہ وہ وحی محمدی کے پیامبر اور قرآن کے حامل ہیں' صرف ایک ہی موقع پر قرآن مجید نے اس نام سے ان کو یاد کیا ہے اور وہ اس آیت میں:

من کان عدوا لجبریل فانہ نزلہ علی قلبک باذن اللہ۔ (بقرہ:۱۳)

جو جبریل کا دشمن ہو وہ ہو' کیونکہ اس نے تو تیرے قلب پر خدا کے حکم سے اس کو اتارا ہے۔

دوسری آیتوں میں قرآن مجید نے حامل قرآن فرشتہ کی تعبیر (جیسا کہ ہم اوپر لکھ آئے ہیں۔)

اور رسول کریم کے الفاظ سے کی ہے' لیکن احادیث اور روایات میں ان الفاظ کے بجائے جبریل ہی کا لفظ عام طور سے مستعمل ہوا ہے۔

ایک پیامبر کی حیثیت سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں جبریلؑ کی سب سے پہلی آمد اس وقت ہوئی ہے جب آپ ﷺ غار حرا میں معتکف تھے۔ صحیح بخاری میں حضرت عائشہؓ کی زبانی یہ واقعہ ان الفاظ میں ادا ہوا ہے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وحی کا آغاز خواب میں رویائے صالحہ سے ہوا۔ آپ ﷺ جو رویا دیکھتے تھے' وہ سپیدہ سحر کی طرح (سچا ہوکر) نمودار ہوتا تھا۔ پھر

(طبیعت مبارک میں) تخیلہ پسندیدہ کیا گیا۔ غار حرا میں جا کر آپ ﷺ تنہا کچھ دن بسر کرتے تھے اور عبادت میں مصروف رہتے تھے۔ کھانے پینے کی چیزیں ساتھ لے جاتے تھے' جب وہ سامان ختم ہو جاتا تو گھر واپس آتے اور پھر نیا سامان لے کر غار میں چلے جاتے۔ یہاں تک کہ حق آپ ﷺ کے سامنے آ گیا اور فرشتہ آپ ﷺ کے سامنے آ گیا اور اس نے کہا "پڑھ" آپ ﷺ نے فرمایا۔ "میں پڑھا نہیں ہوں۔" آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ مجھ کو پکڑ کر اتنا دبایا کہ وہ تھک گیا۔ پھر مجھے چھوڑ دیا اور کہا کہ "پڑھ" میں نے پھر وہی جواب دیا۔ اس نے مجھے اتنا دبایا کہ وہ تھک گیا اور چھوڑ دیا اور کہا پڑھ۔ میں نے پھر کہا کہ میں پڑھا نہیں ہوں۔ اس نے تیسری دفعہ دبایا اور چھوڑ دیا اور کہا:

اقرا باسم ربك الذی خلقلا خلق الانسان من علق.

اقرا و ربك الاکرم الذی علم بالقلم علم الانسان

مالم یعلم۔(علق)

اپنے پروردگار کے نام سے پڑھ جس نے انسان کو جمے ہوئے خون سے پیدا کیا' پڑھ اور تیرا پروردگار بڑا بزرگ ہے جس نے قلم کے ذریعہ سے سکھایا اور انسان کو وہ کچھ تعلیم کی جو نہیں جانتا تھا۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان آیتوں کے ساتھ واپس گھر آئے' قلب مبارک پر لرزہ تھا۔ حضرت خدیجہؓ کے پاس آئے اور فرمایا۔ "مجھے کمبل اوڑھاؤ' مجھے کمبل اوڑھاؤ۔" انہوں نے آپ ﷺ کو کمبل اوڑھایا۔ جب آپ ﷺ کو سکون ہوا تو حضرت خدیجہؓ سے تمام ماجرا بیان کر کے فرمایا کہ "مجھے اپنی جان کا خطرہ ہے۔" حضرت خدیجہؓ نے کہا کہ ہرگز آپ ﷺ کی جان کو خطرہ نہیں۔ خدا آپ ﷺ کو کبھی رسوا نہ کرے گا۔ آپ ﷺ قرابت داروں کا حق ادا کرتے ہیں' لوگوں کے بوجھ کو

آپ ﷺ خود اٹھاتے ہیں۔ فقیروں اور مسکینوں کی مدد کرتے ہیں۔ مسافروں کی مہمان نوازی کرتے ہیں' انصاف کی خاطر آپ ﷺ لوگوں کی مصیبتوں میں کام آتے ہیں۔ پھر آپ ﷺ کو لے کر وہ ورقہ بن نوفل کے پاس گئیں جو زمانہ جاہلیت میں عیسائی ہو گئے تھے اور عبرانی کا عربی لکھنا جانتے تھے (شاید توراہ سے مراد ہو) اور انجیل کو عبرانی یا عربی میں لکھتے تھے (۱)۔ اور بہت بڈھے تھے اور آنکھوں کی روشنی بھی جاتی رہی تھی۔ حضرت خدیجہؓ نے کہا کہ ''اے ابن عم! اپنے بھتیجے کا ماجرا سنیئے۔'' ورقہ نے کہا۔ ''اے

---

(۱)۔ دو روایتیں ہیں ایک میں ہے کہ عبرانی میں لکھتے تھے اور دوسری روایت میں ہے کہ عربی میں لکھتے تھے۔

میرے بھتیجے بتاؤ تم کیا دیکھتے ہو؟'' آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جو کچھ دیکھا تھا بیان فرمایا۔ ورقہ نے کہا۔ ''یہ وہی ناموس (محرم اسرار) ہے جو موسیٰؑ پر اتارا گیا تھا' اے کاش کہ میں اس وقت جوان ہوتا' اے کاش کہ میں اس وقت زندہ ہوتا جبکہ تمہاری قوم تم کو نکال دے گی۔'' آپ ﷺ نے پوچھا۔ ''کیا میری قوم مجھ کو نکال دے گی؟'' اس نے جواب دیا۔ ''ہاں جو کچھ تم لے کر آئے ہو اس کو لے کر کوئی آدمی نہیں آیا جس سے لوگوں نے دشمنی نہ کی ہو' اور اگر اس زمانہ تک میں زندہ رہا تو تمہاری ہر طرح مدد کروں گا۔'' اس کے تھوڑے ہی دنوں کے بعد ورقہ نے (۱)۔ وفات پائی۔

اس کے بعد جبریلؑ کی آمد رکی رہی اور آپ ﷺ بدستور غار حرا میں جاتے رہے' اسی اثناء میں ایک دن آپ ﷺ غار حرا سے نکل کر اور پہاڑی سے نیچے اتر کر جب میدان میں پہنچے تو غیب سے ایک آواز آئی۔ آپ ﷺ نے فرمایا۔ میں نے آگے پیچھے' داہنے بائیں دیکھا' پھر نگاہ آسمان کی طرف اٹھائی تو دیکھا کہ وہی فرشتہ جو پہلے غار حرا میں نظر آیا تھا' آسمان اور زمین کے درمیان میں تخت پر بیٹھا ہے۔ میں مرعوب ہو کر گھر واپس آیا۔ اس کے بعد حضرت جبریلؑ کی پے در پے آمد شروع ہوئی۔

جبریلؑ جب وحی لے کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں آتے تو آپ ﷺ جلد از جلد اپنی زبان سے ان کے الفاظ ادا کرنے لگتے اس پر حکم ہوا۔

(۲)۔لا تحرك به لسانك لتعجل بهط ان علينا جمعه' وقرانه' (قیامہ۔۱)

وحی کے الفاظ کے ساتھ اپنی زبان کو عجلت طلبی کیلئے جنبش نہ دو

اس کی حفاظت اور قرأت کا فرض ہم پر ہے۔

اس کے بعد جب جبریلؑ نازل ہوئے تو آپ ﷺ خاموشی سے سنتے اور ان کے چلے جانے کے بعد آپ ﷺ اس کو پڑھتے۔بارگاہ نبوی ﷺ میں جبریل کے آنے کا کوئی وقت معین نہ تھا، صبح وشام، روز وشب، صلح وجنگ، ہروقت فیضان الٰہی کا چشمہ ابلتا رہتا تھا۔حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ ایک دفعہ آپ ﷺ نصف شب کو سوتے تھے کہ اٹھ کر بقیع کے قبرستان میں تشریف لے گئے۔صبح کو آپ ﷺ نے فرمایا رات جبریلؑ نے مجھے پیغام دیا کہ میں اس وقت بقیع جا کر لوگوں کی مغفرت کی دعا مانگوں۔(۳)۔غزوۂ بدر میں آپ ﷺ نے فرمایا کہ دیکھو یہ جبریل اپنے گھوڑے کی لگام تھامے کھڑے ہیں۔(۴)۔غزوۂ خندق سے جب مسلمانوں کی فوج لے کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم واپس آئے اور ہتھیار کھول کر غسل فرمایا تو جبریلؑ نے سامنے آ کر کہا کہ آپ ﷺ نے ہتھیار کھول دیئے۔حالانکہ ہم اب تک مسلح ہیں اور بنوقریظہ کو بھی ان کی غداری کا صلہ دینا ہے۔(۵)۔بایں ہمہ سب سے زیادہ جبریلؑ کی آمد آپ ﷺ کے پاس ماہ رمضان میں ہوتی تھی، جس میں وہ ہر روز آ کر آپ ﷺ سے قرآن مجید سنتے تھے اور خود آپ ﷺ کو سناتے تھے۔(۶)۔

---

(۱)۔صحیح بخاری بدء الوحی و کتاب التفسیر سورۃ مدثر میں یہ واقعہ پورا مفصل مذکور ہے۔میں نے ان تینوں روایتوں کو تسلسل کیلئے یکجا کر دیا ہے۔چونکہ استاد مرحوم نے جلد اول میں ان تفصیلات کو قلم انداز کر دیا تھا اس لئے یہاں ان کے لکھنے کی ضرورت ہوئی۔ (۲)۔صحیح بخاری باب بدء الوحی۔ (۳)۔نسائی

باب الاستغفا للمؤمنین۔ (۴)۔ صحیح بخاری غزوہ بدر۔ (۵)۔ صحیح بخاری غزوہ خندق۔ (۶)۔ صحیح بخاری باب بدء الوحی۔

جبریلؑ اس وقت بھی آتے تھے جب آپ ؐ لوگوں کے مجمع میں بیٹھے ہوتے تھے' لیکن جو کچھ آپ دیکھتے اور سنتے تھے وہ عموماً اوروں کو دکھائی اور سنائی دیتا تھا۔ ایک دفعہ آپ ؐ نے حضرت عائشہؓ کے ساتھ بیٹھے ہوئے تھے آپ ؐ نے فرمایا۔ ''اے عائشہؓ! جبریلؑ تم پر سلام بھیجتے ہیں۔'' انہوں نے کہا یا رسول ؐ اللہ! آپ ؐ وہ دیکھتے ہیں جو میں نہیں دیکھتی۔ (۱)۔ توراہ میں انبیائے بنی اسرائیل کے قصوں میں اس فرشتہ غیب کے تجسم اور تشکل کے بکثرت واقعات مذکور ہیں۔ انجیل میں ہے کہ روح القدس کبوتر کی شکل میں حضرت عیسٰیؑ پر اترے۔ حضرت ابو ہریرہؓ روایت کرتے ہیں کہ ایک دن آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم لوگوں کے ساتھ باہر بیٹھے تھے کہ اتنے میں ایک شخص آ کر آپ ؐ کے پاس بیٹھا اور سوال کیا کہ ایمان کیا ہے؟ آپ ؐ نے فرمایا۔ ''ایمان یہ ہے کہ خدا پر' اس کے فرشتوں پر' خدا سے ملنے پر اور اس کے پیغمبروں پر اور قبر سے پھر جی اٹھنے پر تم یقین رکھو۔'' اس نے پھر پوچھا کہ ''اسلام کیا ہے؟'' جواب دیا کہ ''تم خدا کی اطاعت کرو اور کسی کو اس کا شریک نہ بناؤ اور نماز پڑھو' زکوٰۃ مفروضہ دو' روزے رکھو۔'' اسی نے کہا۔ ''اور احسان کیا ہے؟'' ارشاد ہوا ''احسان یہ ہے کہ تم خدا کو اس طرح پوجو کہ گویا تم خدا کو دیکھ رہے ہو' کیونکہ اگر تم اس کو نہیں دیکھتے تو وہ تمہیں دیکھ رہا ہے۔'' اس نے پھر سوال کیا'' کہ قیامت کب آئے گی؟'' آپ ؐ نے فرمایا مجیب اس باب میں سائل سے زیادہ واقف نہیں' البتہ میں تمہیں اس کی علامتیں بتاتا ہوں' جب لونڈی اپنے آقا کو جنے اور جب اونٹوں کے چرانے والے بڑی بڑی عمارتیں بنانے لگیں' قیامت کا علم ان پانچوں باتوں میں ہے جن کو خدا کے سوا اور کوئی نہیں جانتا (۲)۔ پھر آپ ؐ نے یہ آیت تلاوت کی۔

ان اللہ عندہ علم الساعۃ۔

قیامت کا علم خدا ہی کو ہے۔

وہ شخص اس کے بعد اٹھ کر چلا تو آپ نے صحابہؓ سے فرمایا کہ ذرا اس کو واپس بلا لو' لوگوں نے ادھر ادھر دیکھا تو کچھ نظر نہ آیا۔ "یہ جبریلؑ تھے جو تمہیں تمہارا دین سکھانے آئے تھے۔"

صحابہ میں دحیہؓ نامی ایک صحابی بہت حسین تھے۔ جبریل اکثر ان ہی کی صورت میں مجسم ہو کر آیا کرتے اور اس حالت میں کبھی کبھی لوگوں کو نظر بھی آ جاتے تھے۔ حضرت ام سلمہؓ کہتی ہیں کہ ایک دفعہ میں نے دیکھا کہ دحیہ آپ ﷺ کے سامنے بیٹھے آپ ﷺ سے باتیں کر رہے ہیں۔ مجھے کچھ بھی شک نہ ہوا کہ یہ دحیہ نہیں ہیں۔ اتنے میں مسجد نبوی ﷺ میں' میں نے آپ ﷺ کے خطبہ کی آواز سنی کہ آپ ﷺ فرما رہے تھے کہ ابھی میرے پاس جبریل آئے' ام سلمہؓ کہتی ہیں۔ تب میں سمجھی کہ وہ اصل میں دحیہ نہیں بلکہ جبریل امین تھے۔ (۳)۔

حضرت عائشہؓ بیان کرتی ہیں کہ جبریلؑ کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کی اصلی شکل میں دو دفعہ ملاحظہ فرمایا۔ (۴)۔ ایک دفعہ تو معراج میں سدرۃ المنتہی کے پاس اور دوسری دفعہ ایک اور مقام پر وہ آسمان کے کناروں میں نظر آئے' سورہ نجم کی یہ آیتیں اسی کے متعلق ہیں۔

علمه شديد القوى. ذو مرة فاستوى وهو

بڑی قوتوں والے' طاقتور نے اس کو سکھایا' پھر وہ

---

(۱)۔ صحیح بخاری باب بدء الوحی۔ (۲)۔ صحیح بخاری باب الایمان۔ (۳)۔ صحیح بخاری کیف نزول الوحی۔ (۴)۔ صحیح بخاری تفسیر سورہ والنجم و صحیح مسلم معراج۔

بالافق الاعلى ثم دنا فتدلى . فكان قاب قوسين او ادنى. فاوحى الى عبده ما اوحى ما كذب الفؤاد ما راى افتمرونه على ما يرى ولقد راه نزلة اخرى

عند سیدرہت المنتھی ۔(نجم: ۱)

برابر ہوا اور وہ بہت اوپر آسمان کے کنارہ تھا' پھر قریب ہوا'
پھر لٹک آیا تو دوکمانوں کے بقدر تھا یا اس سے بھی قریب تر تو
خدا نے اپنے بندہ پر وحی کی جو وحی کی' دل نے جھوٹ نہیں بولا
جو دیکھا کیا تم لوگ اس سے اس کے مشاہدہ پر جھگڑتے ہو'
حالانکہ اس نے اس کو دوسری دفعہ اترتے دیکھا سدرہ المنتہی
کے پاس ۔

سورہ تکویر کی حسب ذیل آیتوں سے ظاہر ہوتا ہے کہ کفار آپ ﷺ کو مجنون اسی لئے کہتے تھے کہ آپ ﷺ اس غیر مشاہد ہستی کے مشاہدہ کا دعویٰ کرتے تھے۔

انہ لقول رسول کریم ذی قوبت عند ذی العرش مکین. مطاع ثم امین وما صاحبکم بمجنون و لقد راہ بالافق المبین ۔(تکویر)

یہ ایک بزرگ پیغام رساں کی بات ہے' قوت والا' جو عرش
والے خدا کے پاس معتبر ہے وہاں اس کی اطاعت کی جاتی
ہے۔وہ امانت دار ہے' تمہارا ساتھی (یعنی پیغمبر) مجنوں نہیں
ہے یقیناً اس کو آسمان کے کھلے کنارہ میں دیکھا۔

وہ ذوق وشوق جو حضور کو اس قاصد الٰہی کی آمد کے ساتھ تھا وہ اس آرزو کی شکل میں ظاہر ہوا کہ آپ ﷺ نے جبریلؑ سے فرمایا کہ تم اس سے بھی زیادہ میرے پاس کیوں نہیں آیا کرتے۔ جواب ملا۔

وما نتنزل الا بامر ربکج ما بین ایدینا وما خلقنا وما بین ذلکج وما کان ربك نسیا۔(مریم: ۴)

ہم تو تیرے پروردگار کے حکم سے اور اجازت سے اترتے

ہیں' ہمارے آگے اور پیچھے اور درمیان سب کا علم اسی کو ہے
اور تیرا رب بھول چوک سے پاک ہے۔

حضرت ابو ذرؓ کہتے ہیں کہ ایک دفعہ شب کو میں نکلا تو دیکھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تنہا چاندنی میں ٹہل رہے ہیں' میں سمجھا کہ شاید آپ ﷺ اس وقت تنہائی چاہتے ہیں اور کسی کا یہاں ہونا پسند نہ فرمائیں گے۔ چنانچہ اسی خیال سے میں سایہ میں ہو گیا' لیکن آپ ﷺ کی نگاہ پڑ گئی' پوچھا کون ہے؟ عرض کیا۔ آپ پر قربان' میں ہوں ابو ذر! آپ ﷺ نے ساتھ لے لیا اور تھوڑی دیر تک ٹہلتے رہے' پھر فرمایا۔ ''جو آج دولت مند ہیں وہی کل قیامت میں غریب ہوں گے لیکن وہ شخص کہ جس کو خدا نے جو دولت دی ہو وہ اس کو داہنے بائیں' آگے پیچھے پھینک دے اور اس میں نیکی کے کام کرے۔'' ابو ذرؓ کہتے ہیں کہ میں تھوڑی دیر تک ساتھ ٹہلتا رہا۔ اس کے بعد ایک خاص جگہ کی طرف اشارہ کر کے فرمایا کہ تم یہاں ٹھہرے رہو' اور یہ کہہ کر آپ ﷺ پہاڑ کی طرف گئے اور میری نگاہوں سے اوجھل ہو گئے' میں نے دور سے آواز سنی تو میں ڈرا' لیکن چونکہ آپ ﷺ نے حکم دیا تھا کہ میں اپنی جگہ سے نہ ٹلوں' اس لئے ٹھہرا رہا۔ تھوڑی دیر کے بعد آپ ﷺ سامنے سے آتے نظر آئے اور زبان مبارک سے یہ فرما رہے تھے کہ ''اگرچہ چوری کرے اور زنا کرے'' میں نے کہا یا رسول اللہ! آپ ﷺ پر قربان ہوں' آپ ﷺ پہاڑ کی اوٹ میں کس سے باتیں کر رہے تھے؟ فرمایا۔ کیا تم نے آواز سنی؟ عرض کی ہاں' فرمایا جبریلؑ تھے۔ پہاڑی کے بیچ میں مجھے نظر آئے اور کہا کہ اپنی امت کو خوشخبری سنا دیجئے کہ جو اس حال میں مرا کہ اس نے کسی کو خدا کا شریک نہ بنایا ہو وہ جنت میں داخل ہو گا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں کہ میں نے کہا یا جبریل! کیا اس نے زنا یا چوری ہی کیوں نہ کی ہو۔ جواب دیا ''ہاں!'' میں نے پھر کہا' اگرچہ زنا چوری ہی کیوں نہ کی ہو۔ وہی جواب دیا کہ ہاں! میں نے پھر کہا کہ اس نے زنا چوری ہی کیوں نہ کی ہو؟

تیسری دفعہ بھی جواب وہی تھا۔(۱)۔

فرشتہ میکائیل نزول::

جبریلؑ کے علاوہ دوسرے ملائکہ کا بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں آنا ثابت ہے۔قرآن مجید میں جبریلؑ کے علاوہ ایک دو اور فرشتوں کے بھی نام آئے جن میں سے ایک میکائیل ہیں۔یہودیوں نے قرآن کے ماننے سے اس لئے اپنا انکار ظاہر کیا تھا کہ یہ جبریلؑ کی وساطت سے نازل ہوتا ہے۔خدا نے اس کے جواب میں کہا:

من کان عدوا اللہ و ملئکتہ ورسلہ و جبریل ومیکل فان اللہ عدو للکفرین۔(بقرہ:۱۲)

جو خدا کا اور اس کے فرشتوں کا اور اس کے پیغمبروں کا اور جبریل اور میکائیل کا دشمن ہو تو خدا ان کافروں کا دشمن ہے۔

یہودیوں کے اعتقاد میں یہ عرش الہٰی کے چار مخصوص فرشتوں میں سے ایک کا نام تھا۔یہ خاص طور پر اسرائیل اور اس کے خاندان کا محافظ سمجھا جاتا تھا اور لڑائیوں میں اس کی مدد کیا کرتا تھا(دانیال ۱۰،۱۳،۲۱) عیسائیوں کے عقیدہ کے مطابق یہی فرشتہ تھا جو کوہ طور پر حضرت موسیٰ علیہ السلام سے ہمکلام ہوا تھا۔(اعمال ۷۔۳۸)

میکائیلؑ بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں کئی بار حاضر ہوئے ہیں،معراج کے موقع پر جو دو فرشتے آئے تھے وہ جبریلؑ اور میکائیلؑ تھے۔اسی طرح غزوۂ احد میں جو دو فرشتے دشمنوں سے آپ ﷺ کی حفاظت کرتے تھے وہ بھی جیسا کہ صحیح مسلم میں ہے۔جبریلؑ اور میکائیلؑ تھے،بعض روایتوں میں ہے کہ نبوت کے ابتدائی تین سالوں میں میکائیل ہی آپ ﷺ کے ساتھ تھے۔

عام ملائکہ کا نزول::

جبریلؑ اور میکائیلؑ کے ناموں کی تخصیص کے علاوہ دوسرے عام فرشتوں کا بلاتعین

نام آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں آنا بھی صحیح روایتوں سے ثابت ہے اور ان ہی کی روحانی تائیدات کا اثر تھا کہ آپ ﷺ کا دل ہر وقت سکینت الٰہی سے معمور رہتا تھا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دوش مبارک پر جب نبوت کا بار گراں رکھا گیا تو یقیناً آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو نظر آتا ہوگا کہ ایک طرف بظاہر ایک بے دست و پا انسان ہے جس کے قبضہ میں نہ سونے چاندی کے خزانے ہیں اور نہ اس کے علم کے نیچے خود اس کی ذات کے سوا کوئی دوسرا سپاہی ہے' اور دوسری طرف ایک دنیا ہے جس کے ہاتھوں میں دنیاوی دولت کے خزانے ابل رہے ہیں اور جس کے پرچم کے زیر سایہ ہزاروں اور لاکھوں کا ٹڈی دل ہر وقت حق کے مٹانے کو آمادہَ پیکار ہے۔ یہ وہ وقت تھا جب فرشتوں کو حکم پہنچا کہ میرے پیغمبر کو اپنی بشارتوں اور خوشخبری سے مطمئن کرو۔

---

(۱)۔ صحیح بخاری کتاب الرقاق

ان اللہ وملئکہت' یصلون علی النبیط یایھا الذین امنوا صلوا علیہ وسلموا تسلیما(احزاب:۷)

بے شک خدا اور اس کے فرشتے اس پیغمبر پر رحمت بھیجتے ہیں۔
اے مسلمانو! تم بھی اس پر درود وسلام بھیجو۔

رئیس قریش اپنی قوت و طاقت پر نازاں ہو کر اعلان کرتا ہے کہ روسائے قریش ہمارے ساتھ ہیں۔ پیغمبر کی طرف سے خدا منادی فرماتا ہے:

فلیدع نادیہ' سندع الزبانیہ(علق)

وہ اپنی مجلس کے لوگوں کو بلائے' ہم بھی اپنے فرشتوں کو آواز دیں گے۔

اس وقت جب منافقین آپ ﷺ کی بزم خاص میں نفاق ڈالنا اور گھر میں خانہ جنگی کے سامان بہم پہنچانا چاہتے ہیں۔ بعض ازدواج سے آپ ﷺ آزردہ ہیں تو ارشاد

ہوتا ہے:

فان اللہ ھو مولہہ وجبریل وصالح المئومنین والملئکہت بعد ذلک ظھیر۔(تحریم:۱)

تو خدا پیغمبر کا والی و ناصر ہے اور جبریل اور نیک مسلمان اور اس کے بعد فرشتے اس کے مددگار ہیں۔

ایک بار ابو جہل نے کفار سے پوچھا کہ کیا محمد ﷺ کبھی تمہارے سامنے سربسجود ہوتے ہیں۔سبھوں نے کہا "ہاں!" اس نے کہا۔لات وعزیٰ کی قسم! اگر میں ان کو سجدہ کرتے دیکھوں گا تو ان کی گردن توڑ ڈالوں گا اور ان کی پیشانی کو زمین میں رگڑ دوں گا۔ چنانچہ ایک دفعہ جب آپ ﷺ مصروف نماز تھے وہ اسی نیت سے آپ ﷺ کی طرف بڑھا،لیکن فوراً سہم کر پیچھے ہٹ گیا۔کفار نے سبب پوچھا تو اس نے بتایا کہ میرے اور محمد ﷺ کے درمیان آگ کی ایک خندق اور بہت سے پر (یعنی فرشتوں کے) حائل ہوگئے۔آپ ﷺ نے فرمایا۔"اگر وہ میرے قریب آتا تو فرشتے اس کی تکا بوٹی کر دیتے۔" قرآن مجید میں اس آیت میں:

تم نے اس شخص کو دیکھا جو ایک بندہ کو نماز سے مانع آتا ہے۔

اس واقعہ کی طرف اشارہ ہے۔(۱)۔

سفر طائف سے جب آپ ﷺ ناکام واپس آرہے تھے تو حسب اقتضائے بشری آپ ﷺ شکستہ دل تھے جب آپ ﷺ قرن الثعالب میں پہنچے اور سر اٹھایا تو دیکھا کہ ابر کا ایک لکہ سایہ فگن ہے۔اس میں آپ ﷺ کو ایک فرشتہ نظر آیا جس نے پکار کر کہا یا محمد ﷺ میں پہاڑوں پر متوکل (ملک الجبال) ہوں،آپ ﷺ کے پروردگار نے آپ ﷺ کی اور آپ کی قوم کی گفتگو سنی۔مجھے بھیجا ہے کہ اگر آپ ﷺ حکم دیں تو میں پہاڑوں کے نیچے ان کو کچل ڈالوں۔فرمایا "شاید ان کی نسل سے کوئی خدا کا پرستار پیدا ہو۔(۲)۔"

اسلام کی تاریخ میں ابتلاء و امتحان کا سب سے زیادہ سخت اور سب سے پہلا موقع غزوۂ بدر میں پیش آیا۔ مسلمانوں کی تعداد تین سو انیس آدمیوں سے زیادہ نہ تھی' لیکن اس شرذمۂ قلیلہ کے مقابلہ کے لئے کفار کا ٹڈی دل اُمڈ ہوا چلا آتا تھا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جب اس منظر کو دیکھا تو قبلہ رو ہو کر درگاہ الٰہی میں دعا کے لئے ہاتھ اٹھائے' دفعتاً ایک ہزار فرشتوں کی روحانی فوج مسلمانوں کی صف جنگ میں آ کر کھڑی ہو گئی۔

(۱)۔ صحیح مسلم باب قولہ' تعالی و کان اللہ لیعذبھم۔ (۲)۔ صحیح بخاری باب ذکر الملائکہ و صحیح مسلم غزوئہ احد۔

قرآن مجید میں ہے:

اذ تستغیثون ربکم فاستجاب لکم ان ممدکم بالف من الملئکۃ مردفین۔ (انفال: ۱)

جب تم نے خدا سے فریاد کر رہے تھے تو خدا نے تمہاری فریاد کو سنا اور کہا کہ میں ایک ہزار ہمرکاب سواروں سے تمہاری مدد کرتا ہوں۔

اس فوج نے جس طرح مسلمانوں کی مدد کی' اس کی کیفیت عبداللہ بن عباسؓ نے اس طرح بیان کی ہے کہ ایک مسلمان ایک کافر کا تعاقب کر رہا تھا کہ اس نے کافر کے اوپر سے کوڑے کی آواز سنی اور سوار کو یہ کہتے ہوئے سنا کہ "آگے بڑھا اے حیزوم۔" یہ کہنا تھا کہ کافر چت زمین پر گر پڑا۔ مسلمانوں نے آگے بڑھ کر دیکھا تو اس کی ناک میں سوراخ ہو گیا تھا جس میں نکیل لگی ہوئی تھی اور تمام چہرہ پھٹ گیا تھا اور اس میں نیلی بدھیاں پڑ گئی تھیں ان صحابی نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں اس واقعہ کو بیان کیا۔ آپ ﷺ نے فرمایا سچ کہتے ہو یہ تیسرے آسمان کی مدد ہے۔ (۱)۔

غزوہ احد میں بھی مسلمانوں کی تعداد کفار کے مقابلہ میں بہت کم تھی' مسلمانوں کو یہ

دیکھ کر اضطراب ہوا لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تسلی دی کہ "اپنی قلت تعداد اور بے سروسامانی پر نہ جاؤ' خدا اپنے ہزاروں فرشتوں سے تمہاری مدد کرے گا۔" خدا نے کہا کہ ہاں بے شک اگر مسلمان جرت و ہمت اور صبر سے کام لیں گے تو میں پانچ ہزار فرشتوں کی فوج ان کی مدد کو اتاروں گا۔ سورۂ آل عمران میں اللہ تعالیٰ نے اس واقعہ کو بہ تفصیل بیان کیا ہے:

اذ تقول للمئومنین الن یکفیکم ان یمد کم ربکم بثلثہت الاف من الملئکہت منزلین بلی ان تصبروا وتتقوا و یاتوکم من فورھم ھذا یمدد کم ربکم بخمسہت الاف من الملئکہت مسومین وما جعلہ اللہ الا بشری لکم ولتطمئن قلوبکم بہ وما النصر الا من عنداللہ۔ (آل عمران: ۱۳)

اے پیغمبر! جب تم مسلمانوں سے کہتے تھے کہ کیا تم کو یہ بس نہیں کرتا کہ خدا تین ہزار فرشتوں سے تمہاری مدد کرے گا ہاں بے شک اگر تم صبر کرو اور تقوی کرو اور تمہارے دشمن بڑے زوروں سے بڑھ کر آئیں تو وہ پانچ ہزار بہادر فرشتوں سے تمہاری مدد کرے گا خدا نے اس وعدہ کو تمہارے لئے ایک خوشخبری بنا دیا اور تا کہ تمہارے دلوں میں طمانیت پیدا ہو (وہ تو خدا ہی کے پاس سے آتی ہے۔)

لیکن جب جنگ شروع ہوئی تو مسلمانوں کے ہاتھوں سے صبر کا سر رشتہ چھوٹ گیا' اس لئے خدا کے وعدۂ نصرت سے وہ محروم رہ گئے' مگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے وجود اقدس کی حفاظت کے لئے دو فرشتے ساتھ تھے' حضرت سعدؓ بن ابی وقاص فرماتے ہیں۔

(۱)۔ صحیح مسلم ج ۲ کتاب الجہاد' باب امداد الملائکہ۔ (۲)۔ صحیح بخاری ج ۲ باب غزوہ احد صفحہ ۵۸۰

''میں نے غزوۂ احد میں دو سفید پوش آدمیوں کو دیکھا جو آپ ﷺ کی طرف سے سخت جانبازی کے ساتھ لڑ رہے تھے اور میں نے ان کو نہ اس سے پہلے دیکھا تھا' نہ اس کے بعد دیکھا۔(۱)۔''

صحیح مسلم کی روایت میں تصریح ہے کہ یہ دونوں فرشتے جبریلؑ و میکائیلؑ تھے۔

(۲)۔غزوہ احد کے بعد غزوۂ خندق پیش آیا۔ اس غزوہ میں بھی مسلمانوں کی بے چارگی اور بے سرو سامانی کا وہی عالم تھا۔ اسلامی فوج کی رسد کی یہ کیفیت تھی کہ خود مقدس سپہ سالار اپنے سپاہیوں کے ساتھ کئی وقت کا بھوکا تھا' لیکن اللہ تعالیٰ نے اپنی وہ روحانی فوج نازل کی جو بھوک اور پیاس سے بے نیاز ہے۔ سورۂ احزاب میں اللہ تعالیٰ مسلمانوں پر اپنا احسان جتاتا ہے۔

یایھا الذین امنوا اذکروا نعمتہ اللہ علیکم اذ جاء تکم جنود فارسلنا علیھم ریحا و جنودا لم تروھا و کان اللہ بما تعملون بصیرا۔(احزاب:۲)

اے ایمان والو! خدا کے اس احسان کو یاد کرو کہ جب کفار نے تم کو آ کر گھیر لیا تو ہم نے ان پر بھی ہوا بھیجی اور فوج کو بھیجا جس کو تم نے نہیں دیکھا اور اللہ تعالیٰ تمہارے کاموں کو دیکھ رہا تھا۔

حضرت ابو ذرؓ سے جو قدیم الاسلام صحابی تھے' روایت ہے کہ ایک دفعہ انہوں نے دریافت کیا کہ یا رسول اللہ آپ ﷺ کو پہلے پہل کیونکر معلوم ہوا کہ آپ ﷺ پیغمبر ہیں۔ فرمایا۔ میں ایک دفعہ جا رہا تھا کہ آسمان سے دو فرشتے اترے' ایک آسمان کی طرف گیا اور ایک زمین پر آیا۔ ایک نے دوسرے سے پوچھا کہ کیا یہ وہی ہے؟ دوسرے نے کہا۔ ہاں یہ وہی ہے۔ پھر اس نے کہا ان کو ایک آدمی سے تولو تو میرا پلہ

علیہ وآلہ وسلم کی نبوت ورسالت کی ایک تمثیل بیان کی اور کہا کہ یہ وہ پیغمبر ہے جس کی آنکھیں گویا سوتی ہیں' مگر دل ہوشیار رہتا ہے۔ اس کے بعد وہ چلے گئے' آپ ﷺ بیدار ہوئے تو فرمایا ان لوگوں نے جو باتیں کہیں وہ میں نے سنیں' تم جانتے ہو کہ یہ کون تھے؟ عرض کی خدا اور خدا کا رسول زیادہ جانتے ہیں' فرمایا یہ فرشتے تھے ان کی تمثیل کی تفسیر یہ ہے۔(۱)۔

حضرت حذیفہؓ کہتے ہیں کہ ایک دفعہ نماز عشاء پڑھ کر آپ ﷺ چلے تو میں آپ ﷺ کے پیچھے ہولیا۔ فرمایا۔ ''کون! حذیفہ'' عرض کی ''جی ہاں۔'' فرمایا۔ آج وہ فرشتہ مجھ پر اترا جو آج تک زمین پر نہیں اترا تھا۔ اس نے خدا سے اذن مانگا کہ وہ میرے پاس آ کر مجھے یہ بشارت سنائے کہ ''فاطمہؑ'' جنتی بیبیوں کی اور حسنؑ اور حسینؑ جنتی جوانوں کے سردار ہیں۔(۲)۔

---

(۱)۔ ترمذی ابواب الامثال۔ امام ترمذی نے اس حدیث کو حسن غریب صحیح کہا ہے۔ (۲)۔ ترمذی مناقب حسینؑ' حدیث حسن غریب۔

عالم رویاء

لقد صدق اللہ رسولہ الرویا بالحق (فتح)

رویاء اور خواب درحقیقت نفس یا روح کے عجائبات کا ایک حیرت انگیز طلسم ہے' علمائے نفس کہتے ہیں کہ اس کی حقیقت یہ ہے کہ انسان کے قوائے نفسی و دماغی ہر وقت اور ہر آن اپنے ذہنی اعمال میں مصروف رہتے ہیں۔ جب وہ سو جاتا ہے اور اس کے ظاہری حواس بے کار ہو جاتے ہیں' اس وقت بھی ان کے فکر و نظر کا عمل جاری رہتا ہے۔ مگر چونکہ عموماً انسان عمیق اور پر سکون نیند سوتا ہے' اس لئے جاگنے کے بعد اس کو اپنی حالت خواب کا احساس نہیں ہوتا لیکن کبھی کبھی جب اس کی نیند مستغرق اور گہری نہیں ہوتی تو اس کو اپنی گذشتہ سیر دماغی کے مکمل یا نامکمل مناظر یاد رہ جاتے ہیں' اسی کا نام خواب ہے۔

یہ تو فلسفہ قدیمہ کا فرسودہ خیال تھا۔ اب جدید عہد ترقی میں سائیکالوجی اور نفسیات کے علماء کا مشہور و مقبول نظریہ یہ ہے کہ ہم عالم بیداری میں اپنے جن خیالات' جذبات اور ارادوں اور تمناؤں کو جان کر یا بے جانے کسی سبب سے دبا دیتے ہیں' عالم خواب میں جب ہمارے تعقل اور احساس کی جابرانہ حکومت ان سے اٹھ جاتی ہے۔ ان کو ابھرنے کا موقع ملتا ہے اور وہ ہم کو خواب بن کر نظر آتے ہیں۔ بہر حال یہ شاید اس رویا کی توجیہ ہو گی جن کو ''خواب پریشاں'' یا ''اوہام دماغی'' کہنا زیادہ موزوں ہے۔

عرفائے روح اس خواب پریشان یا اوہام دماغی کے منکر نہیں ہیں لیکن رویا کی حقیقت ان کے نزدیک کچھ اور ہے' وہ کہتے ہیں کہ انسان جسم و روح سے عبارت ہے' روح جب تک جسم کے اندر ہے اس کی جلوہ نمائی کے دو رخ ہیں' جسمانی و روحانی' اپنے جسمانی دروازہ سے وہ جھانکتی ہے تو اس کو جسم کے مادہ کی سطح پر رنگا رنگ کے نقش و نگار اور گلکاریاں نظر آتی ہیں' یہ اس کے وہ تعلقات اور دلچسپیاں

ہیں جو اس کے جسمانی و مادی عالم کے ساتھ قائم ہیں' لیکن اس کے پیچھے ایک دوسرا دروازہ ہے' جہاں سے وہ روحانیت کے عالم کی سیر کرسکتی ہے جس قدر اس کا تعلق' انس اور دل بستگی' شیفتگی اور مشغولیت عالم جسم سے زیادہ ہوگی' اسی قدر دوسرے عالم کی طرف سے فراموشی غفلت اور بےتعلقی زیادہ ہوگی۔ حالت خواب میں روح کی ظاہری جسمانی مصروفیتیں چونکہ کم ہو جاتی ہیں اس لئے اس کو دوسری کھڑکی کی طرف جھانکنے کی فرصت مل جاتی ہے اور پھر روح کو جس قدر تعلقات خارجی سے بیگانگی زیادہ ہوتی ہے' شہرستان ملکوت میں اس کی سیر بہت آگے تک اور بہت دور تک اور وہاں کے تمثیلی مناظر و مشاہدات سے اس کی اطلاع اور واقفیت زیادہ صحیح اور سچی ہوتا ہے جو روحیں کہ اس عالم جسمانی کی بندشوں میں رہ کر بھی ان میں گرفتار و مقید نہیں' ان کے لئے عالم بیداری بھی اقلیم روح کی گلگشت سے مانع نہیں' اسی کا نام مشاہدہ اور مکاشفہ ہے۔

انبیاء علیہم السلام کے مقدس قالبوں میں جو ارواح طیبات ہیں وہ عالم ظاہری کی گرفتاریوں کے بعد بھی جس حد تک آزاد و بےتعلق رہتی ہیں' وہ عام حد انسانی سے بہت آگے اور بہت بلند ہے۔ اس لئے عام مشاہدہ اور عالم رویا دونوں میں حقائق و اسرار کی بستیاں ان کی نگاہوں کے سامنے ہوتی ہیں' بیداری تو بیداری' وہ سوتے بھی ہیں تو بیدار رہتے ہیں' ان کے جسم سوتے ہیں لیکن ان کی روحیں ہمیشہ جاگتی رہتی ہیں۔

تنام اعینھم ولا تنام قلوبھم۔ (بخاری باب الانبیاء)

پیغمبروں کی آنکھیں سوتی ہیں لیکن ان کے دل ہمیشہ بیدار رہتے ہیں۔

غافل انسان ادھر التفات نہیں کرتا' ورنہ درحقیقت نیند اور خواب کا معاملہ سر ملکوتی اور راز الٰہی ہے۔

ومن ایته منامکم باللیل والنهار و ابتغاؤکم من فضله ان فی ذلک لایت لقوم یسمعون۔(روم:۳)

خدا کی نشانیوں میں سے (اے انسانو)! راتوں میں اور دنوں میں تمہاری نیند ہے (اور پھر بیدار ہوکر اپنے کاروبار میں تمہارا مصروف ہونا) اور اس کی دولت تلاش کرنا ہے اس میں ان لوگوں کے لئے جو سنتے ہیں بڑی بصیرتیں ہیں۔

موت اور نیند دونوں کم وبیش ایک ہی جنس کی چیزیں ہیں۔فرق اس قدر ہے کہ موت کی حالت میں جسم سے روح کو دائمی مفارقت ہوجاتی ہے اور نیند میں عارضی،موت میں تمام تعلقات ظاہری کے بند ٹوٹ جاتے ہیں اور نیند میں کچھ نہ کچھ رہیں باقی رہ جاتی ہیں۔قرآن مجید نے اسی روزانہ پیش آنے والے حیرت افزا واقعہ قدرت کی طرف ہم کو اس آیت میں متوجہ کیا ہے۔

اللہ یتوفی الانفس حین موتها والتی لم تمت فی منامهاج فیمسک التی قضی علیها الموت ویرسل الاخری الی اجل مسمی انی فی ذلک لایت لقوم یتفکرون۔(زمر:۵)

وہ اللہ ہی ہے جو روحوں کو موت کے وقت اور جن کی موت کا وقت ابھی نہیں آیا ان کو نیند میں ان (کی مصروفیت دنیاوی) کا وقت پورا کر دیتا ہے پھر جن پر موت کا فرمان جاری ہو چکتا ہے ان کو اپنے پاس روک لیتا ہے اور دوسروں کو ایک وقت مقررہ تک کے لئے چھوڑ دیتا ہے اس میں سوچنے والوں کے لئے نشانیاں ہیں۔

حضرت امام رباؒنی اس آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں:

”توفی نوم ازان قبیل است کہ شخصے از وطن مالوف خود بہ شوق و رغبت ازبرائے سیر وتماشا بیرون آید تافرح و سرور حاصل کند و خرم و شادان بہ وطن خود باز رجوع نماید و سیر گاہ او عالم مثال است کہ متضمن عجائب ملک و ملکوت است۔“ (مکتوب سی ویکم۔ جلد سوم)

عربی زبان میں خواب کے لئے دو لفظ ہیں ایک حلم جس کی جمع احلام آتی ہے' اسکے معنی خواب وخیال کے ہیں یعنی محض وہم وتخیل' دوسرا رویا' یہ اس خواب کو کہتے ہیں جس میں حقیقت بینی اور فرض شناسی ہو' ان دونوں لفظوں میں ایک اور فرق یہ ہے کہ پہلے میں وسوسہ شیطانی کا دخل ہوتا ہے اور دوسرا اس سے پاک ہے' فرق سورہ یوسف کی ان آیتوں میں صاف نظر آئے گا۔ عزیز مصر نے خواب دیکھا ہے' اپنے درباریوں سے اس کی تعبیر پوچھتا ہے' اہل دربار کہتے ہیں کہ یہ محض خواب وخیال اور وہم ہے۔

یایھا الملاء افتونی فی رویای ان کنتم للرء یا تعبرون قالوا اضغاث احلام وما نحن بتاویل الاحلام بعلمین۔ (سورئہ یوسف:۱۲)

اے درباریو! میرے اس خواب کے بارہ میں مجھے رائے دو' اگر خواب کی تم تعبیر بیان کرسکتے ہو' انہوں نے کہا یہ تو محض اوہام وخیالات کا مجموعہ ہے ان اوہام اور خیالات کی تعبیر سے ہم واقف نہیں۔

گو عالم رویا کا نظارہ ہر اس ہستی کو کبھی کبھی پیش آتا ہے جو روح سے وابستہ ہے اور جس میں کالے گورے' مومن وکافر' شقی وسعید اور نیک وبد کی کوئی تمیز نہیں' لیکن جس

طرح ایک نہایت نازک یا باریک یا کسی دور سے آنے والی چیز کو بہت سے آنکھیں دیکھ سکتی ہیں اور دیکھتی ہیں' لیکن ان میں حقیقت اور صحت کے قریب اسی کی روایت ہوتی ہے۔ جس کی بینائی تیز آلات باصرہ صحیح اور فہم و استنباط کی قوت لطیف ہوتی ہے۔ اسی طرح عالم رویا کے مشاہدات کی حقیقی اور صحیح رویت بھی ان ہی کے لئے جن کے روح و دل کی بینائی تیز اور بصیرت کی آنکھیں روشن اور ادراک و عرفان کے حواس لطیف ہوں اور جن کے نفس کے آئینہ میں صلاح وتقوی کا صیقل زیادہ ہو۔

ومن کان فی ھذہ اعمی فھو فی الاخرۃ اعمی۔(اسرائیل)

اور جو یہاں اندھے ہیں اور وہاں بھی اندھے ہوں گے۔

واتقوا اللہ ویعلمکم اللہ واللہ بکل شئی علیم۔(بقرہ)

خدا سے تقوی کرو اور وہ تم کو علم بخشتا ہے اور خدا کو ہر چیز کا علم ہے۔

اسی لئے دنیا کے تمام مذاہب نے رویا کو خاص اہمیت دی ہے۔ اسلام اور شارع اسلام نے جس طرح دین کے اور شعبوں کی تکمیل کی ہے' اس حقیقت کو بھی نہایت واضح اور روشن کر دیا ہے' قرآن مجید کی آیت ہے:

الذین امنوا وکانوا یتقون لھم البشری فی الحیوۃ الدنیا وفی الاخرۃ لا تبدیل لکلمت اللہ ذلك ھو الفوز العظیم۔(یونس:٧)

جو ایمان لائے اور وہ متقی ہیں ان کے لئے اس دنیا میں بشارت اور آخرت میں بھی خدا کی باتوں میں تبدیلی نہیں یہی بڑی کامیابی ہے۔

جب یہ آیت اتری تو صحابہ کرامؓ نے دریافت کیا کہ یارسول ﷺ اللہ! اس دنیا میں بشارت کیا ہے' فرمایا کہ وہ رویائے صالح ہے جو ایک مرد مسلم دیکھتا ہے۔ (۱)۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ نبوت اور رسالت ختم ہوگئی' لیکن صرف ایک چیز باقی رہ گئی ہے اور وہ مبشرات (خوشخبریاں) ہیں۔لوگوں نے عرض کی یارسول اللہ! مبشرات کیا ہیں؟ فرمایا مسلم کی رویائے صالحہ یہ نبوت کے اجزاء میں سے ایک جز (۲)۔ ہے۔ بخاری' مسلم اور ترمذی کی متعدد روایتوں میں مختلف صحابیوں سے مروی ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا کہ مومن کی رویائے صالحہ نبوت کے چھیالیس حصوں میں سے ایک حصہ ہے اس سے زیادہ رویاء کی اہمیت اور کیا ہوسکتی ہے کہ وہ نبوت کا ایک حصہ ہے لیکن یہ بھی سمجھ لو کہ وہ

---

(۱)۔ صحیح ترمذی کتاب الرویا۔ (۲)۔ صحیح ترمذی کتاب الرویا۔

کون سی رویا ہے؟ ابھی ہم اوپر لکھ آئے ہیں کہ عربی میں خواب کے لئے دو لفظ ہیں۔ حلم (خواب پریشان یا خیالات نفسانی) اور رویاء حدیث میں ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا:

الرویا من اللہ و الحلم من الشیطان۔

رویا خدا کی طرف سے اور حلم شیطان کی طرف سے ہے۔

آغاز مضمون میں علمائے نفس اور عرفائے روح کی تشریحات کی تفصیل ہوچکی ہے۔ ذیل کی حدیث سے یہ حقیقت بہت اچھی طرح ظاہر ہو جاتی ہے۔صحیح مسلم اور جامع ترمذی میں ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا۔اصدقکم رویا اصدقکم حدیثا تم میں سب سے سچا خواب دیکھنے والا وہ ہے جو سب سے زیادہ سچ بولتا ہے حقیقت میں انسان کا ظاہر اس کے باطن کا آئینہ ہے' اس کی زبان سچ بولے گی' اس کی روح بھی یقیناً سچ دیکھے گی' علمائے نفسیات حدیث کے اس ایک فقرہ کی گرہ کشائی پورے ایک باب میں کر سکتے ہیں۔

اس کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔ خواب تین قسم کے ہوتے ہیں۔ ایک رویائے صالحہ یہ خدا کی طرف سے خوشخبری ہوتی ہے۔ دوسرا غم پیدا کرنے والا خواب۔ یہ شیطان کی طرف سے ہوتا ہے' تیسرا وہ خواب ہوتا ہے جو انسان کی اپنے دل کی باتیں اور خیالات ہوتے ہیں۔ (۱)۔ اس تقسیم سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ علمائے نفس اور عرفائے روح جس خواب اور رویا کی تشریح کرتے ہیں وہ اپنی اپنی حقیقت کی رو سے بالکل الگ ہیں۔ اس عالم رویا کے تحت میں جس قسم سے بحث ہے وہ صرف پہلی قسم ہے۔

عام انسانوں اور انبیاء علیہم السلام کی رویاء میں وہی نسبت ہے جو ان دونوں کی ذات میں ہے۔ جب عام انسانوں کی آنکھیں سوتی ہیں تو کم و بیش ان کے دل بھی سوتے رہتے ہیں' لیکن انبیائے کرام کی آنکھیں جب سوتی ہیں تو بھی ان کے دل بیدار رہتے ہیں۔ حضرت عائشہ کہتی ہیں کہ ایک دفعہ آپ ﷺ نے بڑی دیر تک تہجد کی نماز پڑھی لیکن ابھی وتر نہیں پڑھے تھے کہ لیٹ گئے۔ حضرت عائشہؓ نے کہا۔ یا رسول اللہ! آپؐ بے وتر پڑھے سوتے ہیں فرمایا۔ اے عائشہؓ! میری آنکھیں سوتی ہیں' لیکن میرا دل نہیں (۲)۔ سوتا۔ معراج کے ذکر میں ہے کہ آپ ﷺ اس حالت میں تھے کہ آپ ﷺ کی آنکھیں سوتی تھیں لیکن دل بیدار تھا اور انبیاء کا یہی حال ہوتا ہے کہ ان کی آنکھیں تو سوتی ہیں لیکن ان کے دل بیدار رہتے ہیں۔ (۳)۔

ان ہی حدیثوں کو پیش نظر رکھ کر جمہور علمائے اسلام کا یہ فیصلہ ہے کہ انبیاء کرام کی رویاء بھی اس قدر قطعی اور یقینی ہے۔ جس قدر آپ ﷺ کے عام احکام وحی اور مخاطبات الٰہی حضرت ابراہیم علیہم السلام نے جو خواب اپنے پہلوٹے بیٹے کی قربانی کے متعلق دیکھا۔ اس کے حکم الٰہی ہونے میں انہیں کسی قسم کا شک و شبہ نہیں ہوا اور انہوں نے اس کی تعمیل ویسی ہی ضروری سمجھی جیسی اس حکم کی جو عالم بیداری میں انہیں خدا کی طرف سے ملتا۔ دوسرے پیغمبروں کے حالات میں بھی یہی نظر آتا ہے کہ ان

کو اپنی رویا کی صحت وصداقت اور واجب العمل ہونے میں کسی قسم کا شک وشبہ نہ تھا۔ خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سوانح مبارک میں یہ احوال بکثرت پیش

(۱)۔ صحیح بخاری و مسلم و ترمذی۔ (۲)۔ صحیح مسلم و ترمذی کتاب الرویا۔ (۳)۔ صحیح مسلم باب صلوٰۃ اللیل۔ (٤)۔ صحیح مسلم و بخاری باب الاسرا۔

آئے ہیں اور اس عالم میں جو احکام اور علوم آپ کو دیئے گئے ہیں۔ وہ بھی اسی طرح قطعی ہیں جس طرح وہ احکام اور علوم جو وحی کے دوسرے طریقوں سے آپ ﷺ کو مرحمت ہوئے۔ چنانچہ ترمذی میں حضرت ابن عباسؓ کا قول ہے کہ رویا الانبیاء وحی انبیاء کا خواب بھی وحی ہوتا ہے۔ (۱)۔

اوپر اشارہ گزر چکا ہے کہ بعض علمائے اسلام اور اصحاب کشف وعرفان عالم غیب اور عالم ملکوت اور اس عالم شہادت اور عالم جسمانیات کے درمیان ایک تیسرے عالم کے قائل ہیں جس کا نام انہوں نے عالم برزخ (درمیانی مقام) اور عالم مثال رکھا ہے۔ چنانچہ علماء میں امام خطابی، امام غزالی، علامہ سیوطی، شاہ ولی اللہ صاحبؒ اور صوفیہ میں حضرت امام ربانی اور تمام حضرات مجددیہ اس عالم کے قائل ہیں، شاہ صاحب نے حجۃ اللہ البالغہ میں اس کا ایک خاص باب باندھا ہے، جس میں متعدد احادیث سے اور علامہ سیوطی اور امام غزالی کی تحریروں سے اس عالم کا ثبوت بہم پہنچایا ہے۔ عالم مثال ان کے نزدیک گویا ایک صاف پانی کی غیر محدود نہر یا شیشہ ہے جس میں عالم شہادت کی وہ چیزیں جو جاندار یا مجسم نہیں ہیں۔ مثلاً صفات اعراض نیکی وبدی، ایمان وعلم وغیرہ وہاں اپنی مناسب اور موزوں شکلوں میں جاندار مجسم ہو کر نظر آتی ہیں، نیکی ایک حسین وجمیل کی شکل میں، بدیہ ایک کریہ المنظر صورت میں ایمان آفتاب بن کر، علم دریا کے رنگ میں جلوہ گر ہوتا ہے۔ اسی طرح عالم غیب کی چیزیں، جنت و دوزخ، ملائکہ وغیرہ اسی نہر و آئینہ میں منعکس ہو کر اس عالم شہادت کے لوگوں کو نظر آتی ہیں۔ اور جس طرح تصویر کی شبیہ اور نہر و آئینہ کے عکس میں اور

اصل جسمانی شکلوں میں کامل مشابہت اور مماثلت ہوتی ہے، اسی طرح عالم غیب کی اشیاء اور عالم مثال کی شبیہوں اور تصویروں میں پوری مماثلت اور مشابہت پائی جاتی ہے۔

بہر حال اس عالم کا مستقل وجود ہو یا نہ ہو، مگر اس میں شک نہیں کہ قرآن پاک اور احادیث صحیحہ میں ایسے واقعات، حالات، مشاہدات اور کیفیات مذکور ہیں جن کی تشریح اس عالم میں بخوبی کی جا سکتی ہے۔ انجیل اور قرآن مجید دونوں میں ہے کہ جبرئیلؑ حضرت عیسیٰؑ کی پیدائش کی بشارت لے کر آئے۔

فتمثل لھا بشرا سویا۔ (مریم)

مریم کے سامنے ایک پورے انسان کی مثال بن کر آئے۔

احادیث میں ہے کہ ایک دفعہ نماز کی حالت میں آپ ﷺ کے سامنے جنت اور دوزخ کی صورتیں جلوہ گر کی گئیں۔ اس موقع پر مختلف صحابیوں نے اس مفہوم کو حسب ذیل مختلف الفاظ میں ادا کیا، اور فرمایا:

انہ صورت لی الجنۃ والنار حتی رایتھما دون الحائط

میرے لئے جنت اور دوزخ مصور کی گئی یا میرے سامنے جنت اور دوزخ کی صورت پیش کی گئی یہاں تک کہ میں نے ان کو اس دیوار کے پاس دیکھا۔

لقد رایت الان منذ صلیت بکم الصلوۃ الجنۃ والنار ممثلتین فی قبلۃ ھذا الجدار۔

میں نے ابھی جب تم کو نماز پڑھا رہا تھا جنت اور دوزخ کو اس دیوار کے رخ میں ممثل دیکھا یا میرے سامنے جنت اور دوزخ کی مثال پیش کی گئی۔

(۱)۔ ترمذی مناقب عمر فاروق رضی اللہ عنہ۔

انی رایت الجنۃ اریت النار (بخاری باب الکسوف)

میں نے جنت کو دیکھا اور دوزخ بھی مجھے دکھائی گئی۔

فعرضت علی الجنۃ وعرضت علی النار۔ (مسلم باب الکسوف)

مجھ پر دوزخ اور جنت پیش کی گئی۔

لقد جئی بالنار ثم جئی بالجنۃ۔ (مسلم باب الکسوف)

میرے پاس جنت اور دوزخ لائی گئی۔

اطلعت فی الجنۃ واطلعت فی النار۔ (بخاری باب صفتہ الجنتہ)

میں جنت اور دوزخ میں جھانکا۔

ایک ہی مفہوم کو مختلف راویوں نے ان مختلف الفاظ میں ادا کیا' لیکن ہم سب کو معلوم ہے کہ الفاظ کی احتیاط بھی جس قدر امام بخاری کے ہاں ہے کسی اور کے نہیں۔ اس لئے امام بخاری کے الفاظ تصویر اور تمثیل یا صورت اور امثال یا امام مسلم کے الفاظ لایا جانا اور پیش کیا جانا پر ذرا تامل درکار ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ انسان کی زبان اس درجہ ادائے مطلب میں قاصر ہے کہ وہ اپنے الفاظ سے عالم محسوس کی کیفیتوں کی بھی پردہ دری نہیں کر سکتی پھر اس سے یہ توقع کس قدر بے جا ہے کہ غیر محسوس عالم کی کیفیتوں کو وہ کبھی الفاظ کا جامعہ پہنا سکتی ہیں جو ہم کر سکتے ہیں وہ یہ ہے کہ صحیح' مستند اور محفوظ ذریعہ سے جو کچھ ہم تک پہنچا ہے وہ دوسروں تک پہنچا دیں۔ وحی نبوی ؐ کا آغاز رویائے صالحہ سے ہوا۔ آپ ﷺ کو چیزیں رویا میں دکھائی جاتی تھیں اور وہ سپیدہ

صبح کی طرح ٹھیک ٹھیک پوری اترتی تھیں۔(۱)۔

معمول تھا کہ صبح کی نماز کے بعد صحابہ کی طرف منہ کرکے آپ ﷺ جائے نماز پر بیٹھے رہتے اور ان سے دریافت فرماتے کہ تم میں سے کسی نے کوئی خواب دیکھا ہے؟ لوگ بیان کرتے' اگر وہ رویائے صالحہ ہوتی تو آپ ﷺ اس کی تعبیر کرتے' اگر وہ خواب ہوتا تو کہہ دیتے کہ یہ محض خواب وخیال ہے۔اسی اثناء میں اس شب میں اگر خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو کوئی رویا دکھائی گئی ہوتی تو آپ ﷺ اس کو سناتے۔(۲)۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی جس قدر رویا احادیث میں مذکور ہیں ان کی دو قسمیں ہیں۔ایک وہ ہیں جو تمثیلی رنگ میں دکھائی گئی ہیں اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کی تعبیر وتشریح خود اپنی زبان سے کردی ہے۔دوسری وہ رویا ہیں جو بعینہ واقعہ اور حقیقت ہیں اور اسی لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کو بیان کرتے وقت ان کی تاویل وتشریح نہیں کی اس کی بھی دو قسمیں ہیں۔ایک وہ جس میں بعض اوقات دنیا کے متعلق پیش گوئی اور اخبار غیب ہے۔دوسری وہ جس میں احوال آخرت اور اسرار غیب کا اظہار ہے۔ذیل میں ہم ہر قسم کے واقعات کو الگ الگ عنوانوں کے تحت میں بیان کرتے ہیں۔

رویائے تمثیلی::

ابھی آپ ﷺ مکہ معظمہ میں تھے' اسلام پر سختی اور مصیبت کے دن تھے' صدائے حق پر لبیک کہنے والوں کی تعداد کم تھی کہ آپ ﷺ کو عالم رویا میں دکھایا گیا کہ آپ اپنی جماعت کے ساتھ عقبہ بن رافعہ کے گھر میں ہیں اور ابن طاب کی تروتازہ کھجوریں لا کر آپ ﷺ کو اور آپ کے رفقا کو دیں،

---

(۱)۔ صحیح بخاری بدء الوحی کتاب التعبیر وغیرہ و صحیح مسلم بدء الوحی۔ (۲)۔ ایضاً۔

آپ ﷺ کے رفقاء کو دی گئی ہیں' آپ ﷺ نے اس کی تعبیر یہ کی دنیا میں مسلمانوں کو ترقی اور آخرت میں عاقبت بخیر ہوگی اور ان کا مذہب پھولے اور پھلے گا۔(۱)۔

ابھی آپ ﷺ نے ہجرت نہیں کی تھی لیکن ہجرت کا زمانہ قریب تھا کہ آپ ﷺ کو ہجرت اور ہجرت کے بعد کے تمام اہم واقعات رویا میں دکھائے گئے۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ میں نے دیکھا کہ میری ہجرت کی سرزمین چھوہاروں کا باغستان ہے۔میرا خیال تھا کہ یہ یمامہ یا ہجر کا شہر ہوگا' لیکن وہ شہر یثرب نکلا۔اسی خواب میں نظر آیا کہ میرے ہاتھ میں تلوار ہے۔میں نے اس کو ہلایا تو وہ ٹوٹ گئی۔ یہ احد کی شکست کی طرف اشارہ تھا۔پھر میں نے اس کو ہلایا تو وہ ایک نہایت عمدہ تلوار ہوگئی۔ یہ واقعہ کی تمثیل تھی کہ احد کے بعد اللہ تعالیٰ فتح و کامیابی اور مسلمانوں کا اجتماع نصیب کرے گا' میں نے اسی خواب میں گائے کو ذبح ہوتے دیکھا۔ یہ وہ مسلمان ہیں جو احد میں شہید ہوئے' اس کے بعد بھلائی دیکھی۔ یہ وہ بھلائی ہے جو اسلام کو نصیب ہوئی۔(۲)۔

مسلمانوں نے جب مدینہ کو ہجرت کی ہے تو یہاں کی آب وہوا ان کے موافق نہ تھی' وباء بھی پھیلی تھی' مہاجرین میں اضطراب سا تھا' آپ ﷺ نے خواب میں دیکھا کہ ایک کالی سیاہ عورت جس کے سر کے بال الجھے اور پریشان ہیں۔وہ مدینہ سے نکل کر جحفہ کی طرف جارہی ہے۔اس کی تعبیر یہ ارشاد فرمائی کہ مدینہ کی وباء جحفہ میں منتقل کر دی گئی۔(۳)۔چنانچہ ایسا ہی ہوا اور مدینہ منورہ اس سے پاک ہوگیا۔

ایک دفعہ رویا میں آپ ﷺ کو دکھایا گیا کہ آپ ﷺ کے دونوں ہاتھوں میں سونے کا ایک ایک کنگن ہے' اس سے آپ ﷺ کو تکلیف ہوئی۔حکم ہوا کہ ان کو پھونک دو۔ آپ ﷺ نے پھونکا تو دونوں کنگن ہاتھوں سے علیحدہ ہو کر اڑ گئے۔آپ ﷺ نے فرمایا کہ میں نے اس کی تعبیر یہ کی کہ نبوت کے دو جھوٹے مدعی ہیں (مسلیمہ اور اسود عنسی) جو میرے بعد پیدا ہوں گے۔(۴)۔

آپ ﷺ نے دیکھا کہ آپ ﷺ کے سامنے دودھ کا ایک پیالہ لایا گیا۔ آپ ﷺ نے اس کو اس قدر سیر ہو کر پیا کہ انگلیوں سے دودھ بہنے لگا' پیالہ کا بچا ہوا دودھ آپ ﷺ نے حضرت عمرؓ کو عطا فرمایا۔ آپ ﷺ نے لوگوں سے جب یہ خواب بیان کیا تو انہوں نے دریافت کیا کہ یا رسول اللہ! اس کی تعبیر آپ ﷺ نے کیا کی؟ فرمایا۔(۵)۔ ''علم۔'' اسی طرح آپ ﷺ نے ایک دفعہ فرمایا۔ آج شب کو جب میں سویا تھا میرے سامنے کچھ لوگ پیش کیے گئے' ان میں سے کسی کے بدن پر کرتہ سینہ تک تھا' کسی کا اس سے نیچے تک۔ عمرؓ جب سامنے آئے تو ان کے جسم پر کرتہ اتنا بڑا تھا کہ اس کے دامن زمین پر لوٹ رہے تھے۔ سننے والوں نے پوچھا یا رسول اللہ! آپ ﷺ نے اس کی کیا تعبیر کی' فرمایا ''دین۔(۶)۔''

ایک شب میں آپ ﷺ کو ذات محمدی ﷺ پر ختم نبوت اور تکمیل دین کی تمثیل دکھائی گئی' آنکھیں خواب آلودہ تھیں لیکن قلب اقدس بیدار تھا' کچھ فرشتے اتر کر آپ ﷺ کے پاس آ کر بیٹھے اور آپس میں ایک

---

(۱)۔ صحیح مسلم کتاب الرویا و صحیح بخاری کتاب التفسیر۔ (۲)۔ صحیح مسلم کتاب الرویا۔ (۳)۔ صحیح بخاری و ترمذی کتاب الرویا۔ (۴)۔ صحیح بخاری و مسلم و ترمذی کتاب الرویا والتعبیر۔ (۵)۔ صحیح بخاری کتاب التعبیر و مناقب عمرؓ و جامع ترمذی ابواب الرویا۔ (۶)۔ ایضاً۔

دوسرے سے بولے کہ اس پیغمبر کی کوئی تمثیل بیان کرو' اس کی مثال ایسی ہے جیسے کوئی آقا ہو۔ اس نے ایک محل تیار کیا اور اس میں دستر خوان بچھایا اور لوگوں کو کھانے کی دعوت دی' اب جس نے اس کی بات کو قبول کیا وہ آیا اور کھا پی کر سیر ہوا اور جو نہیں آیا اس نے اس کو سزا دی۔ بیدار ہو کر آپ ﷺ نے عبداللہؓ ابن مسعود سے فرمایا کہ وہ آقا تو خدا ہے جنت اس کا محل ہے جس نے اس کی دعوت قبول کیا وہ جنت میں داخل ہوا اور جس نے انکار کیا اس کو اس نے عذاب دیا۔

(۱)۔ ایک دفعہ آپ ﷺ کو یہ کھایا گیا کہ آپ ﷺ ایک کنوئیں کے اندارے پر

کھڑے ہیں۔ بعض روایتوں میں ہے کہ آپ ﷺ نے دیکھا کہ میں حوض کوثر پر کھڑا ہوں' اردگرد لوگوں کا جماؤ ہے۔ آپ ﷺ ڈول سے پانی کھینچ کھینچ کر ان کو پلا رہے ہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ اس کے بعد میں نے دیکھا کہ ابوبکرؓ آئے اور انہوں نے میرے ہاتھ سے ڈول لے کر مجھے سبکدوش کر دیا' اور پھر وہ پانی کھینچ کھینچ کر پلانے لگے۔ مگر خدا ان پر رحم کرے' ذرا کھینچنے میں کمزوری معلوم ہوتی تھی۔ اس کے بعد عمر آئے تو ڈول بڑھ کر بڑا ہو گیا اور عمرؓ اس وقت اور تیزی سے پانی کھینچا کہ حوض کناروں تک پر ہو گیا اور لوگ پی کر سیراب ہو گئے۔ (۲)۔ یہ خواب اتنا واضح تھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کی تعبیر کی ضرورت نہیں سمجھی۔ کون نہیں سمجھا کہ ڈول اور پانی کھینچنے سے مراد خلافت اور خدمت خلق کی بجا آوری ہے۔

حضرت عمرؓ ان چند سعید لوگوں میں ہیں جن کو اس دنیا میں جنت کی بشارت دی جا چکی تھی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔ رات میں نے دیکھا کہ میں جنت میں ہوں' سامنے ایک محل ہے' ایک عورت اس میں بیٹھی وضو کر رہی ہے۔ میں نے پوچھا یہ کس کا محل ہے؟ جواب دینے والے نے جواب دیا کہ یہ عمرؓ کا مسکن ہے میں نے چاہا کہ اندر جاؤں' مگر عمرؓ کی غیرت یاد آئی تو الٹا پھر گیا' حضرت عمرؓ سن کر رو پڑے اور کہا یا رسول اللہ! میں آپ ﷺ سے غیرت کرتا۔ (۳)۔ ایک دفعہ آپ ﷺ نے حضرت بلالؓ سے پوچھا کہ اے بلالؓ! تم کون سا ایسا نیک عمل کرتے ہو کہ میں جنت میں گیا تو تمہارے جوتوں کی چاپ کی آواز سنی۔ عرض کیا یا رسول اللہ! ہمیشہ باوضو رہتا ہوں اور جب نیا وضو کرتا ہوں' دو رکعت نماز پڑھ لیتا ہوں۔ (۴)۔

ورقہ بن نوفل کا نام آغاز وحی کے ضمن میں ابھی اوپر گزر چکا ہے' یہ حضرت خدیجہؓ کے رشتہ دار تھے اور اسلام سے پہلے سے عیسائی ہو گئے تھے۔ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بعثت ہوئی اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے نزول جبریل کا حال سنا تو انہوں نے آپ ﷺ کی نبوت کی تصدیق کی اور کہا کہ اگر زندہ رہا تو اس وقت

جب آپ ﷺ کی قوم آپ کو شہر بدر کرے گی میں آپ ﷺ کی پوری مدد کروں گا۔ حضرت خدیجہؓ نے پوچھا کہ یارسول اللہ! ورقہ جنت میں گئے یا دوزخ میں۔ انہوں نے آپ ﷺ کی تصدیق کی تھی، لیکن آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ظہور سے پہلے مر گئے۔ فرمایا۔ مجھے وہ خواب میں دکھائے گئے کہ وہ سپید کپڑے پہنے ہیں۔

---

(۱)۔ جامع ترمذی ابواب امثال۔ (۲)۔ صحیح بخاری و مسلم و ترمذی کتاب التعبیر و کتاب الرویا مناقب عمر۔ (۳)۔ صحیح بخاری و مسلم، ترمذی کتاب التعبیر و کتاب الرویا مناقب عمرؓ۔
(۴)۔ بخاری و مسلم مناقب بلالؓ و ترمذی مناقب عمرؓ۔

اگر وہ دوزخ میں ہوتے تو ان کے جسم پر یہ لباس نہ ہوتا۔ (۱)۔

ایک شب کو جب آپ ﷺ مصروف نماز تھے، جمال الٰہی بے نقاب ہو کر سامنے آ گیا۔ صحیحین کے علاوہ دیگر کتب حدیث میں ہے کہ ایک دفعہ آپ ﷺ صبح کی نماز کے لئے دیر سے برآمد ہوئے۔ نماز کے بعد لوگوں کو اشارہ کیا کہ اپنی اپنی جگہ پر ٹھہرے رہیں۔ پھر فرمایا کہ "آج شب کو جب میں نے اتنی رکعتیں پڑھیں جتنی میرے لئے مقدر تھیں تو نماز ہی کے اندر میں اونگھ گیا، میں نے دیکھا کہ جمال الٰہی بے پردہ میرے سامنے ہے، خطاب ہوا یا محمد ﷺ تم جانتے ہو کہ فرشتگان خاص کس امر میں گفتگو کر رہے ہیں۔" عرض کی۔ "نہیں! اے میرے رب میں نہیں جانتا۔" اس نے اپنا ہاتھ دونوں مونڈھوں کے بیچ میں میری پیٹھ پر رکھا۔ جس کی ٹھنڈک میرے سینہ تک پہنچ گئی اور آسمان و زمین کی تمام چیزیں نگاہوں کے سامنے جلوہ گر ہو گئیں۔ سوال ہوا، یا محمد ﷺ تم جانتے ہو کہ فرشتگان خاص کس امر میں گفتگو کر رہے ہیں؟ عرض کی ہاں، اے میرے رب! ان اعمال کی نسبت گفتگو کر رہے ہیں جو گناہوں کو مٹا دیتے ہیں۔ پوچھا۔ وہ کیا ہیں؟ عرض کی۔ نماز با جماعت کی شرکت کے لئے قدم اٹھانا نماز کے بعد مسجد میں ٹھہر جانا اور ناگواری کے باوجود اچھی طرح

وضو کرنا' جو ایسا کرے گا اس کی زندگی اور موت دونوں بخیر ہوں گی' وہ گناہوں سے ایسا ہی پاک ہوگا جیسا اس دن تھا جب اس کی ماں نے اس کو جنا تھا۔ پھر سوال ہوا کہ یا محمد ﷺ درجات کیا ہیں۔ گزارش کی کھانا کھلانا' نرمی سے باتیں کرنا' جب دنیا سوتی ہو تو اٹھ کر نماز پڑھنا۔ پھر حکم ہوا کہ اے محمد ﷺ مجھ سے مانگو۔ میں نے عرض کی' خداوندا! میں نیک کاموں کے کرنے اور برے کاموں سے بچنے اور غریبوں سے محبت کرنے کی توفیق چاہتا ہوں' میری مغفرت کر' مجھ پر رحم فرما۔ جب کسی قوم کو تو آزمانا چاہے تو مجھے بے آزمائے اٹھالینا میں تیری محبت کا اور تجھ سے جو محبت رکھے اس کی محبت کا اور جو عمل مجھ کو تیری محبت کے قریب کر دے اس کی محبت کا خواستگار ہوں۔ اس کے بعد آپ ﷺ نے لوگوں سے کہا کہ۔ ''یہ جو کچھ تھا حق تھا اور اس دعا کو پڑھا کرو۔'' (۲)۔

آثار قیامت کے بعد واقعات بھی اسی عالم میں آپ ﷺ پر پیش کیے گئے۔ آپ ﷺ نے صحابہ کے مجمع میں ایک دن فرمایا کہ رات مجھے ایک رویا دکھائی گئی' میں نے دیکھا کہ میں خانہ کعبہ کا طواف کر رہا ہوں' اسی اثناء میں' میں نے ایک شخص کو دیکھا جس کا رنگ گندم گوں تھا۔ بہتر سے بہتر گندم گوں آدمی جو تم نے دیکھا ہو' اس کے گیسو پڑے ہوئے تھے' بہتر سے بہتر گیسو جو تم نے دیکھے ہوں' کنگھی سے بال درست کیے تھے اور ان سے پانی کے قطرے ٹپک رہے تھے۔ دو آدمیوں کے کندھوں پر ہاتھ رکھ کر وہ طواف کر رہا تھا۔ میں نے پوچھا یہ کون ہے جواب ملا کہ مسیح بن مریم! میں ادھر دیکھنے کو مڑا تو ان کے پیچھے ایک اور آدمی نظر آیا' سرخ رنگ' موٹا بھدا' بالوں میں بہت گھونگر پڑے ہوئے' ایک آنکھ سے کانا' آنکھ ایسی معلوم ہوتی تھی کہ گویا ابھرا ہوا انگور ہے۔ میں نے پوچھا یہ کون ہے؟ معلوم ہوا دجال ہے۔ (۳)۔

---

(۱)۔ مشکوۃ کتاب الرویا بحوالہ ترمذی کتاب الرویا مسند احمد۔

(۲)۔ بہ روایت جامع ترمذی تفسیر سورہ ص و مسند ابن حنبل بہ

سنــد معاذ ج ٥ صفحه ٢٤٣ ترمذی نے اس حدیث کو حسن صحیح کہــا ھــے۔ (٣)۔ صــحیــح بــخاری کتاب التعبیر و صحیح مسلم باب الاسراء۔

ام المومنین زینب بنت جحشؓ بیان کرتی ہیں کہ ایک دفعہ آپ ﷺ نے سونے سے جاگ اٹھے' چہرہ مبارک سرخ تھا اور زبان پر یہ کلمات تھے لا الہ الا اللہ۔ افسوس ہے عرب پر برائی نزدیک آ گئی۔ یاجوج ماجوج کی دیوار میں آج اتنا سوراخ ہو گیا۔ (١)۔ حضرت جبریلؑ اور دوسرے فرشتے جس طرح آپ ﷺ کے عام مشاہدہ میں آتے تھے اسی طرح اس عالم میں حاضر ہوتے تھے' حضرت سمرہؓ بن جندب کہتے ہیں کہ ایک دن آپ ﷺ نے فرمایا کہ آج شب کو میں نے خواب میں دو شخص دیکھے جو مجھ سے کہہ رہے ہیں کہ دوزخ کی آگ کو جو جلاتا ہے وہ مالک داروغہ دوزخ ہے' میں جبریل ہوں اور یہ میکائیل ہیں۔ (٢)۔

نظارہ جمال الہی کے بعد اس عالم کا سب سے بڑا مشاہدہ وہ تھا جس میں آپ کو دوزخ کے مہیب و ہولناک مناظر اور بہشت کی بعض دل کش اور مسرت افزاء جلوہ آرائیاں دکھائی گئیں۔ حضرت سمرہؓ کہتے ہیں کہ معمول تھا کہ صبح کی نماز میں آپ ؐ ہم لوگوں کی طرف منہ کر کے بیٹھ جاتے اور پھر دریافت فرماتے کہ تم میں سے کسی نے کوئی خواب دیکھا ہے۔ بہرحال حسب معمول آج بھی آپ ؐ نے دریافت فرمایا۔ ہم نے عرض کی نہیں یا رسول اللہ! ارشاد ہوا کہ آج شب کو مجھے رویا میں یہ نظر آیا کہ دو آنے والے میرے پاس آئے' انہوں نے مجھے اٹھایا اور میرا ہاتھ پکڑ کر مجھے ایک مقدس سرزمین میں لے گئے۔ میں نے دیکھا کہ ایک آدمی پڑا ہے دوسرا شخص ایک بڑا پتھر ہاتھ میں لئے اس کے پاس کھڑا ہے' وہ زور سے پتھر اس کے سر پر مارتا ہے جس سے اس کا سر چور چور ہو جاتا ہے اور پتھر لڑھکنے لگتا ہے' وہ دوڑ کر پتھر اٹھاتا ہے تو اس کا سر پھر درست ہو جاتا ہے' وہ پھر آ کر اسی طرح مارتا ہے اور سر کے پرخچے اڑ جاتے ہیں' میں نے پوچھا سبحان اللہ یہ کیا ہے؟ میرے ساتھیوں نے کہا آگے

چلو! آگے چلو! میں آگے چلا تو دیکھا کہ ایک آدمی بیٹھا ہے۔ دوسرے شخص کے ہاتھ میں ایک لوہے کا ٹکڑا ہے۔ وہ ایک طرف اس کے منہ میں آنکڑا ڈال کر کھینچتا ہے تو باچھیں پھٹ کر گدی سے مل جاتی ہیں' پھر آنکھ میں' پھر نتھنے میں آنکڑا ڈال کر کھینچتا ہے اور چیر ڈالتا ہے' ادھر سے فرصت کر کے دوسری جانب جاتا ہے اور ادھر کے بھی جبڑے اور دانت اور نتھنے کو اسی آنکڑے سے پیچھے تک چیر ڈالتا ہے۔ اسی اثناء میں پہلی طرف سے سب زخم بھر آتے ہیں اور پھر آکر وہ ان کو چیرتا ہے تو دوسری طرف کے بھر جاتے ہیں۔ میں نے کہا کہ سبحان اللہ یہ کیا ہے؟ جواب ملا آگے چلو! آگے چلو' میں اور آگے بڑھا' دیکھا کہ ایک تنور ہے' اس میں آگ روشن ہے' کچھ مرد وعورت اس میں ننگے ڈالے گئے ہیں۔ جب نیچے سے آگ کا شعلہ اٹھتا ہے تو چیختے ہیں' چلاتے ہیں' تھوڑی دیر میں وہ آگ دب جاتی ہے اور پھر بلند ہوتی ہے اور پھر وہ چیختے ہیں اور چلاتے ہیں' میں نے کہا سبحان اللہ! یہ کیا ہے؟ انہوں نے پھر آگے بڑھنے کو کہا۔ اب آگے بڑھے' تو دیکھا کہ ایک خون کی سرخ ندی ہے۔ اس میں ایک آدمی تیر رہا ہے اور کنارہ پر ایک شخص پتھر لئے کھڑا ہے' وہ آدمی چاہتا ہے کہ تیر کر کنارے لگ جائے' مگر جب وہ قریب آتا ہے تو وہ شخص پتھر اس زور سے تاک کر مارتا ہے کہ وہ اس کے منہ میں جا کر لگتا ہے اور حلق سے نیچے اتر جاتا ہے۔ وہ آدمی ہٹ کر پھر جہاں تھا وہیں پہنچ جاتا ہے اور پھر وہ کنارے پر آنے کا قصد کرتا ہے کہ پھر اسی طرح پتھر آکر اس پر پڑتا ہے' میں نے دریافت کیا یہ کیا ہے؟ انہوں نے کہا آگے چلو! آگے چلو! میں آگے

---

(۱)۔ صحیح بخاری کتاب الفتن' صحیح مسلم باب اشراط الساعتہ۔ (۲)۔ بخاری بدء الخلق۔

چلا تو ایک شخص نظر آیا۔ کریہہ منظر سے کریہہ منظر آدمی جو تم نے دیکھا ہو' وہ اس سے بھی زیادہ کریہہ منظر تھا' آگ اس کے سامنے دہک رہی تھی اور اس کو وہ اور دہکا رہا تھا اور اس کے چاروں طرف پھر رہا تھا۔ میں نے اپنے ساتھیوں سے پھر پوچھا کہ

یہ کون ہے؟ انہوں نے آگے بڑھنے کو کہا۔ میں آگے بڑھا تو ایک ہرا بھرا گنجان باغ نظر آیا جس میں نو بہار کے رنگ برنگ پھول کھلے ہوئے تھے۔ باغ کے بیچ میں ایک نہایت ہی خوبصورت عمارت دکھائی دی کہ میں نے ویسی کبھی نہیں دیکھی تھی' اس میں بچے بوڑھے جوان' عورت' مرد' ہر طرف آگے نظر آتے' آگے بڑھا تو ایک اور عمارت جو پہلے سے بھی زیادہ خوبصورت تھی نظر آئی' اس میں کچھ لوگ مختلف سن و سال کے دکھائی دیتے۔ ایک باغ میں ایک درخت کے پاس ایک دراز قد انسان دیکھا جس کا سر اتنا اونچا تھا کہ آسمان تک پہنچ گیا تھا اور مجھے نظر نہیں آتا تھا۔ اس انسان کے چاروں طرف اتنے بچے نظر آئے کہ میں نے اتنے بچے نہیں دیکھے تھے' میں نے اپنے ہمراہیوں سے پھر سوال کیا' مگر انہوں نے اور آگے بڑھایا تو ایک بہت بڑے باغ کے قریب جس سے زیادہ بڑا اور زیادہ خوبصورت باغ میں نے کبھی نہیں دیکھا تھا' پہنچا' اندر گیا تو ایک شہر نظر آیا جس کی چار دیواری ایک ایک سونے اور ایک ایک چاندی کی اینٹوں سے تعمیر ہوئی تھی' دروازہ کے پاس پہنچ کر دروازہ کھلوایا' دروازہ کھلا اور ہم اس کے اندر داخل ہوئے تو وہاں ہم کو ایسے لوگ نظر آئے جن کا آدھا دھڑ تو نہایت خوبصورت تھا اور آدھا دھڑ نہایت بدصورت' میرے ہمراہیوں نے ان سے کہا کہ جاؤ اس نہر میں غوطے لگاؤ ناگاہ ایک نہایت صاف شفاف نہر نظر پڑی' وہ گئے اور جا کر اس میں غوطے لگائے۔ غوطے لگا کر باہر آئے تو ان کی بدصورتی جاتی رہی اور نہایت خوبصورت ہو گئے۔ ساتھیوں نے کہا کہ یہ شہر جنت عدن ہے' اور آپ کی منزل وہ ہے۔ میری نگاہ اوپر اٹھی تو ایک محل سپید بادل کی طرح دکھائی دیا۔ میں نے کہا خدا تمہارا بھلا کرے مجھے وہاں جانے دو' انہوں نے جواب دیا کہ ابھی نہیں' مگر آپ وہاں یقیناً جائیں گے' پھر میں نے کہا آج رات کو میں نے عجیب عجیب چیزیں دیکھیں' بتاؤ یہ کیا تھیں؟ انہوں نے کہا کہ اب ہم آپ کو سب بتا دیں گے۔ پہلا آدمی جس کا سر پتھر سے توڑا جا رہا تھا' وہ تھا جو قرآن پڑھ

کر اس کو چھوڑ دیتا ہے اور فرض نماز سے غافل ہو کر سو جاتا ہے' وہ شخص جس کی آنکھ' ناک اور منہ چیرا جا رہا تھا وہ تھا جو جھوٹ بولتا ہے' تنور میں جو عورت مرد ننگے بدن نظر آئے' وہ زنا کار ہیں' خون کے دریا میں جو غوطے لگا رہا تھا اور پتھر نگل رہا تھا وہ سود خور ہے (کہ وہ لوگوں کا خون چوس کر حرام کھاتا تھا) کریہہ منظر شخص جو آگ دہکا رہا تھا' دوزخ کا داروغہ مالک تھا' باغ میں جو دراز قد انسان اور اس کے چاروں طرف بچے نظر آتے تھے وہ ابراہیمؑ تھے اور یہ بچے وہ کم سن تھے جو دین فطرت پر مرے۔ یہاں پر حاضرین مسجد میں سے ایک مسلمان نے آنحضرتؐ کو ٹوک کر کہا۔ یا رسول اللہ! اور مشرکین کے بچے؟ فرمایا! اور وہ بھی (کیونکہ وہ ہوش میں آنے سے پہلے دین فطرت ہی پر مرے) پھر سلسلہ گفتگو آگے فرمایا اور فرشتوں نے بتایا کہ پہلی عمارت جس میں ہر عمر کے لوگ تھے' عام اہل ایمان کا مسکن ہے دوسری عمارت جو اس سے بہتر تھی اور جس میں ہر سن و سال کے کچھ آدمی ملے وہ شہیدوں کا مقام ہے اور یہ لوگ جن کا آدھا دھڑ خوبصورت اور آدھا بدصورت تھا' وہ تھے جنہوں نے نیک اعمال کے ساتھ برے اعمال بھی کئے ہیں' خدا نے ان سے درگزر کیا۔(۱)۔

---

(۱)۔ صحیح بخاری کتاب التعبیر و کتاب الجنائز باب ماقیل فی اولاد المشرکین۔

مشاہدات و مسموعات

عالم بیداری

افتمرونہ علی مایری (نجم)

پیغمبر جو کچھ دیکھتا ہے کیا اس پر تم اس سے جھگڑتے ہو۔

انبیاء علیہم السلام کے حواس یا عام اصناف انسانی کے حواس سے زیادہ لطیف ہوتے ہیں یا ہمارے حواس کے ماسوا ان کے کچھ اور بھی حواس ہوتے ہیں۔ جن سے عام انسان اسی طرح بیگانہ ہیں جس طرح مادرزاد نابینا ایک تیز نگاہ نوجوان کی قوت بینائی اور لطف نظر سے نا آشنا ہے۔

مشاہدات نبوی ﷺ عام مادی واقعات نہیں جن کی روایات صحابہ کرام خود اپنے علم یا رویت یا ساعت سے کر سکتے' بلکہ وہ ان واقعات سے اسی قدر جان سکتے ہیں جن کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی زبان مبارک سے کبھی کبھی ظاہر فرمایا۔ اس لئے روایات حدیث میں مشاہدات نبوی کا احاطہ نہیں ہو سکا ہے اور نہ عام امت کے لئے عمل دین کے لئے ان کیفیات مافوق کا علم ضروری ہے۔ بہر حال لفظ و عبارت کے حدود میں جہاں تک ممکن ہے ہم ان کے احاطہ کی کوشش کرتے ہیں۔

مشاہدات نبوی ﷺ کی فہرست میں سب سے پہلی چیز روح القدس یا روح الامین یا جبریل نام فرشتہ کی رویت ہے جو سب سے پہلے غار حرا میں نظر آیا اور اس کے بعد کچھ زمانہ تک وہ آپ ﷺ کی نگاہ سے اوجھل (۱)۔ رہا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اس کی وجہ سے تکلیف رہی۔ صحیح مسلم میں حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ مکہ میں آپ ﷺ کے چند سال ایسے گزرے کہ آپ ﷺ کو صرف غیب کی آوازیں سنائی اور روشنی دکھائی دیتی تھی اور کوئی چیز آپ ﷺ کو نظر نہیں آتی تھی۔ (۲)۔ غالباً یہی فترہ الوحی کا زمانہ ہے' یہ زمانہ ختم ہو گیا تو آپ ﷺ نے ایک دن آواز سنی' نظر اٹھا کر دیکھا تو آسمان و زمین کے بیچ میں ایک کرسی پر وہی فرشتہ بیٹھا ہوا

نظر آیا۔(۳)۔ مگر عموماً وہ کسی نہ کسی شکل میں نظر آتا۔صحیح روایتوں میں ہے کہ جبریل صرف دو دفعہ اپنی اصلی صورت میں آپ ﷺ کو نظر آئے' آپ ﷺ نے اس وقت دیکھا کہ ان کے جسم پر چھ سو پر ہیں اور ان کے دونوں بازوؤں نے افق کو گھیر لیا ہے۔(۴)۔جبریل کے علاوہ دوسرے فرشتگان الٰہی بھی بارگاہ نبوت میں آیا کرتے تھے جس کی تفصیل نزول ملائکہ کے عنوان میں گزر چکی ہے۔

(۱)۔صحیح بخاری (مسلم باب بدء الوحی۔) (۲)۔صحیح مسلم باب کم امام النبی صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم بمکہ۔ (۳)۔صحیح مسلم بدء الوحی۔ (٤)۔صحیح بخاری بدء الحق و تفسیر و النجم' صحیح مسلم باب الاسراء۔

فرشتوں کے مقابل دوسری ہستی شیطان کی ہے یہ وہ قوت شر ہے جس سے کوئی انسان محفوظ نہیں رہ سکتا سب سے پہلے اس سے حضرت آدمؑ کی آزمائش ہوئی اور خدا نے یہ نتیجہ ظاہر کیا کہ:

لم نجدله' عزما۔(طہٰ:۲)

ہم نے آدم میں استقلال نہیں پایا۔

سفر ایوبؑ اور قرآن میں ہے کہ اس سے حضرت ایوبؑ کی آزمائش ہوئی اور وہ اس امتحان میں پورے اترے' انجیل میں ہے کہ حضرت مسیحؑ بھی شیطان سے آزمائے گئے اور انہوں نے کامیابی سے اس میدان کو سر کیا۔حدیث صحیح میں ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا کہ ہر انسان کے ساتھ ایک شیطان ہے' پوچھنے والے نے پوچھا یارسول اللہ! کیا آپ ﷺ کے ساتھ بھی ہے؟ فرمایا۔ہاں۔لکنہ اسلم لیکن وہ مسلمان ہو گیا ہے یا مطیع ہو گیا ہے۔ایک دفعہ کا واقعہ ارشاد فرمایا کہ میں نماز پڑھ رہا تھا کہ شیطان مجھے چھیڑنے لگا اور میری نماز توڑنے لگا تو خدا نے مجھے اس پر غلبہ عطاء کیا۔(۱)۔

جنت و دوزخ گو اور عالم کی چیزیں ہیں لیکن نگاہوں سے پردہ اٹھ جائے تو سامنے آ

جائیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانہ میں ایک دفعہ سورج گرہن ہوا۔ آپ ﷺ صحابہؓ کے ساتھ نماز کو کھڑے ہوئے اور بہت دیر تک قرأہ' رکوع اور سجدہ میں مصروف رہے' اسی اثناء میں صحابہؓ نے دیکھا کہ آپ ﷺ نے ایک بار ہاتھ آگے کو بڑھایا' پھر دیکھا کہ آپ ﷺ کسی قدر پیچھے ہٹے۔ نماز کے بعد لوگوں نے دریافت کیا تو فرمایا کہ اس وقت میرے سامنے وہ تمام چیزیں پیش کی گئیں جن کا تم سے وعدہ کیا گیا ہے' جنت اور دوزخ کی تمثیل اسی دیوار کے پاس دکھائی گئی۔ میں نے بہشت کو دیکھا کہ انگور لٹک رہے ہیں' چاہا کہ توڑ لوں۔ اگر میں توڑ سکتا تو تم تاقیامت اس کو کھا سکتے پھر میں نے دوزخ کو دیکھا جس سے زیادہ کوئی بھیانک چیز میں نے آج تک نہیں دیکھی' لیکن میں نے اس میں زیادہ تر عورتوں کو پایا۔ لوگوں نے سوال کیا کہ یا رسول اللہ! یہ کیوں؟ فرمایا کہ اپنے خاوندوں کی ناشکری کے سبب اگر ایک عورت پر تم عمر بھر احسان کرو اور صرف ایک دفعہ وہ تمہارے کسی فعل سے آزردہ ہو جائے تو وہ کہے گی کہ میں نے کبھی تمہارا اچھا برتاؤ نہیں دیکھا۔ میں نے اس دوزخ میں اس چور کو دیکھا جو حاجیوں کے اسباب چرایا کرتا تھا' میں نے اس میں ایک یہودی عورت کو دیکھا جس پر اس لئے عذاب ہو رہا تھا کہ اس نے ایک بلی کو باندھ لیا تھا' اس کو نہ کچھ کھانے کو دیتی تھی اور نہ چھوڑتی تھی کہ وہ زمین پر گری پڑی چیزیں کھائے۔ آخر اسی بھوک سے اس نے جان دے دی۔ (۲)۔

ایک اور حدیث میں ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا' میں جنت میں جا نکلا تو دیکھا یہاں کے باشندوں میں بڑی تعداد ان کی ہے جو دنیا میں غریب تھے اور دوزخ میں جا کر دیکھا تو ان میں بڑی تعداد عورتوں کی پائی۔ (۳)۔

عمر کے آخیر سال میں آپ ﷺ شہدائے احد کے مقبرے میں تشریف لے گئے اور وہاں سے واپس آ کر آپ ﷺ نے ایک خطبہ دیا۔ اسی درمیان میں آپ ﷺ نے فرمایا۔ میں اپنے حوض (کوثر) کو یہیں سے دیکھ رہا

(۱)۔ صحیح بخاری بدء الخلق باب سفر ابلیس۔ (۲)۔ صحیح بخاری و صحیح مسلم باب صلوٰۃ الکسوف و صحیح بخاری کتاب الصلوٰۃ باب رفع البصر و باب التعوذ من الفتن۔ (۳)۔ صحیح بخاری باب صفتہ الجنتہ۔ (٤)۔ صحیح بخاری کتاب الجنائز (باب بخاری زھرہ الدنیا)

ہوں اور مجھ کو زمین کے خزانہ کی کنجیاں حوالہ کی گئیں۔ اے لوگو! مجھے یہ خوف نہیں ہے کہ میرے بعد تم شرک کرنے لگو گے لیکن ڈرتا اس سے ہوں کہ اس دنیا کی دولت میں پڑ کر آپس میں رشک وحسد نہ کرنے لگو۔ (۱)۔

منبر مبارک مسجد نبوی ﷺ میں تھا اور اسی سے متصل ازواج مطہراتؓ کے حجرے بھی تھے جن میں سے ایک میں جسد اقدس سپرد خاک ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا میرے گھر اور میرے منبر کے درمیان جنت کی کیاریوں میں سے ایک کیاری ہے اور میرا منبر میرے حوض پر رکھا ہے۔ (۲)۔

محدثین نے اس حقیقت کو مختلف تاویلوں سے ظاہر کرنا چاہا ہے لیکن ہمارے نزدیک اس کی صحیح تشریح یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اس کا مشاہدہ کرایا گیا۔

معمول تھا کہ تہجد کی نماز کے لئے جب آپ ﷺ بیدار ہوتے تو امہات المومنینؓ کو بھی جگا دیتے' ام المومنین ام سلمہؓ کہتی ہیں کہ آپ ﷺ ایک شب خواب سے بیدار ہوئے تو فرمایا' سبحان اللہ! آج شب کو کیا کیا دولت کے خزانے اور کیا کیا فتنے نازل ہوئے ہیں۔ ان حجروں میں رہنے والیوں (ازواج مطہراتؓ) کو کون جگائے؟ اے افسوس دنیا میں کتنی عورتیں سامان آرائش سے آراستہ ہیں مگر آخرت میں وہ ننگی ہوں گی۔ (۳)۔ (کہ دنیا میں وہ جامتہ عملی سے برہنہ تھیں۔)

اسامہ بن زیدؓ سے روایت ہے کہ ایک دن آپ ﷺ مدینہ سے باہر تشریف لے گئے۔ ایک ٹیلے پر چڑھے پھر فرمایا۔ اے لوگو! جو کچھ میں دیکھ رہا ہوں وہ تم دیکھ رہے ہو؟ لوگوں نے عرض کی۔ نہیں یا رسول اللہ۔ فرمایا میں تمہارے گھروں کے درمیان فتنوں کو بارش کی طرح برستے دیکھ رہا ہوں۔ (۴)۔ (یہ غالباً حضرت عثمانؓ

کے قتل کے بعد کے واقعات کا مشاہدہ تھا۔)

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ہر حال میں اپنی امت کی فکر دامن گیر رہتی تھی۔ ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالی نے زمین کے تمام کناروں کو میری نگاہوں کے سامنے کر دیا۔ میں نے ان کے مغرب ومشرق کو دیکھا۔ میری امت کی سلطنت ان تمام کناروں تک پہنچ جائے گی جو مجھے دکھائے گئے ہیں۔ مجھے سرخ وسپید (سونا چاندی) کے دونوں خزانے دیئے گئے ہیں۔ میں نے خدا کے حضور میں دعا کی کہ بارالہا! میری امت کو کسی عالمگیر قحط سے برباد نہ کرنا اور نہ ان پر ان کے سواء کسی غیر دشمن کو مسلط کرنا۔ حکم ہوا کہ میرے دربار میں فیصلہ کی تبدیلی نہیں ہوئی۔ میں نے تمہاری یہ دعا قبول کی' تو اب میری امت کو کوئی تباہ نہ کرے گا بلکہ ایک دوسرے کو تباہ کریں گے۔ (۵)۔ مسلمانوں کی پوری تاریخ اس مشاہدہ اقدس کی تعبیر ہے۔

گذشتہ انبیائے کرام کی تمثیلیں اکثر آپ ﷺ کو دکھائی گئی ہیں اور معراج اور عالم رویاء کے علاوہ بیداری کے عالم میں بھی یہ مشاہدے ہوئے ہیں۔ صحیح مسلم میں حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ ایک دفعہ آپ ﷺ سفر میں (غالباً سفر حج) جاتے ہوئے وادی ازرق سے گزرے۔ آپ ﷺ نے دریافت فرمایا یہ کون سی وادی ہے؟

(۱)۔ صحیح بخاری کتاب الجنائز (باب بخاری زھرہ الدنیا) (۲)۔ صحیح بخاری کتاب الحوض و باب فضل مابین القبر و المنبر۔ (۳)۔ صحیح بخاری کتاب التھجد۔ (٤)۔ صحیح بخاری و صحیح مسلم باب الفتن۔ (۵)۔ صحیح مسلم باب الفتن۔

لوگوں نے کہا یہ وادی ازرق ہے۔ فرمایا' میں دیکھ رہا ہوں کہ موسیٰؑ گھاٹی سے اتر رہے ہیں اور ان کی زبان پر تلبیہ (صدائے حج) جاری ہے۔ اس کے بعد ہرشا کی گھاٹی آئی۔ فرمایا۔ یہ کون سی گھاٹی ہے۔ لوگوں نے بتایا کہ یہ ہرشا کی گھاٹی ہے فرمایا۔ گویا میں دیکھ رہا ہوں کہ متی کے بیٹے یونسؑ سرخ اونٹنی پر سوار ہیں' کمبل کا جبہ

پہنے ہیں۔اونٹنی کی نکیل کھجور کی چھال کی ہے اور وہ لبیک اللھم لبیک کہتے جا رہے ہیں۔(۱)۔

معراج کے واقعہ میں یاد ہوگا کہ جب کفار نے بیت المقدس کا نقشہ دریافت کیا تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ وہ مجھے اچھی طرح یاد نہ تھا کہ دفعتاً اللہ تعالیٰ نے اس کو میری نگاہوں کے سامنے کر دیا' ایک ایک چیز کو پوچھتے جاتے تھے اور میں جواب دیتا جاتا تھا۔(۲)۔

ابن عباسؓ کہتے ہیں کہ ایک دن آپ ﷺ قبرستان سے گزر رہے تھے' فرمایا کہ ان دو قبروں پر عذاب ہو رہا ہے۔یہ عذاب کسی گناہ کبیرہ کی پاداش میں نہیں ہے۔ایک کو اس بات پر سزا دی جا رہی ہے کہ وہ طہارت کے وقت پردہ نہیں کرتا تھا۔یا یہ کہ پیشاب کی چھینٹوں سے پرہیز نہیں کرتا تھا۔دوسرے کے عذاب کا سبب یہ ہے کہ وہ لوگوں کی چغلی کھایا کرتا تھا' اس کے بعد آپ ﷺ نے ایک درخت کی سبز ٹہنی کو دو ٹکڑے کر کے دونوں پر کھڑا کر دیا اور فرمایا کہ شاید ان کی تسبیح و تہلیل سے ان کی سزاؤں میں تخفیف ہو۔(۳)۔

حضرت ابو ایوب انصاریؓ راوی ہیں کہ ایک دفعہ آپ ﷺ دوپہر کو گھر سے نکلے تو آپ ﷺ کے کانوں میں ایک آواز آئی۔فرمایا کہ یہ یہود پر ان کی قبروں میں عذاب ہو رہا ہے۔یہ بخاری کی روایت ہے۔(۴)۔

طبرانی میں ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا۔یہود کو ان کی قبروں میں جو عذاب دیئے جا رہے ہیں ان کی آوازیں میرے کانوں میں آ رہی ہیں۔

ایک جہاد میں مسلمانوں کی طرف ایک آدمی مارا گیا تھا۔لوگوں نے کہا وہ شہید ہوا۔آپ نے فرمایا ہرگز نہیں' میں نے اس کو دوزخ میں دیکھا ہے کیونکہ اس نے مال غنیمت میں سے ایک عبا چرائی تھی۔اس کے بعد آپ ﷺ نے حضرت عمرؓ کو حکم دیا کہ وہ اعلان کر دیں کہ جنت میں صرف اہل ایمان جائیں گے۔(۶)۔

عمرو بن عامر خزاعی عرب میں پہلا شخص ہے جس نے جانوروں کو دیوتاؤں کے نام نذر کرنے کی بدعت پیدا کی' بخاری میں حضرت ابو ہریرہؓ اور حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا کہ میں نے جہنم کو دیکھا کہ اس کے شعلے ایک دوسرے کو توڑ رہے اور اس میں عمرو بن عامر کو دیکھا کہ وہ اپنی آنتیں گھسیٹ رہا ہے۔(۷)۔

صحیح مسلم میں ہے کہ آپ ایک دفعہ بنی نجار کے نخلستان میں جا نکلے' آپ ﷺ ایک خچر پر سوار تھے اور جانثار ساتھ ساتھ تھے کہ دفعتاً خچر اس زور سے بھڑکا کہ قریب تھا کہ آپ ﷺ گر پڑیں۔ پاس پانچ چھ قبریں تھیں دریافت فرمایا کہ ان قبروں کو کوئی جانتا ہے؟ ایک نے کہا' ہاں! یا رسول اللہ۔ میں جانتا ہوں۔ فرمایا یہ لوگ کب مرے ہیں؟ عرض کیا کہ یہ لوگ شرک کی حالت میں مرے ہیں۔ فرمایا۔ ان لوگوں کو ان کی قبروں میں آزمائشیں ہو رہی ہیں

(۱)۔ صحیح مسلم باب الاسرا۔ (۲)۔ صحیح بخاری و صحیح مسلم باب الاسراء۔ (۳)۔ صحیح بخاری کتاب الجنائز۔ (٤)۔ کتاب الجنائز۔ (۵)۔ قسطلانی شرح حدیث مذکور۔ (٦)۔ جامع ترمذی باب ماجاء فی الغلول۔ (۷)۔ مسند ابن حنبل به مسند جابر بن عبداللہ۔ (۸)۔ ایضاً۔

اگر یہ خیال نہ ہوتا کہ تم مردوں سے ڈر کر ایک دوسرے کو دفن کرنے میں ڈرنے لگو گے تو میں خدا سے دعا کرتا کہ تم کو بھی عذاب قبر کی وہ آواز سنائے جو میں سن رہا ہوں۔(۱)۔

ایک دفعہ آپ ﷺ صحابہ کے ساتھ کسی طرف کو تشریف لے جا رہے تھے۔ اتنے میں ایک سخت بدبو پھیلی فرمایا جانتے ہو یہ کیسی بدبو ہے؟ یہ ان لوگوں کی بدبو ہے جو مسلمانوں کی غیبت کرتے ہیں۔(۲)۔ حاکم میں ہے کہ ایک دفعہ حضرت بلالؓ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ کسی طرف کو جا رہے تھے' آپ ﷺ نے فرمایا اے بلال! جو میں سن رہا ہوں تم سن رہے ہو؟ عرض کی نہیں یا رسول اللہ! فرمایا

کہ تم نہیں سنتے کہ مردوں پر عذاب ہو رہا ہے۔ مستدرک (۲)۔ حاکمؒ کتاب الزہد امام احمدؒ بزار اور بیہقی کی شعب الایمان میں ہے کہ حضرت زیدؓ بن ارقم بیان کرتے ہیں کہ ایک دفعہ ہم لوگ حضرت ابو بکرؓ کے ساتھ تھے' حضرت ابو بکرؓ نے پینے کی کوئی چیز مانگی تو لوگ شہد اور پانی لے آئے' حضرت ابو بکرؓ یہ دیکھ کر رونے لگے' لوگوں نے گریہ کا سبب دریافت کیا تو فرمایا۔ ایک دن میں خدمت نبوی ﷺ میں حاضر تھا تو دیکھا آپ ﷺ ہاتھ سے کوئی چیز ہٹا رہے ہیں؟ اور مجھے کوئی چیز ہٹانے کی نظر نہیں آتی تھی تو میں نے دریافت کیا کہ یا رسول اللہ! آپ ﷺ کس چیز کو ہٹا رہے ہیں؟ فرمایا یہ دنیا ہے جو میرے سامنے ممثل ہو کر آئی ہے۔ میں نے اس سے کہا کہ میرے پاس سے چلی جا۔ تو اس نے کہا۔ اگر آپ ﷺ مجھ سے بچ گئے تو آپ ﷺ کے بعد کے لوگ مجھ سے نہیں بچ سکتے۔

---

(۱)۔ مسند ابن حنبل بہ مسند جابر بن عبداللہ۔ (۲)۔ ایضاً۔ (۳)۔ مستدرک ج ۴ صفحہ ۳۰۹ ذہبی نے لکھا ہے کہ بخاری وغیرہ نے اس کے ایک راوی (عبدالصمد) کو متروک کہا ہے۔

اسراء یا معراج

سبحان الذی اسری بعبدہ

اسراء کے معنی ''رات کو چلانے یا لے جانے کے ہیں۔''چونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا یہ حیرت انگیز معجزانہ سفر رات کو ہوا تھا اس لئے اس کو اسراء کہتے ہیں اور قرآن مجید نے اسی لفظ سے اس کو تعبیر کیا ہے۔ سبحان الذی اسری بعبدہ لیلا (پاک ہے وہ خدا جو رات کے وقت اپنے بندہ کو لے گیا۔)

معراج عروج سے نکلا ہے جس کے معنی اوپر چڑھنے کے ہیں' چونکہ احادیث میں آپ سے لفظ عرج بی مجھ کو اوپر چڑھایا گیا' مروی ہے۔ اس لئے اس کا نام معراج پڑا۔

انبیاء اور سیر ملکوت::

انبیاء علیہم السلام کے روحانی حالات اور واقعات کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ اولوالعزم پیغمبروں کو آغاز نبوت کے کسی خاص وقت اور مخصوص ساعت میں یہ منصب رفیع حاصل ہوتا ہے اور اس وقت شرائط رویت کے تمام مادی پردے ان کی آنکھوں کے سامنے سے ہٹا دیئے جاتے ہیں' اسباب ساعت کے دنیاوی قوانین ان کے لئے منسوخ کر دیئے جاتے ہیں' قیود زمانی و مکانی کی تمام فرضی بیڑیاں ان کے پاؤں سے کاٹ ڈالی جاتی ہیں' آسمان و زمین کے مخفی مناظر بے حجاب ان کے سامنے آتے ہیں اور وہ اس کے بعد نور کا حلا بہشتی پہن کر فرشتوں کے روحانی جلوس کے ساتھ بارگاہ الٰہی میں پیش ہوتے ہیں اور اپنے اپنے رتبہ اور درجہ کے مناسب مقام پر کھڑے ہو کر فیض ربانی سے معمور اور غرق دریائے نور ہو جاتے ہیں۔ یہاں تک کہ بعض مقربان خاص کو یہ درجہ عطا ہوتا ہے کہ وہ حریم خلوت گاہ قدس میں بار پا کر قاب قوسین (دو کمانوں کے فاصلہ) سے بھی نزدیک تر ہو جاتے ہیں اور پھر وہاں سے اپنے منصب کا فرمان خاص لے کر اسی کاشانہ آب و خاک میں واپس آ جاتے

ہیں۔

حضرت ابراہیمؑ کو جب نبوت عطاء ہوئی تو ارشاد ہوتا ہے و کذلک نری ابراھیم ملکوت السموت والارض۔ اور اسی طرح ہم ابراہیمؑ کو آسمان اور زمین کی بادشاہی دکھلاتے ہیں۔ یہ سیر ملکوت یعنی آسمان و زمین کی بادشاہی کا مشاہدہ کیا ہے؟ یہی اسراء اور معراج ہے۔

حضرت یعقوبؑ کے متعلق توراہ میں مذکور ہے۔

''یعقوب بیر سبع سے نکلا اور حاران کی طرف روانہ ہوا اور رہاں ایک مقام پر جا کر لیٹا کیونکہ سورج ڈوب گیا تھا اور اسی مقام سے کچھ پتھر اپنے سر کے نیچے رکھ لئے اور وہیں سو رہا وہاں خواب دیکھا کہ زمین سے آسمان تک ایک زینہ لگا ہوا ہے جس پر سے خدا کے فرشتے چڑھ اور اتر رہے ہیں اور خدا اس پر کھڑا ہے اور اس نے کہا میں ہوں خداوند تیرے باپ ابراہیم اور اسحاق کا خدا جس زمین پر تو سویا ہے' وہ تجھ کو اور تیری نسل کو دوں گا۔'' (تکوین۔۲۸)

حضرت موسیٰؑ کو طور پر جلوہ حق کا پرتو نظر آیا' وہی ان کی معراج ہے' (دیگر بنی اسرائیل کے مشاہدات ربانی اور سیاحت روحانی کی تفصیل سے توراہ کے صفحات معمور ہیں۔ عیسائیوں کے مجموعہ انجیل میں یوحنا رسول کا مکاشفہ بہ تفصیل مذکور ہے جس میں ان کو خواب کے اندر بہت سے روحانی مناظر دکھائے گئے ہیں اور قیامت کے واقعات تمثیلی رنگ میں ان کے سامنے پیش کئے گئے ہیں۔ یہ پورا مکاشفہ جس کو ہم سفر نامہ ملکوت کہہ سکتے ہیں ۲۲ بابوں میں ختم ہوا ہے اور ان میں آثار قیامت جزاء وسزاء اور جنت و دوزخ وغیرہ کے متعلق اکثر ایسی باتیں بیان کی گئی ہیں جو قرآن مجید کے بالکل مطابق ہیں اور ان کو تمام مسلمان پسند کرتے ہیں مجوس اپنے پیغمبر

زردشت کے متعلق بھی معراج کا ایک طویل افسانہ سناتے ہیں جس میں زیادہ تر آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے واقعات معراج کو نقل کرنے کی کوشش کی گئی ہے، پیروان بودھ بھی نخل حکمت کے سایہ میں بودھ کے مشاہدہ ربانی کا ایک قصہ بیان کرتے ہیں۔

بہر حال اس تفصیل سے مقصود یہ ہے کہ ہمیشہ سے یہ سیر ملکوت انبیاءِ مقربان الٰہی اور مدعیان قرب الٰہی کے سوانح کا جزو رہی ہے اور ہر ایک نے اپنے اپنے منصب اور رتبہ کے مطابق اس عالم کے مشاہدہ کا فیض حاصل کیا ہے۔ اسلام نے اس خزانہ کو یہاں تک عام کیا ہے کہ اہل ایمان کے لئے دن میں پانچ دفعہ اس دربار کے کسی نہ کسی گوشہ تک رسائی ممکن کر دی ہے کہ الصلوۃ معراج المومنین۔

معراج نبوی ﷺ::

لیکن حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم چونکہ سرور انبیاء اور سید اولادِ آدم تھے اس لئے اس خطیرہ قدس اور بارگاہ لامکان میں آپ ﷺ کو وہاں تک رسائی حاصل ہوئی جہاں تک کسی فرزند آدم کا قدم اس سے پہلے نہیں پہنچا تھا اور وہ کچھ مشاہدہ کیا جواب تک دوسرے مقربان بارگاہ کی حد سے نظر سے باہر رہا تھا۔

معراج نبوی ﷺ کا وقت وتاریخ اور تعداد وقوع::

اس امر میں اختلاف ہے کہ معراج کب اور کس تاریخ کو واقع ہوئی' ایک دفعہ ہوئی یا مختلف اوقات میں۔ صحیح ومستند روایات کے مطابق اور جمہور علماء کی رائے کے موافق معراج صرف ایک دفعہ واقع ہوئی۔ جو لوگ متعدد کے قائل ہیں' اس کی اصل وجہ یہ ہے کہ چونکہ روایتوں میں جزئیات معراج کے بیان میں اختلاف ہے اس لئے انہوں نے رفع اختلاف کے لئے متعدد دفعہ معراج کا وقوع تسلیم کیا ہے (۱)۔ تا کہ ہر مختلف فیہ واقعہ ایک ایک جداگانہ معراج پر منطبق کیا جائے لیکن درحقیقت یہ ایک فرض محض ہے جس کو واقعیت سے کوئی تعلق نہیں۔ مستند اور صحیح روایات ہمارے

سامنے ہیں اور ان میں تعدد معراج کا اشارہ تک نہیں ہے۔ایک ایسے اہم مافوق مشاہدہ بشری اور طویل واقعہ کے متعلق جو اس وقت واقع ہوا۔ جب مسلمانوں کی تعداد بہت تھوڑی تھی اور جس قدر تھی وہ بھی پراگندہ حال اور منتشر الخیال تھی اور ایک ایسے واقعہ کے متعلق جس کے رواہ اکثر وہ لوگ ہیں جو اس وقت پیدا نہیں ہوئے تھے یا بہت چھوٹے تھے یا مدنی لوگ ہیں جن کو قبل ہجرت کے

---

(۱)۔امام سہیلیؒ نے روض الانف شرح سیرہ ہشام میں اسی استدلال کی بناء پر تعدد کا میلان ظاہر کیا ہے ج اول صفحہ ۲۴۴ مصر۔

واقعات کی ذاتی اور بلاواسطہ واقفیت نہ تھی' اگر جزئیات میں معمولی اختلاف یا بعض واقعات کی ترتیب میں تقدم و تاخر واقعہ ہوا ہے تو ان کی تطبیق کے درپے ہونے کی ضرورت نہیں' خود ہمارے سامنے روزانہ واقعات پیش آتے رہتے ہیں۔ان کے جزئیات کی تفصیل اگر مختلف راویوں سے سنیں یا مختلف اوقات میں ہم خود بیان کریں تو ترتیب واقعات اور دیگر جزئی امور میں بیسیوں اختلافات پیدا ہو جائیں گے' بایں ہمہ اصل معاملہ اور اس کے اہم اجزاء کے وقوع میں شک وشبہ نہ ہوگا۔

بعض ارباب سیر نے دو دفعہ معراج کا ہونا ظاہر کیا ہے جن میں وہ ایک کو اسراء اور دوسرے کو معراج کہتے ہیں۔قرآن میں اسراء اور احادیث میں معراج کا نام آیا ہے' انہوں نے اس کی ضرورت اس لئے سمجھی ہے کہ قرآن مجید کے پندرہویں پارہ میں اسراء کا جو بیان ہے اس میں صرف مکہ سے بیت المقدس تک کا سفر مذکور ہے اور قرینہ سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ جسم کے ساتھ حالت بیداری میں ہوا حالانکہ معراج میں تو آسمان تک سفر ہوا ہے اور عجیب وغریب واقعات پیش آئے ہیں اور بعض روایتوں میں تصریح ہے کہ یہ خواب تھا۔بہر حال یہ بھی استنباط اور قیاس سے آگے نہیں بڑھتا' قرآن مجید کے الفاظ خواب و بیداری دونوں کے متحمل ہیں۔اس بناء پر اس میں کوئی شک نہیں کہ معراج ایک ہی دفعہ واقع ہوئی ہے۔

علامہ زرقانی نے تصریح کی ہے کہ یہی جمہور محدثین، متکلمین اور فقہاء کی رائے ہے اور روایات صحیحہ کا تواتر بھی بظاہر اسی پر دلالت کرتا ہے اور اس سے عدول نہیں کرنا چاہیئے۔(۱)۔حافظ ابن کثیر نے تفسیر میں تعدد معراج کے قول کو بالکل لغو اور بے سند اور خلاف سیاق احادیث ٹھہرایا ہے۔

معراج کے وقت اور زمانہ کی تعین میں یہ دشواری پیش آتی ہے کہ یہ ہجرت سے پہلے کا واقعہ ہے جبکہ تاریخ اور سنہ کی تدوین نہیں ہوئی تھی اور عرب میں عموماً اسلام سے پہلے کسی خاص سنہ کا رواج نہ تھا تاہم وقت کے متعلق اتنا تو یقینی طور پر معلوم ہے کہ رات کا وقت تھا، خود قرآن مجید میں ہے کہ: (یعنی لے گیا اللہ تعالیٰ اپنے بندہ کو رات کے وقت) اور تمام روایات بھی اس پر متفق اللفظ ہیں لیکن صحیح دن اور تاریخ کا پتہ لگانا نہایت مشکل ہے۔محدثین کے ہاں کسی سے بھی بروایت صحیحہ اس کی تصریح موجود نہیں ہے۔ارباب سیر نے بعض صحابہ، تابعین اور تبع تابعین سے کچھ روایتیں کی ہیں لیکن ان کی تصریحات مختلف ہیں تاہم اتنی بات پر بلا اختلاف سب کا اتفاق ہے کہ یہ بعثت اور آغاز وحی کے بعد اور ہجرت سے پہلے کا واقعہ ہے جو مکہ معظمہ میں پیش آیا۔

مہینہ کی تعیین کے متعلق ارباب سیر کے پانچ اقوال ہیں کہ کوئی ربیع الاول کہتا ہے، کسی نے ربیع الآخر کی روایت ہے۔بعض رجب کی تعیین کرتے ہیں۔بعض رمضان یا شوال کہتے ہیں۔یہ آخری روایت سدی کی ہے جس کو ابن جریر طبری اور بیہقی نے نقل کیا ہے، اس کی روایت ہے کہ معراج ہجرت سے ۱۷ مہینے پیشتر واقع ہوئی، ہجرت اوائل ربیع الاول میں ہوئی ہے، اس بناء پر ۱۷ مہینے پیشتر آخر رمضان ہوگا۔یا آغاز شوال لیکن کون نہیں جانتا کہ سدی

---

(۱)۔شرح مواہب ج اول صفحہ ۵۵ (۲)۔صحیح بخاری اور کتب حدیث میں معراج کے بیان میں شریک نے حضرت انسؓ سے روایت کی ہے کہ یہ قبل آغاز وحی کے ہوا۔اس کا مطلب محض

فرشتوں کا آنا ہے' نفس معراج نہیں' تفصیل آگے آئے گی۔

سدی پایۂ اعتبار سے ساقط ہے۔ واقدی سے ابن سعد نے دو روایتیں کی ہیں۔ (ا)۔ ایک یہ کی سنیچر کی شب تھی' ۱۷ تاریخ تھی' رمضان کا مہینہ تھا' ہجرت (ربیع الاول ۱ھ) سے ۱۸ مہینے پیشتر کا یہ واقعہ ہے۔ دوسری یہ کہ یہ ہجرت سے ایک سال پہلے ۱۷ ربیع الاول کا واقعہ ہے۔ واقدی نے ان روایات میں کسی قدر تصریح کے ساتھ دن' تاریخ اور وقت بتا دیا ہے لیکن ہمارے علمائے رجال کی عدالت میں ان کی شہادت کوئی بڑی قدر و قیمت نہیں چنانچہ ان روایتوں میں بھی جس روایت میں وقت اور تاریخ کی جس قدر تفصیل زیادہ ہے۔ اسی قدر زیادہ نامعتبر ہے کیونکہ اس کی سند ناتمام ہے' دوسرے مہینوں کی روایتیں بھی اسی قسم کی ہیں' ابن قتیبہ دینوری (المتوفی ۲۶۷ھ) اور علامہ ابن عبدالبر (المتوفی ۴۶۳ھ) نے رجب کی تعیین کی ہے اور متاخرین میں امام رافعی اور امام نووی نے (روضہ میں) اس کو تیقن کے ساتھ ظاہر کیا ہے اور محدث عبدالغنی مقدسی نے بھی اسی مہینہ کو اختیار کیا ہے بلکہ ۲۷ تاریخ کی بھی تصریح کر دی ہے اور علامہ زرقانی نے لکھا ہے کہ لوگوں کا اسی پر عمل ہے اور بعضوں کی رائے ہے کہ یہی قوی ترین روایت ہے۔ کیونکہ اصول یہ ہے کہ جب کسی بات میں اسلاف کا اختلاف ہو اور کسی رائے کی ترجیح پر کوئی دلیل قائم نہ ہو تو بظن غالب وہ قول صحیح ہوگا جس پر عمل درآمد ہو اور جو لوگوں میں مقبول ہو۔ (۲)۔ اس مسئلہ کے حل کی ایک صورت یہ ہے کہ متاخرین کے نقول قیاسات' استنباطات اور محاولات سے جو دس سے زیادہ مختلف اقوال پر مشتمل ہیں قطع نظر کر لیا جائے اور دیکھا جائے کہ قدیم راویوں کی اصل تصریحات کیا کیا ہیں اور کثرت روایت اور گمان صحت کا راجح پہلو کس کی جانب ہے۔ چنانچہ یہ تصریحات حسب ذیل ہیں:

(ا) ابن سعد بواسطہ واقدی

۱۷ ربیع الاول ہجرت سے ایک

ابن سعد نے یہ روایت متعدد

ازحضرت عبداللہ بن عمروؓ بن

سال قبل

مسلسل طریقوں سے صحابہ سے

العاص وام سلمہ و عائشہ وابن

نقل کیا ہے

عباس وام ہانی رضی اللہ عنہم۔

(۲) موسیٰ بن عقبہ بواسطہ زہری

ہجرت سے ایک سال قبل

موسیٰ بن عقبہ کی سیرت معتبر ترین

کتاب ہے۔

(۳) زہری بواسطہ سعید ابن صہیب

ہجرت سے ایک سال قبل

موسیٰ بن عقبہ کی سیرت معتبر ترین

کتاب ہے۔

(۴) عروہ بن زبیرؓ از حضرت عائشہؓ

ہجرت سے ایک سال قبل

موسیٰ بن عقبہ کی سیرت معتبر ترین

کتاب ہے۔

(۵) قتادہ۔

ہجرت سے ایک سال قبل

یہ تابعی ہیں۔

(۱)۔ابن سعد ج ا صفحہ ۱۴۳ (۲)۔ یہ تمام تفصیل زرقانی ج ا ص ۳۵۵۔۳۵۸

میں مذکور ہے۔

(۶) مقاتل

ہجرت سے ایک سال قبل

یہ تابعی ہیں۔

(۷) ابن جریج

ہجرت سے ایک سال قبل

یہ تابعی ہیں۔

(۸) ابراہیم ابن اسحاق الحربی

۲۷ ربیع الآخر ہجرت سے ایک

یہ تابعی ہیں۔

سال پہلے

(۹) مسلم بن قتیبہ

ہجرت سے ۱۸ ماہ پیشتر

یہ مورخ ہیں۔

(۱۰) عمرو بن شعیب از حضرت

۷ ربیع الاول ہجرت سے ایک

یہ مورخ ہیں۔

عمروؓ بن العاص

سال پہلے

(۱۱) سدی

ہجرت سے ۱۷ یا ۱۶ مہینے پیشتر

سدی پایۂ اعتبار سے ساقط ہے۔

متاخرین نے امام زہری کے انتساب سے دو اور مختلف اقوال نقل کئے ہیں۔ ایک ہجرت سے پانچ سال قبل اور دوسرا شریعت سے پانچ سال بعد۔ پہلے قول کے ناقل علامہ ابن حجر (فتح الباری جلد ۷ صفحہ ۱۵۵ مصر) ہیں اور ان کا بیان ہے کہ قاضی عیاض، امام قرطبی اور امام نووی شارحین صحیح مسلم اسی کے مؤید ہیں، لیکن امام نووی کی شرح صحیح مسلم مطبوعہ ہندوستان (ص ۹۱) اور قسطلانی کی سیرت مواہب لدنیہ (مصبوعہ مصر مع زرقانی) میں دوسرا قول منقول ہے۔ زرقانی نے (جلد اول فصل معراج) میں اس اختلاف پر حیرت ظاہر کی ہے، افسوس ہے کہ قلمی نسخے موجود نہیں، ہمارا خیال ہے کہ یہ اختلاف کتابت کی غلطی اور مسامحت سے پیدا ہوا ہے۔ اسی طرح اسد الغابہ ابن اثیر مطبوعہ مصر (ص ۲۰) میں سدی کی نسبت لکھا ہے کہ وہ کہتا ہے کہ معراج ہجرت سے ۶ مہینے ستتہ اشہر) پہلے ہوئی۔ یہ درحقیقت ۱۶ ہے۔ ''ستتہ اشہر'' کے بجائے ''ستتہ عشر شہرا'' چاہئے۔ جیسا کہ حافظ ابن کثیر نے اس سے (تفسیر اسراء) نقل کیا ہے اور جو اس کی ۱۷ مہینے والی روایت کے قریب قریب ہے جو طبری و بیہقی میں ہے۔ چھٹی صدی میں علامہ ابن اثیر نے کسی قیاس یا استنباط تاریخی کی بناء پر ہجرت سے تین سال پہلے معراج کا وقوع تسلیم کیا ہے، مگر جہاں تک ہم کو معلوم ہے کہ کسی اور نے اس کا ساتھ نہیں دیا ہے اور نہ کہیں سیرت کی امہات کتب میں یہ تاریخ مذکور ہے، بجز اس قیاس کے کہ ابن اسحاق نے اپنی سیرت میں واقعہ معراج کو ابو طالب اور حضرت خدیجہؓ کی وفات سے پہلے نقل کیا ہے اور یہ دونوں حادثے ہجرت سے تین سال پہلے پیش آئے تھے۔ اس سے اشارتاً یہ سمجھا جا سکتا ہے کہ ابن

اسحق کا خیال تھا کہ معراج ہجرت سے تین سال پہلے ہوئی۔

ہم نے مقدمہ کی پوری روداد ناظرین کے سامنے رکھ دی ہے جس سے معلوم ہوا ہو گا کہ قدیم راویوں

(۱)۔ یہ تمام روایات مختلف ماخذوں سے جمع کی گئی ہیں۔ اول ابن سعد میں ہے' دوم' چہارم' یازدہم تفسیر ابن کثیر (سورہ اسراء ص ۴۰) میں ہے۔ ہشتم تفسیر ابن جریر (۱۵۔۷۲) میں ہے۔ پنجم و ششم تفسیر ابن حیان (اسراء صفحہ ۵) میں ہے۔ بقیہ اقوال اور روایات کے لئے فتح الباری' زرقانی' شرح شفائے عیاض' استیعاب' ابن عبدالبر' اسدالغابہ ابن اثیر اور روض الانف (ذکر معراج) دیکھئے۔

کا بڑا حصہ ایک سال قبل ہجرت کا زمانہ متعین کرتا ہے' ایک دو بزرگ ۷ یا ۸ مہینے کی مدت اور بڑھا دیتے ہیں۔ متاخرین میں سے بعض اصحاب نے جو قیاس تاریخی سے تین سال یا پانچ سال قبل ہجرت کا زمانہ متعین کرنا چاہا ہے اس کا مبنیٰ یہ ہے کہ بخاری میں حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ حضرت خدیجہؓ نماز پنجگانہ کی فرضیت سے پہلے وفات پا چکی تھیں' نماز پنجگانہ بالاتفاق معراج میں فرض ہوئی۔ پھر بخاری ہی میں حضرت عائشہؓ کی روایت ہے کہ حضرت خدیجہؓ نے ہجرت سے تین سال پہلے وفات پائی اور دوسرے راویوں نے بیان کیا ہے کہ ہجرت سے پانچ سال پہلے انتقال کیا۔ ان مقدمات کو یکجا کر کے انہوں نے یہ نتیجہ نکالنا چاہا ہے کہ معراج کا واقعہ ہجرت سے تین سال پہلے (بقول ابن اثیر) یا پانچ سال پہلے (بقول قاضی عیاض وغیرہ) پیش آیا ہے' لیکن ظاہر ہے کہ یہ استدلال اس وقت درست ہو سکتا تھا جب یہ ثابت ہوتا کہ نماز پنجگانہ کی فرضیت اور حضرت خدیجہؓ کی وفات دونوں ایک ساتھ ہوئیں یا کم از کم یہ کہ پہلا واقعہ دوسرے واقعہ کے چند روز بعد پیش آیا۔ حضرت عائشہؓ کی روایت سے صرف اس قدر ثابت ہوتا ہے کہ حضرت خدیجہؓ نے معراج (فرضیت نماز پنجگانہ) سے پہلے وفات پائی۔ اب یہ نہیں معلوم کہ ایک مہینہ پہلے یا سال بھر پہلے یا چند سال پہلے' اس لئے ان قیاسات سے معراج کی تاریخ متعین نہیں ہو سکتی۔

بہر حال ابتدائی راویوں کی کثیر جماعت جن میں بعض نہایت معتبر اور ثقہ ہیں اسی طرح ہے کہ یہ ہجرت یعنی ربیع الاول اھ سے ایک سال یا ڈیڑھ سال پہلے کا واقعہ ہے۔ امام بخاری نے جامع صحیح میں گو کوئی تاریخ نہیں بیان کی ہے' لیکن ترتیب میں وقائع قبل ہجرت کے سب سے آخر میں اور بیعت عقبہ اور ہجرت سے متصلا" پہلے واقعہ معراج کو جگہ دی ہے اور ابن سعد نے بھی سیرت میں واقعہ معراج کا یہی موقع ترتیب میں رکھا ہے' اس سے حدیث اور سیرت کے ان دو اماموں کا یہی منشاء ظاہر ہوتا ہے کہ وہ ہجرت سے کچھ ہی زمانہ پہلے خواہ وہ ایک سال ہو یا اور کچھ' کم و بیش' معراج کا زمانہ متعین کرتے ہیں۔ آگے چل کر ہم یہ بتائیں گے کہ ہمارے نزدیک قرآن مجید سے بھی یہی مستنبط ہوتا ہے کہ معراج اور ہجرت کے بیچ میں کوئی زمانہ حائل نہ تھا بلکہ معراج درحقیقت ہجرت ہی کا اعلان تھا۔

مہینہ کی تعیین مشکل ہے جو لوگ ہجرت یعنی ربیع الاول اھ سے ایک سال پہلے کہتے ہیں' ان کے حساب سے اگر یہ ربیع الاول ادھر شامل کر لیا جائے تو ادھر معراج کا ایک مہینہ ربیع الآخر پڑے گا اور اگر شامل نہ کیا جائے تو ربیع الاول رہے گا' اور اگر عام و مشہور و معمول بہ رجب کی تاریخ اختیار کی جائے تو ہجرت سے ایک سال ٦ مہینے پیشتر کا واقعہ تسلیم کرنا ہوگا۔

معراج کی صحیح روایتیں ::

واقعہ معراج چونکہ نہایت اہم' ہماری مادی کائنات سے ماوراء اور قیاس استنباط اور عقل انسانی کی سرحد سے بالاتر ہے۔ اس لئے ضروری ہے کہ اس باب میں صحیح و خالص روایتوں کی پیروی کی جائے' احادیث و سیر کی کتابوں میں اس واقعہ کو کثیر التعداد صحابیوں نے بیان کیا ہے۔ علامہ زرقانی نے ۴۵ صحابیوں کو نام بنام گنایا ہے اور حدیث و تفسیر کی جن جن کتابوں میں ان کی روایتیں مذکور ہیں' ان کی تصریح کی ہے۔ علامہ ابن کثیر نے تفسیر (بنی اسرائیل) میں ان میں سے اکثر روایتوں کو یکجا کر

دیا ہے۔ ان میں صحیح مرفوع، قوی، موقوف، مرسل، منکر سبھی قسم کی روایتیں ہیں۔ صحاح ستہ میں معراج کا واقعہ مستقلاً" صحیح بخاری اور صحیح مسلم میں مذکور ہے۔ ترمذی اور نسائی وغیرہ میں ضمناً اور مختصراً یہ واقعات مختلف ابواب میں کہیں کہیں آ گئے ہیں۔ امام بخاری اور مسلم نے اس واقعہ کو حضرت ابو ذرؓ حضرت مالکؓ بن صعصعہ، حضرت انسؓ بن مالک، حضرت عبداللہ بن عباسؓ حضرت ابو ہریرہؓ حضرت جابرؓ بن عبداللہ اور حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سات اکابر صحابہ سے روایت کیا ہے، ان میں چار پچھلے صحابیوں نے صرف چند متفرق جزئیات بیان کئے ہیں۔

صحیحین میں واقعہ معراج کا **مسلسل** اور **مفصل** بیان حضرت ابو ذرؓ حضرت مالکؓ بن صعصعہ اور حضرت انسؓ بن مالک سے مروی ہے، حضرت انسؓ نے تین طرق سے روایت کی ہے۔ ایک طریقہ میں صحیح مسلم باب الاسراء اور صحیح بخاری کتاب التوحید۔ اخیر راوی وہی ہیں، لیکن اس میں یہ تصریح نہیں ہے کہ انہوں نے خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سنا، یا کسی صحابی نے ان سے بیان کیا۔ دوسرے طریقہ میں (صحیح بخاری باب ذکر الملائکہ و باب المعراج اور صحیح مسلم باب الاسراء) یہ تصریح ہے کہ انہوں نے حضرت مالک بن صعصعہ سے سنا اور تیسرے طریقہ (صحیح بخاری کتاب الصلوٰۃ کتاب الانبیاء) میں یہ صراحت ہے کہ انہوں نے حضرت ابو ذرؓ سے بھی سنا ہے، اس سے ثابت ہوتا ہے کہ حضرت انسؓ نے متعدد اکابر صحابہ سے معراج کا واقعہ سنا تھا اور اسی لئے ان کا بیان سب سے زیادہ جامع اور **مفصل** ہے۔ تابعین میں سے متعدد بزرگوں نے حضرت انسؓ سے اس روایت کو صحیحین میں نقل کیا ہے مثلاً ثابت البنانی ابن شہاب زہری، قتادہ اور شریک بن عبداللہ ابی نمر، ان میں محفوظ تر بیان ثابت کا ہے۔ شریک کی روایت متعدد امور میں ثقات کی روایت کی مخالف ہے اور اسی لئے امام مسلم نے صحیح مسلم باب الاسراء میں اس کی طرف اشارہ کر کے چھوڑ دیا ہے اور لکھ دیا ہے کہ ان روایت میں تقدم و تاخر اور زیادت و نقص ہے۔

حضرت مالک بن صعصعہ اور حضرت ابوذرؓ نے یہ تصریح کی ہے کہ انہوں نے معراج کے واقعہ کو لفظ بلفظ اور حرف بحرف آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زبان مبارک سے سنا ہے، گو یہ دونوں ہی بزرگوار جلیل القدر صحابی ہیں، لیکن حضرت ابوذرؓ میں ایک مزید خصوصیت یہ ہے کہ وہ سابقین اسلام میں ہیں اور وقوع معراج سے پہلے ہی مکہ میں آ کر اسلام لا چکے تھے، حضرت مالک بن صعصعہ انصاری ہیں، اس بناء پر معراج کی تمام روایتوں میں حضرت ابوذرؓ کی روایت کو ہم سب سے مقدم سمجھتے ہیں۔

معراج کا واقعہ::

الغرض جب اسلام کی سخت اور پرخطر زندگی کا باب ختم ہونے کو تھا اور ہجرت کے بعد سے اطمینان وسکون کے ایک نئے دور کا آغاز ہونے والا تھا تو وہ شب مبارک آئی اور اس شب مبارک میں وہ ساعت ہمایوں آئی جو دیوان قضا میں سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سیر ملکوت کے لئے مقرر تھی اور جس میں پیش گاہ ربانی سے احکام خاص کا اجراء اور نفاذ عمل میں آنے والا تھا، رضوان جنت کو حکم ہوا کہ آج مہمان سرائے غیب کو نئے سازوبرگ سے آراستہ کیا جائے کہ شاہد عالم آج یہاں مہمان بن کر آئے گا۔ روح الامین کو پیغام پہنچا کہ وہ سواری جو بجلی سے زیادہ تیز گام اور روشنی سے زیادہ سبک خرام ہے اور جو خطہ لاہوت کے مسافروں کے لئے مخصوص ہے۔ حرم ابراہیم (کعبہ) میں لے کر حاضر ہو۔ کارکنان عناصر کو حکم ہوا کہ مملکت آب وخاک کے تمام مادی احکام وقوانین تھوڑی دیر کے لئے معطل کر دیئے جائیں اور زمان ومکان سفر واقامت، رویت وساعت، تخاطب وکلام کی تمام طبعی پابندیاں اٹھا دی جائیں۔

صحیحین میں حضرت ابوذرؓ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مکہ میں تھے کہ آپ ﷺ کے گھر کی چھت کھلی اور جبریل علیہ السلام نازل ہوئے، انہوں نے

پہلے آپ ﷺ کا سینہ مبارک چاک کیا' پھر اس کو آب زم زم سے دھویا۔ اس کے بعد سونے کا ایک طشت ایمان و حکمت سے بھر لائے اور ان کو سینہ مبارک میں ڈال کر بند کر دیا' پھر آپ ﷺ کا ہاتھ پکڑ کر آسمان پر لے گئے۔ جب آپ ﷺ آسمان پر پہنچے تو جبریل علیہ السلام نے آسمان کے داروغہ سے کہا کہ ''کھولو'' اس نے کہا کون؟ انہوں نے جواب دیا۔ ''جبریل۔'' اس نے پوچھا' کیا تمہارے ساتھ کوئی اور بھی ہے؟ انہوں نے کہا'' ہاں میرے ساتھ محمد ﷺ ہیں۔'' اس نے سوال کیا۔ کیا وہ بلائے گئے ہیں؟ انہوں نے اثبات میں جواب دیا۔

بہر حال آپ ﷺ جب پہلے آسمان پر چڑھے تو آپ ﷺ کو ایک شخص بیٹھا ہوا نظر آیا جس کے دائیں بائیں بہت سے پرچھائیں تھیں' جب وہ دائیں جانب دیکھتا تھا تو ہنستا تھا اور جب بائیں جانب نگاہ جاتی تو روتا تھا' آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دیکھ کر اس نے کہا۔ مرحبا اے نبی صالح اور اے فرزند صالح! آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جبریل علیہ السلام سے پوچھا یہ کون ہیں؟ انہوں نے کہا۔ یہ آدمؑ ہیں اور ان کے دائیں بائیں کی پرچھائیاں ان کی اولاد کی اولاد کی روحیں ہیں۔ دائیں جانب والے جنتی اور بائیں جانب والے دوزخی ہیں۔ اس لئے وہ دائیں جانب دیکھتے ہیں تو ہنستے ہیں اور بائیں جانب نگاہ کرتے ہیں تو روتے ہیں۔ اس کے بعد آپ ﷺ دوسرے آسمان پر پہنچے تو اسی قسم کا سوال و جواب ہوا اور ہر آسمان پر کسی نہ کسی پیغمبر سے ملاقات ہوئی۔ پہلے آسمان پر حضرت آدم اور چھٹے پر حضرت ابراہیمؑ سے (حضرت انسؓ کہتے ہیں کہ حضرت ابوذرؓ نے مجھ سے پیغمبروں کے منازل کی تعیین نہیں بیان کی) بہر حال حضرت جبریل علیہ السلام آپ ﷺ کو ادریس علیہ السلام کے پاس سے لے کر گزرے' انہوں نے آپ ﷺ کو دیکھ کر کہا۔ مرحبا اے نبی صالح اور برادر صالح! آپ ﷺ نے نام پوچھا۔ حضرت جبریلؑ نے نام بتایا۔ پھر یہی واقعہ حضرت موسیٰ اور حضرت عیسیٰ اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کے

ساتھ پیش آیا۔ حضرت موسیٰ اور حضرت عیسیٰ نبی صالح اور برادر صالح کہہ کر اور حضرت ابراہیم نے نبی صالح اور فرزند صالح کہہ کر آپ ﷺ کا خیر مقدم کیا۔ اس کے بعد حضرت جبریل آپ ﷺ کو اور اوپر لے گئے اور آپ اس مقام پر پہنچے جہاں قلم (قدرت) کے چلنے کی آواز آتی تھی۔ اس موقع پر خداوند تعالیٰ نے آپ ﷺ کی امت پر پچاس وقت کی نماز فرض کی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس عطیہ ربانی کو لے کر حضرت موسیٰ کے پاس آئے تو انہوں نے پوچھا کہ خدا نے آپ ﷺ کی امت پر کیا فرض کیا ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا کہ پچاس وقت کی نماز۔ انہوں نے کہا کہ خدا کے پاس دوبارہ جایئے کہ آپ ﷺ کی امت اس کی متحمل نہیں ہوسکتی' آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم گئے اور خدا نے ایک حصہ کم کر دیا۔ آپ ﷺ واپس آئے تو حضرت موسیٰ نے کہا کہ دوبارہ خدا کے پاس جایئے' آپ ﷺ کی امت اس کی بھی متحمل نہیں ہوگی۔ آپ ﷺ گئے تو خدا نے ایک حصہ کی پھر تخفیف کر دی' حضرت موسیٰ نے پھر کہا کہ آپ ﷺ کی امت میں اس کی بھی قوت نہیں۔ آپ ﷺ پھر گئے تو خدا نے اس تعداد کو گھٹا کر پانچ وقت کر دیا اور ارشاد ہوا کہ گو نمازیں پانچ وقت کی ہوں گی لیکن ثواب ان ہی پچاس وقتوں کا ملے گا۔ کیونکہ میرے حکم میں تغیر و تبدل نہیں ہوتا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے تخفیف مزید کی غرض سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو پھر خدا کے پاس مراجعت کا مشورہ دیا' لیکن آپ ﷺ نے فرمایا کہ اب تو مجھے شرم آتی ہے' اس کے بعد آپ ﷺ کو سدرہ المنتہی کی سیر کرائی گئی جو ایسے مختلف رنگوں سے ڈھکا ہوا تھا جن کو آپ ﷺ جان نہ سکے' پھر آپ ﷺ حضرت جبریل علیہ السلام جنت میں لے گئے' وہاں آپ ﷺ کو موتی کی عمارتیں نظر آئیں اور آپ ﷺ نے دیکھا کہ اس کی مٹی مشک کی ہے۔ (۱)۔

کتب حدیث میں واقعہ معراج کے متعلق یہ مقدم ترین اور معتبر ترین روایت ہے

اس کے بعد حضرت مالک بن صعصعہؓ کی روایت کا درجہ ہے۔ اس روایت میں بہت سی باتیں پہلی سے زائد ہیں' حضرت ابوذر غفاریؓ کی روایت میں اس کی تصریح نہیں کہ آپ ؐ اس وقت بیدار تھے یا خواب میں تھے۔ اس میں یہ ہے کہ آپ ؐ خواب و بیداری کی درمیانی حالت میں تھے۔ پہلی روایت میں ہے کہ آپ ؐ نے دیکھا کہ آپ ؐ کے گھر کی چھت کھلی اور حضرت جبریلؑ نازل ہوئے' اور اس میں ہے کہ آپ ؐ حطیم یا حجر (۲)۔ میں لیٹے ہوئے تھے کہ حضرت جبریلؑ آئے' حضرت ابوذر غفاریؓ کی روایت میں براق کا ذکر نہیں' اور اس روایت میں ہے کہ آپ ؐ براق پر سوار ہو کر گئے۔ حضرت ابوذر غفاریؓ کی روایت میں منازل انبیاء نہیں بیان کئے گئے ہیں لیکن اس روایت میں نام بنام تصریح ہے' حضرت ابوذر غفاریؓ کی روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ اوقات نماز کی تعداد تین مرتبہ میں گھٹائی گئی (۳)۔ لیکن اس روایت سے ظاہر ہوتا ہے کہ آپ ؐ اس غرض سے خدا کے پاس پانچ بار گئے' ان دونوں روایتوں میں درحقیقت اجمال و تفصیل کا فرق ہے' حضرت ابوذرؓ کی روایت مجمل ہے اور حضرت مالک بن صعصعہؓ کی روایت میں واقعات کی کسی قدر تفصیل ہے' تاہم یہ دوسری روایت بھی معراج کے تمام واقعات وسوانح کو محیط نہیں ہے۔ اب ذیل میں ہم صحیحین کی تمام روایتوں کو ملا کر معراج کے سوانح و مشاہدات کا ایک جامع بیان لکھتے ہیں۔

حضرت ابراہیمؑ نے اصل کعبہ کے جو عمارت بنائی تھی وہ سیلاب سے کئی دفعہ گر چکی تھی اور پھر بنی تھی اسی طرح قریش کے زمانہ میں جب آنحضرت ﷺ ہنوز پیغمبر نہیں ہوئے تھے۔ سیلاب سے گر گئی۔ قریش نے اس کو دوبارہ تعمیر کرنا چاہا تو سرمایہ کی کمی کے باعث ایک طرف اندر کی تھوڑی سی زمین چھوڑ کر دیوار کے طول کو کم کر دیا' اس طرح کعبہ کی تھوڑی سی زمین چار دیواری سے باہر رہ گئی اور اب تک اسی طرح ہے اس زمین کا نام حجر اور حطیم ہے۔ قریش کے نوجوان اور رؤسا اکثر یہاں رات کو

سویا کرتے تھے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بھی کبھی کبھی یہاں آرام فرمایا کرتے تھے۔نبوت سے پہلے بھی آپ ؐ کو حالت رویاء میں فرشتے نظر آتے تھے۔(۴)۔ جس شب کو معراج ہوئی آپ ؐ اسی مقام (۵)۔ پر استراحت فرمارہے تھے' بیداری اور خواب کی درمیانی

---

(۱)۔ بخاری جلد اول باب کیف فرضیت الصلوۃ فی الاسراء۔
(۲)۔ حطیم اور حجر ایك ھی مقام کے دو نام ھیں۔ یہ وہ مختصر سی جگہ ھے جو حضرت ابراھیم کے اصل تعمیر کردہ کعبہ میں قریش کے بنائے ھوئے کعبہ کی چار دیواری سے باھر رہ گئی ھے اور اندر داخل نھیں ھو سکتی ھے۔ (۳)۔ بخاری باب الانبیاء وھاب المعراج۔ (٤)۔ بخاری کتاب التوحید و باب صفتہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم۔ (۵)۔ اس شب کہ جس مقام پر آپ ؐ استراحت فرماتے تھے اور جھاں معراج کا واقعہ پیش آیا اس کی تعین میں اختلاف بیان کیا جاتا ھے۔ صحیحین میں حضرت ملك ؓ اور حضرت انس ؓ کی جو روایتیں ھیں ان میں بتصریح تمام یہ مذکور ھے کہ آپ ؐ مسجد حرام (کعبہ) میں تھے اور اسی کے ایك بیرونی گوشہ میں جس کا نام حجر اور حطیم ھے آپ ؐ سو رھے تھے' یہ تو صحیحین کا بیان ھے۔ بعض نیچے (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

حالت تھی۔آپ ؐ نے دیکھا کہ آپ ؐ کے گھر کی چھت کھلی اور حضرت جبریل ؑ نازل ہوئے۔ان کے ساتھ چند اور فرشتے بھی تھے۔پہلے وہ آپ ؐ کو چاہ زمزم کے پاس لے گئے اور وہاں آپ ؐ کے سینہ مبارک کو چاک کیا اور قلب اطہر کو نکال کر آب زم زم سے دھویا۔اس کے بعد سونے کا ایک طشت ایمان وحکمت سے معمور لایا گیا۔جبریل نے اس طشت سے ایمان وحکمت کے خزانہ کو لے کر آپ ؐ کے سینہ میں رکھ کر اس کو برابر کر دیا۔

اس کے بعد گدھے سے بڑا خچر سے چھوٹا سپید رنگ کا ایک لمبا جانور براق نامی لایا گیا(۱)۔جس کی تیز رفتاری کا یہ حال تھا کہ اس کا ہر قدم وہاں پڑتا تھا جہاں نگاہ کی آخری حد ہوتی تھی۔آپ ؐ اس پر سوار ہو کر بیت المقدس آئے اور براق کو اس

قلابہ میں باندھ کر جس میں انبیاء اپنی سواریاں باندھا کرتے تھے' آپ نے مسجد اقصیٰ کے اندر قدم رکھا اور وہاں دو رکعت نماز ادا کی۔ یہاں سے نکلے تو جبریل نے شراب اور دودھ کے دو پیالے آپ ؐ کے سامنے پیش کئے' آپ ؐ نے دودھ کا پیالہ اٹھا لیا۔ جبریل ؑ نے کہا آپ ؐ نے فطرت کو پسند کیا۔ اگر شراب کا پیالہ اٹھاتے تو آپ ؐ کی امت گمراہ ہو جاتی۔ بعد ازیں جبریل آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو لے کر آسمان پر چڑھے' پہلا آسمان آیا تو جبریل نے دربان کو آواز دی۔ اس نے کہا کون ہے؟ جبریل نے اپنا نام بتایا۔ پوچھا کہ تمہارے ساتھ اور کون ہے؟ جواب دیا محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہیں۔ پھر دریافت کیا۔ کیا بلائے گئے ہیں؟ کہا ہاں۔ یہ سن کر فرشتہ نے دروازہ کھول دیا اور مرحبا خوش آمدید کہا اور کہا کہ اس خبر کو سن کر آسمان والے خوش ہوں گے۔ خدا اہل زمین کے ساتھ جو

(بقیہ حاشیہ از گزشتہ صفحہ) درجہ کی روایتوں میں ہے کہ ام ہانیؓ کا بیان ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو میرے ہی گھر میں معراج ہوئی۔ ام ہانی کا گھر شعب ابی طالب میں تھا۔ یہ روایت مشہور دروغ گو کلبی کی ہے۔ اس میں حد درجہ لغو (غریب و منکر) باتیں مذکور ہیں۔ مسند ابویعلی میں ام ہانیؓ سے روایت ہے کہ آنحضرت ؐ عشاء کی نماز پڑھ کر ہم لوگوں کے ساتھ میرے ہی مکان میں سوئے۔ شب کو میری آنکھ کھلی تو آپ ؐ کو نہ پایا۔ رؤسائے قریش کی دشمنی کے باعث دل میں عجیب عجیب بد گمانیاں پیدا ہونے لگیں' نیند نہ آئی' صبح اٹھ کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے معراج کا واقعہ بیان کیا اور فرمایا کہ میں رؤسائے قریش کو کہنے جاتا ہوں' میں نے آپ ؐ کا دامن پکڑ لیا کہ خدا کے لئے ان سے یہ نہ کہئے وہ تکذیب کریں گے اور آپ ؐ کی جان پر حملہ کریں گے' لیکن آپ ؐ نے نہ مانا اور دامن جھٹک کر چلے گئے۔ ان روایتوں میں علاوہ اور لغویات کے عشاء اور صبح کی نماز و جماعت کی تصریح کس قدر غلط ہے کہ یہ نماز پنجگانہ تو عین شب معراج میں فرض ہوئی ہے۔ ظاہر ہے کہ اس قسم کی روایتوں کا صحیحین کے مقابلہ میں کیا درجہ اور کیا اعتبار

ہو سکتا ہے؟ اس لئے اس میں کوئی شک نہیں کہ معراج کی شب آپ ؐ خانہ کعبہ میں تھے۔ البتہ بخاری و مسلم میں حضرت ابوذرؓ کی روایت میں ہے کہ میں مکہ میں تھا کہ میرے گھر کی چھت کھلی اور جبریل آئے۔ ہمارے نزدیک اس کی صحیح تعبیر یہ ہے کہ آپ ؐ آرام تو خانہ کعبہ میں فرما رہے تھے لیکن مشاہدہ آپ ؐ کو یہ کرایا گیا کہ آپ ؐ اپنے گھر میں ہیں اور اس کی چھت کھلی اور حضرت جبریل ؑ نازل ہوئے۔ (حاشیہ صفحہ ھذا) (۱)۔ مسند احمد میں بروایت انسؓ اور ترمذی اور ابن جریر طبری میں ہے کہ آپ ﷺ نے براق پر سوار ہونے کا قصد کیا تو اس نے شوخی کی، جبریل نے کہا کیوں شوخی کرتے ہو، تیری پشت پر آج تک محمد ﷺ سے زیادہ خدا کے نزدیک برگزیدہ کوئی دوسرا سوار نہیں ہوا" یہ سن کر براق پسینہ پسینہ ہو گیا، ابن جریر کی روایت کی نسبت حافظ ابن کثیر نے لکھا ہے کہ اس کے بعض الفاظ میں نکارت و غرابت ہے، ترمذی نے اس روایت کے متعلق لکھا ہے کہ یہ غریب ہے۔ غریب لانعرفہ الامن حدیثہ۔

کچھ کرنا چاہتا ہے جب تک وہ آسمان والوں کو اس کا علم نہ بخشے وہ جان نہیں سکتے، اب آپ ؐ پہلے آسمان میں داخل ہوئے تو ایک شخص نظر آیا جس کی داہنی اور بائیں طرف بہت سی پرچھائیں تھیں، جب وہ داہنی طرف دیکھتا تو ہنستا اور جب بائیں طرف دیکھتا تو رو دیتا۔ وہ آپ ؐ کو دیکھ کر بولا۔ مرحبا اے نبی صالح اے فرزند صالح۔ آپ ؐ نے جبریل سے دریافت کیا کہ یہ کون ہے؟ جبریل نے بتایا کہ یہ آپ ؐ کے باپ آدم ؑ ہیں، ان کی دائیں اور بائیں طرف جو پرچھائیں ہیں یہ ان کی اولادوں کی روحیں ہیں، داہنی طرف والے اہل جنت ہیں اور بائیں طرف والے دوزخی ہیں۔ اس لئے جب ادھر دیکھتے ہیں تو خوش ہوتے ہیں اور ادھر دیکھ کر آزردہ ہوتے ہیں۔ اسی آسمان میں آپ ؐ کو آمنے سامنے دو نہریں نظر آئیں پوچھنے پر جبریل نے بتایا کہ نیل اور فرات کی سوتیں ہیں۔ چلتے پھرتے آپ ؐ کو ایک اور نہر نظر آئی جس پر لولو و زبرجد کا ایک محل تعمیر تھا اور اس کی زمین مشک ازفر کی تھی۔

جبریل نے کہا یہ نہر کوثر ہے جس کو پروردگار نے مخصوص آپ ؐ کے لئے رکھا ہے۔ اسی طرح ہر آسمان پر گزرتے گئے اور ہر آسمان کے دربان اور جبریلؑ سے اسی قسم کی گفتگو ہوتی گئی اور ہر ایک میں کسی نہ کسی پیغمبر کی ملاقات ہوئی۔ دوسرے میں حضرت یحییٰؑ اور حضرت عیسیٰؑ ملے جو دونوں خالہ زاد بھائی تھے' ملاقات ہوئی۔ تیسرے میں حضرت یوسفؑ ملے جن کو حسن کا ایک حصہ عطاء ہوا تھا۔ چوتھے میں حضرت ادریسؑ سے ملاقات ہوئی جن کی نسبت خدا نے قرآن میں فرمایا ہے ورفعناہ مکانا علیا۔ (ہم نے اس کو ایک بلند مقام تک اٹھایا ہے) اور پانچویں میں حضرت ہارونؑ سے ملے اور ہر ایک نے۔ اے پیغمبر صالح اور برادر صالح کہہ کر خیر مقدم کیا۔ چھٹے میں حضرت موسیٰؑ سے ملاقات ہوئی۔ انہوں نے کہا۔ مرحبا اے پیغمبر صالح اور برادر صالح۔ جب آپ ؐ آگے بڑھے تو حضرت موسیٰ رو پڑے۔ آواز آئی کہ موسیٰ! اس گریہ کا کیا سبب ہے؟ موسیٰؑ نے عرض کی خداوند میرے بعد تو نے اس نوجوان کو مبعوث کیا ہے' اس کی امت کے لوگ میری امت سے زیادہ بہشت میں جائیں گے۔ ساتویں آسمان میں داخل ہوئے تو حضرت ابراہیمؑ نے مرحبا اے پیغمبر صالح اور اے فرزند صالح! کہہ کر خیر مقدم کیا۔ جبریل نے بتایا کہ یہ تمہارے باپ ابراہیمؑ ہیں۔ حضرت ابراہیمؑ بیت معمور (آباد گھر) سے پیٹھ لگائے بیٹھے تھے جس میں ہر روز ستر ہزار فرشتے داخل ہوتے ہیں۔ آپ ؐ کو جنت کی سیر کرائی گئی جس کے گنبد موتی کے تھے اور زمین مشک کی تھی۔ (۱)۔ اس مقام تک پہنچے جہاں قلم قدرت کے چلنے کی آواز سنائی دیتی تھی۔ آگے بڑھ کر آپ ؐ سدرۃ المنتہیٰ (انتہاء کی بیری کا درخت) تک پہنچے۔ اس درخت پر شان ربانی (امر اللہ) کا پرتو تھا۔ جس نے آکر جب اس کو چھالیا تو اس کی ہیئت

---

(۱)۔ کتب روایت کی غیر محتاط کتابوں میں مثلاً ابن حاتم (قیصر) ابن جریر طبری (تفسیر بنی اسرائیل) بیہقی (دلائل النبوہ) میں جنت و دوزخ کے بہت سے عجیب و غریب مناظر و مشاہدات اور پیغمبروں

اور فرشتوں کی تعجب انگیز ملاقاتوں اور گفتگوئوں کی تفصیل ھے ان روایتوں کے ناق ابو ھارون العبدی، ابوجعفر رازی اور خالد بن یزید ھیں۔ ابوھارون عبدی اور خالد بن یزید تو مشہور دروغ گو ھیں۔ ابوجعفر رازی کو گو بعضوں نے ثقہ کہا ھے لیکن اکثروں کے نزدیک وہ ضعیف اور راوی منکرات ھیں اور ان کی تنہا روایت قبول نہیں کی جاتی۔ نیز ان روایتوں میں بہت سی لغو و منکر باتیں مذکور ھیں جن کو محدثین تسلیم نہیں کرتے۔ علاوہ ازیں یہ مناظر و مشاھدات جیسا کہ صحیح بخاری (باب الرویا) میں ھے کہ معراج کے سوا ایک اور موقع پر آنحضرت ﷺ کو دکھائے گئے تھے، سرے سے یہ معراج کے مشاھدات ھی نہیں۔

بدل گئی اور اس میں حسن کی وہ کیفیت پیدا ہوئی جس کو کوئی زبان بیان نہیں کرسکتی اور اس میں رنگ برنگ کے ایسے انوار کی تجلی نظر آئی جن کو الفاظ ادا نہیں کرسکتے۔ یہی وہ مقام ہے جہاں سے چیزیں نیچے زمین پر اترتی ہیں اور زمین سے چڑھ کر اوراوپر جاتی ہیں۔ یہاں پہنچ کر حضرت جبریلؑ اپنی اصلی کمالی صورت میں آپ ؐ کے سامنے نمودار ہوئے۔ پھر شاہد مستور ازل نے چہرہ سے پردہ اٹھایا اور خلوت گاہ راز میں ناز و نیاز کے وہ پیغام ادا ہوئے جن کی لطافت ونزاکت الفاظ کے بوجھ کی متحمل نہیں ہوسکتی فاوحیٰ الی عبدہ ما اوحیٰ۔

اس وقت آپ ؐ کو بارگاہ الٰہی سے تین عطیے مرحمت ہوئے۔ سورہ بقرہ کی آخری آیتیں جن میں اسلام کے عقائد وایمان کی تکمیل اور اس کے دور مصائب کے خاتمہ کی بشارت ہے، رحمت خاص نے مژدہ سنایا کہ امت محمدی ؐ میں سے ہر ایک جو شرک کا مرتکب نہ ہوا ہو، کرم مغفرت سے سرفراز ہوگا اور ندا آئی امت پر پچاس وقت کی نماز فرض کی گئی۔ آپ ؐ ان عطیوں کو لے کر واپس پھرے اور حضرت موسیٰؑ کے پاس پہنچے تو انہوں نے دریافت کیا کہ بارگاہ خاص سے کیا احکام عطاء ہوئے؟ فرمایا۔ امت پر پچاس وقت کی نماز۔ موسیٰؑ نے کہا، میں نے بنی اسرائیل کا خوب تجربہ کیا ہے۔ آپ ؐ کی امت سے یہ بار نہ اٹھ سکے گا۔ آپ ؐ واپس جایئے اور

عرض کیجئے۔آپ ؐ نے مراجعت کی اور عرض پرواز ہوئے کہ بار الہا! میری امت نہایت کمزور اور اس کے قوی نہایت ضعیف ہیں' حکم ہوا کہ دس وقت کی نمازیں معاف ہوئیں۔لوٹے تو حضرت موسیٰؑ نے پھر ٹوکا اور دوبارہ عرض کرنے کا مشورہ دیا۔اس پر دس اور معاف ہوئیں۔اسی طرح آپ ؐ چند بار حضرت موسیٰؑ کے مشورہ سے بارگاہ الٰہی میں عرض پرواز ہوتے رہے یہاں تک کہ شب و روز میں صرف پانچ وقت کی نمازیں رہ گئیں' حضرت موسیٰؑ نے پھر یہی مشورہ دیا کہ اب بھی مزید تخفیف کی درخواست کیجئے۔فرمایا! اب مجھے اپنے پروردگار سے شرم آتی ہے۔ ندا آئی کہ اے محمدؐ میرے حکم میں تبدیلی نہیں ہوگی۔نمازیں پانچ ہوں گی لیکن ہر نیکی کا بدلہ دہ گونہ بخشوں گا۔یہ پانچ بھی پچاس ہوں گی۔میں نے اپنے بندوں پر تخفیف کردی اور اپنا فیصلہ نافذ کردیا۔

اب آسمان سے اتر کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم زمین پر تشریف لائے اور بیت المقدس میں داخل ہوئے دیکھا کہ یہاں انبیاء علیہم السلام کا مجمع ہے۔حضرت موسیٰؑ اور حضرت ابراہیمؑ نماز میں مصروف ہیں۔آپ ؐ نے ان میں سے چند پیغمبروں کی شکل وصورت بھی بیان کی۔حضرت موسیٰؑ کی نسبت فرمایا کہ ان کا لمبا قد اور گندمی رنگ تھا اور الجھے ہوئے گھونگر والے بال تھے اور شنوہ کے قبیلہ کے آدمی معلوم ہوتے تھے' حضرت عیسیٰؑ کا قد میانہ اور رنگ سرخ سپید تھا۔سر کے بال سیدھے اور لمبے تھے اور یہ معلوم ہوتا تھا کہ ابھی حمام سے نہا کر نکلے ہیں۔عروہؓ بن مسعود ثقفی (صحابی) سے ان کی صورت ملتی تھی۔حضرت ابراہیمؑ کی صورت تمہارے پیغمبر (خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی سی تھی۔بہر حال اسی اثنا میں نماز (غالباً صبح کی نماز) کا وقت آ گیا' سرور انبیاء علیہ السلام منصب امامت سے سرفراز ہوئے۔(۱)۔نماز سے فراغت ہوئی تو ندا آئی کہ اے محمدؐ دوزخ کا داروغہ حاضر ہے سلام کرو'

(۱)۔ مسند احمد اور سیرت ابن اسحاق کی بعض روایتوں میں ھے کہ آپ ﷺ کی اقتداء میں یہ نماز پڑھی تھی' صحیح بخاری میں اس کا ذکر نہیں۔ صحیح مسلم میں وقت کی تصریح نہیں مگر قرینہ سے مفہوم ہوتا ھے کہ یہ واپسی کا واقعہ ھے' حافظ ابن کثیر نے اسی کو صحیح لکھا ھے (تفسیر سورہ اسراء) اور ھم نے اس کی تقلید کی ھے۔ ترمذی (تفسیر سورئہ اسراء) اور مسند ابن حنبل (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

سلام کرو' آپ ﷺ نے مڑ کر دیکھا تو داروغہ دوزخ نے سلام کیا۔ بخاری میں ابن عباس سے روایت ہے کہ شب معراج میں دجال بھی آپ ﷺ کو دکھایا گیا۔ (باب بدء الخلق)

ان تمام منازل کے طے ہونے کے بعد آپ ﷺ مسجد حرام (کعبہ) میں صبح کو بیدار ہوئے۔(۱)۔

کفار کی تکذیب::

خانہ کعبہ کے آس پاس رؤسائے قریش کی نشست رہتی تھی۔ آپ ﷺ بھی وہیں مقام حجر میں تشریف فرما تھے۔ صبح کو آپ ﷺ نے ان سے اس واقعہ کو بیان کیا تو ان کو سخت اچھنبا ہوا جو زیادہ کورباطن تھے۔ انہوں نے آپ ﷺ کو (نعوذ باللہ) جھٹلایا' بعضوں نے مختلف سوالات کئے' ان میں اکثر شام کے تاجر تھے اور انہوں نے بیت المقدس کو بارہا دیکھا تھا اور انہیں معلوم تھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بیت المقدس نہیں گئے ہیں۔ اس لئے آخر میں خاتمہ دلائل کے طور پر سب نے کہا اے محمد ﷺ تم کہتے ہو کہ صرف ایک شب میں تم خانہ کعبہ سے بیت المقدس گئے اور واپس آئے۔ اگر یہ سچ ہے تو بتاؤ بیت المقدس کی کیا ہیئت ہے؟ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں کہ میرے ذہن میں عمارت کا صحیح نقشہ نہ تھا بہت بے قراری ہوئی کہ ناگاہ نظر کے سامنے پوری عمارت جلوہ گر کر دی گئی۔ وہ سوال کرتے جاتے تھے اور میں اس کو دیکھ کر جواب دیتا جاتا تھا۔

اتنا واقعہ تو صحیحین میں مذکور ہے‘ لیکن واقدی‘ ابن اسحاق‘ ابن جریر طبری‘ ابن ابی حاتم‘ بیہقی اور حاکم میں جن کا مرتبہ کتب روایات میں بلند نہیں ہے۔ اس واقعہ پر لوگوں نے عجیب وغریب حاشیے لگائے ہیں‘ حضرت ام ہانیؓ سے روایت ہے کہ صبح کو اٹھ کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے گھر والوں سے شب کا واقعہ بیان کر کے باہر جانا چاہا کہ اور لوگوں سے بیان کریں تو میں نے دامن تھام لیا کہ اس کا قصد نہ کیجئے‘ کفار صریح جھٹلائیں گے۔ ایک روایت میں ہے کہ رات کو جب آپ ﷺ کے اعزہ نے آپ ﷺ کو بستر پر نہ پایا تو ان کو قریش کا خوف ہوا کہ انہوں نے آپ ﷺ کو گزند نہیں پہنچایا اور پہاڑوں اور غاروں میں آپ ﷺ کو ڈھونڈ نے لگے۔ ایک اور روایت میں ہے کہ معراج کی واپسی میں قریش کے ایک تجارتی قافلہ سے آپ ﷺ کی ملاقات ہوئی اور ان کے ساتھ کچھ واقعات پیش آئے۔ جب لوگوں نے جھٹلایا تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ اچھا تمہارا قافلہ پرسوں تک آ جائے گا اس سے پوچھ لینا‘ چنانچہ وہ آیا اور اس نے تصدیق کی۔ ان ہی روایتوں کا ایک ٹکڑا یہ ہے کہ کچھ کفار دوڑے ہوئے حضرت ابوبکرؓ کے پاس گئے کہ آج محمد ﷺ کعبہ میں بیٹھے ہوئے لوگوں سے یہ کہہ رہے ہیں کہ رات کو وہ بیت المقدس گئے اور آئے۔ حضرت ابوبکرؓ نے کہا کہ کیا واقعی آپ ﷺ یہ فرما رہے ہیں؟ لوگوں نے کہا۔ ’’ہاں۔‘‘ حضرت ابوبکرؓ

(بقیہ حاشیہ از گزشتہ صفحہ) میں حضرت حذیفہؓ سے مروی ہے کہ وہ اس بات کے قائل تھے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مسجد اقصیٰ میں آتے جاتے سرے سے نماز ہی نہیں پڑھی‘ مگر صحیح مسلم کے مقابلہ میں ان کو کون تسلیم کرے گا۔ (حاشیہ صفحہ ہذا) (۱)۔ معراج کے یہ تمام واقعات صحیح بخاری کتاب الصلوٰۃ‘ کتاب التوحید‘ کتاب الانبیاء‘ کتاب المعراج باب صفتہ النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور باب بدء الخلق میں اور صحیح مسلم باب المعراج اور اس کے بعد کے متفرق ابواب میں حرفاً حرفاً

مذکور ہیں‘ ہم نے ان واقعات کے لکھنے میں صرف ترتیب وترجمہ کا فرض ادا کیا ہے۔

نے کہا۔ میں تو آپ ﷺ کو سچا جانتا ہوں اور اس پر ایمان لاتا ہوں۔ کفار نے کہا۔ تم کھلم کھلا ایسی خلاف عقل بات کیوں کر صحیح سمجھتے ہو؟ جواب دیا میں تو اس سے بھی زیادہ خلاف عقل بات پر یقین رکھتا ہوں۔ میں تو یہ تسلیم کرتا ہوں کہ ہر روز آپ ﷺ خدمت میں آسمان سے فرشتے آتے ہیں‘ اسی دن سے حضرت ابو بکرؓ کا لقب صدیق ہو گیا۔

لیکن یہ تمام قصے سرتا پا لغو اور باطل ہیں‘ ابن اسحاق اور ابن سعد نے تو سرے سے ان واقعات کے اسناد ہی نہیں لکھے ہیں۔ ابن جریر طبری‘ بیہقی‘ ابن ابی حاتم‘ ابو یعلیٰ‘ ابن عسا کر اور حاکم نے ان کی سندیں ذکر کی ہیں‘ ان کے رواہ ابو جعفر رازی‘ ابو ہارون عبدی اور خالد بن یزید بن ابی مالک ہیں جن میں پہلے صاحب گو بجائے خود ثقہ ہیں‘ مگر بے سروپا حدیثوں کے بیان کرنے میں بے باک ہیں۔ بقیہ دو مشہور دروغ گو کاذب اور قصہ خواں ہیں۔ ان ہی لغو قطعوں کا اختتامی جزو یہ ہے کہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے لوگوں سے معراج کا واقعہ بیان کیا تو بہت سے مسلمانوں کے ایمان بھی متزلزل ہو گئے اور مرتد ہو گئے۔

یہ قصہ غالباً قرآن مجید کی اس آیت کی غلط توضیح میں گھڑا گیا ہے۔

وما جعلنا الرویا التی اریتک الا فتنت للناس۔ (اسراء:٦)

ہم نے یہ دکھاوا جو تجھ کو دکھایا ہے‘ اس کو لوگوں کی آزمائش ہی کے لئے کیا ہے۔

ابن سعد اور واقدی نے اس قصہ کو یوں ہی بے سند بیان کیا ہے۔ طبری‘ ابن حاتم اور بیہقی وغیرہ کے معتمد ارکان وہی اصحاب ثلثہ ہیں جن کے اوصاف گرامی ابھی اوپر گزر چکے ہیں۔ ابن جریر نے اس آیت کے تحت میں جو روایتیں درج کی ہیں۔ ان

الاعلی ثم دنا فتدلی فکان قاب قوسین او ادنی فاوحی الی عبدہ ما اوحی ما کذب الفئواد ما رای افتمرونہ' علی مایری ولقد راہ نزلہت اخری عند سدرہت المنتھی عند ھاجنہت الماوی اذ یغشی السدرہت ما یغشی مازاغ البصر وما طغی ولقد رای من ایہت ربہ الکبری ۔(والنجم۔۱)

محمد ؐ کو پرزوراور طاقتور نے تعلیم دی وہ آسمان کے بلند تر افق پر تھا' پھر قریب ہوا اور جھک آیا' یہاں تک کہ دو تیر پرتاب کے برابر یا اس سے بھی قریب تر ہوگیا' پھر اس کے بندے کی طرف جو کچھ وحی کرنا تھی کی' دل نے جو کچھ دیکھا غلط نہیں دیکھا وہ جو کچھ دیکھتا ہے کیا تم لوگ اس سے اس کے متعلق آپس میں شک کرتے ہو' حالانکہ سدرہ المنتہی کے نزدیک جس کے پاس جنت الماوی ہے اس نے دوسری مرتبہ یقیناً اور بے شک اترتے ہوئے دیکھا جبکہ سدرہ کو چھا لیا تھا جس نے چھالیا تھا نگاہ نہ چوکی نہ بہکی اور اس نے اپنے پروردگار کی عظیم الشان نشانیاں دیکھیں۔

(۱)۔بیہقی اورابن کثیر کا قول تفسیر ابن کثیر سورۂ اسراء میں ہے۔ (۲)۔امام خطابی اورابن حزم کے اقوال ابن حجر نے فتح الباری ج ۳ص ۴۰۳' ۴۰۴ (مصر) میں نقل کئے ہیں۔

یہی آیتیں ہیں جن کی بناء پر صحابہ میں اختلاف پیدا ہوگیا ہے'بعضوں کا خیال ہے کہ آپ ﷺ کو خود خدا نظر آیا اور اکثر صحابہ کہتے ہیں کہ وہ فرشتہ تھا۔ترمذی (تفسیر سورۂ نجم) میں حضرت عبداللہ ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ

وآلہ وسلم نے سدرۃ المنتہی کے پاس خود خدا کو دیکھا تھا۔ ترمذی ہی میں ہے کہ ایک مقام پر کعب احبار (نو مسلم یہودی عالم) سے حضرت ابن عباسؓ کی ملاقات ہوئی۔ کعب نے کہا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے کلام اور اپنے دیدار کی موسیٰ اور محمد علیہم السلام میں تقسیم کر دی۔ چنانچہ حضرت موسیٰؑ کو دو دفعہ شرف کلام حاصل ہوا' اور آپ ﷺ دو دفعہ خدا کے دیدار سے مشرف ہوئے۔ مسروق حضرت عائشہؓ کے ایک شاگرد نے یہ گفتگو ان سے جا کر نقل کی' وہ نہایت برہم ہوئیں' اور قرآن مجید کی آیتوں سے انہوں نے اس خیال کی تردید کی کہ خدا خود فرماتا ہے کہ لا تدرکہ الابصار۔ ''آنکھیں اس کا ادراک نہیں کر سکتیں۔'' حضرت ابن عباسؓ کے ایک شاگرد عکرمہ نے حضرت ابن عباس کے سامنے اس آیت کو پیش کیا تو انہوں نے فرمایا کہ ہاں سچ ہے مگر اس وقت جب خدا اپنے اصلی نور میں نمایاں ہو۔ آنحضرت ﷺ نے خدا کو دو دفعہ دیکھا تھا۔ (۱)۔

صحیح مسلم و ترمذی میں حضرت ابو ذر غفاریؓ سے روایت ہے کہ انہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے دریافت کیا کہ یا رسول اللہ! آپ ﷺ نے خدا کو بھی دیکھا ہے؟ فرمایا' وہ تو نور ہے' میں اس کو کہاں دیکھ سکتا ہوں دوسری روایت میں ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا۔ میں نے صرف ایک نور دیکھا۔ (۲)۔

اکابر صحابہ میں حضرت ابو ہریرہؓ حضرت عبد اللہؓ بن مسعود اور حضرت عائشہؓ کا مذہب یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خدا کو نہیں بلکہ جبریلؑ کو دیکھا تھا اور ان ہی نے آپ ﷺ کی طرف وحی کی تھی' چنانچہ صحیح بخاری و مسلم و ترمذی میں حضرت عبد اللہؓ ابن مسعود سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت جبریلؑ کو اس حالت میں دیکھا کہ ان کے چھ سو پر تھے۔ صحیح مسلم میں حضرت ابو ہریرہؓ سے بھی اسی قسم کی روایت ہے۔ تمام صحابہ میں حضرت عائشہؓ کو اس مسئلہ پر سخت اصرار تھا۔ صحیح بخاری کتاب التفسیر میں ہے کہ حضرت مسروقؒ نے حضرت

عائشہؓ سے ایک بار پوچھا کہ مادر من! کیا آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے خدا کو دیکھا تھا؟ بولیں یہ سن کر تو میرے رونگٹے کھڑے ہو گئے۔ تین باتیں ایسی ہیں جن کے متعلق اگر کوئی شخص روایت کرے تو سمجھنا چاہئے کہ یہ جھوٹ بولتا ہے' جس نے روایت کی کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خدا کو دیکھا تھا' اس نے جھوٹ کہا' خدا خود کہتا ہے:

لا تدركه الابصار وهو يدرك الابصار وهو اللطيف الخبير۔(انعام:١٣)

خدا کو نگاہیں نہیں پا سکتیں اور وہ نگاہوں کو پا لیتا ہے اور وہ لطیف وخبیر ہے۔

پھر فرماتا ہے:

وما كان لبشر ان يكلمه الله الا وحيا او من ورآى حجاب۔(شورىٰ:۵)

اور کسی آدمی میں یہ قوت نہیں کہ وہ خدا سے کلام کرے لیکن یہ کہ بذریعہ وحی کے یا پردے کی آڑ سے۔

(١)۔ یہ تمام روایتیں ترمذی تفسیر سورۃ والنجم میں اور ترمذی نے اس کو حسن کہا ہے۔ (٢)۔ مسلم جلد اول ص ٨٣ باب الاسراء و ترمذی تفسیر سورۃ نجم۔

ان آیتوں کو پڑھ کر حضرت عائشہؓ نے کہا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خدا کو نہیں دیکھا' البتہ حضرت جبریلؑ کو ان کی اصلی صورت میں دو بار دیکھا' امام نووی شارح صحیح مسلم نے لکھا(١)۔ ہے کہ حضرت عائشہؓ کا یہ قول حجت نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ انہوں نے قرآن مجید کی آیات سے صرف عقلی استدلال کیا ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے کوئی مرفوع روایت نہیں بیان کی کہ آپ ﷺ نے خدا کو نہیں دیکھا تھا' لیکن خود صحیح مسلم میں جس کی شرح میں امام نووی نے اپنا یہ خیال ظاہر کیا

ہے' اسی مقام پر حضرت مسروقؒ سے یہ روایت ہے کہ میں حضرت عائشہؓ کے پاس تکیہ لگائے ہوئے بیٹھا تھا۔ انہوں نے کہا اے ابو عائشہؓ! تین باتیں ایسی ہیں جن میں سے اگر کسی نے ایک کو بھی کہا تو اس نے خدا پر بڑا بہتان باندھا۔ میں نے پوچھا وہ کیا باتیں ہیں؟ فرمایا جس شخص نے یہ کہا کہ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خدا کو دیکھا تھا' اس نے خدا پر بڑی تہمت لگائی۔ میں ٹیک لگائے بیٹھا تھا' یہ سن کر سیدھا اٹھ بیٹھا اور کہا کہ اے ام المومنین جلدی نہ کیجئے' کیا خدا خود نہیں فرماتا:

ولقد راہ بالافق المبین۔(تکویر: ۱)

اور اس نے اس کو افق المبین پر دیکھا۔

ولقد راہ نزلہت اخری۔(نجم: ۱)

اور اس نے اس کو دوسری مرتبہ اترتے ہوئے دیکھا۔

بولیں' سب سے پہلے خود میں نے اس کے متعلق آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سوال کیا تھا۔ آپ ﷺ نے فرمایا یہ جبریلؑ تھے۔ میں نے ان دو مرتبوں کے سوا ان کو اصلی صورت میں کبھی نہیں دیکھا۔ (۲)۔ اس سے زیادہ مستند مرفوع روایت کیا ہو سکتی ہے؟ برخلاف اس کے حضرت ابن عباسؓ نے (جن سے روایتیں ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خدا کو دیکھا) کبھی اپنی روایت میں یہ تصریح نہیں کی ہے کہ انہوں نے خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اس کو سنا ہے حافظ ابن کثیر نے لکھا ہے کہ صحابہ میں سے کوئی حضرت عائشہؓ اور عبداللہ بن مسعودؓ کی تفسیر کا مخالف نہیں ہے (تفسیر سورہ اسراء) بلکہ اصل یہ ہے کہ بقول ابن حجر حضرت ابن عباسؓ کے خیال کی تشریح میں بعض راویوں سے غلط فہمی ہوتی ہے۔ حضرت ابن عباسؓ کا یہ منشاء نہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان ظاہری آنکھوں سے خدا کو دیکھا بلکہ ان کا مطلب یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دل کی آنکھوں سے جلوۂ ربانی کا مشاہدہ کیا۔ صحیح مسلم (متعلقات اسراء) اور

جامع ترمذی (تفسیر والنجم) میں ان کے یہ الفاظ ہیں رای بقلبہ بفوادہ۔ دل کی آنکھوں سے دیکھا، چشم قلب سے مشاہدہ کیا۔مردویہ نے اس سے بھی زیادہ ان کے تصریحی الفاظ نقل کیے ہیں:

لم یرہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بعینیہ انما راہ بقلبہ۔(فتح الباری ج ۸ صفحہ ۴۶۸)

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی آنکھ سے نہیں دیکھا بلکہ اپنے قلب سے دیکھا۔

اس تشریح کے بعد اس باب میں کوئی نزاع باقی نہیں رہ جاتی، رہی یہ بات کہ دل کا دیکھنا اور قلب کا مشاہدہ کیا ہے تو اس رمز کو وہی سمجھے جس کے دل میں نور بصیرت اور جس کے دل میں مشاہدہ کی طاقت ہو۔

---

(۱)۔شرح صحیح مسلم نووی نولکشور ص ۹۷۔ (۲)۔صحیح مسلم جلد ۱ ص ۸٤ مصر، باب ذکر سدرۃ المنتہی۔

معراج جسمانی تھی یا روحانی، خواب تھا یا بیداری::

ہمارے متکلمین اور شراح حدیث نے اس باب میں بے سود مباحث کا ایک انبار لگا دیا ہے فیصلہ کی صحیح صورت یہ ہے کہ متکلمانہ اعتراضات، فلسفیانہ خدشات اور محالات اور نیز عامیانہ ظواہر پرستی اور جمہور کے خیالات کی بے جا حمایت کے وسوسوں سے خالی الذہن ہو کر صحیح روایتوں کے اصل الفاظ پر غور کیا جائے۔اس سلسلہ میں پہلی بات یہ ہے کہ سورۂ اسراء(معراج) کی اس آیت کی نسبت:

وما جعلنا الرویا التی ارینک الا فتنۃ للناس۔ (بنی اسرائیل)

ہم نے جو رویا (دکھاوا) تجھ کو دکھایا۔اس کو ہم نے لوگوں کے لئے صرف آزمائش بنایا ہے۔

الغمض۔

صحیح بخاری، صحیح مسلم، مسند ابن حنبل اور حدیث کی دیگر معتبر کتابوں میں جن میں معراج کی مسلسل اور تفصیلی واقعات درج ہیں، ان سب کو ایک ساتھ پیش نظر رکھنے سے یہ بات پایۂ ثبوت کو پہنچ جاتی ہے کہ صحیحین کی دو روایتوں کے سوا باقی دو روایتوں میں خواب کا مطلق ذکر نہیں ہے۔ چنانچہ بخاری و مسلم اور مسند ابن حنبل میں حضرت ابوذرؓ کی جو صحیح ترین روایت ہے اور حضرت انسؓ کی وہ روایت جو ثابت البنانی کے ذریعہ سے ہے۔ خواب کے ذکر سے قطعاً خالی ہے۔ اس لئے حسب محاورۂ عام اس کو بیداری کے معنی میں سمجھنا قطعی حضرت انسؓ کی اس روایت میں جو شریک کے واسطہ سے ہے، یہ مذکور ہے کہ یہ واقعہ آنکھوں کے خواب اور دل کی بیداری کی حالت میں پیش آیا۔ بخاری میں یہ حدیث کتاب التوحید اور باب صفتہ النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم دو مقامات میں ہے۔ اس کے الفاظ یہ ہیں:

سمعت انس بن مالك يقول ليلة اسرى برسول الله صلى الله عليه وسلم من مسجد الكعبة انه جاءه ثلثة نفر قبل ان يوحى اليه وهو نائم فى المسجد الحرام فقال اولهم ايهم هو فقال اوسطهم هو خيرهم اخرهم خذوا خيرهم فكانت تلك الليلة فلم يرهم حتى اتوه ليلة اخرى فيما يرى قلبه و تنام عينه ولا ينام قلبه و كذلك الانبياء تنام اعينهم ولا تنام قلوبهم۔ (كتاب التوحيد)

انس بن مالک کو میں نے اس شب کا واقعہ جب آپ ﷺ کو کعبہ کی مسجد سے لے جایا گیا (معراج) بیان کرتے ہوئے سنا کہ اس سے پہلے کہ آپ کی طرف وحی بھیجی جائے۔ آپ ﷺ

کے پاس تین شخص آئے اور اس وقت مسجد حرام میں سوئے ہوئے تھے' پہلے نے کہا وہ کون ہے! بیچ والے نے کہا (ان سونے والوں میں) جو سب سے بہتر ہے اس کو لے لو' یہ رات ہو گئی' پھر آپ نے ان کو نہیں دیکھا' یہاں تک کہ ایک اور رات کو وہ آئے۔ اس حالت میں کہ آپ کا دل دیکھتا تھا اور آپ کی آنکھ سوتی تھی لیکن آپ ؐ کا دل نہیں سوتا تھا اور اسی طرح پیغمبروں کی آنکھیں سوتی ہیں مگر ان کے دل نہیں سوتے۔(۱)۔

سمعت انس بن مالك يحدثنا عن ليلهت اسرى بالنبى صلى الله عليه سلم من مسجد الكعبهت جاء ه ثلثه نفر قبل ان يوحى اليه وهو نائم فى المسجد الحرام فقال اولهم ايهم هو فقال اوسطهم هو خيرهم قال اخرهم خذوا خيرهم فكانت تلك فلم يرهم حق جاء و اليلهت اخرى فيما يرى قلبه والنبى صلے الله عليه وسلم نائمهت عيناه ولا ينام قلبه و كذلك الانبياء تنام اينهم ولا ولا تنام قلوبهم فتولاه جبريل ثم عرج الى السماء۔

انس بن مالکؓ ہم لوگوں سے آپ ؐ کی شب معراج کا قصہ بیان کرتے تھے کہ اس سے پہلے کہ آپ پر وحی آئے آپ ؐ مسجد حرام میں سو رہے تھے آپ ؐ کے پاس تین آدمی آئے۔ پہلے نے کہا وہ کون ہے؟ بیچ والے نے کہا وہ ان میں سب سے بہتر ہے۔ پچھلے نے کہا جو ان میں سب سے بہتر ہو

اس کو لے لو‘ یہ تو ہو گیا‘ پھر آپ ؑ نے ان کو نہیں دیکھا یہاں تک کہ وہ ایک اور رات آئے‘ اس حالت میں آپ ؑ کا دل دیکھتا تھا۔ انبیاء کا یہی حال ہوتا ہے کہ ان کی آنکھیں سوتی ہیں اور ان کے دل نہیں سوتے‘ پھر جبریلؑ نے آپ ؑ کو اپنے اہتمام میں لیا پھر وہ آپ ؑ کو لے کر آسمان پر چڑھے۔

بخاری نے اس باب میں اس حدیث کو یہیں تک لکھا ہے لیکن کتاب التوحید میں اس کے بعد معراج کے تمام واقعات بیان کر کے آخر میں حضرت انسؓ کا یہ فقرہ روایت کیا ہے:

(۱)۔ ان دونوں راتوں میں کم از کم بارہ برس کا فصل ہو گا۔ کیونکہ پہلی رات آغاز وحی سے پہلے کی تھی اور دوسری رات جو شب معراج تھی نبوت کے بارہویں سال تھی۔

فاستيقظ وهو في المسجد الحرام۔

پھر آپ ﷺ بیدار ہوئے تو مسجد حرام میں تھے۔

صحیح مسلم میں یہ روایت نہایت مختصر ہے‘ سند کے بعد صرف اس قدر لکھا کہ آپ ﷺ مسجد حرام میں سوتے تھے اس کو ختم کر دیا ہے۔ اس کے بعد یہ لکھا ہے کہ شریک نے اس روایت میں واقعات کو گھٹا بڑھا اور آگے پیچھے کر دیا ہے۔ اسی لئے ائمہ نے جیسا کہ قاضی عیاض نے شفاء میں اور امام نووی نے شرح مسلم میں لکھا ہے کہ شریک کی اس روایت میں بہت سے اوہام ہیں اور اسی لئے اس کو انہوں نے رد کر دیا ہے‘ دوسری روایت صحیحین میں وہ ہے جس میں حضرت مالک بن صعصعہ انصاری خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زبانی بیان کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے معراج کا واقعہ دہراتے ہوئے فرمایا:

بينما انا عندالبيت بين النائم واليقظان۔ (۱)۔

بہر حال جو لوگ اس کو رویائے صادقہ کہتے ہیں ان کو گویہ مغالطہ بعض روایات حدیث سے پیش آیا ہے جن کی تفصیل پہلے گزر چکی ہے اور جن میں سب سے مستند شریک کی روایت ہے۔ جس کے الفاظ میں کمی بیشی پر اکثر محدثین نے اعتراض کیا ہے اور اسی لئے انہوں نے اس کو رد کر دیا ہے۔ تاہم محدثین میں سے امام خطابی صاحب السنن شریک کی اس روایت پر بحث کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

واما من اعتبر اول الحدیث بلخرہ فانہ یزدل عنہ الاشکال فانہ مصرح فیھما بانہ کان رویا لقولہ فی ارلہ وھو نائم وفی اخرہ استیتظ و بعض الرویا مثل یضرب لیتاول علی الوجہ الذی یجب ان یصرف الیہ معنی التعبیر فی مثلہ و بعض الرویا لا یحتاج الی ذلک بل یاتی کالمشاھدہت۔ (فتح الباری ج ۱۳ ص ۴۰۲)

لیکن جو شخص اس حدیث کے ابتدائی الفاظ کو آخری الفاظ سے ملا کر دیکھے گا اس سے یہ اشکال اس لئے دور ہو جائے گا کہ ان میں یہ تصریح ہے کہ یہ رویا تھا کیونکہ اس روایت کے شروع میں ہے کہ آپ سو رہے تھے اور آخر میں ہے کہ آپ جاگ پڑے بعض رویا تمثیلی رنگ میں ہوتے ہیں جن کی تاویل ضروری ہے کہ اسی طرح کی جائے جس طرح اس قسم کے خواب کی تعبیر کی جاتی ہے اور بعض رویا اس کے محتاج نہیں ہوتے بلکہ وہ مشاہدہ عینی کی طرح پیش آتے ہیں۔

رویا سے مقصود روحانی ہے::

لیکن جو لوگ ان میں آشنائے راز ہیں وہ یہ نہیں کہتے کہ وہ ایک عام قسم کا خواب تھا

جو ہر انسان تقریباً ہر شب کو دیکھتا ہے' بلکہ اس کیفیت پر رویا کا اطلاق محض مجازی اور انسانی طریقہ ادا کے قصور کے باعث کرتے ہیں۔ انسان روح اور جسم سے مرکب ہے یہ روح جو جسم سے وابستہ ہے اس کا یہ تعلق محض عارضی ہے اور یہی عارضی تعلق عالم نور سے اس کے حجاب کا باعث ہے۔جس قدر اس تعلق کا رشتہ ڈھیلا ہوتا جائے گا' اسی نسبت سے وہ حجاب اٹھتا جائے گا۔ انسان جب بیداری میں ہوتا ہے تو حواس ظاہری کی مصروفیت روح کو مشاہدۂ باطن سے باز رکھتی ہے' نیند کی حالت میں کسی قدر اس کو ظاہری مشغولیت سے آزادی ملتی ہے تو اس کو رنگارنگ کی چیزیں نظر آتی ہیں ۔ یہ حالت انسان کی باطنی اور روحانی قوی کی ترقی وتنزل پر موقوف ہے' ایک دن تو ہر انسان مرجاتا ہے۔یعنی اس کی روح کا تعلق اس کے جسم سے منقطع ہوجاتا ہے' لیکن انسانوں کی ایک صنف ایسی بھی ہے جس کا طائر روح خدا کے فضل و موہبت کے بازوؤں سے پرزور ہوکر اپنے قفس عنصری کو تھوڑی دیر کے لئے چھوڑ کر عالم ملکوت کی سیر کرتا پھرتا ہے اور پھر اسی قفس عنصری کی طرف رجعت کرجاتا ہے' یہی حالت ہے جس کو وہ اپنی محدود زبان میں مجازاً رویائے صادقہ یا رویائے نبوت کہتے ہیں اور اسی عالم کو عالم رویا کے لفظ سے تعبیر کیا گیا ہے' اور ممکن ہے کہ اسی کو قرآن مجید کی آیت وماجعلنا الرویا التی اریناک میں رویا کہا گیا ہے۔ یہی وہ دنیا ہے جس میں آنکھیں سوتی ہیں اور دل بیدار ہوتا ہے اور اسی کی طرف وحی کی حدیثوں میں اشارہ ہے' اور ابن ہشام حضرت عائشہؓ کی طرف جو روایت منسوب ہے کہ:

ما فقد جسد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ولکن اسری بروحہ

(یعنی حضور انور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو معراج روح کے ذریعہ ہوئی۔)

الله عزوجل قيام فيها بماشاء ثم تنزل الارض فالذي كان لرسول الله صلى الله عليه وسلم ليلهت الاسراء اكمل يحصل للروح عند

فصل: ابن اسحاق نے حضرت عائشہؓ اور معاویہؓ سے یہ نقل کیا ہے کہ ان دونوں نے کہا کہ معراج میں آپ ؐ کی روح لے جائی گئی اور آپ ؐ کا جسم کھویا نہیں گیا (یعنی وہ اسی دنیا میں اپنی جگہ پر موجود تھا) اور حسن بصری سے بھی اس قسم کی روایت ہے لیکن یہ جاننا چاہئے کہ یہ کہنا کہ معراج منام (خواب) تھا اور یہ کہنا کہ بذریعہ روح کے تھی، جسم کے ساتھ نہ تھی، ان دونوں میں یہ فرق ہے۔ حضرت عائشہؓ اور معاویہؓ نے یہ نہیں کہا کہ وہ منام (خواب) تھا انہوں نے یہی کہا ہے کہ معراج میں آپ کی روح کو لے جایا گیا اور آپ ؐ کا جسم کھویا نہیں گیا۔ ان دونوں میں بڑا فرق یہ ہے کہ سونے والا جو کچھ دیکھتا ہے کبھی محسوس صورتوں میں، جو کچھ معلوم ہے اس کی تمثیلیں اس کے سامنے کی جاتی ہیں، پس وہ دیکھتا ہے کہ گویا وہ آسمان پر چڑھایا گیا یا مکہ اس کو لے جایا گیا اور زمین کے گوشوں میں اس کو پھرایا گیا۔ حالانکہ اس کی روح نہ چڑھی نہ گئی نہ پھری۔ صرف یہ ہوا کہ خواب کے فرشتے نے اس کے لئے ایک تمثیل اس کے سامنے کر دی اور جو لوگ یہ کہتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو آسمان پر چڑھایا گیا ان میں دو فرقے ہیں ایک فرقہ کہتا ہے کہ آپ کو معراج روح وبدن دونوں کے ساتھ ہوئی اور دوسرا کہتا ہے

کہ صرف روح کے ساتھ ہوئی اور بدن کھویا نہیں گیا (یعنی اس عالم سے) ان لوگوں کا مقصد یہ نہیں کہ وہ خواب تھا بلکہ یہ مقصد ہے کہ خود بذاتہ روح کو معراج ہوئی اور وہی در حقیقت اوپر چڑھائی گئی اور اس نے اس طرح کیا جس طرح جسم سے مفارقت کے بعد کرتی ہے اور اس میں اس کی حالت وہی تھی جو مفارقت جسم

(۱)۔ طبع اول صفحہ ۳۰۴ مصر۔

المفارقۃ ومعلوم ان ھذا امر فوق ما یراہ النائم لکن لما کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فی مقام خرق العوائد حتی شق بطنہ وھو حی لا یتالم بذلک عرج بذات روحہ المقدسۃ فی غیر اماتۃ ومن سواہ لا ینال بذات روحہ الصعود الی السماء الا بعد الموت والمفارقۃ فالانبیاء انما استقرت ادواحھم ھناک بعد مفارقۃ الابدان و روح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم صعدت الی ھناک فی حال الحیاۃ ثم عادت وبعد وفاتہ استقرت فی الرفیق الا علی مع اروح الانبیاء ومع ھذا فلھا اشراف علی البدن واشراق وتعلق بہ بحیث یرد السلام علی من سلم علیہ و بھذا التعلق رای موسی قائما یصلی فی قبرہ وراہ فی السماء السادسۃ ومعلوم انہ لم یعرج بموسی من قبرہ ثم رد الیہ وانما ذلک مقام روحہ و استقرارھا و قبرہ

مقام بدنه واستقراره الی یوم معاذ الارواح الی
اجسادها فرای یصلی فی قبره ورآفی السماء
السادسہت کما انه صلی الله علیه وسلم فی ارفع
مکان فی الرفیق الا علی مستقرا هناك وبدنه فی
ضریحه غیر مفقود و اذسلم علیه المسلم ردالله علیه
روحه حتی یرد علیه السلام ولم یفارق الملاء الاعلی
ومن کثف ادراکه وغلظت طباعه عن ادراك هذا
فلینظر الی الشمس فی علو محلها وتعلقها و تاثیرها
فی الارض وحیاہت النبات والحیوان بها هذا و شان
الارواح فوق هذا فلها شان ولا بدان شان و هذه النار
تکون فی محلها وحرارتها توثر فی الجسم البیعد
عنها مع ان الارتباط والتعلق الذی بین

کے بعد آسمانوں پر ایک ایک آسمان کر کے چڑھنے میں ہوتی
ہے۔ یہاں تک کہ ساتویں آسمان پر جا کر ٹھہر جاتی ہے اور
اللہ تعالیٰ کے سامنے جا کر کھڑی ہو جاتی ہے پھر وہ جو چاہتا
ہے اس کی نسبت کیا حکم دیتا ہے پھر زمین پر واپس آ جاتی ہے
پس آنحضرت ﷺ کو شب معراج میں جو حاصل ہوا وہ اس
سے بھی زیادہ کامل تھا جو روح کو مفارقت جسم کے بعد حاصل
ہوتا ہے اور یہ ظاہر ہے کہ یہ درجہ اس سے بڑا ہے جو سونے
والے کو خواب میں نظر آتا ہے لیکن چونکہ رسول اللہ ﷺ خرق
عادات کے مقام میں تھے یہاں تک کہ آپ ؑ کا سینہ
مبارک چاک کیا گیا اور آپ ؑ زندہ تھے لیکن آپ ؑ کو

تکلیف نہ ہوئی اسی طرح خود روح مبارک بذاتہ اوپر چڑھائی
گئی' بغیر اس کے کہ آپ ؐ پر موت طاری کی جائے آپ ؐ
کے علاوہ اور کسی کی روح کو موت اور مفارقت تن کے بغیر یہ
عروج نصیب نہ ہوا' انبیاء کی روحیں جو یہاں ٹھہری تھیں وہ
مفارقت جسم کے بعد تھیں' لیکن آنحضرت ﷺ کی روح
پاک زندگی کی حالت میں وہاں گئی اور واپس آئی اور
مفارقت کے بعد انبیاء کی روح کے ساتھ ''رفیق اعلیٰ'' میں
جا کر ٹھہر گئی لیکن باوجود اس کے روح پاک کو اپنے جسم کے
ساتھ ایک نوع کا تعلق اور رشتہ ہے کہ اگر آپ ؐ پر کوئی سلام
بھیجے تو آپ ؐ سلام کا جواب دیتے ہیں' اسی تعلق سے آپ ؐ
نے شب معراج میں دیکھا کہ موسیٰ اپنی قبر میں نماز پڑھ رہے
ہیں' پھر آپ ؐ نے ان کو چھٹے آسمان میں دیکھا' حالانکہ
معلوم ہے کہ موسیٰ کو اپنی قبر سے اٹھا کر نہیں لے جایا گیا تھا
اور نہ پھر واپس کیا گیا تھا' اس کی گرہ یوں کھلتی ہے کہ وہاں
آسمان پر جو موسیٰ کو آپ ؐ نے دیکھا تو وہ ان کی روح کا
مقام و مستقر تھا اور قبر ان کے جسم کا' جہاں وہ قیامت میں
روحوں کے لٹانے کے وقت تک رہے گا۔ اسی طرح آپ ؐ
نے ان کو ان کی قبر میں نماز پڑھتے بھی دیکھا اور چھٹے آسمان
پر بھی دیکھا جس طرح کہ (بعد وفات) آنحضرت ﷺ اس
سے بلند تر مقام یعنی رفیق اعلیٰ

الروح والبدن اقوی واکمل من ذلک واتم فشان
الروح اعلی من ذلک والطف۔

میں بھی قرار گیر ہیں اور جسم مبارک قبر شریف میں بھی موجود ہے جب سلام کرنے والا آپ ؐ پر سلام کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ

آپ ؐ کی روح کو واپس کرتا ہے تا آنکہ آپ ؐ جواب دیتے ہیں حالانکہ مقام رفیق اعلیٰ سے آپ ؐ علیحدہ نہیں ہوئے شب معراج میں جو حاصل ہوا وہ اس سے بھی زیادہ کامل تھا جو روح کو مفارقت جسم کے بعد حاصل ہوتا ہے اور یہ ظاہر ہے کہ یہ درجہ اس سے بڑا ہے جو سونے والے کو خواب میں نظر آتا ہے' لیکن چونکہ رسول اللہ ﷺ خرق عادات کے مقام میں تھے یہاں تک کہ آپ ؐ کا سینہ مبارک چاک کیا گیا اور آپ ؐ زندہ تھے لیکن آپ ؐ کو تکلیف نہیں ہوئی' اسی طرح خود روح مبارک بذاتہ اوپر ہے اور اس کی گرمی دور کے جسم پر اثر انداز ہوتی ہے' روح اور بدن کا باہمی تعلق تو اس سے بھی زیادہ قوی اور کامل ہے اس لئے کہ روح آگ سے زیادہ اعلیٰ اور لطیف ہے۔

فقل للعیون الرمد ایاك ان تری سنا الشمس فا
ستغشی ظلام اللیالیا

(گرد آلود آنکھوں سے کہہ دو کہ وہ آفتاب کی روشنی کو نہیں
دیکھ سکتیں تو راتوں کی تاریکی کو اوڑھ لیں۔)

صوفیہ اور ارباب حال نے معراج کے واقعات کی تشریح اپنے مذاق اور رنگ میں کی ہے' علماء اسلام میں کم از کم ایک شخص تو ایسا ہے جو صوفی اور صاحب حال ہے اور محدث اور متکلم بھی' یعنی حضرت شاہ ولی اللہ دہلوی شاہ صاحب کے متعلق معلوم ہے کہ وہ دیگر اہل باطن کی طرح عالم برزخ اور عالم مثال زمام اور عالم جسد اور عالم روح کے درمیان ایک تیسرے عالم کے قائل ہیں' جہاں جسم پر روح کے خواص طاری ہوتے ہیں اور روح اپنی خصوصیت اور مناسبت کے مطابق جسمانی شکل و صورت میں نمایاں ہوتی ہے۔ شاہ صاحب اس بات کے قائل ہیں کہ معراج

بیداری میں اور جسم کے ساتھ ہوئی، لیکن یہ عالم برزخ کی سیر تھی جہاں آپ کے جسم پر روحانی خواص طاری کئے گئے اور معانی و واقعات مختلف اشکال وصورت میں مشاہدہ کرائے گئے۔ چونکہ ایک بیگانہ کے لئے ایک نادیدہ شہرستان کی ہو بہو تشریح اپنی زبان میں مشکل ہے اس لئے ہم اس ملک کے ایک سیاح کا بیان نقل کر دینا کافی سمجھتے ہیں۔

شاہ صاحب حجۃ اللہ البالغہ میں معراج کی حقیقت ان الفاظ میں لکھتے ہیں۔

واسری به الی المسجد الاقصی ثم الی سدرۃ المنتهی والی ماشاء الله وکل ذلك لجسده صلی الله علیه وسلم فی الیقظۃ ولکن ذلك فی موطن هو برزخ بین المثال والشهادۃ جامع لاحکامهما فظهر علی الجسد احکام الروح وتمثل الروح و المعانی فی الروحیۃ اجسادا ولذلك بان لکل واقعۃ من تلك الوقائع تعبیر وقد ظهر لخر قیل و موسی وغیرهما علیهم السلام زحو من تلك الوقائع وکذلك

آپ کو معراج میں مسجد اقصیٰ میں لے جایا گیا پھر سدرۃ المنتہی اور جہاں خدا نے چاہا اور یہ تمام جسم مبارک کے لئے بیداری کی حالت میں ہوا لیکن اس مقام میں جو عالم مثال اور عالم ظاہر کے بیچ میں ہے اور جو دونوں عالموں کے احکام کا جامع ہے اس لئے جسم پر روح کے احکام ظاہر ہوئے اور روح پر معاملات روحانی جسم کی صورت میں نمایاں ہوئے اور اسی لئے ان واقعات میں سے ہر واقعہ کی ایک تعبیر ظاہر

اسرآء لا الی المسجد الاقصی فلانه محل ظهور شعائر الله و متعلق هم الملاء الاعلی ومطمح انظار الانبیاء علیهم السلام فکانه کرہت الی الملکوت واما ملاقاته مع الانبیاء صلوات الله علیهم ومفاخرته معهم حقیقتها اجتماعهم من حیث ارتباطهم بحظیرہت القدس وظهور وما اختص به من بینهم من وجوه الکمال واما رقیه الی السموات سماء بعد سماء فحقیقیہت الانسلاخ الی مستوی الرحمن منزلہت بعد منزلہت و معرفہت حال الملائکہت المئو کلہت بها من لحق بهم من افاضل البشر والتدبیر الذی اوحاه الله فیها والاختصام الذی یحصل فی ملئها و اما بکاء موسی فلیس بحسدو لکنه مثال

لیکن سینہ کا چیرنا اور اس کا ایمان سے بھرنا تو اس کی حقیقت ملکیت کے انور کا غلبہ اور طبیعت (بشری) کے شعلہ کا بجھنا اور طبیعت کی فرمانبرداری اس فیضان کے قبول کرنے کے لئے جو خظیر القدس سے خدا اس پر فائض کرتا ہے لیکن آپ کا براق پر سوار ہونا تو اس کی حقیقت آپ ؐ کے نفس ناطقہ (بشری) کا اپنے اس روح پر استیلاء حاصل کرنا ہے جو کمال حیوانی ہے تو آپ ؐ براق پر اسی طرح سوار ہو گئے۔ جس طرح آپ ؐ کی روح بشری کے احکام آپ ؐ کی روح حیوانی پر غالب آ گئے اور اس پر مسلط ہو گئے' لیکن آپ ؐ کا رات کو مسجد اقصی

لے جانا تو وہ اس لئے کہ یہ مقام شعائر الٰہی کے ظہور کا مکان ہے اور ملاءاعلیٰ کے ارادوں کا تعلق گاہ ہے اور انبیاء علیہم السلام کی نگاہوں کا نظارہ گاہ ہے' گویا وہ اعلیٰ کی طرف ایک روشندان ہے جہاں سے روشنی چھن چھن کر اس روشن دان کے ذریعہ اس کرۂ انسانی پر فائض ہوتا ہے' لیکن آپ ؐ کی انبیاء علیہم السلام سے ملاقات اور مفاخرت (اور امامت) تو اس کی حقیقت کو ان کا اجتماع ہے بحیثیت اس کے کہ وہ سب ایک ہی رشتہ میں خطیرۃ القدس سے مربوط ہیں اور آپ ؐ کی ان حیثیات کمال کا ظہور ہے جو ان تمام پیغمبروں میں آپ ؐ کی ذات سے مخصوص تھیں لیکن آپ ؐ کا آسمانوں پر ایک ایک آسمان کر کے چڑھنا (اور فرشتوں اور مختلف پیغمبروں سے ملاقات) تو اس کی حقیقت درجہ بدرجہ (تحت کی منزلوں سے)

لفقده عموم الدعوة وبقاء كمال لم يحصله مما هو في وجهه واما سدرة المنتهى فشجرة الكون وتربت بعضها على بعض وانجماعها في تدبير واحد كانجماع الشجرة في الغاذية والنامية ونحوهما ولم يتمثل حيوانا لان التدبير الجملي الاجمالي الشبيه بسيه سنة الاشياء به الشجرة دون الحيوان' فان الحيوان فيه قوى تفصيلية والارادة فيه اصرح من سنن الطبيعه واما الانهار في اصلها فرحمة فائضة في

الملكوت حذ والشهادة وحياة وانماء

فلذالك تعين هناك بعض الامور النافعة فى

الشهادة كالنيل والفرات واما الانوار التى

عشيتها فتدليات الهية وتدبيرات رحمانية

تلعلعت فى الشهادة حيثما استعدت لها واما

البيت المعمور فحقيقة التجلى الا لهى الذى

يتوجه اليه سجدات البشر وتضرعاتها يتمثل بيتا

على حذو ما عندهم من الكعبة وبيت المقدس

ثم اتى باناء من لبن وناء من خمر فاختار اللبن۔ فقال

جبرئيل هديت للفطرة ولو اخذت الخمر لغوت

امتك فكان هو ﷺ جامع امة ومنشا ظهورهم

وكان اللبن اختيارهم الفطرة الخمر اخبارهم

ذات الدنيا وامر بخمس صلوت بلسان التجوز لانها

خمسون باعتبار لثواب ثم اوضح الله مراده تدريجا

ليعلم ان الحرج مدفوع وان النعمة كاملة

وتمثل هذا المعنى مستندا الى موسى عليه السلام

فانه اكثر الانبياء معالجة للامة و معرفة

بسياستها۔ (باب الاسراء)

کھینچ کر عرش الٰہی تک پہنچتا ہے اور ہر آسمان پر جو فرشتے

متعین ہیں اور کامل انسانوں میں سے جو جہاں جس جس

درجہ تک پہنچ کر ان کے ساتھ مل کر گیا ہے ان کے حالات

سے اور اس تدبیر سے جو ہر آسمان میں خدا نے وحی کی اور اس

مباحثہ سے جو اس آسمان کے فرشتوں کی جماعت میں ہوتا ہے آگاہی ہے لیکن حضرت موسیٰ کا رونا تو از راہ حسد نہ تھا بلکہ وہ اس بات کی تمثیل تھی کہ ان کو دعوت نامہ نہیں ملی تھی اور اس کمال کی بقاء ان کو عنایت نہیں ہوئی تھی جو عموم دعوت سے حاصل ہوتی ہے لیکن سدرۃ المنتہیٰ تو وہ وجود کا درخت ہے اس کا ایک دوسرے پر مرتب ہونا اور پھر ایک ہی تدبیر میں مجتمع ہونا ہے جس طرح درخت اپنی شاخوں کے بے شمار افراد کے اختلاف کے باوجود اپنی قوت غاذیہ اور اپنی قوت نامیہ کی تدبیر میں متحد و مجتمع ہوتا ہے۔ سدرۃ المنتہیٰ حیوان کی شکل میں نمایاں نہیں ہوا اس لئے کہ اجمالی اور مجموعی تدبیر اس طرح ہے جس طرح کلی اپنے افراد کی سیاست (اجمالی) کرتی ہے اور اس تدبیر اجمالی کی بہترین شبیہ درخت ہے نہ کہ حیوان کیونکہ حیوان میں تفصیلی قوتیں ہوتی ہیں اور خصوصاً اس میں ارادہ قوتیں طبعی سے زیادہ مصرح صورت میں ہوتا ہے، لیکن نہروں (کی جڑوں اور سوتوں کو وہاں نظر آنا) تو وہ رحمت و حیات ونشوونما کا منبع ہے، جو عالم ملکوت میں اسی طرح جاری ہے جس طرح عالم ظاہر میں، اس لئے وہاں بھی بعض وہ پر فیض امور نظر آئے جو یہاں اس عالم میں ہیں جیسے دریائے نیل اور نہر فرات، لیکن وہ انوار جو اس درخت کو ڈھانکتے تھے تو وہ تنزلات الٰہیہ اور تدبیرات رحمانیہ میں جو اس عالم ظاہر میں وہاں چمکتی ہیں، جہاں جہاں ان کے قبول کی استعداد ہوتی ہے، لیکن بیت معمور تو اس کی حقیقت وہ تجلی ہے، جس کی

طرف انسانوں کے تمام سجدے اور بندگیاں متوجہ ہوتی ہیں وہ گھر کی صورت میں اس لئے نمایاں ہوا کہ وہ ان قبلوں کی طرح ہو جو انسانوں کے درمیان کعبہ اور بیت المقدس کی صورت میں ہیں پھر آپ ؐ کے سامنے ایک دودھ کا پیالہ اور ایک شراب کا پیالہ لایا گیا' آپ ؐ نے دودھ پسند فرمایا تو جبریلؑ نے کہا کہ فطرت کی طرف آپ ؐ نے ہدایت پائی اگر آپ ؐ شراب پسند فرماتے تو آپ ؐ کی امت گمراہ ہو جاتی۔ آپ ؐ کے پسند و قبول کی امت کی پسند و قبول کہنا اس لئے تھا کہ آپ ؐ اپنی امت کے جامع و مرکز اور اس کے ظہور کے منشاء مولد تھے اور دودھ کا پیالہ پسند کرنا فطرت کا پسند کرنا تھا اور شراب کو لینا دنیاوی لذتوں کو پسند کرنا تھا اور آپ ؐ کو بزبان مجاز پانچ وقتوں کی نمازوں کا حکم دیا گیا کیونکہ درحقیقت ثواب کے اعتبار سے پچاس وقت ہیں' اللہ تعالیٰ نے اپنے مقصد کو (کہ پچاس وقتوں سے پانچ وقت) مقصود ہیں' بدفعات اور بتدریج اس لئے ظاہر کیا تاکہ معلوم ہو کہ (۵۰ وقت کو پانچ کر دینے میں) تنگی دور کر دی گئی اور نعمت پوری ہوئی ہے اور یہ بات حضرت موسیٰ علیہ السلام کے مکالمہ کی طرف منسوب ہو کر اس لئے ظاہر ہوئی کہ تمام پیغمبروں میں امت کا تجربہ اور امت کی سیاست کی آگاہی ان ہی کو سب سے زیادہ تھی۔

ہم نے ارباب حال اور محدثین کے یہ انکشافات و حقائق اور جسم و روح کے یہ گوناگوں احوال و مناظر خود انہی کی زبانوں سے بتائے اور دکھائے ہیں ورنہ ہم خود

اس باب میں سلف صالحین کا عقیدہ رکھتے ہیں جو ابن اسحاق کی عبارت میں حسب ذیل ہے:

وکان فی مسراہ وما ذکر منہ بلاء و تمحیص وامر من امر اللہ فی قدرتہ وسلطانہ' فیہ عبرہت لاولی الالباب وھدی ورحمہت وثبات لمن امن باللہ وصدق وکان امر اللہ علی یقین فاسری بہ کیف شاء وکماشاء لیریہ من ایات ربہ ما اراد حتی عاین ما عاین من امرہ وسلطانہ العظیم وقدرتہ التی یصنع بھا ما یرید۔(سیرت ابن ہشام باب الاسراء)

آپ ؐ کے اس سفر شبانہ اور جو کچھ اس کے متعلق بیان کیا گیا ہے اس میں آزمائش اور کافر و مومن کی تمیز ہے اور خدا کی قدرت اور سلطنت میں سے کوئی ایسی شان ہے اور اس میں اہل عقل کے لئے عبرت اور جو اللہ پر ایمان لایا اور تصدیق کی اور خدا کے کاموں پر یقین رکھا اس کے لئے اس میں ہدایت رحمت اور ثابت قدمی ہے۔ پس اللہ تعالٰی اپنے بندہ کو رات کے وقت لے گیا جس طرح چاہا اور جیسے چاہا تا کہ وہ اس کو اس کے پروردگار کی نشانیوں میں سے جو چاہے دکھائے' یہاں تک کہ آپ ؐ نے خدا کی شان اور اس کی عظیم الشان قوت کے مناظر دیکھے جو کچھ دیکھے اور اس قدرت کو دیکھا جس سے وہ کچھ چاہتا ہے کرتا ہے۔

-----اختتام-----جلد سوئم-----جزو اول-----

فہرست

قرآن مجید اور معراج

معراج کے اسرار اعلانات، احکام، بشارتیں اور انعامات

آنحضرت ﷺ کا نبی القبلتین ہونا::

بنی اسرائیل کی مدت تولیت کا قیام::

کفار مکہ کے نام آخری اعلان::

حضرت موسیٰ کے واقعات اور حالات سے استشہاد::

معراج کے انعامات::

معراج کا پر اسرار منظر::

شرح صدر یا شق صدر

شق صدر کی ضعیف روایتیں::

حماد بن سلمہ کی روایت میں ان کا وہم::

دو دفعہ شق صدر ہو تو اس کی تاویل::

شق صدر کی صحیح کیفیت::

شق صدر کی حقیقت::

شرح صدر کے لئے مناسب موقع اور مصلحت::

آیات و دلائل نبوی ؐ قرآن مجید میں

قرآن مجید میں آپ ؐ کے تمام معجزات کا تفصیلی ذکر کیوں نہیں ہے::

قرآن مجید سے آپ ؐ کے صاحب معجزہ ہونے کی دلیل::

قرآن مجید میں آپ ﷺ کے دلائل و معجزات مذکور ہیں::

معجزۂ قرآن

قوت تاثیر

تعلیم وہدایت

قوت دلائل

امیت

آنحضرتﷺ کا ظاہری تعلیم اور نوشت وخواند کے داغ سے پاک ہونا

ذات نبویﷺ کی حفاظت

لیلتہ الجن

شق قمر

غلبہ روم کی پیشین گوئی

دیگر آیات ودلائل نبویﷺ

قرآن مجید میں

طیر ابابیل کی نشانی::

شہاب ثاقب کی کثرت::

مکہ سے بیت المقدس تک ایک شب میں سفر::

قریش پر قحط سالی کا عذاب::

متوقع ہجرت کی معجزانہ نشانیاں::

خواب میں کفار کا کم دیکھنا::

پھر کافروں کی آنکھوں میں مسلمانوں کا دونا نظر آنا::

فرشتوں کی آمد::

میدان جنگ میں پانی برسانا::

لڑائیوں میں نیند کا طاری ہونا::

آپﷺ کا کنکری پھینکنا::

غزوہ بدر میں دو میں سے ایک کا وعدہ::

غزوۂ احزاب کی خبر::

غزوۂ احزاب میں آندھی::

غزوہ حنین میں نصرت::

غیب پر اطلاع::

بنونضیر کی سازش کی اطلاع::

مہاجرین حبش کو بشارت::

ہجرت کے بعد قریش کو مہلت نہ ملے گی::

دینی اور دنیاوی شہنشاہی کا وعدہ::

قبائل عرب کی شکست ہوگی::

قریش کی شکست اور بربادی کے وعدے::

فتح کی پیشین گوئیاں::

خیبر اور حنین کی فتح کی پیشین گوئی::

یہود کا اعلان::

یہود کی دائمی ناکامی::

روم کی قوت ٹوٹ جائے گی::

خلفائے راشدین کے زمانہ کی لڑائیاں::

وفات نبوی ؐ کی پیشین گوئی::

آیات و دلائل نبویہ

بروایت صحیحہ

علامات نبوت

قبل بعثت

حضرت آمنہ کا خواب::

اندھیرے میں روشنی ہونا::

جانور کا سجدہ کرنا::

جانور کا آپ ؐ کے مرتبے کو پہچاننا::

حافظہ سے بڑھ جانا::

شفائے امراض

حضرت علیؓ کی آنکھوں کا اچھا ہو جانا::

ٹوٹی ہوئی ٹانگ کا درست ہونا::

تلوار کے زخم کا اچھا ہونا::

اندھے کا اچھا ہونا::

بلا دور ہونا::

گونگے کا بولنا::

مرض نسیان کا دور ہونا::

بیمار کا تندرست ہونا::

ایک جلے ہوئے بچے کا اچھا ہونا::

جنون دور ہونا::

استجابت دعا

قریش پر عذاب آنا اور اس کا دور ہونا::

روٴسائے قریش کے حق میں بد دعا::

حضرت عمرؓ کا اسلام::

سراقہ کے گھوڑے کے پاوٴں کا دھنس جانا::

مدینہ کی آب وہوا کے لئے دعا::

قحط کا دور ہونا اور پانی کا برسنا::

حضرت انسؓ کے حق میں دعائے برکت::

حضرت ابن عباسؓ کے حق میں دعائے علم::

حضرت ام حرامؓ کے حق میں دعائے شہادت::

حضرت سعدؓ بن وقاص کی شفایابی کیلئے دعا::

حضرت سعد بن ابی وقاص کے مستجاب الدعوات ہونیکی دعا::

حضرت عروہؓ کے حق میں دعائے برکت::

ابو امامہ باہلیؓ کے حق میں دعائے سلامتی::

حضرت طلحہؓ کے حق میں برکت اولاد کی دعا::

حضرت ابو ہریرہؓ کی والدہ کے حق میں دعائے ہدایت::

اونٹ کا تیز ہو جانا::

بیمار کا اچھا ہونا::

سواری میں قوت آ جانا::

ایک مغرور کا ہاتھ شل ہو جانا::

قبیلہ دوس کا مسلمان ہونا::

رفع بے پردگی کیلئے دعا::

سلطنت کسریٰ کی تباہی::

دعائے برکت کا اثر::

طول عمر کی دعا::

ایک بچہ کی ہدایت کے لئے دعا::

اشیاء میں اضافہ

تھوڑے سے کھانے میں ستر آدمیوں کا سیر ہونا::

چھوہارے کے ڈھیر کا بڑھ جانا::

کھانے میں حیرت انگیز برکت ::

گھی کی مقدار میں برکت ::

جو کی مقدار میں برکت ::

کھانے میں حیرت انگیز اضافہ ::

تھوڑی سی زادراہ میں غیر معمولی برکت ::

تھوڑی سی زادراہ میں عظیم برکت ::

آدھ سیر آٹے اور ایک بکری میں برکت ::

تھوڑے سے کھانے میں غیر معمولی برکت ::

قلیل تعداد میں کثیر برکت ::

ایک پیالہ میں حیرت انگیز برکت ::

دودھ کے پیالہ میں برکت ::

بکری کے دست میں برکت ::

بکری کے تھنوں میں برکت ::

ایک وسق جو کی برکت ::

توشہ دان بھرا رہتا ::

تھوڑی کھجوروں میں برکت ::

پانی جاری ہونا

مشکیزہ سے پانی ابلنا ::

انگلیوں سے پانی جاری ہونا ::

پانی کا بڑھ جانا ::

انگلیوں کی برکت ::

انگلیوں سے پانی کا چشمہ بہنا ::

کلی سے پانی بڑھ جانا::

ہاتھ منہ دھونے کی برکت::

انگلیوں کی برکت::

انگلیوں سے پانی کا جوش مارنا::

تھوڑے پانی میں کثیر برکت::

انگلیوں سے پانی ابلنا::

ایک اور واقعہ::

اطلاع غیب

اہل کتاب کے سوالات کے جواب دینا

اخبار غیب یا پیشین گوئیاں

فتوحات عظیمہ کی اطلاع::

قیصر و کسرا ی کی بربادی کی خبر::

ساز و سامان کی بشارت::

امن و امان کی بشارت::

ابو صفوان کے قتل کی خبر::

نام بنام مقتولین بدر کی خبر::

فاتح خیبر کی تعیین::

حضرت فاطمہ زہراؓ کی وفات کی اطلاع::

خود اپنی وفات کی اطلاع::

فتح یمن کی خبر::

فتح شام کی خبر::

فتح عراق کی خبر::

فتح مصر کی بشارت اور ایک واقعہ کا حوالہ::

غزوۂ ہند کی خبر::

بحر روم کی لڑائیاں::

بیت المقدس کی فتح::

فتح قسطنطنیہ کی بشارت::

فتح روم کا اشارہ::

فاتح عجم کا اشارہ::

مرتدین کی اطلاع::

حضرت زینبؓ کی وفات کی اطلاع::

ام ورقہ کی شہادت کی خوشخبری::

خلفاء کی بشارت::

بارہ خلفاء::

خلافت راشدہ کی مدت::

شیخین کی خلافت کی پیشین گوئی::

مسلمانوں کو دولت کی کثرت اور فتنوں کے ظہور سے آگاہ کرنا::

حضرت عثمانؓ کو فتنہ کی اطلاع::

حضرت عمرؓ اور عثمانؓ شہید ہوں گے::

حضرت علی مرتضیٰؓ کی مشکلات اور شہادت::

حضرت علیؓ اور معاویہؓ کی جنگ::

حضرت عمارؓ شہید ہوں گے::

امام حسنؓ کی مصالحت::

نوخیز حکمران قریش کے ہاتھوں اسلام کی تباہی::

www.IqbalCyberLibrary.net All rights reserved. ©2002-2006

یزید کی تخت نشینی کی بلا اسلام پر::

امام حسینؓ کی شہادت::

خوارج کی اطلاع::

مختار اور حجاج کی اطلاع::

حجاز میں ایک آگ::

ایک صدی یا ایک دور کے بعد انقلاب::

مدعیان کاذب::

منکرین حدیث::

تجارت کی کثرت اور اس میں عورتوں کی شرکت::

اہل یورپ کی کثرت::

سود کی کثرت::

یہودیوں سے جنگ::

حجاز کا انقطاع مصر، شام اور عراق سے::

اہل یورپ سے شام میں جنگ::

مسلمانوں کے خلاف تمام دنیا کی قومیں اٹھ کھڑی ہونگی::

معجزات نبوی ﷺ کے متعلق غیر مستند روایات

کتب دلائل اور ان کے مصنفین کا درجہ::

معجزات کے متعلق غلط اور موضوع روایتوں کے پیدا ہونیکے اسباب::

آپ ﷺ کی برتری اور جامعیت کا تخیل::

شاعرانہ تخیل کو واقعہ سمجھ لینا::

آئندہ واقعات کو اشارات میں ولادت کے موقع پر بیان کرنا::

الفاظ کے نقل میں بے احتیاطی::

مشہور عام دلائل و معجزات کی روایتی حیثیت::

بشارات

خصائص محمدی ﷺ

خصائص ذاتی

نبوت اور لوازم نبوت::

امور متعلقہ نکاح::

نماز شبانہ::

عصر کے بعد نماز دوگانہ::

صوم وصال::

صدقہ وزکوٰۃ کھانے کی حرمت::

خصائص نبوی

رعب ونصرت::

روم

سجدہ گاہ عام::

پیرووں کی کثرت::

دعوت عام::

جامع الکلم::

تکمیل دین::

دائمی معجزہ::

ختم نبوت::

شفاعت اولین::

فضائل اخروی::

www.IqbalCyberLibrary.Net All rights reserved. ©2002-2006

قرآن مجید اور معراج

معراج کے اسرار، اعلانات، احکام، بشارتیں اور انعامات

عام طور پر یہ سمجھا جاتا ہے کہ قرآن مجید میں معراج کا بیان سورۂ اسراء (جس کو سورۂ بنی اسرائیل بھی کہتے ہیں) کی طرف ابتدائی تین چار آیتوں میں ہے۔ یعنی:

سبحان الذی اسری بعبدہ لیلا من المسجد الحرام الی المسجد الاقصی الذی بارکنا حولہ لنریہ من ایتنا انہ ھو السمیع البصیر (بنی اسرائیل: ۱)

پاک ہے وہ ذات جو اپنے بندہ کو رات کے وقت مسجد حرام (کعبہ) سے اس مسجد اقصیٰ (بیت المقدس) تک لے گیا، جس کے گرداگرد ہم نے برکت نازل کی ہے تاکہ ہم اپنے بندہ کو اپنی نشانیاں دکھائیں، وہی سننے والا اور دیکھنے والا ہے۔

لیکن ہم نے اس سورہ کو شروع سے اخیر تک بار بار پڑھا اور ہر بار اس یقین کے ساتھ ختم کیا کہ یہ پوری سورہ معراج کے اسرار و حقائق، نتائج وعبر اور احکام واعلانات سے معمور ہے۔ سب سے پہلے ہم یہ بتانا چاہتے ہیں کہ اس سورہ کے جلی عنوانات کیا ہیں:

۱۔ یہ اعلان کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نبی القبلتین (یعنی کعبہ اور بیت المقدس دونوں کے پیغمبر) ہیں۔

۲۔ یہود جو اب تک بیت المقدس کے اصلی وارث اور اس کے نگہبان وکلید بردار بنائے گئے تھے ان کی تولیت اور نگہبانی کی مدت حسب وعدۂ الٰہی ختم کی جاتی ہے اور آل اسماعیل کو ہمیشہ کے لئے اس خدمت گزاری سپرد کی جاتی ہے۔

۳۔ کفار قریش کو اعلان کہ تمہارے پند وموعظت کا عہد گزر گیا۔ فیصلہ حق کے ثبوت کے لئے جس عذاب کو تم مانگتے تھے اب وہ آتا ہے رسول اب ہجرت کرتے ہیں۔

۴۔رسولوں کی سنت کے مطابق اب آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ہجرت کا اذن دیا جائے گا' جس کے بعد نافرمان قوم پر عذاب آئے گا۔

۵۔معراج کے احکام شرائع۔

۶۔نماز پنجگانہ کی فرضیت۔

۷۔نبوت' قرآن' قیامت اور معجزات پر اعتراضات کے جوابات۔

۸۔حضرت موسیٰؑ کے حالات اور واقعات سے استشہاد۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا نبی القبلتین ہونا::

حضرت ابراہیمؑ کے گھرانے کو اللہ تعالیٰ نے دنیا کی سعادتوں اور برکتوں کا کلید بردار بنایا تھا اور ان کو ارض مقدس کی تولیت کا منصب عطاء کیا تھا۔ جس کے حدود خدا نے خواب میں حضرت ابراہیمؑ کو دکھائے تھے' لیکن اسی کے ساتھ تورات میں بار بار اعلان کر کے یہ بھی ان کو سنا دیا گیا تھا کہ اگر انہوں نے خدا کے احکام کی اطاعت اور پیغمبروں کی تصدیق نہ کی تو یہ منصب ان سے چھین لیا جائے گا۔حضرت ابراہیمؑ کو اسماعیلؑ واسحاق دو بیٹے عطاء ہوئے تھے اور ارض مقدس کو ان دونوں بیٹوں کے درمیان تقسیم کر دیا گیا تھا یعنی شام کا **ملک** حضرت اسحاقؑ کو اور عرب کا **ملک** حضرت اسمٰعیلؑ کو ملا تھا۔شام میں بیت المقدس اور عرب میں کعبہ واقع تھا۔حضرت اسحاقؑ کے فرزندوں کو جن کا مشہور نام بنی اسرائیل ہے (اسرائیل حضرت اسحاقؑ کے بیٹے یعقوبؑ کا لقب تھا) بیت المقدس کی تولیت عطاء ہوئی تھی اور بنو اسماعیل کو کعبہ کا متولی بنایا گیا تھا حضرت ابراہیمؑ کی اولاد میں جس قدر پیغمبر پیدا ہوئے ان میں سے بنو اسرائیل کا قبلہ بیت المقدس اور اسماعیل کا کعبہ تھا۔گویا آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے پہلے جس قدر انبیاء عرب یا شام میں مبعوث ہوئے تھے وہ ان دونوں قبلوں میں سے صرف ایک کے متولی تھے۔آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اللہ تعالیٰ نے جس طرح تمام دوسرے پیغمبروں کے متفرق اوصاف خصوصیات کا

جامع اور برزخ بنایا تھا' اسی طرح حضرت اسحاق واسماعیل دونوں کی برکتوں اور سعادتوں کا گنجینہ بھی ذات محمدیؐ ہی کو قرار دیا یعنی حضرت ابراہیمؑ کی وراثت جو صدیوں سے جو بیٹوں میں بٹتی چلی آتی تھی وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بعثت سے پھر ایک جگہ جمع ہو گئی اور گویا وہ ''حقیقت ابراہیمیہ'' جو خاندانوں اور نسلوں میں منقسم ہو گئی تھی ذات محمدی ﷺ میں پھر یکجا ہو گئی اور آپ ﷺ کو دونوں قبلوں کی تولیت تفویض ہوئی اور نبی القبلتین کا منصب عطاء ہوا۔ یہی نکتہ تھا جس کے سبب آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو کعبہ اور بیت المقدس دونوں طرف رخ کرنے کا حکم دیا گیا اور اسی لئے معراج میں آپ ﷺ کو مسجد حرام (کعبہ) سے مسجد اقصٰی (بیت المقدس) تک لے جایا گیا اور مسجد اقصٰی میں تمام انبیاء کی صف میں آپ ﷺ کو امامت پر مامور کیا گیا تا کہ آج اس مقدس دربار میں اس کا اعلان عام ہو جائے کہ دونوں قبیلوں کی تولیت سرکار محمدی ﷺ کو عطاء ہوئی ہے اور نبی قبلتین نامزد ہوتے ہیں اور قرآن مجید میں سورۂ اسراء کی ابتداء اور واقعہ معراج کا آغاز اسی حقیقت کے اظہار سے ہوتا ہے۔

سبحان الذی اسری بعبدہ لیلا من المسجد الحرام الی المسجد الاقصی الذی برکنا حولہ لنریہ' من ایتناط انہ ھو السمیع البصیر۔(بنی اسرائیل)

پاک ہے وہ خدا جو رات کے وقت اپنے بندہ کو مسجد حرام سے اس مسجد اقصٰی تک لے گیا جس کے گرداگرد ہم نے برکتیں نازل کی ہیں تا کہ ہم اپنے اس بندہ کو اپنی چند نشانیاں دکھائیں بے شک خدا سننے والا اور دیکھنے والا ہے۔

بنی اسرائیل کی مدت تولیت کا قیام::

بنو اسرائیل کو ارض مقدس کی تولیت کا شرف بہت سی شرائط اور معاہدوں کے ساتھ عطا ہوا تھا اور یہ کہہ دیا گیا تھا کہ جب وہ غیر معبودوں کی طرف جھکیں گے اور احکام

الٰہی کی عدم پیروی کے ملزم ہوں گے تو یہ منصب ان سے چھین لیا جائے گا اور محکومی و غلامی کی زنجیر ان کی گردنوں میں ڈال دی جائے گی' حضرت داؤدؑ وسلیمانؑ کے عہد میں ان کو جو نیابت اور وراثت عطا کی گئی عدم ایفائے کی پاداش میں بابل کے بادشاہ بخت نصر (بنوخذ نذر) کے ہاتھوں ان سے چھین لی گئی۔ ارض مقدس سے وہ جلاوطن کردیئے گئے۔ شہر اورشلیم کھنڈر کردیا گیا۔ بیت المقدس کی ایک ایک اینٹ چور چور کردی گئی اور توراہ کے پرزے پرزے اڑا دیئے گئے۔

اس پرغم سانحہ پر انبیائے بنی اسرائیل نے ماتم کیا۔ خدا کے سامنے دست تضرع دراز کیا' بنی اسرائیل کو توبہ وانابت کی دعوت دی تو پھر ان کو معاف کیا گیا اور ایرانیوں کے عہد میں ارض مقدس کی دوبارہ تولیت سے وہ سرفراز ہوئے' لیکن اس کے بعد پھر وہ اپنے عہد پر قائم نہ رہے' بتوں کو سجدے کئے' توراہ کے احکام سے روگردانی کی تو ان پر یونانیوں اور رومیوں کو مسلط کیا گیا۔ جنہوں نے بیت المقدس کو جلا کر خاکستر کردیا۔ یہودیوں کا قتل عام کیا۔ قربان گاہ کے مقدس ظروف توڑ پھوڑ دیئے۔ اب اس کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بعثت ہوتی ہے اور بنی اسرائیل کو توبہ وانابت کا آخری موقع دیا جاتا ہے۔ اگر انہوں نے حق پسندی کو راہ دیا تو خدا ان پر رحم فرمائے گا ورنہ ہمیشہ کے لئے اس منصب سے وہ محروم کردیئے جائیں گے۔

چنانچہ آیات بالا کے بعد ارشاد ہوتا ہے۔

واتینا موسی الکتاب وجعلناہ ھدی لبنی اسرآئیل الا تتخذوا من دونی وکیلا ذریۃ من حملنا مع نوح انہ کان عبدا شکورا۔ وقضینا الی بنی اسرآئیل فی الکتاب لتفسدن فی الارض مرتین ولتعلن علوا کبیرا۔ فاذا جاء وعداولھما بعثنا علیکم عبادا لنا اولی باس شدید فجاسوا خلل الدیار۔ وکان وعدا مفعولا ثم رددنا لکم الکرۃ علیھم وامددنا کم باموال وبنین وجعلنکم اکثر

نفیرا وان احسنتم احسنتم لا نفسکم وان اساتم فلھاط فاذا جاء وعد الاخرۃ لیسوء وجوھکم ولیدخلوا المسجد کما دخلوہ اول مرۃ ولیتبر وا ما علوا تتبیرا۔ عسی ربکم ان یرحمکم وان عدتم عدنا وجعلنا جھنم للکفرین حصیرا۔ (بنی اسرائیل۔ ۱)

اور ہم نے موسیٰ کو کتاب دی اور اس کو بنی اسرائیل کیلئے ہدایت نامہ ٹھہرایا کہ ہمارے سوا وہ کسی کو کارساز نہ بنائیں۔ اے ان لوگوں کی اولادو! جن کو ہم نے نوحؑ کے ساتھ کشتی پر سوار کیا تھا' دیکھو ان کا جنھوں نے اپنا کارساز دوسروں کو بنا لیا تھا کیا حشر ہوا؟ تم کو اس احسان کا شکر ادا کرنا چاہئے تھا کیونکہ تمہارا باپ نوح شکرگزار بندہ تھا اور ہم نے کتاب میں بنی اسرائیل کے متعلق فیصلہ کردیا تھا کہ تم دو دفعہ زمین میں فساد کرو گے اور بڑی زیادتیاں کرو گے جب ان میں سے پہلے فساد کا وقت آیا تو ہم نے تم پر ایسے بندوں کو کھڑا کر دیا جو بڑے سخت گیر تھے وہ تمہارے شہروں کے اندر پھیل گئے اور خدا کا وعدہ پورا ہوا پھر ہم نے تمہارے دن پھیرے اور تم کو مال و اولاد سے مدد دی اور تمہاری تعداد بہت بڑھا دی (اور کہہ دیا کہ) اگر تم نے اچھے کام کئے تو اپنے ہی لئے اور برے کام کئے تو اپنے لئے پھر جب (تمہارے) دوسرے فساد کا وقت آیا (تو پھر ہم نے اپنے دوسرے بندوں کو کھڑا کر دیا) کہ وہ تمہارے چہروں کو خراب کردیں اور یہ بھی بیت المقدس میں اسی طرح گھس جائیں جس طرح تمہارے پہلے دشمن گھسے تھے اور جس چیز پر وہ قابو پائیں اس کو توڑ پھوڑ ڈالیں (اب محمد ﷺ کی بعثت کے بعد) ممکن ہے کہ تمہارا

پروردگار تم پر رحم کرے اور اگر تم نے پھر ویسا ہی کیا تو ہم بھی ویسا ہی کریں گے اور حق کے منکروں کیلئے ہم نے جہنم کا احاطہ بنا رکھا ہے۔

یہ سورہ مکہ میں نازل ہوئی تھی۔ وہاں بنی اسرائیل سے تعلقات نہ تھے' اسی لئے مکی سورتوں میں بنو اسرائیل کو عموماً مخاطب نہیں کیا گیا ہے۔ یہ پہلا موقع ہے کہ بنو اسرائیل کو مخاطب کیا جا رہا ہے' کیونکہ اب اسلام کے نئے دور کا آغاز ہونے والا ہے اور آپ ﷺ کو مدینہ کی طرف ہجرت کی اجازت ملنے والی ہے جہاں ان سے تعلقات کا آغاز ہوگا اور از سر نو خدا کے سامنے اپنی شرمساری کے اظہار کا موقع ملے گا اور خدا ان پر رحمت کا دروازہ کھولے گا لیکن اگر انہوں نے قبول حق سے انکار کیا تو ان کے لئے پھر وہی سزا ہے جو ان کو اس سے پہلے دو دفعہ مل چکی ہے لیکن افسوس ہے کہ انہوں نے عملاً اس موقع سے فائدہ نہیں اٹھایا اور حق کو قبول نہیں کیا' حالانکہ خدا نے ان سے کہا:

واوفوا بعهدی اوف بعهدکم (بقرہ: ۳)

تم میرا عہد پورا کرو تو میں تمہارا عہد پورا کروں گا۔

اس لئے خدا نے ان پر رحمت کا دروازہ نہیں کھولا اور ان کو تیسری دفعہ بھی وہی سزا ملی اور وہ مدینہ' اطراف مدینہ باغات وغیرہ سے بے دخل کر دیئے گئے اور بیت المقدس کی تولیت مسلمانوں کے سپرد کر دی گئی۔

کفار مکہ کے نام آخری اعلان::

آج کفار مکہ کے نام آخری اعلان ہے' ان کا مطالبہ تھا کہ اگر اسلام سچا اور ہمارا مذہب باطل ہے تو ہم پر عذاب کیوں نہیں آتا؟ وہ کہتے ہیں کہ ہم پر عذاب آئے۔ ان کو یہ سنت الٰہی بتائی گئی کہ قوم پر اس وقت تک عذاب نہیں آتا جب تک اس میں مبلغ الٰہی مبعوث نہیں ہو لیتا اور اس کو بالکل اس کی طرف سے مایوسی نہیں ہو جاتی'

اس وقت قوم کا دولتمند اور مغرور طبقہ اس حق کی بیخ کنی کے لئے آگے بڑھتا ہے' بہت سے دوسرے لوگ جن کو ان کی قوت پر بھروسہ ہوتا ہے ان کا ساتھ دیتے ہیں۔ مومنوں کا طبقہ جو بظاہر کمزور وضعیف ہوتا ہے اس حق کو قبول کر لیتا ہے۔ایک دنیا کے نفع عاجل کا طالب ہے اور دوسرا آخرت کے نفع جاوید کو ترجیح دیتا ہے دنیا میں بظاہر دونوں کو برابر زندگی کی نعمتیں ملتی ہیں۔مگر ایک دن آتا ہے جب رات اور دن کی روشنی الگ ہو جاتی ہے۔دنیا میں کوئی ایک دوسرے کا ذمہ دار نہیں' مصلح اور ہادی اپنا فرض ادا کر دیتے ہیں ایمان وکفر کے وہ ذمہ داری نہیں' اس دنیا میں ہر شخص اپنا آپ ضامن ہے' اسی انکار وکفر کی بدولت قریش مکہ بھی تولیت کعبہ سے معزول کئے جاتے ہیں اور مسلمانوں کو فتح مکہ کی خوشخبری سنائی جاتی ہے۔

ان ھذا القران یھدی للتی ھی اقوم و یبشر المئومنین الذین یعملون الصلحت ان لھم اجرا کبیرا ط وان الذین لا یومنون بالاخرہت اعتدنا لھم عذابا الیما۔ ویدع الانسان بالشر دعاء ہ بالخیرط وکان الانسان عجولا ۔ وجعلنا الیل والنھار ایتین فمحونا ایہت الیل وجعلنا ایہت النھار مبصرہت لتبتغوا فضلا من

یہ قرآن وہ راستہ بتاتا ہے جو سب سے زیادہ ہے اور ان مومنوں کو جو نیک کام کرتے ہیں یہ بشارت دیتا ہے کہ ان کے لئے بڑی مزدوری ہے اور یہ بتاتا ہے کہ وہ لوگ جن کو آخرت پر ایمان نہیں ہم نے ان کیلئے دردناک عذاب تیار کیا ہے انسان کبھی برائی (عذاب) کو بھی اسی طرح چاہتا ہے جس طرح بھلائی کو' انسان بڑا ہی عجلت پسند واقع ہوا ہے ہم نے دن اور رات کو دو نشانیاں بنایا ہے' نشان شب کو ہم مٹا دیتے ہیں

ربكم ولتعلموا عدد السنين والحساب وكل شئی
فصلناه تفصيلا ط وكل انسان الزمنه طئره فی عنقه
ونخرج له' يوم القيامة كتابا يلقه منشورا . اقرا
كتبك كفى بنفسك اليوم عليك حسيبا من
اهتدى فانما يهتدی لنفسہ ج ومن ضل فانما يضل
عليها ولا تزروازرة وزر اخری وما كنا معذبين
حتی نبعث رسولا واذا اردنا ان نهلك قرية امرنا
مترفيها ففسقوا فيها فحق عليها القول فدمرنها
تدميرا. وكم اهلكنا من القرون من بعد نوحط
وكفى بربك بذنوب عباده خبيرا بصيرا . من كان
يريد العاجلة عجلنا له فيها مانشاء لمن نريد ثم
جعلنا له' جهنم يصلها مذموما مدحورا. ومن ارد
الاخرة وسعى لها سعيها وهو مؤمن فاولئك
كان سعيهم مشكورا. كلا نمدهئولا من عطاء
ربك وما كان عطاء ربك محظورا انظر كيف فضلنا
بعضهم على بعض وللاخرة اكبر درجات واكبر
تفضيلا (بنی اسرائیل:۲)

اورنشان روزکو روشن کر دیتے ہیں کہ اس روشنی میں اپنے خدا
کی مہربانی کوڈھونڈو اور ماہ وسال کا شمار اور حساب جانو' ہم
نے ہر چیز کھول کر بیان کردی اور ہر انسان کے نیک وبد کو اسی
کی گردن میں ڈال دیا ہے قیامت کے دن ہم اس کے اعمال
نامہ کو نکالیں گے جس کو وہ کھلا ہوا پائے گا اور اس وقت ہم اس
سے کہیں گے کہ لو اپنا اعمال نامہ پڑھو! آج تم ہی اپنا حساب
آپ لے لو تو جو ہدایت کو قبول کرتا ہے وہ خود اپنے لئے کرتا
ہے اور جو گمراہ ہوتا ہے وہ اپنے لئے' کوئی ایک دوسرے کے
بوجھ کو نہیں اٹھاتا اور ہم اس وقت تک عذاب نازل نہیں

اکسفا او تاتی باللہ والملئکہت قبیلا ۔ او یکون لك
بیت من زخرف او ترقی فی السماء ولن نئومن
لرقیك حتی تنزل علینا کتبا نقروہ قل سبحان ربی
ھل کنت الا بشرا رسولا ۔ وما منع الناس ان یومنوا
اذ جاء ھم الھدی الا ان قالوا ابعث اللہ بشرا رسولا
قل لو کان فی الارض ملئکہت یمشون مطمئنین
لنزلنا علیھم من السماء ملکا رسولا قل کفی باللہ
شھیدا بینی و بینکم انہ کان بعبادہ خبیرا بصیرا۔
ومن یھداللہ فھوالمھتدج ومن یضلل فلن تجدلھم
اولیاء من دونہط ونحشرھم یوم القیامہت علی
وجوھھم عمیا وبکما وصماط ماوھم جھنمط کلما
خبت زدنھم سعیرا. ذلك جزاوھم بانھم کفروا
بایتنا وقالواء اذا

کہ اپنے اپنے طور پر عمل کئے جاؤ' تمہارا پروردگار ان کو خوب
جانتا ہے جو زیادہ سیدھے راستہ پر ہیں' وہ تم سے روح
(۳) ۔امین کی (جو قاصد وحی ہے) حقیقت دریافت کرتے
ہیں کہہ دے کہ وہ میرے پروردگار کی ایک بات ہے اور تم کو
علم نہیں دیا گیا ہے لیکن بہت تھوڑا سی وحی کے معجزۂ صداقت
کے لئے یہ بات کیا کم ہے کہ باوجود امی ہونے کے وہ لفظ بہ
لفظ تم کو یاد ہے اگر ہم چاہیں تو جو کچھ ہم نے تم پر وحی کی وہ
سب تمہارے سینہ سے لے جائیں پھر تم کو اس کے لئے
ہمارے مقابل کوئی حمایتی بھی نہ ملے لیکن یہ تیرے پروردگار
کی رحمت ہے (کہ اس کا لفظ لفظ تم کو محفوظ ہے) بے شک
اس کی تم پر بڑی مہربانی ہے (ان شک کرنے والوں سے)
کہہ دو کہ اگر تمام جن وانس بھی اکٹھے ہو کر چاہئیں کہ اس
قرآن کی طرح کا کوئی اور کلام بنا لائیں تو یہ ناممکن ہے

اگر چہ وہ ایک دوسرے کی پشتی پر کیوں نہ ہوں' باوجود یہ کہ ہم
نے اس قرآن میں لوگوں کے سمجھنے کے لئے سبھی قسم کی
مثالیں طرح طرح سے بدل کر بیان کیں' مگر اکثر لوگ انکار
کئے بدون نہ رہے اور یہ کفار مکہ کہتے ہیں کہ ہم تو اس وقت تک
تم پر ایمان نہ لائیں گے جب تم ہمارے لئے زمین سے کوئی
چشمہ نہ بہا دو یا کھجوروں سے اور انگوروں کا ایک باغ
تمہارے لئے ہو جائے اور تم اس میں نہریں بہا دو یا یہ کہ جیسا
تم کہتے ہو کہ ہم ایمان نہ لائیں گے تو ہم پر آسمان ٹوٹ
پڑے گا تو ہم پر آسمان کے ٹکڑے لا گرا دو یا خدا اور فرشتوں کو
ہمارے سامنے کھڑا کر دو یا یہ کہ تمہارے رہنے کے لئے ایک
سونے کا گھر بن جائے یا آسمان پر چڑھ جاؤ اور وہاں تمہارے
آسمان پر چڑھنے کو بھی ہم اس وقت تک باور نہیں کریں گے
جب تک وہاں سے ہم پر کوئی ایسی کتاب اتار نہ لاؤ جس کو ہم
پڑھیں' کہہ دے اے

---

(۱)۔ یہاں مصنفؒ نے روح سے روح امین یعنی جبریلؑ مراد لیا ھے
ورنہ عام تر تفاسیر اور روایات میں اس سے مراد روح حیوانی ھی ھے
جس کے متعلق یہود نے آنحضرت ﷺ سے سوال کیا تو ان کے جواب
میں یہ آیت نازل ہوئی۔ بخاری صفحہ ٦٨٦ ج ٢ کتاب التفسیر۔

کنا عظاما ورفاتا ء انا لمبعوثون خلقا جدیدا. اولم
یروا ان اللہ الذی خلق السموت والارض قادر علی
ان یخلق مثلھم وجعل لھم اجلا لا ریب فیہ ط
فابی الظلمون الا کفورا. قل لو انتم تملکون خزآئن
رحمۃ ربی اذا لا مسکتم خشیۃ الانفاق ط
وکان الانسان قتورا۔(بنی اسرائیل:۵)

پیغمبر! سبحان اللہ! میں تو خدا کا ایک قاصد بندہ ہوں' ہدایت

آ جانے کے بعد لوگوں کو اس قبول سے بجز اس کے کوئی امر مانع نہیں کہ وہ کہتے ہیں کہ خدا نے ایک بشر کو اپنا قاصد بنایا ہے' کہہ دو کہ اگر زمین پر فرشتے بستے ہوتے تو البتہ ہم آسمان سے کسی فرشتہ کو ہی ان کے پاس قاصد بنا کر بھیجتے' کہہ دو کہ اب دلیلوں اور حجتوں کا وقت گزر گیا' اب میرے اور تمہارے درمیان فیصلہ کے لئے بس خدا ہے' وہ اپنے بندوں کے حال کا

دانا اور بینا ہے جس کو وہ راستہ دکھائے وہی راہ راست پر ہے اور جن کو وہ گمراہ کرے تو اس کے سوا ان کا کوئی یار و مددگار نہیں پھر ہم انہیں قیامت کے دن اوندھے منہ اندھے' اور بہرے کر کے اٹھائیں گے کہ وہ اس دنیا میں حق کے دیکھنے اور سننے سے اندھے اور بہرے تھے اور ان کا ٹھکانہ دوزخ ہوگا جب وہ بجھنے کی ہوگی تو ہم پھر اس کو بھڑکا دیں گے' یہ ہماری نشانیوں کے انکار کا بدلہ ہوگا اور وہ کہتے ہیں کہ کیا جب ہم مر کر ہڈیاں اور ریزہ ریزہ ہو جائیں گے تو کیا ہم پھر از سر نو پیدا کر کے اٹھائے جائیں گے' کیا یہ ممکن ہے؟ کیا وہ نہیں سمجھتے کہ وہ خدا جس نے آسمان و زمین کو پیدا کیا وہ بے شک اس پر قادر ہے کہ وہ ان جیسے آدمی پھر پیدا کر دے اور اس نے ان کے لئے ایک میعاد مقرر کر رکھی ہو' جس میں کوئی شک نہیں لیکن یہ ظالم انکار کئے بدون نہ رہے۔ اے پیغمبر! یہ کفار مکہ حسد سے تم پر ایمان نہ لائے کہ تم کو اور تمہارے خاندان کو یہ شرف کیوں عطا ہوا ہے' ان سے کہہ دو کہ اگر میرے پروردگار کی رحمت کا خزانہ تمہارے قبضہ میں ہوتا ہے تو بے شک تم اس کے خرچ ہو جانے کے ڈر سے اس کو روکے رہتے' سچ یہ ہے کہ انسان بڑا ہی تنگ دل ہے۔

ان آیتوں میں یہ بتایا گیا ہے کہ وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے آسمان پر تشریف لے جانے پر بھی یقین نہیں رکھتے ہیں یعنی واقعہ معراج کو تسلیم نہیں کرتے اور کہتے ہیں کہ اس واقعہ کو ہم اس وقت تک تسلیم نہیں کریں گے جب تک آپ

ہمارے سامنے نہ چڑھ جائیں اور وہاں سے پورا قرآن مکمل لکھا ہوا لا کر ہمارے ہاتھ میں نہ دے دیں۔

حضرت موسیٰ کے واقعات اور حالات سے استشہاد::

حضرت موسیٰ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم واقعات زندگی میں متعدد حیثیتوں سے مماثلت ہے اور خود قرآن مجید نے اس مماثلت کو ظاہر کر دیا ہے۔

انا ارسلنا الیکم رسولا شاھدا علیکم کما ارسلنا الی فرعون رسولا۔(مزمل:۱)

(لوگو)! ہم نے جس طرح فرعون کی طرف ایک رسول بھیجا تھا اسی طرح تمہاری طرف بھی ایک رسول بھیجا ہے جو تم پر گواہ ہے۔

اسی سبب سے قرآن مجید میں بار بار حضرت موسیٰ کے قصہ کو دہرایا گیا ہے جس طرح حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنے دشمنوں کے اندر زندگی بسر کی' یہی حال آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا تھا' جس طرح حضرت موسیٰ نے فرعون اور اس کے اہل دربار کو ہر طرح سمجھایا مگر وہ ایمان نہ لائے اور بالآخر حضرت موسیٰ کو بنی اسرائیل کو لے کر مصر سے ہجرت کرنا پڑی۔اسی طرح صنادید قریش بھی آپ ﷺ پر ایمان نہ آئے اور بالآخر آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے صحابہؓ کو لے کر مکہ سے ہجرت فرمائی' جس طرح ہجرت سے کچھ پہلے موسیٰ علیہ السلام کو کوہ طور پر خدا کی ہمکلامی نصیب ہوئی اور احکام عشرہ عطا ہوئے' اسی طرح آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بھی ہجرت سے تقریباً ایک سال پہلے معراج ہوئی اور احکام دوازدگانہ عطا ہوئے۔جس طرح حضرت موسیٰ کی ہجرت کے بعد فرعونیوں پر بحر احمر کی سطح پر عذاب نازل ہوا اسی طرح آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ہجرت کے بعد صنادید قریش پر بدر کے میدان میں عذاب آیا اور جس طرح اس کے بعد فرعون کی شاہی مملکت پر بنی اسرائیل قابض ہو گئے' اسی طرح مکہ معظمہ کی حکومت بھی ہجرت کے بعد آپ ﷺ کو عطا کی گئی۔

ان امور کو پیش نظر رکھ کر کفار قریش کو معلوم ہونا چاہئے کہ قانون الٰہی معراج کے بعد ہجرت کا حکم دے گا اور اس کے بعد ان پر عذاب الیم کا نزول ہوگا' چنانچہ سورۃ اسراء کے آخر میں ارشاد ہوتا ہے۔

ولقد اتینا موسی تسع ایت بینت فسئل بنی اسرآئیل اذ جاء ھم فقال لہ فرعون انی لا ظنک یموسی مسحورا. قال لقد علمت ما انزل ھولا الا رب السموت والارض بصائر وانی لاظنک یفرعون مثبورا. فاراد ان یستفزھم من الارض فاغرقناہ ومن معہ جمیعا . وقلنا من بعدہ لبنی اسرآئیل اسکنو الارض فاذا جاء وعدالاخرۃ جئنابکم لفیفا (بنی اسرائیل:۱۰۲)

اور ہم نے (کوہ طور پر) موسیٰ کو کھلے احکام دیئے (جس طرح محمد ﷺ کو معراج میں عطا کئے) تو پوچھ لو بنی اسرائیل سے کہ جب موسیٰ بنی اسرائیل کے پاس آیا تو فرعون نے اس سے کہا کہ اے موسیٰ! میں سمجھتا ہوں کہ تم پر کسی نے جادو کر دیا ہے (تمہاری عقل کھو دی ہے) موسیٰ نے کہا اے فرعون! تجھ کو اچھی طرح معلوم ہے کہ ان حکموں کو آسمان اور زمین کے مالک کے سوا کسی اور نے ان کو دانائی بنا کر نہیں اتارا ہے اور اے فرعون! میں سمجھتا ہوں کہ تم اب ہلاک اور برباد ہو جاؤ گے' فرعون نے چاہا کہ بنی اسرائیل کو ملک سے اکھیڑ دے تو ہم نے اس کو اور اس کے ساتھیوں کو سب کو غرق کر دیا اور اس کے بعد ہم نے بنی اسرائیل سے کہا کہ اب تم ملک میں رہو جب قیامت کا وعدہ پورا ہوگا تو سب کو سمیٹ کر ہم اپنے حضور میں لائیں گے۔

ان آیتوں کے آغاز میں جن نو نشانیوں کے دیئے جانے کا حکم ہے بعض مفسرین نے

اس سے حضرت موسیٰ کے نو معجزات مراد لئے ہیں۔ مگر بعض احادیث میں مذکور ہے کہ ایک دفعہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تشریف فرما تھے' سامنے سے دو یہودی گزرے۔ ایک نے دوسرے سے کہا کہ چلو اس پیغمبر سے کچھ سوال کریں دوسرے نے کہا کہ پیغمبر نہ کہو' سن لے گا تو اس کی چار آنکھیں ہو جائیں گی (یعنی خوشی ہوگا) اس کے بعد وہ آپ ﷺ کی خدمت میں آئے اور دریافت کیا کہ موسیٰ کی نو آیتیں کون سی دی گئیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا وہ یہ ہیں' (۱) کسی کو خدا کا شریک نہ بناؤ' (۲) زنا نہ کرو' (۳) کسی بے گناہ کو قتل نہ کرو' (۴) چوری نہ کرو' (۵) جادو نہ کرو' (۶) کسی حاکم کے پاس بے جرم کی چغلی نہ کھاؤ' (۷) سود نہ کھاؤ' (۸) کسی پاک دامن پر تہمت نہ لگاؤ اور میدان جہاد سے نہ بھاگو (اس نویں حکم میں راوی کو شک ہے) اور خاص تمہارے لئے اے یہود! یہ دسواں حکم ہے کہ ''سبت (۱)۔ کے دن زیادتی نہ کرو۔'' یہ سن کر دونوں یہودیوں نے آپ ﷺ کے دست و پا کو بوسہ دیا۔

یہ حدیث جامع ترمذی' مسند احمد' نسائی' ابن ماجہ' ابن جریر میں ہے۔ امام ترمذی نے اس حدیث کو دو جگہ نقل کیا ہے' ایک تفسیر بنی اسرائیل میں اور دوسرے باب ما جاء فی قبلۃ الید والرجل میں اور دونوں جگہ کہا ہے کہ ''حدیث حسن صحیح۔''

اس حدیث میں جن دس احکام کی تفصیل ہے اور موجودہ ترجمہ توراۃ میں یہ احکام جن الفاظ میں مذکور ہیں ان میں کسی قدر فرق ہے۔ خصوصاً حدیث کا نواں حکم جس کے متعلق شعبہ راوی خود اقرار کرتے ہیں کہ اس کو یہ نویں بات اچھی طرح یاد نہیں۔ یہ نواں حکم دراصل ماں باپ کی اطاعت اور عزت ہے' باقی احکام وہی ہیں جو توراۃ میں مذکور ہیں' صرف طریقہ اور تعبیر کا فرق ہے۔ توراۃ کے موجودہ تراجم لفظی تو ہیں نہیں۔ علاوہ ازیں اس حدیث کے ایک راوی عبداللہ بن سلمہ کا حافظہ اچھا نہ تھا۔ ابن کثیر نے اس آیت کی تفسیر میں اس کی تصریح کی ہے۔ بہر حال اس تشریح سے ثابت ہوتا ہے کہ حضرت موسیٰ کے ان احکام عشرہ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ

بقرہ کی فضیلت آتی ہے وہ یہی ہیں۔

كسبت وعليها ما اكتسبتط ربنا لا تواخذنا ان نسينا او اخطانا ج ربنا ولا تحمل علينا اصرا كما حملته' على الذين من قبلناج ربنا ولا تحملنا ما لا طاقهت لنا به واعف عنا واغفرلنا وارحمنا انت مولينا فانصرنا على القوم الكفرين۔(بقرہ:۴۰)

احکام کو سنا اوران کی اطاعت کی تو اے ہمارے پروردگار! مجھ پر بخشش فرما اور تیری ہی طرف آخر لوٹ کر جانا ہے' خدا کسی شخص پر اس کی طاقت سے زیادہ بوجھ نہیں ڈالتا جس نے اچھے کام کئے اوراپنے ہی لئے کئے اور برے کام کئے تو اس کا نقصان بھی وہی اٹھائے گا۔ اے ہمارے پروردگار! اگر ہم بھول جائیں تو اس کی بازپرس ہم سے نہ کر' اے ہمارے پروردگار! ہم پر اس طرح کا بوجھ نہ ڈال جس طرح ہم سے پہلوں پر تو نے ڈالا ہے' اے ہمارے پروردگار اور اتنا بوجھ جس کے اٹھانے کی ہم میں طاقت نہیں ہم سے نہ اٹھوا اور ہمارے قصوروں سے درگزر فرما' ہمارے قصوروں کو معاف کر اور ہم پر رحم فرما' تو ہی ہمارا پروردگار ہے تو ان لوگوں کے مقابلہ میں جو تیرے منکر ہیں ہماری مدد فرما۔

معراج کا پراسرار منظر::

سورۂ اسراء کے آغاز میں اللہ تعالیٰ نے معراج کے روحانی مناظر کا بیان صرف دو لفظوں میں ختم کردیا ہے۔

لنزيه من ايتنا۔ (اسراء)

ہم نے اپنے بندہ کو یہ سیر اس لئے کرائی کہ ہم اپنی کچھ نشانیاں اس کو دکھائیں۔

یہ ''نشانیاں'' کیا تھیں؟ کیاان کی تفصیل کے لئے عاجز ودرماندہ انسان کی زبان میں

کچھ الفاظ ہیں؟ ہاں ہیں، مگر تمام ہماری فہم ہمارا علم ہمارا خیال ہمارا قیاس غرض جو کچھ ہمارے پاس ہے اس کا دائرہ ہمارے محسوسات اور ہمارے تعقلات سے آگے نہیں بڑھ سکتا اور ہمارے ذخیرۂ لغت میں صرف ان ہی کے لئے کچھ الفاظ ہیں۔ اس بنا پر وہ معانی جو نہ عام محسوسات انسانی کی حدود میں داخل ہیں اور نہ تعقل و تصور کے احاطہ کے اندر ہیں وہ الفاظ و کلمات میں کیونکر سما سکتے ہیں اور اگر اللہ تعالیٰ اپنے کمال قدرت سے ان کو صروف و کلمات کا جامہ پہنا بھی دے تو دماغ انسانی ان کے فہم و تحمل کی قدرت کہاں سے لائے گا؟

وما اوتیتم من العلم الا قلیلا (اسراء)

اے انسانو! تم کو علم کا بہت تھوڑا سا حصہ عطا کیا گیا ہے۔

اسی لئے سورۂ والنجم میں جہاں ان اسراء کے چہرہ سے کچھ پردہ ہٹایا گیا ہے ایسی تفصیل ہے جو تمام تر اجمال ہے اور ایسی توضیح ہے جو سرتاپا ابہام ہے دو دو لفظ کے فقرے ہیں ضمیریں محذوف ہیں فاعل کا ذکر ہے تو مفعول کا نہیں مفعول بیان ہوا ہے تو فاعل نہیں متعلقات فعل کی تشریح نہیں۔ ضمائر کے مرجعوں کی تعیین نہیں کیوں؟ اس لئے کہ اس مقام کا مقتضائے یہی ہے۔

عبادت از سخند اں ہم نہ گنجد

والنجم اذا ھوی . ما ضل صاحبکم وما غوی . وما ینطق عن الھوی . ان ھو الا وحی یوحی . علمہ شدید القوی. ذو مرۃ فاستوی . وھو بالافق الاعلی . ثم دنا فتدلی . فکان قاب قوسین او ادنی . فاوحی الی عبدہ ما اوحی . ما کذب الفواد ما رای . افتمرونہ علی ما یری. ولقد راہ نزلۃ اخری . عند سدرۃ المنتھی . عندھا جنۃ الماوی . اذ یغشی السدرۃ ما یغشی . ما زاغ البصر وما طغی. لقد رای من ایات ربہ الکبری۔ (النجم: ۱)

قسم ہے ستارہ کی جب وہ گرے کہ تمہارا رفیق (محمد ﷺ) نہ تو بھٹکا ہے اور نہ بہکا ہے اور نہ وہ یہ باتیں اپنے دل سے بنا کر کہتا ہے بلکہ وہ تو وہی ہے جو اس کو بتایا جاتا ہے اس کو تو بڑی طاقتوں والا اور بڑی عقل والا تعلیم دیتا ہے وہ آسمان کے اونچے کنارے میں سیدھا نمودار ہوا' پھر قریب ہوا اور جھکا تو دو کمانوں کا فاصلہ رہ گیا' اس سے بھی کم' پھر اس کے بندہ سے جو باتیں کیں' دل نے جو دیکھا اس نے جھوٹ بیان نہیں کیا اے لوگو کیا وہ جو دیکھتا ہے اس پر تم اس سے نزاع اور مناظرہ کرتے ہو اس لئے۔ یقیناً دوبارہ اس کو اترتے دیکھا' انتہاء کے درخت کے پاس جس کے قریب (نیک بندوں کے) رہنے کی بہشت ہے جب بیری کے درخت پر چھا رہا تھا جو چھا رہا تھا نظر بھی نہ اچٹی' اس لئے۔ یقیناً اپنے پروردگار کی بڑی بڑی نشانیاں دیکھیں۔

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جب معراج کے روحانی مشاہدات و مناظر اور ملکوتی آیات و مظاہر کا قریش سے تذکرہ کیا تو انہوں نے کہا کہ یہ راہ حق سے دیدہ و دانستہ (غوایت) یا نادانستہ (ضلالت) بھٹک گیا ہے یا اپنے دل سے بنا کر یہ جھوٹی باتیں بیان کرتا ہے۔ یہ انہوں نے کیوں کہا؟ اس لئے کہ روحانی جلووں کے دیکھنے کی ان کے پاس آنکھیں نہ تھیں' صوت سرمدی کے سننے کی ان کے کانوں میں طاقت نہ تھی' اسرار ملکوتی کے سمجھنے کے لئے ان کے سینوں میں دل نہ تھے۔ خدا نے کہا یہ جو کچھ تھا اور جو کچھ معلوم ہوا یہ بڑی طاقت اور قدرت اور علم و عقل والی ہستی کی جلوہ انگیزیاں تھیں' وہ کبھی اتنا دور تھا کہ آسمان کے کناروں میں نظر آیا اور کبھی اتنا قریب کہ دو کمانوں کے فاصلہ سے بھی قریب تر تھا۔ کون جھکا؟ کون قریب آیا؟ کون دو کمانوں کے فاصلہ تک آ کر رک گیا؟ کیا خدا؟ نہیں! کیا جلوہ خدا! شاید! کس نے باتیں

گئیں! معلوم نہیں! کیا باتیں کیں؟ بتائی نہیں! سدرۃ المنتہی کیا ہے؟ انسانی فہم و ادراک کی سرحد کے اخیر پر ایک درخت۔(۱)۔ کیا اس کو شئون و صفات الٰہی کی نیرنگی نے ڈھانک (۲)۔ لیا؟ کیا انسانی فہم و ادراک کی اخیر سرحد کا درخت صرف شئون و صفات کی نیرنگی کا مظہر ہے؟ کیا یہاں پہنچ کر کون و مکان اور وجوب و امکان کا عقدۂ مشکل حل ہو گیا؟ کیا دل بھی دیکھتا ہے؟ حضور ﷺ نے دل کی آنکھوں سے کیا دیکھا؟ دیدۂ چشم سے کیا نظر آیا؟ آپ ﷺ کو اس سفر میں آیات ربانی دکھائی گئیں۔ مگر یہ مشاہدۂ قلب تھا یا معائنۂ چشم؟

راز ایں پردہ نہان است و نہان خواہد بود

(۱)۔ اکابر تابعین سے یہی روایت طبری نے اس آیت کی تفسیر میں نقل کی ہے۔

(۲)۔ بخاری شریف میں ہے فغشیھا من امر اللہ ماغشی۔ یعنی جلوۂ الٰہی اس پر چھا گیا۔

شرح صدر یا شق صدر

"الم نشرح لک صدرک"

"کیا اے پیغمبر ہم نے تیرے سینے کو کھول دیا۔"

منجملہ نبوت کے ان خصائص کے جو ایک پیغمبر کو عطا ہوتے ہیں' شق صدر یا شرح صدر بھی ہے۔ چنانچہ یہ رتبہ خاص پیش گاہ الٰہی سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو مرحمت ہوا' شق صدر سے مراد یہ ہے کہ سینہ مبارک کو چاک کر کے اس کو بشری آلودگیوں سے پاک اور ایمان و حکمت کے نور سے منور کیا گیا۔ بعض روایتیں ایسی بھی ہیں جن سے ظاہر ہوتا ہے کہ معراج سے پہلے بھی یہ کیفیت آپ ﷺ پر گزری تھی۔ ان روایتوں میں بعض جزئیات کی تفصیل اور وقت کی تعیین میں اختلافات ہیں' چنانچہ تمام روایتوں کے جمع کرنے سے پانچ مختلف اوقات میں آپ ﷺ پر اس کیفیت کا گزرنا ظاہر ہوتا ہے' ایک جب آپ ﷺ چار پانچ سال کے تھے اور حضرت حلیمہؓ کے ہاں پرورش پا رہے تھے' دوسرے جب عمر شریف دس برس کی تھی' تیسرے جب آپ ﷺ بیس برس کی عمر کو پہنچے' چوتھے جب حضرت جبریلؑ سب سے پہلی دفعہ وحی لے کر آئے۔ پانچویں معراج کے موقعہ پر۔

یہ مسئلہ شق صدر واقع ہوا تمام صحیح روایتوں سے ثابت ہے اور اس کے متعلق کسی شک و شبہ کی گنجائش نہیں' البتہ اس وقت کی تعیین اور بعض جزئیات کی تفصیل میں روایتیں مختلف ہیں۔ تیسری دفعہ کی روایت میں جس میں بیس برس کی عمر میں اس کیفیت کا گزرنا بیان کیا گیا ہے۔ محدثین (۱)۔ بلکہ خود ارباب سیر (۲)۔ کے نزدیک قطعاً غیر ثابت ہے۔ باقی چار موقعوں کو حافظ ابن حجر وغیرہ نے جو ہر اختلاف روایت کو ایک نیا واقعہ تسلیم کر کے مختلف روایتوں میں توفیق اور تطبیق کی کوشش کرتے ہیں' تسلیم کیا ہے' امام سہیلی روض الانف میں صرف دو موقعوں کی روایت کو صحیح سمجھتے ہیں ایک دفعہ صغر سنی میں اور دوسری دفعہ معراج میں' اور اس کی مصلحت یہ بتائی ہے کہ صغر سنی

میں اس لئے یہ ہوا کہ بچپن ہی سے حضورﷺ کے قلب مبارک دنائم کے حصہ کو نکال دیا جائے اور معراج کے وقت تو ظاہر ہے کہ اس لئے تا کہ حضور ربانی کے موقع پر حکم صلوٰۃ کا جو طہارت محض ہے تحمل کیا جائے اور ملائکہ الٰہی کی امامت نماز میں فرما سکیں (ص ۱۱۰ مصر) لیکن یہ بات ہر شخص کو کھٹک سکتی ہے کہ سینہ مبارک کا آلودگیوں سے پاک و صاف ہو کر منور ہو جانا ایک ہی دفعہ میں ہو سکتا ہے اور وہ ایک دفعہ پاک و منور ہو کر پھر دوبارہ پاکی و طہارت کا محتاج نہیں ہو سکتا۔ اس بناء پر بعض محدثین جیسے قاضی عیاض وغیرہ اس کو ایک ہی دفعہ کا واقعہ سمجھتے ہیں اور وہ صغر سنی میں جب آپ حضرت حلیمہؓ کے یہاں پرورش پا رہے تھے اور معراج کے موقعہ پر شق صدر کے واقعہ کو راویوں کا سہو

---

(۱)۔ فتح الباری ج ۱ صفحہ ۸۹ مصر۔ (۲)۔ زرقانی بر مواھب ج ۱ صفحہ ۱۸۰۔

جانتے ہیں (۱)۔ لیکن یہ پوشیدہ نہیں کہ واقعہ شق صدر کی روایت جن طریقوں کے ساتھ آتی ہے ان میں سب سے صحیح، سب سے مستند اور معتبر طریقہ وہی ہے جس میں اس کا شب معراج میں ہونا بیان ہوا ہے، اس لئے اس موقع پر راویوں کا سہو قرار دینا اور بچپن میں اس کا ہونا تسلیم کرنا اصول روایت سے صحیح نہیں۔

شق صدر کی ضعیف روایتیں ::

اصل یہ ہے کہ شق صدر کے وقت یا اوقات کی تعیین اور اس کا مکرر اور بار بار پیش آنا صرف مختلف روایات کے پیش کر دینے سے نہیں ہو سکتا۔ جیسا کہ حافظ ابن حجر نے کیا ہے، اور قسطلانی اور زرقانی نے اس کی تقلید کی ہے، بلکہ ضرورت ہے کہ ان روایات کے سلسلہ سند پر بھی بحث اور راویوں کی قوت و ضعف پر بھی تنقید کی جائے۔ دس برس کے سن میں شق صدر والی روایت جس میں یہ تصریح ہے کہ سب سے پہلی دفعہ آپﷺ پر نبوت کی علامت طاری ہوئی حسب ذیل ہے۔

حضرت ابوہریرہؓ آپﷺ سے نبوت کا ابتدائی نشان پوچھتے ہیں۔ آپﷺ فرماتے ہیں:

میں دس برس کا تھا کہ میدان میں دو آدمی میرے سر پر آئے۔ ایک نے کہا یہ وہی ہیں' دوسرے نے کہا ہاں! پھر دونوں نے پیٹھ کے بل مجھے پچھاڑا اور میرے پیٹ کو پھاڑا' ایک سونے کے طشت میں پانی لاتا رہا اور دوسرا پیٹ دھوتا رہا۔ پھر ایک نے کہا سینہ کو چاک کرو۔ تو ناگاہ دیکھتا ہوں کہ سینہ چاک ہے اور کچھ تکلیف نہیں معلوم ہوتی' پھر ایک نے کہا دل کو چاک کرو' تو اس نے دل چاک کیا پھر اس نے کہا اس میں سے کینہ اور حسد نکال لو' تو اس میں سے جمے ہوئے خون کی طرح کوئی چیز نکالی پھر کہا اس میں مہربانی اور رحمت رکھ دو تو اس نے چاندی کی طرح کی کوئی چیز رکھ دی' پھر اس نے چند گھنڈیاں جو اس کے پاس تھیں نکالیں اور وہ گھنڈیاں میرے سینہ میں لگا دیں' پھر میرے انگوٹھے کو کھونٹ کر مجھ سے کہا جاؤ۔ جب میں لوٹا تو اپنے میں وہ لے کر لوٹا جو لے کر نہیں آیا تھا۔ یعنی چھوٹوں پر شفقت اور بڑوں کے ساتھ نرمی۔

یہ روایت زوائد مسند احمد' ابن حبان' حاکم' ابن عساکر اور ابو نعیم میں ہے' لیکن ان تمام کتابوں میں مرکزی سلسلہ سند ایک ہی ہے یعنی یہ کہ معاذ بن محمد اپنے باپ محمد بن معاذ اور وہ اپنے باپ معاذ! بن محمد سے اور وہ اپنے دادا ابی ابن کعب سے روایت کرتے ہیں۔ محدث ابن المدینی نے اپنی کتاب **العلل** میں اس حدیث کے تحت میں لکھا ہے۔

حدیث مدنی واسنادہ مجھول کلہ ولا نعرف محمدا ولا اباہ ولا جدہ۔ (تہذیب التہذیب ج ا صفحہ ۱۹۴)

یہ مدنی حدیث ہے اس کی سند تمام تر مجہول ہے ہم لوگ نہ محمدﷺ کو جانتے ہیں اور نہ اس کے باپ کو اور نہ اس کے دادا کو۔

---

(۱)۔ فتح الباری کتاب الصلوٰۃ باب کیف فرضیت الصلوٰۃ فی الاسراء ج ۱ صفحہ ۳۸۹ و کتاب التوحید ج ۳ صفحہ ۳۰۰ باب ماجاء فی

قولہ عزوجل و کلم اللہ موسٰی تکلیما روض الانف سہیل صفحہ ۱۱۰ زرقانی برمواہب ج ۱ صفحہ ۱۷۹' قاضی عیاض شفاء میں لکھتے ہیں۔ وقد خلط فیہ غیرہ لاسیما من روایتہ شریك بن ابی نمر فقد ذکر فی اولہ مجیئ الملك روشق صدرہ و غسل بماء زمزم و ھذا انما کان وھو صبی قبل الوحی۔ (نسیم الریاض شرح شفا قاضی عیاض ج ۲ صفحہ ۱۲۵۵)

حافظ ابن نعیم نے دلائل میں یہاں یہ حدیث نقل کی ہے' صاف لکھ دیا ہے:

وھذا الحدیث تفروبہ معاذ ابن محمدا وتفرد بذکر السن الذی شق فیہ عن قلبہ۔ (صفحہ ۷۱' حیدر آباد)

یہ حدیث صرف معاذ بن محمد نے نقل کی ہے اور وہی اس عمر کی تعیین کے بیان میں جس میں شق صدر ہوا منفرد ہیں (یعنی اس روایت کی کسی اور نے تائید نہیں کی ہے۔)

بیس برس کے سن کی روایت بھی بعینہ ان ہی لوگوں سے تھوڑے تغیر کے ساتھ ان ہی الفاظ میں زوائد احمد صحیح ابن حبان' حاکم' بیہقی اور مختارۂ ضیاء میں ہے (کنز العمال جلد ۶ صفحہ ۹۶) لیکن اس سلسلہ روایت کا حال آپ سن چکے ہیں کہ وہ معتبر نہیں۔ آغاز وحی کے موقع پر شق صدر کی روایتیں' دلائل ابو نعیم' دلائل بیہقی' مسند طیالسی اور مسند حارث میں ہیں۔ یہ روایتیں حضرت عائشہؓ کی طرف سے منسوب ہیں۔ حضرت عائشہؓ کی آغاز وحی والی حدیث بخاری' مسلم اور ابن حنبل وغیرہ تمام مستند کتابوں میں مذکور ہے اور اس باب میں یہی روایت سب سے زیادہ مفصل صحیح اور محفوظ ہے' لیکن ان کتابوں میں اس موقع پر شق صدر کا مطلق ذکر نہیں۔ اس سے اس واقعہ کی بے اعتباری ظاہر ہوتی ہے۔ علاوہ بریں ابو نعیم' بیہقی' طیالسی اور حارث والی اس روایت کی مرکزی سند ابوعمران الجونی بن یزید بن بابنوس عن عائشہ ہے۔ یزید بن بابنوس مجہول ہے اور اس سے صرف ابوعمران الجونی ہی نے روایت کی ہے کسی اور نے اس کو نہیں لیا ہے۔ طیالسی میں (صفحہ ۲۱۵ حیدر آباد) اس روایت کی سند یہ ہے کہ حماد بن

سلمہ ابوعمران جونی سے اور وہ ایک شخص سے اور وہ حضرت عائشہؓ سے راوی ہے۔ معلوم نہیں یہ نامعلوم شخص کون ہے؟ اور ابوعمران نے اس کا نام کیوں نہیں لیا ہے۔ ابونعیم میں (صفحہ ۶۹ حیدرآباد) اس روایت کا جو سلسلہ سند ہے اس میں یہ خالی جگہ یزید بن بابنوس کے نام سے پر کی گئی ہے۔ جس کا حال ابھی اوپر گزر چکا' علاوہ ازیں ابونعیم کی روایت میں اس کے نیچے داؤد بن المجر ایک شخص آتا ہے جس کو اکثر محدثین ضعیف بلکہ دروغ گو تک کہتے ہیں۔ اسی کے ساتھ اس روایت کے اندر بعض ایسی لغو باتیں بھی ہیں جو اس کو صحت کے پایہ سے ساقط کرتی ہیں۔

ایک اور روایت حضرت ابوذرؓ سے ہے کہ انہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے دریافت کیا یارسول اللہ! جب آپ ﷺ کو نبی بنانا چاہا گیا تو آپ ﷺ کو اپنی پیغمبری کا حال کیونکر معلوم ہوا؟ اور آپ ﷺ نے کیونکر یقین کیا کہ آپ ﷺ پیغمبر ہیں؟ فرمایا اے ابوذرؓ! میں مکہ کی ترائی میں تھا کہ دو فرشتے میرے پاس آئے۔ ایک زمین پر آیا اور دوسرا آسمان پر تھا۔ ایک نے دوسرے سے کہا یہی وہ ہیں' پھر کہا ان کو تولو' پہلے ایک سے پھر دس سے' پھر سو سے' پھر ہزار سے مجھ کو تولا' لیکن میرا پلہ بھاری رہا' تو کہا کہ یہ تمام امت سے بھاری ہیں۔ بعد ازیں میرا شکم چاک کیا (اس کے بعد شق صدر کے مختلف واقعات کا ذکر ہے) کہ ان فرشتوں نے پھر میرے شانے پر مہر کی۔

اس روایت میں گو وقت کی تعیین نہیں' مگر یہ ذکر ہے کہ یہ واقعہ مکہ کی ترائی میں پیش آیا' اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہ حضرت حلیمہؓ کے پاس بنوہوازن میں قیام کے زمانہ سے بہت بعد کا واقعہ ہے۔ پھر اس میں یہ ہے کہ ''جب آپ ﷺ کو نبی بنانا چاہا گیا' اور نبوت کی سب سے پہلی علامت کا سوال ہے اور امت کا ذکر ہے' اس سے واضح ہوتا ہے کہ یہ آغاز وحی کا واقعہ ہے۔ یہ روایت مسند دارمی (صفحہ ۶) اور دلائل ابونعیم (صفحہ ۷۱) میں ہے' ان کے مشترک راوی بہ ترتیب ابوداؤد' جعفر بن عبداللہ بن عثمان

القریشی‘ عثمان بن عروہ بن زبیر ہیں۔ جعفر بن عبداللہ کی نسبت محدث عقیلی نے تنقید کی ہے کہ اس میں ”وہم“ تھا‘ یعنی الفاظ کی صحیح یادداشت نہ تھی اور اضطراب تھا یعنی ایک ہی واقعہ اور سند کو کبھی کسی طرح اور کبھی کسی طرح بیان کرتا تھا‘ پھر اس روایت کو نقل کر کے لکھا ہے کہ اس کی متابعت نہیں کی جاتی‘ یعنی اس کے ہم شیخ اور ہم درس اس کی تائید نہیں کرتے (۱)۔ پھر بعینہ یہی واقعات شداد بن اوسؓ کی روایت سے ابونعیم‘ ابویعلی اور ابن عساکر نے عتبہ بن عبدسلمی کی روایت سے دارمی اور ابن اسحاق نے (مرسلا) ”بچپن کے شق صدر میں بیان کیا ہے جن سے ان کا باہم تعارض واضح ہے۔

اب رہ گئی وہ روایت جس میں حلیمہ سعدیہ کے ہاں قیام کے زمانہ میں شق صدر کا ذکر ہے۔ یہ روایت سات مختلف سلسلوں سے اور مختلف صحابیوں سے لوگوں نے نقل کی ہے‘ مگر واقعہ یہ ہے کہ ان میں وہ سلسلوں کے علاوہ بقیہ سلسلے اور قوت سے تمام تر خالی ہیں اور ان میں بعض ایسی لغو باتیں شامل ہیں جو اس کو درجہ اعتبار سے گرا دیتی ہیں۔

۱۔ اس روایت کا سب سے پہلا طریقہ یہ ہے کہ جہم بن ابی جہم‘ عبداللہ بن جعفر سے اور عبداللہ بن جعفر خود حلیمہ سعدیہ سے راوی ہیں‘ اس طریقہ سے روایت ابن اسحاق اور دلائل ابونعیم میں ہے۔ جہم بن ابی جہم مجہول ہے اور عبداللہ بن جعفر کی حلیمہ سعدیہ سے ملاقات ثابت نہیں اور ابن اسحاق جہم بن ابی جہم کا شک ظاہر کرتا ہے اس نے کہا کہ عبداللہ بن جعفر نے خود مجھ سے کہا یا ان سے سن کر کسی اور نے مجھ سے کہا۔ ابونعیم میں گو یہ شک مذکور نہیں ہے بلکہ اس میں تصریحاً عبداللہ بن جعفر کا نام لیا گیا ہے‘ مگر اس میں اس کے نیچے کے راوی مجروح ہیں۔

۲۔ دوسرا طریقہ واقدی کا ہے‘ ابن سعد نے اس روایت کو اسی سلسلہ سے ذکر کیا ہے۔ جلد اصفحہ ۷۰ مگر علاوہ اس کے کہ واقدی کا اعتبار نہیں اس کی تفصیل سند تک اس

میں مذکور نہیں' اوپر کے راویوں کا نام مطلق نہیں بتایا گیا ہے۔

۳۔ ابونعیم نے ایک اور سلسلہ سے اس کو بیان کیا ہے۔ جو یہ ہے' عبدالصمد بن محمد السعدی اپنے باپ سے وہ اپنے باپ سے اور وہ ایک شخص سے جو حلیمہ سعدیہؓ کی بکریاں چرایا کرتا تھا' بیان کرتے ہیں۔ یہ تمام تر مجہول لوگ ہیں۔

۴۔ بیہقی اور ابن عساکر نے ایک اور سند سے حضرت ابن عباسؓ سے یہ واقعہ نقل کیا ہے لیکن اس سند میں محمد بن زکریا الغلابی جھوٹا اور وضاع ہے۔ اس کا شمار قصہ گویوں میں ہے۔

۵۔ ابن عساکر نے شداد بن اوس صحابی کے واسطہ سے ایک نہایت طویل داستان نقل کی ہے جس میں مذکور ہے کہ قبیلہ بنی عامر کے ایک پیر مرد نے خدمت نبویﷺ میں آ کر آپ ؐ سے آپ ؐ کے ابتدائی حالات دریافت

(۱)۔ دیکھو میزان الاعتدال ذہبی اور تہذیب والتہذیب ابن حجر۔

کئے' آپ نے پورا پورا حال بیان کیا' منجملہ اس کے ایک واقعہ اپنے بچپن کے شق صدر کا بیان کیا' لیکن خود ابن عساکر اس روایت کو ''غریب'' (یعنی ثقات کے بیان سے مختلف) کہتے ہیں۔ اس کے سوا اس سلسلۂ سند کے بیچ میں ایک بے نام و نشان راوی ہے' اس سے اوپر ایک اور قابل اعتراض راوی اس میں ابویحیٰی ہے جو شداد بن اوس صحابی سے اس قصہ کو سننا بیان کرتا ہے۔ امام بخاری نے تاریخ صغیر (ص ۱۴۳' الہ باد) میں اس کی نسبت لکھا ہے فی حدیثہ نظر۔ اس کی حدیث بحث طلب ہے۔ ابو حاکم کہتے ہیں لیس حدیثہ بالقائم۔

حضرت شداد بن اوسؓ سے مکحول شامی کے واسطہ سے ابویعلیٰ اور ابن عساکر نے بعینہ اسی واقعہ کو ایک اور سلسلہ سے نقل کیا ہے جس میں گو کوئی مجہول راوی بیچ میں نہیں آیا ہے مگر اس میں یہ کمی ہے کہ مکحول اور شداد صحابی کے بیچ میں ایک راوی چھوٹ گیا ہے یا چھوڑ دیا گیا ہے۔ یعنی روایت منقطع ہے۔ کیونکہ مکحول نے حضرت

شداد کا زمانہ نہیں پایا ہے' مکحول تدلیس میں بدنام تھے یعنی ان کی عادت یہ تھی کہ بیچ میں اگر کوئی کمزور راوی آ جاتا تو وہ اس کا نام چھپا دیتے تھے یا بیچ میں اس کو حذف کر کے اگلے سلسلے جوڑ دیتے تھے۔ میرا خیال ہے کہ مکحول اور حضرت شداد کے بیچ میں دراصل وہی ابوالعجفاء تھا' مکحول نے یہ دیکھ کر کہ وہ مجروح ہے اس کو بیچ سے نکال دیا ہے اس لئے یہ سلسلہ بھی نامعتبر ہے۔

۶۔ عتبہ بن عبدالسلمیؓ ایک کم سن صحابی ہیں' ان سے ایک ہی سلسلہ سند کے ذریعہ سے حاکم' دارمی' ابویعلی ابن عساکر اور ابن حنبل نے واقعہ کی یوں روایت کی ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا۔ ایک دن میں اپنے رضاعی بھائی کے ساتھ بکریاں چرانے گیا' کھانا ساتھ نہ تھا۔ میں نے اس کو ماں (دایہ) کے پاس کھانا لانے کے لئے بھیجا' وہ گیا تو دیکھا کہ گدھ کی طرح دو پرندے آئے۔ ایک نے دوسرے سے کہا کہ یہی ہے' دوسرے نے کہا ہاں! پھر دونوں نے جھپٹ کر مجھے پکڑا اور زمین پر پچھاڑ کر میرا پیٹ چاک کیا اور اس میں سے دو سیاہ جمے ہوئے خون کے قطرے نکالے اور برف اور ٹھنڈے پانی سے دھویا۔ یہ حاکم کے الفاظ ہیں' دارمی وغیرہ میں اس کے بعد اتنا زیادہ ہے کہ دھونے کے بعد ایک نے کہا کہ سکینت یعنی تسکین قلبی لاؤ' اس کو لا کر میرے سینہ میں چھڑک دیا۔ پھر دونوں چھوڑ کر مجھے چلے گئے میں ڈرا اور اپنی ماں کے پاس گیا اور حال کہا۔ وہ ڈری کہ بچہ کی عقل ٹھیک نہیں رہی۔ اس نے کہا میں تم کو خدا کی پناہ میں دیتی ہوں اور پھر وہ مجھے اونٹ پر بٹھا کر میری والدہ کے پاس لائی' والدہ نے کہا تم نے یہ امانت پوری طرح ادا کی۔ دایہ نے میرا حال اور اپنا خوف بیان کیا لیکن والدہ نے واقعہ سن کر کوئی خوف یا تعجب نہیں کیا فرمایا جب یہ بچہ پیدا ہوا تو میں نے دیکھا کہ ایک نور میرے بدن سے نکلا جس سے شام کے محل روشن ہو گئے۔ حاکم نے اس حدیث کو مسلم کی شرط کے مطابق کہا ہے مگر واقعہ یہ ہے کہ اس سلسلہ روایت کا پہلا مشترک راوی بقیہ بن ولید ہے جس کو گو بذات خود بعضوں نے

ثقہ کہا ہے تاہم اس پر سب کا اتفاق ہے کہ وہ سخت بے احتیاط تھا۔ ابن مبارک کہتے ہیں وہ راست گو ہے' مگر وہ آگے پیچھے کے ہر شخص سے روایت لے لیا کرتا تھا ابن عیینہ کہتے ہیں بقیہ سے احکام کی روایتیں نہ لیا کرو' ثواب (فضائل) کی روایتیں خیر لے لیا کرو۔ امام ابن حنبل اور امام یحییٰ کا قول ہے کہ اگر وہ مشہور لوگوں سے روایت کرے تو خیر ورنہ مت کرو۔ ابو حاتم کہتے ہیں کہ اس کی حدیث لکھی جائے مگر وہ دلیل میں نہ پیش کی جائے۔ امام نسائی فرماتے ہیں جب وہ اخبرنا اور حدثنا کہے تو خیر اور جب عن عن بیان کرے تو نہ لو (یاد رہے کہ یہ روایت مذکور بہ طریق عن عن ہی ہے) ابن عدی کا قول ہے کہ اس کی بعض روایتیں ثقہ اور معتبر راویوں کے خلاف ہیں۔ امام احمد بن حنبل ایک شخص سے فرماتے ہیں کہ میں سمجھتا ہوں کہ بقیہ مجہول الحال لوگوں سے سن کر حدیثیں نقل کرتا ہے' لیکن دیکھا تو وہ مشہور لوگوں سے بھی اسی قسم کی حدیثیں بیان کرتا ہے۔ تم نے جانا کہ وہ کہاں سے روایتیں لاتا ہے؟ مخاطب نے جواب دیا۔ ہاں! تدلیس کے ذریعہ سے (یعنی بیچ کے کمزور راوی کو حذف کرکے آگے کے معتبر راوی سے سلسلہ جوڑ دیا کرتا تھا) ابو عبداللہ حاکم کہتے ہیں کہ اوزاعی وغیرہ مشہور لوگوں سے وہ اپنی روایتیں کرتا ہے جو موضوعات کے مشابہ ہیں اور اس کی صورت یہ کرتا ہے کہ بیچ کے ضعیف راوی کو حذف کر دیتا ہے خطیب کہتے ہیں کہ اس کی اکثر روایتیں منکر ہیں' گو وہ بذات خود راست گو تھا۔ ابن القطان کا قول ہے کہ وہ ضعیف راویوں سے تدلیس کرکے بیان کرتا ہے اور اس کو جائز سمجھتا ہے۔ یہ الزام اگر اس پر سچ ہے تو اس کے معتبر ہونے میں خلل انداز ہے۔

حماد بن سلمہ کی روایت میں ان کا وہم::

بچپن میں شق صدر کا سب سے صحیح اور محفوظ سلسلہ سند وہ ہے جو حماد بن سلمہ ثابت بنانی سے اور ثابت' انس بن مالک سے روایت کرتے ہیں۔ چنانچہ یہ روایت صحیح مسلم' مسند احمد' ابن سعد اور دلائل ابو نعیم میں ایک ہی سلسلہ سند سے مذکور ہے۔ یعنی

حضرت انسؓ سے ثابت البنانی اور ان سے حماد بن سلمہ روایت کرتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم لڑکوں کے ساتھ کھیل رہے تھے کہ حضرت جبریلؑ آئے اور آپ ﷺ کو پکڑ کر زمین پر لٹایا اور قلب مبارک کو چاک کیا اور اس کو نکال کر اس میں سے ذرا سا جما ہوا خون نکالا اور کہا یہ شیطان کا اتنا حصہ تم میں تھا پھر اس کو سونے کے طشت میں آب زم زم سے دھویا' پھر شگاف کو جوڑ دیا' پھر اس کو اپنی جگہ پر رکھ دیا' لڑکے دوڑے ہوئے آپ ﷺ کی ماں (دایہ حلیمہ) کے پاس گئے اور جا کر کہا کہ محمد ﷺ مار ڈالے گئے' لوگ آپ ﷺ کے پاس پہنچے' دیکھا تو چہرہ کا رنگ متغیر ہے انسؓ کہتے ہیں کہ سینہ مبارک میں زخم کے نشان یعنی ٹانکے مجھ کو نظر آتے تھے' مسند ابن حنبل میں یہی حدیث اسی سلسلہ سند سے حضرت انسؓ سے مروی ہے اور اس میں آخر میں واحد متکلم کے بجائے جمع متکلم ہے یعنی یہ کہ مجھ کو نظر آتے تھے کہ جگہ پر یہ ہے کہ ہم کو زخم کے ٹانکے نظر آتے تھے۔

اس سلسلہ سند کے صحیح اور محفوظ ہونے میں کوئی شک نہیں لیکن واقعہ یہ ہے کہ صحاح میں معراج اور شق صدر کی جس قدر روایتیں حضرت انسؓ سے مروی ہیں' ان کے دوسرے راوی تابعین میں حضرت انسؓ کے شاگردوں میں سے قتادہ' زہری' شریک اور ثابت بنانی چار شخص ہیں' ثابت بنانی سے دو آدمی ان واقعات کو نقل کرتے ہیں۔ سلیمان بن خیرہ اور حماد بن سلمہ' حماد کے علاوہ اور جو طرق اوپر مذکور ہوئے ان سب میں معراج کے واقعات کے آغاز میں شق صدر کا ذکر ہے' لیکن حماد نے اپنی روایت میں یوں کیا ہے کہ معراج کے سلسلہ میں وہ شق صدر کے ذکر کو ترک کر دیتے ہیں اور شق صدر کے واقعہ کو الگ اور مستقل بچپن کے زمانہ کی تخصیص کے ساتھ بیان کرتے ہیں۔ حالانکہ نہ صرف حضرت انسؓ کے شاگردوں میں سے کوئی بلکہ حماد کے دوسرے ہم درس طلباء میں سے بھی کوئی ان کی تائید نہیں کرتا۔ غالباً یہی وجہ ہے کہ امام بخاری نے معراج کی حدیث حماد کے واسطہ سے نقل نہیں کی ہے۔ حماد کی نسبت اسماء

ہے) نظر آتے تھے۔ اگر یہ جسمانی واقعہ بھی تھا تو حضرت انسؓ کی دیگر مروی روایات میں سے جو حماد کے علاوہ دوسرے راویوں نے نقل کی ہیں۔ یہ مذکور نہیں علاوہ ازیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شکل شمائل کا ایک ایک حرف جسم اطہر کے ایک ایک خط و خال کی کیفیت صحابہ نے بیان کی ہے' مگر کسی نے سینہ مبارک کے ان نمایاں ٹانکوں کا نام تک نہیں لیا' ایسی حالت میں واقعہ کی یہ صورت کیونکر تسلیم ہوسکتی ہے۔

دو دفعہ شق صدر ہو تو اس کی تاویل::

اس تشریح اور تفصیل کے بعد بھی اگر کسی کو حماد کی اس روایت کے قبول کرنے پر اصرار ہو تو یہ کہا جا سکتا ہے کہ اس روایت کے مطابق بچپن میں جب عقل و ہوش کا آغاز ہوا تو سینہ مبارک سے حصہ شیطانی جو ہر انسان کے اندر ہے اس کو نکالا گیا کہ صحیح مسلم کی اس روایت میں اسی قدر ہے' ابھی علم و حکمت کی کوئی چیز رکھی نہیں گئی' مگر معراج کی رات جب اس عقل و ہوش کی تکمیل ہوئی تو وہ دھو کر علم و حکمت سے معمور کیا گیا' جیسا کہ تمام روایتوں میں ہے۔

شق صدر کی صحیح کیفیت::

شق صدر کی صحیح کیفیت حالت معراج کے سلسلہ میں صحیح بخاری' صحیح مسلم اور نسائی وغیرہ میں متعدد روایتوں اور طریقوں سے مذکور ہے کہ ایک شب آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خانہ کعبہ میں آرام فرما رہے تھے' آنکھیں سوتی تھیں' مگر دل بیدار تھا کہ ناگاہ حضرت جبریلؑ چند فرشتوں کے ساتھ نظر آئے' آپ ﷺ کو اٹھا کر وہ چاہ زمزم کے پاس لے گئے یا آب زمزم لے کر کوئی آپ کے پاس آیا سینہ مبارک کو چاک کیا' پھر آب زمزم سے دھویا۔ اس کے بعد سونے کا ایک طشت ایمان اور حکمت سے بھرا ہوا لایا گیا۔ پھر اس طشت کے سرمایہ کو سینہ مبارک میں بھر کر شگاف کو برابر کر دیا گیا' اس کے بعد فرشتے آپ ﷺ کو آسمان کی طرف لے چلے۔ (۱)۔

شق صدر کی حقیقت::

علمائے ظاہر بین اس واقعہ کے ظاہر الفاظ کے جو عام اور سیدھے سادے معنی سمجھتے ہیں کہ واقعی سینہ مبارک چاک کیا گیا اور قلب اقدس کو اسی آب زمزم سے دھو کر ایمان اور حکمت سے بھر دیا گیا اس کو ہر مسلمان سمجھ سکتا ہے' لیکن صوفیائے حقیقت بین اور عرفائے رمز شناس ان الفاظ کے کچھ اور ہی معنی سمجھتے ہیں اور ان تمام غیر متحمل الالفاظ معنی کو تمثیل کے رنگ میں دیکھتے ہیں وہ کہتے ہیں کہ یہ عالم برزخ کے حقائق ہیں جہاں روحانی کیفیات جسمانی اشکال میں اسی طرح نظر آتے ہیں جس طرح حالت خواب میں تمثیلی واقعات جسمانی رنگ میں نمایاں ہوتے ہیں اور جہاں معنی اجسام کی صورت میں متمثل ہوتے ہیں۔

چنانچہ شاہ ولی اللہ صاحب حجۃ اللہ البالغہ میں لکھتے ہیں:

اما شق الصدر وملوہ ایمانا فحقیقتہ غلبۃ انوار الملکیۃ وانطفاء لھب الطبیعۃ وخضوعھا لما یفیض علیھا من خطیرۃ القدس۔

لیکن سینہ کا چاک کرنا اور اس کو ایمان سے بھرنا اس کی حقیقت انوار ملکیہ کا روح پر غالب ہو جانا اور طبیعت بشری کے شعلہ کا بجھ جانا اور عالم بالا سے جو فیضان ہو تو اس کے قبول کے لئے طبیعت کا آمادہ ہو جانا ہے۔(۲)۔

ان کے نزدیک معراج بھی اسی عالم کی چیز تھی' اس لئے شق صدر بھی اسی دنیا کا واقعہ ہوگا۔

ہمارے نزدیک صحیح اصطلاح شرح صدر ہے جیسا کہ صحیح مسلم باب الاسراء میں حضرت مالک بن صعصعہ کی روایت میں مذکور ہے فشرح صدری لی کذا وکذا (میرا سینہ یہاں سے یہاں تک کھولا گیا) اور قرآن مجید کی اس سورہ میں جیسا کہ ترمذی میں ہے' اسی واقعہ کی طرف اشارہ ہے۔

الم نشرح لك صدرك ووضعنا عنك و زرك الذی انقض ظهرک۔(انشراح)

کیا ہم نے تیرے لئے سینہ کو کھول نہیں دیا اور تجھ سے تیرے اس بوجھ کو ہٹا نہیں دیا جس نے تیری پیٹھ کو توڑ دیا تھا۔

شرح کے لغوی معنی عربی میں ''چیر نے پھاڑنے'' کے ہیں۔اسی سے طلب کی اصطلاح ''علم تشریح'' اور ''تشریح اجسام'' نکلی ہے۔چونکہ چیر نے اور پھاڑنے سے اندر کی چیز کھل کر نمایاں ہو جاتی ہے' اس لئے اس سے

---

(۱)۔ صحیح بخاری و مسلم نسائی ابواب معراج یا فرض الصلوۃ و مسند احمد روایات انس وغیرہ۔ (۲)۔ حجتہ اللہ البالغہ ج ۲ صفحہ ۲۰۶

''تشریح امر'' اور ''تشریح کلام'' ''شرح بیان اور ''شرح کتاب'' وغیرہ مجازی معنی پیدا ہوتے ہیں' اسی سے ایک اور محاورہ ''شرح صدر'' کا پیدا ہوا ہے جس سے معنی ''سینہ کھول دینے'' کے ہیں اور کلام عرب میں اس سے مقصود بات کا سمجھا دینا اور اس کی حقیقت کا واضح کر دینا ہوتا ہے' قرآن مجید اور احادیث میں یہ محاورہ بکثرت استعمال ہوا ہے' حضرت موسیٰ کو جب فرعون کے پاس جانے کی ہدایت ہوئی تو آپ ﷺ نے دعا مانگی رب اشرح لی صدری و یسر لی امری واحلل عقدۃ من لسانی یفقھوا قولی۔(پرورد گا! میرے سینہ کو کھول دے اور میرے کام کو سن کر دے اور میری زبان کی گرہ کھول دے کہ لوگ میری بات سمجھیں۔)

انبیاء علیہم السلام کا علم اور فہم' انسانی تعلیم و تعلم اور مادی حکمت و دنائی سے پاک و مبرا ہوتا ہے اور وہ اپنے اخذ نتائج اور اثبات دعویٰ کے لئے گذشتہ تجربات اور منطق کے استقراء و تمثیل اور ترتیب مقدمات کے ممنون نہیں ہوتے' بلکہ وہ جو کچھ جانتے ہیں اور جو کچھ سمجھتے ہیں اس کا ماخذ تعلیم الٰہی القائے ربانی اور فہم ملکوتی ہوتا ہے اسی کا نام علم لدنی ہے ''لدن'' کے معنی عربی زبان میں ''پاس اور نزدیک'' کے ہیں۔چونکہ یہ علم ان کو کسب و تحصیل کے بغیر خدا کے پاس سے اور اس کے نزدیک سے عطا ہوتا

ہے۔ اس لئے عرف عام میں علم لدنی کہلاتا ہے' اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں حضرت خضر علیہ السلام کے متعلق ارشاد فرمایا ہے:

وعلمناہ من لدنا علما۔ (کہف)

ہم نے اپنے پاس سے اس کو علم سکھایا۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے متعلق ارشاد ہوتا ہے:

کذلک نقص علیک من انباء ما قد سبق وقد اتیناک من لدنا ذکرا۔ (طہٰ:۵)

اسی طرح ہم تجھ سے گذشتہ زمانہ کی باتیں بیان کرتے ہیں اور ہم نے اپنی طرف سے تجھ کو علم (ذکر) بخشا ہے۔

حضرت یوسفؑ کے قصہ کے آغاز میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو خطاب ہوتا ہے۔

نحن نقص علیک احسن القصص بما اوحینا الیک ھذا القران وان کنت من قبلہ لمن الغافلین۔ (یوسف: ۱)

ہم تجھ کو قرآن کی وحی بھیج کر ایک بہترین قصہ سناتے ہیں جس سے تو قطعاً اس سے پہلے بے خبر تھا۔

سورہ شوریٰ میں ہے:

وکذلک اوحینا الیک روحا من امرنا ما کنت تدری ماالکتب ولا الایمان ولکن جعلناہ نورا تھدی بہ من نشاء من عبادنا۔ (شوریٰ:۵)

اور اسی طرح ہم نے اے محمد ﷺ (تیری طرف اپنے حکم سے ایک روح کو وحی کیا تو تو پہلے یہ بھی نہیں جانتا تھا کہ کتاب کیا ہے اور نہ ایمان سے واقف تھا لیکن ہم نے اس کو روشنی بنایا ہے جس کے ذریعہ سے اپنے بندوں میں سے جس کو چاہتے ہیں ہم راستہ دکھا دیتے ہیں۔

دوسرے پیغمبروں کی نسبت بھی یہی ارشاد ہے۔حضرت ابراہیمؑ اپنے باپ سے کہتے ہیں۔

یابت انی قد جاء نی من العلم مالم یاتك(مریم:۳)

اے میرے باپ! میرے پاس علم کا وہ حصہ آیا ہے جو آپ کے پاس نہیں آیا۔

حضرت داؤدؑ وسلیمانؑ کے متعلق ہے:

ولقد اتینا داود و سلیمان علما(نحل:۲)

اورہم نے داؤد وسلیمان کوعلم بخشا۔

حضرت یوسفؑ کی نسبت ارشاد ہے:

اتیناہ حکما و علما۔(یوسف:۳)

ہم نے یوسف کوحکم اورعلم عطا کیا۔

حضرت یوسفؑ کہتے ہیں:

ذلکما مما علمنی ربی ۔(یوسف:۴)

یہ ان باتوں میں سے ہے جو میرے پروردگار نے مجھے سکھائی ہیں۔

حضرت لوطؑ کے متعلق ہے:

ولوطا اتیناہ حکما وعلما۔(انبیاء:۵)

اورلوطؑ کوہم نے حکم اورعلم عطا کیا۔

حضرت سلیمان اورچند دیگرانبیاءعلیہم السلام کے ذکر کے بعد ہے۔

ففہمنا ھا سلیمان و کلا اتینا حکما و علما۔

ہم نے یہ بات سلیمان کو سمجھادی اورہم نے ان سب کوحکم اور علم عطا کیا۔

الغرض انبیا علیہم السلام کا یہ علم محض تعلیم الٰہی اور القائے ربانی کا نتیجہ ہوتا ہے اورغور و فکر، تجربہ وامتحان تحصیل واکتساب اورجمع معلومات اورترتیب مقدمات کے بغیر ان

کے علم کی باتیں ان کے سامنے آئینہ ہو کر آ جاتی ہیں۔ صرف وہم و تمثیل کے لئے یہ سمجھنا چاہئے کہ کبھی کبھی شعراء مصنفین، موجدین اور دیگر عقلاء کے ذہن میں بے غور و تامل ایک بات اس طرح خطور کر جاتی ہے کہ گویا یہ معلوم ہوتا ہے کہ سینے یا دماغ کا دروازہ یک بیک کھل گیا اور ایک چیز اندر داخل ہو گئی لیکن یہ شرح صدر کی نہایت معمولی مثال ہے۔ اس منصب خاص کے سینکڑوں مدارج ہیں جو انبیاء کو اولیاء کو اور دیگر مومنین کو اپنے اپنے رتبہ کے مطابق عطا ہوتے ہیں۔

یعنی بلا حجت و برہان اسلام کی صداقت اس کے سامنے آئینہ ہو جاتی ہے۔ بخاری شریف میں ہے کہ حضرت عمرؓ نے حضرت ابو بکرؓ کو ان کی خلافت کے زمانہ میں مشورہ دیا اور یہ اصرار کیا کہ قرآن مجید کو اوراق و مصاحف میں لکھوا دیجئے، لیکن حضرت ابو بکرؓ نے مخالفت کی کہ جو کام آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے خود اپنی زندگی میں نہیں کیا وہ ہم لوگ کیونکر کر سکتے ہیں، حضرت عمرؓ کو اس پر اصرار اور حضرت ابو بکرؓ کو انکار رہا، مگر چند ہی روز میں یک بیک ان کی سمجھ میں یہ بات آ گئی۔ اس موقع پر انہوں نے فرمایا:

حتی شرح اللہ صدری لذلک (بخاری تالیف القرآن)

یہاں تک کہ خدا نے اس کام کے لئے میرے سینہ کو کھول دیا۔

مفسر ابن جریر طبری نے متعدد صاحبوں سے روایت کی ہے کہ صحابہؓ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم سے دریافت کیا کہ یا رسول اللہ! شرح صدر کیونکر ہوتا ہے؟ فرمایا۔ قلب میں ایک نور داخل ہوتا ہے جس سے سینہ کھل جاتا ہے۔ پھر سوال کیا کہ یا رسول اللہ! اس کی نشانی کیا ہے؟ ارشاد ہوا۔ حیات جاوید کے گھر کا اشتیاق، اور اس فریب کدۂ عالم سے دل برداشتگی اور موت سے پہلے موت کی تیاری۔ (۱)۔ یہ تو حقیقت ہے اور اس حقیقت کی جسمانی تمثیل سینہ مبارک کا چاک کیا جانا اور اس میں نور و حکمت کا بھرا جانا۔

شرح صدر کے لئے مناسب موقع اور مصلحت::

جن آیتوں میں دیگر انبیاء علیہم السلام کو عطیہ علم کے دیئے جانے کا ذکر ہے ان میں اکثر علم کے ساتھ حکم کا لفظ بھی ہے جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ علاوہ خالص شرعی ضرورتوں کے نظم و حکومت اور فیصلہ احکام کے لئے بے غور وفکر کے بدیہی صحیح اور حاضر علم کی ضرورت ہے' چونکہ معراج ہجرت کا اعلان اور اسلام کے مستقبل کا عنوان تھا' جس کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو حکم کی طاقت عطا کی جانے والی تھی' اس لئے شرح صدر کے عطیہ کے لئے یہی مناسب موقع تھا۔ علاوہ ازیں معراج کے حقائق و مناظر جو نفوس نبویہ کے ادراکات کی آخری سرحد ہیں جن کے احاطہ کے لئے بھی شرح صدر کی ضرورت تھی۔

---

(۱)۔ تفسیر ابن جریر طبری' جلد ۸ صفحہ ۱۹ مطبوعہ مصر (حاکم فی المستدرک ج ٤ صفحہ ۳۱۱ بسند فیہ عدی بن الفضل۔)

آیات و دلائل نبوی ؐ قرآن مجید میں

یہ حقیقت ہے کہ قرآن مجید میں انبیائے سابقین کے معجزے جس تفصیل اور تکرار کے ساتھ بیان ہوئے ہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے معجزے اس تفصیل اور تکرار کے ساتھ اس میں مذکور نہیں۔ اس سے ایک طرف تو مخالفین اسلام نے یہ نتیجہ نکالنا چاہا کہ نعوذ باللہ پیغمبر اسلام علیہ السلام کی ذات پاک اس عطیہ الٰہی سے محروم تھی' دوسری طرف اسلام کے عقل پرست فرقہ کو اس سے یہ دھوکا ہوا ہے کہ اسلام نے خوارق عادت کے ظہور سے انکار کیا ہے' کیونکہ جب اس کے نزدیک خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زندگی ان سے خالی تھی تو گذشتہ انبیاء کے سوانح میں جو اعجاز نظر آتا ہے وہ بھی سمجھنے والوں کے لئے وہم کا قصور ہے۔

قرآن مجید میں آپ ؐ کے تمام معجزات کا تفصیلی ذکر کیوں نہیں

کے تذکرے کے وقت ایک ہی نشانی کو بار بار پھیلانے اور دہرانے کی حاجت نہ تھی' اس لئے یہ دلائل محمدی قرآن مجید کے سینکڑوں صفحات کے مختلف گوشوں میں اس طرح بکھرے ہوئے ہیں کہ دوسرے انبیاء کے معجزوں کی طرح وہ اجاگر اور نمایاں ہو کر کم سوادوں کو نظر آتے۔

(۳) تیسری وجہ یہ ہے کہ گذشتہ مباحث میں یہ پوری تفصیل کے ساتھ گزر چکا ہے کہ اسلام کی تعلیم یہ ہے کہ ہر قسم کے معجزات' خوارق اور نشانیاں پیغمبر کی قوت اور اختیار سے نہیں بلکہ خدا کی قدرت اور اس کے ارادہ و مشیت سے ظہور پذیر ہوتی ہیں' اس بناء پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے آیات و دلائل بھی ذات محمدی ﷺ کی طرف منسوب ہو کر نہیں بلکہ قدرت الٰہی کی طرف منسوب ہو کر بیان ہوئے ہیں' اس لئے عام لوگوں کا خیال ان کو دلائل محمدی ﷺ سمجھنے کی طرف مائل نہیں ہوتا۔

(۴) چوتھی وجہ یہ ہے کہ دوسرے مذاہب کے پاس ایک مستند چیز یعنی ان کا صحیفہ ہے جس میں ان کے ربانی احکام' ان کے پیغمبروں کے اقوال' حالات' سوانح' معجزات سب کچھ ملے جلے ہیں لیکن اسلام کے قبضہ میں دو چیزیں ہیں' ایک صحیفۂ الٰہی جس میں صرف خدائی احکام و مطالب ہیں' دوسرے حدیث و سنت' جس میں پیغمبر کے حالات' اقوال اور معجزات وغیرہ الگ اور مستقل حیثیت سے مذکور ہیں اور وہ بجائے خود روایتی استناد کے لحاظ سے دوسرے مذاہب کے صحیفوں سے کہیں بلند تر ہے اس لئے خدا نے پیغمبر کے ان دلائل و معجزات کو عدم اہمیت کے باعث بہ تفصیل اپنے صحیفہ میں جگہ دینے کی ضرورت نہیں سمجھی بلکہ اس کے لئے احادیث کے مستند ذخیرۂ روایات کی موجودگی کو کافی قرار دیا۔

قرآن مجید سے آپ ؐ کے صاحب معجزہ ہونے کی دلیل::

غرض یہ اسباب ہیں جن کی بناء پر بعض کم سواد اس دعویٰ کی جرأت کرتے ہیں کہ قرآن مجید کی آیتیں آپ ﷺ کو معجزات اور نشانیوں سے معرا ظاہر کرتی ہیں' لیکن

اس سلسلہ میں غور کے قابل سب سے پہلی بات یہ ہے کہ قرآن مجید نے آپ ﷺ کے متعلق آپ ﷺ کے زمانہ کے کافروں کے جو اقوال تردید کی غرض سے نقل کیے ہیں ان میں متعدد موقعوں پر آپ ﷺ کو (نعوذباللہ) کاہن اور ساحر کہا گیا ہے اور قرآن مجید پر سحر کا الزام لگایا ہے۔عرب میں کاہنوں کا کام پیشین گوئی کرنا اور غیب کا حال بتانا تھا اور ساحر کی نسبت تو عام طور پر معلوم ہے کہ وہ عوام کے نزدیک عجائب وخوارق کا پیکر ہوتا ہے۔اب اگر آپ ﷺ امور غیب کی قبل از وقت اطلاع نہیں دیتے تھے اور معجزات اور خوارق کا صدور آپ ﷺ سے نہیں ہوا کرتا تھا تو کفار آپ ﷺ کو کاہن اور ساحر کے خطابات سے کیوں یاد کرتے تھے؟ اس حقیقت کو پیش نظر رکھ کر حسب ذیل آیتوں پر غور کی ایک نگاہ ڈالیے۔

فما انت بنعمت ربك بكاهن۔(طور۔۲۰)

اے محمد ﷺ تو اپنے پروردگار کے فضل سے کاہن نہیں ہے۔

ولا بقول كاهن۔(حاقه)

یہ قرآن کسی کاہن کا کلام نہیں۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو خطاب کرکے کفار قریش کا حال بتاتا ہے۔

واذا اراوا ايت يستسخرون وقالوا ان هذا الا سحر مبين۔ (صافات: ۱)

جب وہ کوئی نشانی دیکھتے ہیں تو مذاق اڑاتے ہیں اور کہتے ہیں کہ یہ کھلا جادو ہے۔

اس آیت سے صاف ثابت ہے کہ کفار کو جو نشانیاں نظر آتی تھیں وہ ان کا ٹھٹھا اڑاتے تھے اور ان کو جادو کہتے تھے۔اس سے معلوم ہوا کہ آپ ﷺ کی خارق عادت نشانیاں ان کے مشاہدہ میں آتی تھیں اور دوسری آیتوں میں بھی سحر کی نسبت آپ ﷺ کی طرف کفار کی زبان سے کی گئی ہے۔

ولما جاء هم الحق قالوا هذا سحرو انا به كافرون .

وقالوا لولا نزل هذا القران على رجل من القريتين

عظیم۔(زخرف:۳)

اور جب ان کے پاس سچی بات آئی تو انہوں نے کہا یہ جادو ہے اور ہم اس کو نہیں مانتے اور انہوں نے کہا کہ یہ قرآن مکہ اور طائف کے کسی بڑے آدمی پر کیوں نہیں اترا۔

وقال الذین کفروا للحق لما جاء ھم ھذا سحر مبین۔(احقاف:۱)

حق کے منکروں نے جب ان کے پاس حق آیا تو کہا کہ یہ تو کھلا جادو ہے۔

ھل ھذا الا بشر مثلکم افتاتون السحر وانتم تبصرون۔(انبیاء)

یہ محمد ﷺ تو تمہاری ہی طرح ایک آدمی ہیں' کیا تم جان بوجھ کر جادو کے پاس آتے ہو۔

قال الکفرون ان ھذا لسحر مبین (یونس:۱)

کافروں نے کہا کہ یہ (محمد ﷺ) تو کھلا جادوگر ہے۔

حضرت عیسیٰ نے آپ ﷺ کی آمد کی جو بشارت دی تھی اس کے بعد ہے:

فلما جاء ھم بالبینت قالوا ھذا سحر مبین۔(صف:۱)

پس جب وہ آنے والا پیغمبر کھلی آیتیں لے کر آیا تو کافروں نے کہا یہ کھلا جادو ہے۔

کفار کے ان اقوال سے ثابت ہوتا ہے کہ آپ ﷺ کی ذات بابرکات سے کچھ تو مافوق العادت باتیں ظاہر ہوتی تھیں جن کی تعبیر کہانت اور جادوگری کے الفاظ سے کر کے وہ اپنے نادان دل کو تسلی دیتے تھے اور اسی سے آپ ﷺ کے صاحب معجزہ ہونے کا ناقابل تردید ثبوت قرآن مجید سے ملتا ہے۔

قرآن مجید میں آپ ﷺ کے دلائل ومعجزات مذکور ہیں::

اس اجمالی ثبوت کے بعد ضرورت ہے کہ ہم آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ان آیات و دلائل کے بکھرے ہوئے موتیوں کو جو قرآن مجید کے اوراق میں منتشر ہیں ایک خاص ترتیب کے رشتہ میں منسلک کر دیں کہ وہ نمایاں ہو کر نگاہوں کے سامنے آ جائیں۔ تنوع کے لحاظ سے یہ آیات و دلائل تین قسم کے ہیں' ایک تو کفار کی ہدایت و دعوت اور مسلمانوں کی مزید ایمانی تسلی کے لئے معجزانہ نشانیاں۔ دوسری مصیبتوں کی گھڑیوں میں تائیدات غیبی کا ظہور اور تیسری وہ پیشین گوئیاں جن کا لفظ لفظ صداقت کے معیار پر صحیح اترا ہے' آئندہ اوراق میں اس اجمال کی تفصیل آئے گی۔

معجزۂ قرآن

قل لئن اجتمعت الانس والجن علی ان یاتوا بمثل هذا القران لا یاتون بمثله (بنی اسرائیل: ۱)

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو پیش گاہ الٰہی سے جو معجزات عطا ہوئے ان میں سے سب سے بڑا معجزہ خود قرآن مجید ہے۔ چنانچہ جب کفار نے معجزہ طلب کیا تو خدا نے فرمایا:

وقالوا لولا انزل علیه ایت من ربهط قل انما الایت عنداللهط وانما انا نذیر مبین . اولم یکفهم انا انزلنا علیك الكتب یتلی علیهم۔(عنکبوت:۵)

اور انہوں نے کہا کہ پیغمبر پر اس کے خدا کی طرف سے نشانیاں کیوں نہ اتریں' کہہ دے کہ نشانیاں خدا کی قدرت میں ہیں۔ میں تو صاف صاف خدا کے عذاب سے صرف ڈرانے والا ہوں کیا ان کو یہ نشانی کافی نہیں کہ ہم نے اس پر کتاب اتاری جو ان کو پڑھ کر سنائی جاتی ہے۔

اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بھی دیگر انبیاء علیہم السلام کے معجزات کے مقابلہ میں اپنی اس وحی آسمانی کو سب سے بڑا معجزہ قرار دیا۔ چنانچہ گویا اسی آیت پاک کی تفسیر میں آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

ما من الانبیاء نبی الا اعطی من الایات ما مثله اومن او امن علیه البشر وانما کان الذی اوتیت وحیا اوحاہ اللہ الی فارجوانی اکثرھم تابعا یوم القیمۃ۔(صحیح بخاری باب الاعتصام)

پیغمبروں میں سے ہر پیغمبر کو اللہ تعالی نے اس قدر معجزات عنایت کیے جن کو دیکھ کر لوگ ایمان لائے لیکن جو معجزہ مجھے مرحمت ہوا وہ وحی (قرآن) جس کو اللہ تعالی نے مجھ پر اتارا۔اس لئے میں امید کرتا ہوں کہ قیامت کے دن میرے پیرووں کی تعداد سب سے زیادہ ہوگی۔

اس حدیث سے متعدد نکتے حال ہوتے ہیں۔

ا۔ہر پیغمبر کو کوئی نہ کوئی معجزہ عطا ہوا ہے۔

۲۔دیگر انبیاء علیہم السلام کے معجزات وقتی اور عارضی تھے اس لئے ان سے جو اثر پیدا ہوا وہ بھی وقتی اور عارضی تھا بر خلاف اس کے قرآن مجید چونکہ ہمیشہ دنیا میں قائم رہنے والا ہے اس لئے اس کا اثر بھی دائمی اور ہمیشہ باقی رہنے والا ہے اور قیامت تک نئے نئے لوگوں کو اپنی طرف کھینچتا رہے گا۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو جو ربانی نشانیاں خدا کی طرف سے عنایت ہوئیں ان میں صرف یہی ایک معجزہ ہے جس کی اللہ تعالی نے تحدی کی ہے اور اعلان عام کیا ہے کہ کوئی اس کی مثال پیش کرے اور پھر خود ہی اس کی پیشین گوئی بھی کر دی ہے کہ دنیا ہمیشہ اس کی مثالیں پیش کرنے سے عاجز اور درماندہ رہے گی۔

قل لئن اجتمعت الانس والجن علی ان یاتوا بمثل ھذا القران لا یاتون بمثلہ ولو کان بعضھم لبعض ظھیرا۔(بنی اسرائیل:۱۰)

کہہ دے اے پیغمبر! اگر تمام جن وانس مل کر بھی چاہئیں کہ اس جیسا قرآن بنا لائیں تو نہیں لا سکتے، اگرچہ وہ ایک

دوسرے کی مدد پر کیوں نہ ہوں۔

سورۂ ہود میں پورے قرآن کے بجائے صرف دس سورتوں کا جواب مانگا گیا ہے۔

ام یقولون افتراہط قل فاتوا بعشر سور مثلہ مفتریت
وادعوا من استطعتم من دون اللہ ان کنتم
صدقین۔(ہود: ١)

کیا تو وہ یہ کہتے ہیں کہ پیغمبر نے اس کو اپنے جی سے بنالیا ہے
تو کہہ دے کہ وہ ایسی بنائی ہوئی دس ہی سورتیں لے آئیں
اور اپنی مدد کے لئے خدا کے سوا جس کو چاہئیں بلا لیں اگر وہ
سچے ہیں۔

اس کے بعد کی آیتوں میں دس سورتوں سے گھٹا کر ایک ہی سورہ کا جواب لانے کی تحدید کی گئی ہے۔

وان کنتم فی ریب مما نزلنا علی عبدنا فاتوا
بسورۃ من مثلہ وادعوا شہدآء کم من دون اللہ
ان کنتم صدقین۔(بقرہ:٣)

اور اگر تم کو اس میں بھی کچھ شک ہو تو جو ہم نے اپنے بندہ پر
اتارا ہے تو اس جیسی ایک ہی سورہ لاؤ اور خدا کے سوا اپنے
تمام گواہوں کو بلاؤ اگر تم سچے ہو۔

فان لم تفعلوا ولن تفعلوا فاتقو النار التی وقودھا
الناس والحجارۃ اعدت للکفرین۔(بقرہ۔٣)

تو اگر تم ایسی سورہ بنا کر نہ لاسکو اور یقیناً نہ لاسکو گے تو اس
آتش دوزخ سے بچو جس کے ایندھن آدمی اور پتھر (جن کو تم
پوجتے ہو) سب ہوں گے جو کافروں کے لئے تیاری رکھی گئی
ہے۔

اس کے ہم معنی دوسری آیت سورۂ یونس میں ہے:

ام یقولون افتراہ قل فاتوا بسورۃ مثلہ فادعوا من

استطعتم من دون الله ان کنتم صدقین۔(یونس:۴)

کیا یہ کفار یہ کہتے ہیں کہ پیغمبر نے اس قرآن کو اپنی طرف سے بنالیا ہے ان سے کہہ دے کہ اس جیسی ایک سورہ تم بھی لاؤ۔ خدا کے سوا اور جس کو چاہو مدد کے لئے بلالو اگر تم سچے ہو۔

پھر سورۂ طور میں ارشاد ہوتا ہے کہ اس جیسی ایک ہی بات پیش کرو۔

الم یقولون تقولہ بل لا یؤمنون فلیاتوا بحدیث مثلہ ان کانوا صدقین۔(طور:۲)

کیا وہ یہ کہتے ہیں کہ پیغمبر نے اس کو گھڑ لیا ہے بات یہ ہے کہ ان کو ایمان نہیں اگر وہ سچے ہیں تو اس جیسی ایک بات بھی پیش کرو۔

اس امر پر تو تمام مسلمانوں کا اتفاق ہے کہ قرآن معجزہ ہے لیکن اختلاف اس میں ہے کہ وہ کس حیثیت سے معجزہ ہے؟ اور وجہ اعجاز کیا ہے۔

۱۔بعض معتزلہ کے قریب قرآن مجید کا نظم کلام (اسٹائل) معجزہ ہے یعنی اہل عرب کا کلام جس طرز اور اسلوب پر ہوا کرتا تھا' قرآن مجید نے ان کو چھوڑ کر ایک اور بدیع طرز اور عجیب اسلوب اختیار کیا جو عرب میں موجود نہ تھا' ان کے کلام کا تمام تر نمونہ شعر تھا' قرآن مجید کے نثر کا ایک اسلوب اختیار کیا' کاہنان عرب کا کلام بھی نثر ہوتا تھا' مگر اس میں تکلف آورد تھا۔ قرآن مجید نے نظم ونثر کے درمیان ایک ایسا پسندیدہ اسلوب اختیار کیا جو بلغائے عرب کے تخیل میں نہ تھا' قرآن کے مطالعہ' مقاطع اور فواصل یعنی جس طرح قرآن کسی بیان کا آغاز اور اس کا خاتمہ کرتا ہے اور جس طرح ایک ایک آیت کو توڑتا جاتا ہے وہ حد اعجاز میں داخل ہے۔

۲۔معتزلہ سے حافظ اور تمام اشاعرہ قرآن مجید کو فصاحت و بلاغت کی حیثیت سے معجزہ قرار دیتے ہیں۔

۳۔ ام معتزلی اور ابن حزم ظاہری (۱)۔ یہ اعتقاد رکھتے ہیں اور امام رازی بھی اس کو قرب الی الصواب کہتے ہیں۔ (۲)۔ کہ قرآن مجید کا اعجاز یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرت کاملہ سے تمام بلغائے عرب و عجم کی زبانیں اس کے مقابلہ میں گنگ کر دیں اور اس لئے وہ اس کا جواب نہیں لا سکتے۔

۴۔ بعض متکلمین کے نزدیک وجہ اعجاز قرآن مجید کا اظہار غیب اور پیشین گوئیاں ہیں جو انسان کے حیطہ امکان سے باہر ہیں۔

۵۔ بعض علماء کہتے ہیں کہ قرآن مجید کا اعجاز یہ ہے کہ وہ لوگوں کے دلوں کے چھپے ہوئے اسرار کو فاش کرتا تھا جو انسانی دسترس سے باہر ہے۔

۶۔ کسی نے وجہ اعجاز یہ بتائی ہے کہ اور انسانوں کے کلام بلند و پست' کامل و ناقص' صحیح و غلط' غرض مختلف مراتب ہوتے ہیں' لیکن قرآن مجید شروع سے اخیر تک بلندی کمال اور صحت کے لحاظ سے ایک ہی نوعیت کا ہے۔

۷۔ ایک دو آدمیوں کی یہ رائے ہے کہ معجزہ یہ ہے کہ ایک امی کی زبان سے ایسا کلام بلاغت نظام نکلا۔ (۳)۔

۸۔ قرآن مجید کے اعجاز کی ایک وجہ اس کی خارق عادت تاثیر اور قلوب انسانی کی تسخیر بھی قرار دی جا سکتی ہے۔

۹۔ بعضوں نے یہ ثابت کیا ہے کہ قرآن مجید کا اصلی اعجاز اس کے احکامات' تعلیمات اور ارشادات ہیں۔ (۴)۔

حقیقت یہ ہے کہ یہ تمام اختلافات باہم متضاد نہیں ہیں جو ایک جگہ نہ مجتمع ہو سکیں اور نہ یہ ضروری ہے کہ وجہ اعجاز صرف ایک ہی محدود ہو' قرآن مجید کے وجوہ اعجاز اس قدر کثیر ہیں کہ ان کا احاطہ نہیں ہو سکتا' جس شخص کو اپنے مذاق کے مطابق جو بات نمایاں نظر آئی ہے' تو کوئی اس کے رنگ و روغن کا مداح ہوتا ہے' کوئی اس کے اعتدال قامت کی تعریف کرتا ہے' کوئی اس کی وضع قطع کی سب سے زیادہ پسند کرتا

ہے کوئی اس کی زیبائش وآرائش کی مدح کرتا ہے تو درحقیقت اس کی ذات ان تمام اوصاف کا مجموعہ ہوتی ہے اور ہر ناقد اپنی چشم اعتبار سے جو کچھ دیکھتا ہے اسی کو اس کے حسن کا معیار قرار دے لیتا ہے۔ حافظ وسعدی کے کلام کا معترف کون نہیں؟ لیکن لوگوں سے ان کے حسن وخوبی کی تفصیل پوچھو تو کوئی ایک بات نہیں کہے گا۔ کسی کے نزدیک ان کے کلام کا حسن یہ ہے کہ وہ اپنی غزلوں کے لئے بحریں نہایت مطربانہ اور موسیقانہ اختیار کرتے ہیں' کوئی طریقۂ ادا اور اسلوب تعبیر کی تعریف کرے

(١)۔ الفصل فی الملل والنحل ابن حزم جلد سوم باب اعجاز القرآن۔ (٢)۔ تفسیر کبیر جلد اول صفحہ ٣٣٥ تفسیر آیہ و ان کنتم فی ریب۔ (٣)۔ متکلمین کے یہ مذاہب شرح مواقف اعجاز قرآن باقلانی الاتقان سیوطی' فصل فی الملل والنحل ابن حزم میں مذکور ہیں۔ (٤)۔ شاہ ولی اللہ صاحب نے فوز الکبیر میں اور مولانا شبلی نے اپنے مضمون اعجاز القرآن میں یہی مسلک اختیار کیا ہے۔

گا۔ بعض ناقدین سخن الفاظ کی شیرینی اور ترکیب کی ندرت پیش کریں گے' کوئی تشبیہ واستعارہ کی جدت پر زور دے گا' دوسرے اصحاب ان کی نازک خیالی کے معترف ہوں گے' بعضوں کے نزدیک ان کے معنی آفرینی' عمیق فلسفہ وحکمت اور دل پذیر موعظت ان کے کلام کا تمغائے کمال ہے۔

عبارا تنا شتی وحسنک واحد

وکل الی ذاک الجمال یشیر

ہماری عبارتیں گو مختلف ہیں لیکن تیرا حسن ایک ہی ہے ہر شخص

اپنی عبارت میں اسی ایک حسن کی طرف اشارہ کررہا ہے۔

قرآن مجید کی ان آیتوں کا اگر استقصاء کیا جائے جن میں اس کے وجوہ اعجاز کی طرف اشارہ پایا جاتا ہے تو وہ ہم کو خود مختلف نظر آتی ہیں جس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ وہ اس کے وجوہ اعجاز میں اس قدر متعدد اور کثیر الاطراف ہیں کہ ان میں کسی ایک میں محدود نہیں کیا جاسکتا۔ اس نے کہیں تو اپنی تعلیم وارشاد کی مدح کی ہے کہیں

اپنی تاثیر اور قوت جذب کی طرف اشارہ کیا ہے کہیں اپنی یکسانی اور عدم اختلاف کو اپنے خدا کی طرف سے ہونے کی نشانی بتائی ہے' کہیں اس نے اپنی عربیت اور حسن کلام کو ظاہر کیا ہے' کہیں ایک امی کا زبان کا پیغام ہونا اپنا معجزہ بتایا ہے' ایک موقعہ پر اپنی ہدایت و رہنمائی کو مخصوص ترین وصف قرار دیا ہے' کہیں وہ خود کو نور ہدی' حکمتہ' بینتہ اور دیگر مختلف اوصاف معنوی کا پیکر کہتا ہے۔ چنانچہ ذیل میں ہم ان آیتوں کو بہ ترتیب لکھ دیتے ہیں۔

فصاحت و بلاغت

لسان الذی یلحدون الیه اعجمی وھذا لسان عربی مبین (نحل: ۱۴) بلسان عربی مبین۔ (شعرا۔ ۱۱)

جس کی طرف یہ کفار کی نسبت کرتے ہیں اس کی زبان تو عجمی ہے اور یہ ایسی زبان ہے جو عربی ہے اور اپنے مدعائے دلی کو خوبی سے ظاہر کرتی ہے یہ قرآن ایک ایسی زبان میں ہے جو اپنے مدعائے دلی کو خوبی سے ظاہر کرتی ہے۔

قرانا عربیا غیر ذی عوج (زمر)

قرآن عربی زبان میں ہے جس میں کوئی کجی نہیں۔

قران مبین (یسین و حجر)

اپنے مدعا کو خوبی سے ظاہر کرنے والا قرآن۔

یکسانی اور عدم اختلاف

افلا یتدبرون القرانط ولو کان من عند غیر الله لوجد وافیه اختلافا کثیرا۔

کیا یہ کافر قرآن میں غور نہیں کرتے اگر یہ خدا کے سوا کسی اور کی طرف سے ہوتا تو وہ اس میں بہت سے اختلاف پاتے۔

قوت تاثیر

ولقد جاء ھم من الانباء ما فیه مزد جر۔ حکمۃ

بالغہت فماتغن النذر (قمر: ۱)

ان کو (قرآن کے ذریعہ سے) اگلی امتوں کے اتنے حالات سنائے جا چکے ہیں جو ان کی تنبیہہ کو کافی تھے' یہ قرآن دل تک پہنچ جانے والی دانائی ہے لیکن ان کو ڈرانا بھی فائدہ نہیں پہنچا سکتا۔

کفار قرآن مجید کو سحر اور جادو کہتے تھے' یہ کیوں؟ اس کی اسی تاثیر اور قوت تسخیر کی بناء پر۔

واذا تتلی علیھم ایتنا بینت قال الذین کفروا للحق لما جاء ھم ھذا سحر مبین (احقاف: ۱)

جب ان کافروں پر ہماری کھلی کھلی آیتیں پڑھی جاتی ہیں تو وہ لوگ جو سچائی کے آنے کے بعد اس کا انکار کرتے ہیں کہتے ہیں کہ یہ تو کھلا ہوا جادو ہے۔

کفار کہتے تھے کہ جب محمدﷺ لوگوں کو قرآن پڑھ کر سنانے لگیں تو شور کرو تا کہ لوگ سن کر متاثر نہ ہوں۔

وقال الذین کفروا لا تسمعوا لھذا القران و الغوا فیہ لعلکم تغلبون۔

کفار نے کہا کہ اس قرآن کو سنا نہ کرو اور اس کے پڑھتے وقت شوروغل کرو' شاید تم جیت جاؤ۔

تعلیم وہدایت

ذلک الکتب لا ریب فیہ ھدی للمتقین۔(بقرہ)

یہی ہے وہ کتاب اس میں کوئی شک نہیں ہے یہ پرہیز گاروں کے لئے سر تا پا ہدایت ہے۔

ان ھذا القران یھدی للتی ھی اقوم (اسراء: ۱) قل فاتوا بکتب من عند اللہ ھو اھدی منھما اتبعہ۔(قصص: ۵)

یہ قرآن اس تعلیم کی ہدایت کرتا ہے جو سب سے زیادہ صحیح اور سیدھی ہے کہہ دے قرآن اور تو راہ سے بڑھ کر کوئی ہدایت والی کتاب لاؤ تو میں اس کی پیروی کروں۔

قد جاء کم من اللہ نور و کتب مبین (مائدہ:۳)

تمہارے پاس روشنی اور مدعا کو ظاہر کرنے والی کتاب آ چکی۔

ولقد انزلنا الیک ایت بینت۔(بقرہ)

ہم نے تیری طرف کھلی ہوئی آیتیں اتاریں۔

وھذا کتاب انزلناہ مبارك فاتبعوہ واتقوا لعلکم ترحمون . ان تقولوآ انما انزل الکتب علی طائفتین من قبلنا. وان کنا عن دراستھم لغفلین . او تقولوا لو انا انزل علینا الکتب لکنا اھدی منھم فقد جاء کم بینت من ربکم وھدی ورحمت و ننزل من القران ما ھو شفاء ورحمت للمئومنین۔(اسراء:۹)

یہ مبارک کتاب ہم نے اتاری تو اس کی پیروی کرو اور پرہیز گاری اختیار کرو تا کہ تم پر رحم کیا جائے اور یہ نہ کہو کہ ہم سے پہلے یہود و نصاری دو قوموں پر کتاب اتاری گئی اور ہم ان کے پڑھنے سے بے خبر تھے یا یہ کہو کہ اگر ہم پر کتاب اتاری جاتی تو ہم ان دونوں قوموں سے زیادہ راہ راست پر ہوتے تو لو یہ تمہارے رب کی طرف سے دلیل وہدایت و رحمت آئی ہے اور قرآن سے ہم وہ اتارتے ہیں جو مومنوں کے لئے شفاء اور رحمت ہے۔

و انہ لکتب عزیز لا یاتیہ الباطل من بین یدیہ ولا من خلفہط تنزیل من حکیم حمیدط ما یقال لك الا ما قد قیل للرسل من قبلکط ان ربك لذو مغفرت و ذو عقاب الیمط

یہ عزت والی کتاب ہے جس کے آس پاس بھی باطل نہیں آ
سکتا یہ حکمت اور تعریف والے خدا کی اتاری ہوئی ہے اے
پیغمبر! تجھ سے وہی کہا جاتا ہے جو تجھ سے پہلے پیغمبروں سے
کہا گیا' تیرا رب بخشش والا بھی ہے اور عذاب والا بھی ہے
اگر

ولو جعلنه قرانا عجمیا لقالوا لولا فصلت ایتہط
واعجمی وعربیط قل ھو للذین امنوا ھدی
وشفاء (رحم السجدہ:۵)

ہم اس قرآن کی زبان عجمی کرتے تو وہ لوگ یہ کہتے کہ اس
کے احکام کیوں نہیں کھول کر بیان کئے گئے ہم عرب ہیں اور
کتاب عجمی کہہ دے کہ یہ کتاب مومنوں کے لئے ہدایت اور
شفاء ہے۔

یایھا الناس قد جاء تکم موعظہت من ربکم وشفاء
لما فی الصدور وھدی ورحمہت
للمئومنین۔(یونس:۲)

لوگو! تمہارے پاس پروردگار کی طرف سے نصیحت آ چکی اور
وہ دلوں کے امراض کا علاج ہے اور مسلمانوں کے لئے
ہدایت اور رحمت ہے۔

والقران الحکیم۔

حکمت والا قرآن۔

والقران ذی الذکر۔(ص)

نصیحت والا قرآن۔

قرآن کا جواب لانے کی قدرت نہیں
لا یاتون بمثلہ۔(اسراء)

جن وانس اس کا جواب نہیں لا سکتے۔

ایک امی کی زبان سے ادا ہونا

وما کنت تتلوا من قبلہ من کتب ولا تخطہ'
بیمینک اذا لا رتاب المبطلون . بل ھو ایت بینت
من صدور الذین اوتوا العلمط وما یجحد بایتنا الا
الظلمون . وقالوا لولا انزل علیہ ایت من ربہ ط قل
انما الایات عنداللہ ط وانما انا نذیر مبین . اولم
یکفھم انا انزلنا علیک الکتب یتلی علیھمط ان فی
ذلک لرحمت و ذکری لقوم
یئومنون۔(عنکبوت:۵)

قرآن سے پہلے اے پیغمبر نہ تو تو کچھ پڑھ کر سناتا تھا اور نہ اپنے ہاتھ سے لکھتا تھا' اگر ایسا ہوتا تو البتہ یہ باطل پرست شک کرسکتے بلکہ یہ کھلی آیتیں ہیں جو ان لوگوں کے سینوں میں ہیں جن کو علم بخشا گیا ہے اور ہماری آیتوں سے صرف گنہگار ہی انکار کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ کیوں اس (پیغمبر) پر اس کے خدا کی طرف سے نشانیاں نہیں اتریں۔ کہہ دے کہ نشانیاں خدا کے قبضہ میں ہیں' میں تو کھلا ڈرانے والا ہوں' کیا ان کے لئے یہ نشانی کافی نہیں ہے کہ ہم نے تجھ پر کتاب اتاری جو ان کو پڑھ کر سنائی جاتی ہے اس میں ایمان والوں کے لئے رحمت اور نصیحت ہے۔

حفظ و بقا کا وعدہ

وانا لہ' لحافظون (نحل:۱)

اور یقیناً ہم ہی اس کی حفاظت کرنے والے ہیں۔

انا علینا جمعہ' و قرانہ'(قیامہ:۱)

ہم پر ہے اس قرآن کا جمع کرنا۔

لا یاتیہ الباطل من بین یدیہ ولا من خلفہ۔(فصلت)

اس قرآن کے پاس آگے اور پیچھے سے باطل آ سکتا ہے۔

قوت دلائل

فقد جاء کم بینہت من ربکم (انعام)

یقیناً تمہارے پاس تمہارے خدا کی دلیل آ چکی۔

قل فللہ الحجہت البالغہت۔ (انعام)

کہہ دے کہ خدا ہی کے لئے وہ دلیل ہے جو دلوں تک اتر جاتی ہے۔

ھذا بصائر من ربکم وھدی و رحمہت لقوم یومنون (اعراف: ۲۴)

یہ قرآن تمہارے رب کی طرف سے سمجھ بوجھ کی باتیں ہیں اور ہدایت ورحمت ہے مومنوں کے لئے۔

قرآن مجید کی یہ آیتیں صرف چند حیثیتوں کو پیش نظر رکھ کر لکھی گئی ہیں' اگر کوئی استقصا کرے تو متعدد وجوہ اور بھی پیدا ہو سکتے ہیں۔

الغرض مقصود یہ ہے کہ قرآن مجید صرف فصاحت وبلاغت ہی کے لحاظ سے نہیں بلکہ اپنی تمام حیثیات کے لحاظ سے معجزۂ کامل ہے' اس کے معجزۂ کامل ہونے پر مختصر ترین دلیل یہ ہے کہ ساڑھے تیرہ سو برس گزرے کے کوہ صفا کی چٹان پر کھڑے ہو کر ایک امی نے دنیا سے یہ غیر متزلزل تحدی کی کہ وہ اس کا جواب پیش کرے تو کیا یہ واقعہ نہیں ہے کہ ان تیرہ صدیوں کا ایک ایک سال گزر گیا' مگر ایک آواز بھی اس تحدی کو قبول کرنے کے لئے بلند نہ ہوئی' اگر صرف فصاحت وبلاغت ہی کو معیار اعجاز قرار دیا جائے تو کیا یہ امر واقعہ نہیں ہے کہ عین اس وقت جب ایک امی کی طرف سے جو ایک شعر تک موزوں نہیں پڑھ سکتا تھا۔ (۱)۔ یہ مدعیانہ اعلان عرب میں شائع ہوا' اس وقت عرب کے قبیلہ قبیلہ میں زبان آور شعراء اور آتش بیان خطباء موجود تھے مگر اس "صورت سرمدی" کے سامنے سب کی زبانیں گنگ ہو گئیں' کفار عرب نے اسلام اور پیغمبر اسلام کی تکذیب کی کیا کیا کوششیں نہ کیں' انہوں نے اس راہ میں

(۲)۔

ضماد ازدی ایک صاحب تھے جو جھاڑ پھونک کیا کرتے تھے' وہ یہ سن کر کہ محمدﷺ (نعوذ باللہ) دیوانے ہو گئے ہیں' آپﷺ کے علاج کے لئے آئے' آپ نے مختصر سی حمد اور کلمہ شہادت پڑھا' وہ سن کر متحیر ہو گئے تین دفعہ پڑھوا کر سنا' پھر کہا کہ خدا کی قسم! میں نے کاہنوں کی بولی اور جادوگروں کے منتر اور شاعروں کے قصائد سنے ہیں لیکن تمہارا کلام کچھ اور ہی ہے' یہ تو سمندر تک میں اثر کر جائے گا۔ (۳)۔

جابرؓ بن عبداللہ سے روایت ہے کہ ایک دفعہ ابوجہل اور قریش کے دیگر اکابر جمع ہو کر مشورہ کرنے لگے کہ محمدﷺ کی تحریک روز بروز زور پکڑتی جاتی ہے' کسی ایسے آدمی کو تلاش کرنا چاہئے جو جادو' کہانیت اور شعر کہنا جانتا ہو' تاکہ یہ معلوم ہو کہ یہ کیا ہے؟ قریش کے سردار عتبہ بن ربیعہ نے کہا کہ میں یہ سب کچھ جانتا ہوں۔ کہو تو میں جا کر دیکھوں' چنانچہ آستانہ نبویﷺ میں آ کر اس نے صلح کی کچھ شرائط پیش کیے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کے جواب میں سورۂ فصلت پڑھنی شروع کی' کچھ ہی آیتیں پڑھی تھیں کہ اس نے آپﷺ کے منہ پر ہاتھ رکھ دیا کہ قرابت کا واسطہ بس کرو' واپس پھرا تو چند روز تک گھر سے باہر نہیں نکلا۔ ابوجہل نے جا کر کہا' کیوں عتبہ! محمدﷺ کے یہاں کھانا کھا کر پھسل گئے' عتبہ نے کہا' تم جانتے ہو کہ میں سب سے زیادہ دولت مند ہوں' مجھ کو دولت کی طمع دامن گیر نہیں ہو سکتی' لیکن محمدﷺ نے میرے جواب میں جو کلام پیش کیا وہ شعر نہ تھا' نہ کہانت تھی' نہ جادو' میں نے ایسا کلام کبھی نہیں سنا' انہوں نے جو کلام پڑھا اس میں عذاب الٰہی کی دھمکی تھی' میں نے ان کو قرابت کا واسطہ دیا کہ چپ ہو جائیں' میں ڈرا کہ تم پر عذاب نہ آ جائے۔ لوگوں نے کہا کہ محمدﷺ نے اپنی زبان سے عتبہ پر جادو کر دیا ہے۔ (۴)۔

ولید بن مغیرہ قریش میں بڑا دولت مند اور صاحب اثر تھا' وہ ایک دفعہ آپﷺ کی خدمت میں آیا اور فرمائش کی کہ کچھ پڑھ کر سنایئے' آپﷺ نے چند آیتیں

قرآن مجید پڑھ کر سنایا ان کی آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے۔ (۹)۔ حضرت ابوعبیدہؓ حضرت ابوسلمہؓ حضرت ارقم بن ارقمؓ یہ تینوں اصحاب اسی کی کشش مقناطیسی سے کھنچ کر حلقہ اسلام میں آئے (۱۰)۔ اور تو اور خود مہبط وحی اور حامل کلام ربانی کا کیا حال تھا؟ حضرت عبداللہؓ بن مسعود نے ایک دفعہ قرات شروع کی تو بے اختیار چشم مبارک سے آنسو جاری ہو گئے۔ (۱۱)۔ ایک اور موقع پر قرآن مجید کی چند آیتیں زبان مبارک سے ادا ہوئیں اور اس کے بعد آنسوؤں کا تار بندھ گیا۔

کلام کی یہ شیرینی، یہ نمکینی، یہ تاثیر، یہ تسخیر جو دوست و دشمن، موافق و مخالف، شاہ و گدا، عالم و جاہل، پیغمبر و امت سب کو یکساں فریفتہ کرتی ہے، اعجاز نہیں تو اور کیا ہے؟ حکماء فلاسفہ، ادباء، اہل لغت مفسرین، محدثین، فقہاء، صوفیا، شعراء، متکلمین، غرض نوع انسانی کی وہ کون سی صفت ہے جس نے ایک امی کی زبان سے ادا ہونے والے پیغام کے عشق و محبت میں اپنا سرمایہ حیات قربان نہیں کر دیا اور جن کو اس کلام کی تشریح و تفصیل اور تحقیق و توضیح کے خدمات کی لذت میں دنیا کی تمام نعمتیں، ہیچ نظر آئیں، کیا یہ اعجاز نہیں؟

غور کیجئے کہ ایک امی محض جو امیوں کی ہی گودوں میں پلا اور پل کر جوان ہو کر اس نے ہوش سنبھالا تو گرد و پیش تاریکیوں اور ظلمتوں کے سوا اس کو کچھ نظر نہ آیا۔ علم و فنون اور تمدن و تہذیب سے ایک عاری ملک

---

(۱)۔ روض الانف شرح سیرہ ابن ہشام جلد اول ص ۳۹٤ مطبوعہ مصر۔ (۲)۔ مسند ابن حنبل جلد ۱ صفحہ ۲۰۲ و مستدرك حاكم ج ۲ صفحہ ۳۱۰ (۳)۔ ابن سعد جلد ۳ صفحہ ۱۹۱ حصہ اول و ابویعلی و حاكم و بيهقی۔ (٤)۔ مسند ابن حنبل ج ۱ صفحہ ۱۷ (٥)۔ صحیح بخاری تفسیر سورئہ طور۔ (٦)۔ مسند ابن حنبل ج ۱ صفحہ ۳۱۸ (۷)۔ استیعاب تذکرئہ طفیل بنؓ روسی۔ (۸)۔ مسند ابن حنبل ج ٤ ص ۳۳٥ (۹)۔ سیرت ابن ہشام۔ (۱۰)۔ اسد الغابۃ تذکرہ ابوسلمۃؓ بن عبدالاسد۔ (۱۱)۔ صحیح بخاری تفسیر فكيف اذا جئنا من كل امة بشهيد۔ (۱۲)۔ صحيح مسلم باب بكاء صلی

عاری شہر اور عاری خاندان کے اندر نشو ونما پائی' جہاں اہل فکر اور ارباب عالم کا وجود نہ تھا' وہ خود اس کا خاندان اور اس کا وطن نوشت وخواند کے نقوش وحروف سے آشنا نہ تھا اور گذشتہ صحف انبیاء اور افکار عالیہ کا ایک حرف اس کے کان میں کبھی نہیں پڑا' علماء اور دانشوروں کی صحبت اس نے نہیں اٹھائی' اصول قانون' مبادی اخلاق' محاسن علم وعمل کی کوئی ظاہری تعلیم اس کو نہیں ملی' بلکہ مدرسئہ علم وحکمت کے سایئہ دیوار تک کبھی اس کا گزر نہیں ہوا اور اسی طرح وہ اپنی زندگی کے چالیس دورے پورے کرتا ہے کہ دفعتًا غار حرا کے ایک دہانے سے اجالا ہوتا ہے۔ علم وفنون اور تہذیب وتمدن کا سرچشمہ ابلتا ہے' ظاہری نوشت وخواند کے نقوش وحروف کا طلسم ٹوٹ جاتا ہے' صحف انبیاء اور افکار عالیہ کے اوراق اس کی زبان پر جاری ہو جاتے ہیں' اس کے پرتو صحبت سے امی اور جاہل' علمائے دہر اور دانشوران روزگار بن کر نکلنے لگتے ہیں' اصول قانون' مبادی اخلاق اور محاسن علم وعمل کا تعلیم کا غلغلہ اس کی بزم فیض کے گوشہ گوشہ سے بلند ہوتا ہے' کلام ربانی کے پردے میں علم وحکمت کے پوشیدہ اسرار فاش ہونے لگتے ہیں' اس سے زیادہ قرآن مجید کے معجز ہونے کی اور کیا دلیل ہو سکتی ہے۔

توراۃ قانون وشریعت ہے لیکن اخلاقی وموعظت نہیں' انجیل اخلاق وموعظت ہے' لیکن قانون شریعت نہیں' زبور مخاطبات قلبی اور دعاؤں کا مجموعہ ہے' لیکن دیگر صفات سے خالی' مسیح کے صحیفہ میں' خطابت کی ہنگامہ آرائیاں ہیں' مگر استدلال اور فکر ونظر کی دعوت نہیں' صحف انبیاء بنی اسرائیل پیشین گوئیوں سے لبریز ہیں مگر دقائق حکمت اور اسرار ایمان وعمل سے خالی ہیں' دنیا میں ایک ہی کتاب الٰہی ہے جو قانون وشریعت بھی ہے اور اخلاق وموعظت بھی' مخاطبات قلبی اور دعاؤں کا گنجینہ بھی ہے اور دیگر کتب الٰہیہ کی مجموعی صفتوں کی حامل بھی' خطابت بھی ہے اور استدلال وفکر بھی'

اظہار غیب اور پیشین گوئیوں سے لبریز بھی ہے اور دقائق حکمت واسرار ایمان و عمل سے معمور بھی' اوران سب کے ساتھ عین اس وقت جب اور کتب الٰہی تحریف و تعبیر اور تراجم و تعبیر سے اپنی اصل زبان اور اصلی الفاظ کھو چکی ہیں' اس کی بقاء اور حفاظت کی یہ ذمہ داری کہ تیرہ سو برس کے بعد بھی اس کے ایک لفظ' ایک حرف' ایک نقطہ میں تغیر و تبدل نے راہ نہیں پائی وہ اپنی زندگی جاوید کے لئے کاغذ کے نقوش و حروف کی محتاج نہیں کہ لاکھوں انسانوں کے سینے اس خزانہ کے صندوق ہیں اور وہ اسی زبان اور ان ہی الفاظ اور ان ہی حروف کے قالب میں اب تک جلوہ گر ہے جس میں دست قدرت نے اس کو ڈھالا تھا اور جبریل امین نے اس کو اتارا تھا اور محمد ﷺ عربی نے اس کو امت کے ہاتھوں میں سونپا تھا' کیا یہ اعجاز نہیں؟

یہیں سے یہ نکتہ بھی حل ہوتا ہے کہ قرآن مجید اپنی تعلیمات اور معانی کے ساتھ ساتھ اپنے الفاظ کلمات اور عبارت میں بھی معجزہ ہے اور اس کی فصاحت و بلاغت کے معجزانہ کمال کی دوسری آسمانی کتابیں حریف نہیں بن سکتیں' کیونکہ دوسری آسمانی کتابیں اپنے الفاظ کے لحاظ سے نہیں بلکہ اپنے معنی کے لحاظ سے وحی ہیں۔ چنانچہ نہ تو خود ان کتابوں کو اور نہ ان کے ماننے والوں کو اس کا دعویٰ ہے اور نہ کبھی انہوں نے اپنی کتابوں کو کلام و عبارت کے لحاظ سے معجز کہا ہے' چنانچہ اسی لئے وہ اصل الفاظ اور زبان جس کے قالب میں وحی موسوی (توراۃ) اور عیسوی (انجیل) نے ظہور کیا۔ مدت ہوئی کہ دنیا ان سے محروم ہوگئی۔ توراۃ کی اصلی عبرانی زبان جو حضرت موسیٰؑ کی زبان سے نکلی تھی وہ بخت نصر کی آگ کی نذر ہوگئی اور اس نے آرامی اور سریانی زبان کا قالب اختیار کرلیا اور آخر صدہا سال کے بعد حضرت عزیز نے پھر اس کو عبرانی زبان میں منتقل کیا' انجیل کے متعلق ابھی تک یہی طے نہیں ہوا کہ اس کی اصل زبان کیا تھی؟ اور انجیل پہلے پہل کس زبان میں لکھی گئی تھی؟ انجیل کی سب سے قدیم زبان یونانی زبان ہے' مگر ظاہر ہے کہ یہ وہ زبان نہیں جو حضرت عیسیٰؑ فلسطین کے

ملک میں بولتے تھے' ایسی حالت میں ان کتابوں کی فصاحت و بلاغت کے اعجاز اور اس کے الفاظ سے من جانب اللہ ہونے کا دعویٰ کیونکر کیا جا سکتا ہے؟ برخلاف اس کے دنیا میں "وحی محمدی" سب سے پہلی اور سب سے آخری کتاب ہے' جس نے اس حیثیت سے اپنے اعجاز کا دعویٰ کیا' چنانچہ قرآن مجید کا حرف بہ حرف اور لفظ لفظ وحی ہے اور وہی ہے جو محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زبان سے ادا ہوا' اور وہ ہر قسم کی تحریف و تغیر سے پاک ہے' اس لئے اس کے الفاظ' کلمات اور عبارات تک معجزہ ہیں اور اس وصف میں دنیا کی کوئی آسمانی کتاب اس کی ہمسری کا دعویٰ نہیں کر سکتی (۱)۔

---

(۱)۔ یہاں مسئلہ اعجاز القرآن پر بحث مقصود نہیں' یہ مباحث مفصل آئندہ کسی جلد میں آئیں گے' یہاں صرف سلسلہ معجزات میں اس کا محض تذکرہ مقصود تھا۔

امیت

بعنے

آنحضرتﷺ کا ظاہری تعلیم اور نوشت وخواند کے داغ سے پاک ہونا

الرسول النبی الامی (اعراف)

یہ واقعہ محتاج بیان نہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ظاہری تعلیم اور نوشت و خواند کے داغ سے پاک تھے' قرآن مجید نے متعدد موقعوں پر اس واقعہ کا اظہار کیا' چنانچہ سورۂ اعراف میں ہے:

الذین یتبعون الرسول النبی الامی۔

یہ مسلمان وہ ہیں جو ان پڑھ پیغمبر اور فرستادہ الٰہی کی پیروی کرتے ہیں۔

اسی سورہ میں پھر اس کے بعد ہی ہے۔

فامنوا باللہ ورسولہ النبی الامی۔

تو لوگو! خدا پر اور اس کے ان پڑھ پیغمبر اور فرستادہ پر ایمان لاؤ۔

سورۂ جمعہ میں نہ صرف آپ کے امی بلکہ اغلب آبادی کی حالت کے لحاظ سے تمام قریش اور عرب کے امی ہونے کا اظہار ہے۔

ھو الذی بعثك فی الامیین رسولا منھم۔(جمعہ: ۱)

اسی خدا نے امیوں کے درمیان ان ہی میں سے ایک پیغمبر بنا کر بھیجا۔

دوسری جگہ سورۂ عنکبوت میں ارشاد ہوتا ہے:

وما کنت تتلوا من قبلہ من کتب ولا تخطہ'

بیمینک اذا لا رتاب المبطلون.

اور قرآن کے نزول سے پہلے اے پیغمبر نہ تو تم کوئی کتاب پڑھ سکتے تھے اور نہ اپنے ہاتھ سے اس کو لکھ سکتے تھے اگر ایسا ہوتا تو یہ باطل پرست شک کر سکتے تھے۔

اس سے معلوم ہوا کہ آپ ﷺ کا انسانی تعلیم سے پاک ہونا بھی مصلحت الٰہی کا ایک خاص منشاء تھا اسی لئے اس کے بعد ارشاد ہوتا ہے۔

وقالوا لولا انزل علیه ایت من ربهط قل انما الایت عندالله و انما انا نذیر مبین . اولم یکفهم انا انزلنا علیك الکتب یتلی علیهم ۔(عنکبوت:۵)

اور معترضین کہتے ہیں کہ اس پیغمبر پر اس کے پروردگار کی طرف سے کوئی نشانیاں کیوں نہیں اتریں کہہ دے کہ نشانیاں خدا کے قبضہ قدرت میں ہیں اور میں تو صرف خدا سے ڈرانے والا ہوں' کیا ان معترضین کو یہ نشانی کافی نہیں کہ ہم نے تجھ پر (جو امی ہے) کتاب اتاری جو ان کو پڑھ کر سنائی جاتی ہے۔

قرآن مجید کی مختلف سورتوں میں اس کا اظہار ہے کہا اے محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تمہاری زبان سے آج گذشتہ پیغمبروں' اگلی امتوں اور عہد ماضی کے واقعات ادا ہوتے ہیں۔ ان واقعات اور حالات سے واقفیت حاصل کرنے کے تین ہی ذریعے انسان کے ہاتھ میں ہیں' ایک یہ کہ وہ اس واقعہ کے وقت موجود ہو' دوسرا یہ کہ ان حالات کو کتابوں میں پڑھے' تیسرا یہ کہ اوروں سے سنے' آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اطلاع کے ان ذرائع سے ناآشنا تھے' اول ذریعہ تو ظاہر ہے کہ مفقود تھا۔ قرآن مجید سے آدمؑ سے مولد محمدیؐ تک کے تمام واقعات بیان کئے گئے ہیں۔ آپ ﷺ کی پیدائش سے پہلے وقوع پذیر ہوئے تھے اور آپ ﷺ کے پاس ان کے علم کا کوئی ظاہری ذریعہ نہ تھا' اس لئے قرآن مجید نے متعدد مواقع مثلاً حضرت

مریمؑ اور حضرت زکریاؑ کے قصہ میں کہا ہے:

ذلك من انباء الغيب نوحيه اليك وما كنت لديهم اذ يلقون اقلامهم ايهم يكفل مريم وما كنت لديهم اذ يختصمون۔(ال عمران:۵)

یہ گذشتہ زمانہ کی خبروں میں سے ہے جس کو ہم تیری طرف وحی کررہے ہیں تو ان کے پاس اس وقت موجود نہ تھا' جب وہ اپنا اپنا پانسہ ڈال رہے تھے کہ کون مریم کی کفالت کرے گا اور نہ تو انکے پاس اس وقت تھا جب وہ جھگڑ رہے تھے۔

حضرت موسیٰؑ کے قصہ میں ارشاد ہوتا ہے:

وما كنت بجانب الغربى اذ قضينا الى موسى الامر وما كنت من الشاهدين ولكنا انشانا قرونا فتطاول عليهم العمر وما كنت ثاويا فى اهل مدين تتلوا عليهم ايتنا ولكنا كنا مرسلين. وما كنت بجانب الطور اذ نادينا ولكن رحمت من ربك۔ (قصص:۵)

جب ہم نے موسیٰ کو اپنا فیصلہ دیا تو تو اس وقت مغربی گوشہ میں موجود نہ تھا بلکہ ہم نے صدیاں اس پر گزار دیں' تو میں پیدا کیں جن کی بڑی بڑی عمریں ہوئیں اور نہ تو اہل مدین میں قیام پذیر ہو کر آیات الہٰی ان پڑھ کر سناتا تھا' بلکہ ہم آئندہ تم کو بھیجنے والے تھے اور نہ تو اس وقت گوشہ طور میں تھا جب ہم نے موسیٰؑ کو آواز دی بلکہ (اس قصہ کا علم جو تجھ کو حاصل ہو رہا ہے) محض تیرے پروردگار کی رحمت ہے۔

حضرت یوسفؑ کے قصہ میں فرمایا:

ذلك من انباء الغيب نوحيه اليك وما كنت لديهم اذا جمعوا امرهم۔(یوسف۔۱۱)

یہ اس گذشتہ زمانہ کا قصہ کا علم ہم تم کو اپنی وحی سے عطا کر رہے ہیں تو اس وقت ان میں موجود نہ تھا' جب وہ باہم مشورہ سے بات کر رہے تھے۔

علم کا دوسرا ذریعہ یہ تھا کہ کتابوں کو پڑھ کر اطلاع حاصل ہو۔قرآن مجید نے اس کی بھی نفی کی۔

وما كنت تتلوا من قبله من كتب ولا تخطه بيمينك۔ (عنکبوت:۵)

نہ تو تو اس سے پہلے کوئی کتاب پڑھ کر سناتا تھا اور نہ اپنے ہاتھ سے تو اس کو لکھ سکتا تھا۔

ما كنت تدرى ما الكتب ولا ايمان۔(شوریٰ:۵)

تجھ کو تو یہ بھی معلوم نہ تھا کہ کتاب کیا چیز ہے اور ایمان کس کو کہتے ہیں۔

تیسری صورت یہ تھی کہ دوسروں سے سن کر یہ علم حاصل کیا جائے' سب کو معلوم ہے کہ نبوت سے پہلے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زندگی تمام تر مکہ معظمہ میں گزری' بجز اس کے کہ چند مہینے بصرٰی وغیرہ کے سفر تجارت میں گزرے ہیں اور خود مکہ معظمہ میں نہ ان واقعات کا کوئی واقف کار تھا اور نہ قریش کو ان سے آگاہی تھی' اس لئے یہ ذریعہ علم بھی ثابت نہیں۔چنانچہ قرآن مجید نے علی الاعلان کہا:

تلك من انباء الغيب نوحيها اليك ما كنت تعلمها انت ولا قومك من قبل هذا۔(ہود:۴)

یہ گذشتہ زمانہ کی باتیں ہیں جن کی بذریعہ وحی ہم تجھ کو تعلیم کرتے ہیں' تو خود اور تیری قوم اس سے پہلے آگاہ نہ تھی۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی جو زندگی مکہ معظمہ میں گزری اور سفر تجارت میں قریش کے شامی قافلوں کے ساتھ جو زمانہ بسر ہوا' اس کا ایک ایک واقعہ قریش کے سامنے تھا۔ جب آپ ﷺ مکہ میں تھے تب بھی آپ ﷺ قریش کے مجمع میں تھے

اور جب کبھی مکہ سے باہر گئے تو بھی قریش ہی کے جھرمٹ میں رہے' اس لئے آپ ﷺ کی زندگی کا کوئی لمحہ ان سے مخفی نہ تھا' اگر آپ ﷺ نے کوئی ظاہری تعلیم پائی تو شاعر و مجنوں و ساحر کی طرح وہ اس الزام کا اظہار بھی کر سکتے تھے' مگر انہوں نے نہیں کیا' اس سے معلوم ہوا کہ ان کو اس بات کا یقین تھا کہ محمد ﷺ کا سینہ ظاہری تعلیم کے عیب سے داغدار نہیں' چنانچہ قرآن مجید نے بآواز بلند کہا:

قل لو شاء اللہ ماتلوتہ' علیکم ولا ادرئکم بہ فقد لبثت فیکم عمرا من قبلہط افلا تعقلون۔ (یونس:۲۷)

اگر خدا کو منظور ہوتا تو میں تم کو نہ یہ قرآن پڑھ کر سناتا اور نہ خدا تم کو اس قرآن سے آگاہ کرتا' اس سے پہلے میں مدتوں تم میں رہ چکا ہوں کیا تم نہیں سمجھتے۔

قرآن مجید نے ان تمام شکوک اور الزامات کو دہرایا ہے' ان کو یہ شک تھا کہ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کسی دوسرے سے سن کر یہ قرآن پیش کرتے ہیں' چنانچہ قرآن مجید نے ان کے اعتراض کو نقل کیا اور اس کا جواب دیا:

ولقد نعلم انھم یقولون انما یعلمہ' بشر لسان الذی یلحدون الیہ اعجمی وھذا لسان عربی مبین۔(نحل:۱۴)

اور ہم کو بہ تحقیق معلوم ہے کہ یہ کفار کہتے ہیں کہ محمد کو کوئی آدمی سکھاتا ہے' اس شخص کی زبان جس کی طرف یہ منسوب کرتے ہیں عجمی ہے اور یہ فصیح عربی زبان ہے۔

سورۂ فرقان میں چند آدمیوں کی شرکت کا شبہ مذکور ہے۔

وقال الذین کفروا ان ھذا الا افکن افتراہ واعانہ' علیہ قوم اخرون فقد جاء وا ظلما وزورا۔(فرقان:۱)

اور کافر کہتے ہیں کہ یہ قرآن من گھڑت چیز ہے جس کو محمد

نے گھڑ لیا ہے اور اس افتراء پردازی میں چند اور آدمی بھی شریک ہیں وہ یقیناً غلط اور جھوٹ کہتے ہیں۔

یہ سب شبہات کیے گئے مگر کفار نے کبھی یہ شبہ نہیں ظاہر کیا کہ محمد ؐ نے چپکے سے پڑھنا سیکھ لیا ہے اور دوسری آسمانی کتابیں پڑھ کر یہ قرآن بنا لیتے ہیں۔ اس سے ثابت ہوا کہ آپ ؐ کی امیت پر ان کو یقین تھا' مدینہ آ کر یہودیوں سے معاملہ پڑا' روایات میں بکثرت اس قسم کے واقعات مذکور ہیں کہ یہود آپ ؐ کے پاس آتے تھے اور آپ سے وہ سوالات کرتے تھے جو ان کتابوں میں مذکور تھے اور کہتے تھے کہ ان کے جواب پیغمبر ہی دے سکتا ہے' آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان کے صحیح جوابات دیتے تھے اور وہ متحیر رہ جاتے تھے اس واقعہ سے یہ امر پایۂ ثبوت کو پہنچتا ہے کہ یہود کو بھی یہ یقین تھا کہ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم امی محض ہیں اور ہماری کتابوں کو نہ انہوں نے پڑھا ہے اور نہ پڑھ سکتے ہیں اور نہ اس جرأت کے ساتھ وہ اپنی کتابوں سے سوالات اس شخص کے سامنے جس کی نسبت ان کو معلوم ہوتا کہ وہ ان کو پڑھ چکا ہے یا پڑھ سکتا ہے نہ پیش کرتے اور نہ اس کو حق و باطل کا معیار قرار دیتے۔

قریش کو جس شخص کی نسبت شبہ تھا کہ وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو سکھاتا ہے اس کے متعلق امام طبری نے تفسیر میں مختلف روایتیں نقل کی ہیں جن سے اس کی شخصیت اور نام کے متعلق کوئی صحیح فیصلہ نہیں ہو سکتا' تاہم مجموعی حیثیت سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ مکہ معظمہ میں کوئی نصرانی غلام تھا جو اپنی زبان میں کتب مقدسہ کبھی کبھی پڑھا کرتا تھا اور آپ ؐ راستہ چلتے اس کے پاس کبھی کبھی کھڑے ہو جاتے تھے' اسی پر کفار نے کہا کہ محمد ؐ کو یہی قرآن کی آیتیں سکھاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے جواب دیا کہ اس غلام کی' اور جو کتابیں وہ پڑھا کرتا ہے' ان کی زبان عربی نہیں اور نہ وہ عربی جانتا ہے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم عربی کے سوا کوئی اور زبان نہیں جانتے

اور خود قرآن کی زبان فصیح عربی ہے' یہ کیونکر ممکن ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم غیر زبان کو سمجھ لیں اور وہ عجمی غلام قرآن جیسی فصیح زبان میں کلام کرے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بچپن کے واقعات میں سے ایک واقعہ یہ بیان کیا جاتا ہے کہ آپؐ کو آپ کے چچا ابو طالب اپنے ساتھ شام لئے جا رہے تھے۔ راستہ میں بحیرا نام ایک راہب نے آپؐ کو دیکھا اور آثار سے پہچان لیا کہ آپؐ پیغمبر آخر الزمان ہیں۔ چنانچہ اس نے ابو طالب کو مشورہ دیا کہ ان کو مکہ واپس بھیج دو' ورنہ اگر یہود دیکھ لیں گے تو قتل کر ڈالیں گے۔ اگرچہ یہ واقعہ جیسا کہ سیرت نبویؐ جلد اول (شام کا سفر) میں بہ تفصیل لکھا جا چکا ہے' صحیح نہیں ہے۔ تاہم ہمارے عیسائی احباب اس ضعیف روایت پر اپنے شکوک و شبہات کی عظیم الشان عمارت قائم کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ پیغمبر اسلام نے اسی راہب کی صحبت سے فیض حاصل کیا۔ اگر یہ صحیح ہے تو دنیا کیلئے اس سے بڑا معجزہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا اور کیا چاہئے کہ ایک ابجد نا شناس طفل دوازدہ سالہ نے چند گھنٹوں میں حقائق و اسرار دین' اصول عقائد' نکات' اخلاق' مہمات قانون اور ایک ''شریعت عظمیٰ'' کی تکمیل و تاسیس کے طریقے سب کچھ سیکھ لئے' کیا ہمارے عیسائی دوست اس معجزہ کو تسلیم کرتے ہیں۔

سب سے بڑی بات یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پیغمبرانہ زندگی پورے ۲۳ برس تک قائم رہی' اگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کسی انسانی معلم سے فیض پاتے رہتے تو ضرور تھا کہ وہ اس پورے زمانہ تک یا بڑی حد تک خلوت و جلوت میں آپؐ کے ساتھ رہتا کہ وقت ضرورت (نعوذ باللہ) آپؐ اس سے قرآن بنواتے احکام و مواعظ سیکھتے' اسرار و نکات معلوم کرتے اور یہ شخص یقیناً مسلمان نہ ہوتا' کیونکہ جو شخص خود مدعی نبوت کو تعلیم دے رہا ہو وہ کیونکر اس کی نبوت کو تسلیم کر سکتا تھا' اور پھر اس شہرت عام' ذکر جمیل' رفعت مقام کو دیکھ کر جو مدعی نبوت

کو حاصل ہو رہی تھی' وہ خود پردہ کے پیچھے گمنامی پسند کرتا اور صحابہ کرامؓ کی نگاہوں سے اس کا وجود ہمیشہ مستور رہتا' جس عجمی کی نسبت قریش کو شبہ تھا' اگر حقیقت میں آپ ؐ اس سے تعلیم حاصل کیا کرتے تو قریش جو آپ ؐ کی تکذیب' تذلیل اور آپ ؐ کو خاموش کرنے کی ہر تدبیر پر عمل پیرا ہو رہے تھے' ان کے لئے آسان تھا کہ اس غلام عجمی کو الگ کر دیتے کہ محمد رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی وحی اور قرآن کا تمام کاروبار دفعتاً درہم برہم ہو جاتا' علاوہ ازیں زیادہ سے زیادہ اس کا وجود مکہ میں تھا' پھر مدینہ میں ۱۳ برس تک سینۂ نبوت سے فیضان الٰہی کا سرچشمہ کیونکر ابلتا رہا' قرآن مجید شریعت اسلام اور احکام کا بڑا حصہ یہیں وحی ہوا ہے۔ مکہ میں تو نسبتاً بہت کم سورتیں نازل ہوئی ہیں۔

جب مدینہ منورہ میں اسلام کا چرچا پھیلا تو یہود و نصاریٰ نے اسلام کو بدنام اور بے اثر کرنے کی ایک تدبیر یہ سوچی کہ لوگ جھوٹ موٹ آ کر پہلے مسلمان اور پھر چند روز کے بعد ہی مرتد ہو جائیں تاکہ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بدنامی ہو اور لوگوں کو خیال ہو کہ اگر یہ مذہب سچا ہوتا تو اس کو قبول کر کے کوئی کیوں چھوڑ دیتا؟

وقالت طائفۃ من اھل الکتب امنوا بالذی انزل علی الذین امنوا وجہ النھار واکفروا اخرہ' لعلھم یرجعون۔ (آل عمران۔۸)

اور اہل کتاب میں سے ایک گروہ کہتا ہے کہ مسلمانوں پر جو اترا ہے اس پر صبح کو ایمان لاؤ' اور شام کو اس سے پھر جاؤ شاید کہ وہ لوگ (مسلمان) بھی پھر جائیں۔

چنانچہ اسی سازش کے مطابق ایک عیسائی نے اسلام قبول کیا اور سورۂ بقرہ اور سورۂ آل عمران پڑھی' آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کتابت وحی کی خدمت اس کے سپرد کی' چند روز کے بعد وہ مرتد ہو گیا اور کہنے لگا کہ میں نے محمد ؐ کو جو کچھ لکھ دیا ہے وہ اس کے سوا کچھ نہیں جانتے' خدا نے اپنی نشانی ظاہر کی اور موت نے بہت جلد

اس کی افترا پردازی کا ہمیشہ کے لئے خاتمہ کر دیا (۱)۔ اور دنیا نے دیکھ لیا کہ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے فیضان نبوت کا چشمہ اب بھی اسی طرح جوش زن ہے۔

صلح حدیبیہ کا ایک واقعہ یہ ہے کہ قریش اور مسلمانوں کے درمیان عہدنامہ مرتب ہو رہا تھا' حضرت علیؓ عہدنامہ لکھ رہے تھے۔ عہدنامہ کی عبارت یہ تھی کہ ''یہ وہ شرائط ہیں جن کو خدا کے رسول محمد ﷺ نے منظور کیا۔'' قریش نے کہا' اگر ہم آپ ﷺ کو خدا کا رسول مانتے تو اس لڑائی کی نوبت ہی کیوں آتی؟ اس لفظ کو مٹا کر اپنا اور اپنے باپ کا نام لکھئے' آپ ﷺ نے حضرت علیؓ کو فرمایا کہ ان کی حسب خواہش ترمیم کر دو' حضرت علیؓ نے کہا' مجھ سے یہ گستاخی نہیں ہو سکتی۔ آپ ﷺ نے پوچھا وہ الفاظ کہاں ہیں' حضرت علیؓ نے انگلی رکھ کر بتایا تو آپ ﷺ نے خود اپنے دست مبارک سے رسول اللہ کا لفظ مٹا دیا اور محمد بن عبداللہ لکھ دیا' یہ واقعہ بخاری' مسلم' نسائی' مسند ابن حنبل اور تمام کتاب سیر میں مذکور ہے' اسی کے ساتھ بخاری میں یہ تصریح (۲)۔ ہے کہولیس یحسن یکتب اور مسند احمد میں بروایت اسرائیل یہ الفاظ ہیں ولیس یحسن ان یکتب یعنی آپ ﷺ لکھنا نہیں جانتے تھے لیکن باوجود اس کے تمام احادیث وسیر میں یہ ہے کہ آپ ﷺ نے محمد بن عبداللہ کے الفاظ لکھ دیئے۔ روایت کے ظاہری معنی سے بعضوں کو

---

(۱)۔ صحیح بخاری علامات النبوہ فی الاسلام۔ (۲)۔ صحیح بخاری باب عمرہ القضاء۔

یہ شبہ ہوا کہ آپ ﷺ نے خود اپنے دست مبارک سے یہ الفاظ لکھے اور آپ ﷺ نے شاید اخیر زمانہ میں لکھنا سیکھ لیا تھا' ابن ابی شیبہ نے مجاہد کے واسطہ سے یہ روایت کی ہے کہ آپ ﷺ نے اس وقت تک وفات نہیں پائی' جب تک آپ ﷺ کو لکھنا پڑھنا نہ آ گیا اور ایک اور روایت (بواسطہ بن میسرہ عن ابی کبشتہ السلول عن سہل بن الحنظلیہ) نقل کی ہے کہ آپ ﷺ نے حضرت امیر معاویہؓ سے ایک فرمان لکھوا کر اقرع اور عیینیہ کو عنایت فرمایا' انہوں نے رسول اللہ ﷺ سے آ کر کہا کہ معلوم نہیں اس میں کیا لکھا

ہے؟ آپ ؐ نے اس پر ایک نظر ڈال کر فرمایا' وہی لکھا ہے جو میں نے حکم دیا ہے۔

اگر یہ روایتیں صحیح ہیں تو یہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ایک اور معجزہ ہوگا کہ انسانی تعلیم کے بغیر اللہ تعالیٰ نے یہ فن بھی اپنی بارگاہ سے عنایت کیا' مگر واقعہ یہ ہے کہ یہ روایتیں تمام تر موضوع یا نہایت ضعیف ہیں' اس لئے آپ ؐ کی امیت کے متعلق جو متواتر روایتیں ہیں ان سے ان کی تنسیخ نہیں ہو سکتی' یہ ممکن ہے کہ امی سے امی آدمی کے ہاں جب شب و روز لکھنے پڑھنے کا کام لگا رہے تو وہ کسی قدر حرف شناس ہو جائے۔ خصوصاً اپنے نام اور دستخط کو پہچان لینا اور ان کو لکیر کھینچ کر لکھ دینا تو معمولی بات ہے' لیکن اصل یہ ہے کہ فاعل مجازی و حقیقی فرامین اور مراسلات لکھاتے ہیں' محاورہ عام میں ان کو لکھنا ہی کہتے ہیں۔ آپ کہتے ہیں کہ عالمگیر نے یہ فرمان لکھ کر دیا' شاہجہان نے جامع مسجد بنوائی' فلاں بادشاہ نے یہ قلعہ تعمیر کیا' حالانکہ لکھنے والے' بنانے والے اور تعمیر کرنے والے کاتب اور معمار تھے' مگر چونکہ ان سلاطین کے حکم سے اور ان ہی کی طرف سے وہ لکھایا بنایا گیا' اس لئے بولنے والے خود سلاطین اور امراء کی طرف فعل کی نسبت کر دیتے ہیں۔ چنانچہ اسی محاورہ کے مطابق اس موقع پر جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سلاطین عام کے نام دعوت نامے بھیجے ہیں تو وہاں عام طور پر یہ الفاظ ہیں وکتب الی قیصر وکتب الی کسریٰ آپ ؐ نے قیصر کو یہ خط لکھا' کسریٰ کو یہ لکھا' مگر سب کو معلوم ہے کہ آپ ؐ نے دست خاص سے یہ خطوط لکھ کر نہیں بھیجے' مگر چونکہ آپ ؐ ہی نے لکھوائے تھے' اس لئے ان کی نسبت آپ ؐ کی طرف کی گئی۔

روزمرہ کی بات ہے کہ ہندوستان کے ادنیٰ طبقے جو نوشت و خواند سے عاری ہیں وہ اپنے اعزہ اور احباب کو خط لکھاتے ہیں' مگر کہنے والے اس کو یوں ہی کہتے ہیں کہ اس نے خط میں لکھا ہے کہ میں آنے والا ہوں' حالانکہ وہ خود لکھنے والا نہیں' اس نے دوسروں سے لکھایا ہے' مگر چونکہ لکھنے والے نے اپنا مدعا نہیں لکھا بلکہ لکھانے والے

کی زبان سے اس کا مدعا ظاہر کیا ہے' اس لئے اسی کی طرف فعل کی نسبت کر دی گئی۔

قرآن پاک نے آپ ؐ کو بار بار اور برملا امی کہا ہے اس سے زیادہ ثبوت اس کا اور کیا چاہئے' لیکن آپ ؐ امی ہو کر امیوں میں پل کر کتب سابقہ کی ظاہری تعلیم سے نا آشنا ہو کر بھی سب کچھ جانتے تھے اور یہ آپ ؐ کا معجزہ تھا' کفار کو خطاب کر کے قرآن کہتا ہے کہ محمد ؐ کی صداقت کی یہ دلیل کافی نہیں کہ وہ نا آشنائے تعلیم ہو کر بھی وہ کچھ جانتا ہے جس کو علمائے بنی اسرائیل کے سوا اور کسی کو خبر نہیں۔

انہ لفی زبر الاولین اولم یکن لھم ایۃ ان یعلمہ' علماء بنی اسرائیل۔(شعراء۔11)

یہ باتیں گذشتہ پیغمبروں کی کتابوں میں ہیں' کیا ان کافروں کے لئے یہ نشانی نہیں کہ ان باتوں کو (جو ایک امی کی زبان سے ادا ہو رہی ہو) بنی اسرائیل کے عالم جانتے ہیں۔

ذات نبوی ﷺ کی حفاظت

واللہ یعصمک من الناس

انبیائے کرامؑ جب دنیا میں تشریف لاتے ہیں تو وہ دنیا کی جہالت وظلمت‘ جوروستم‘ گناہ ومعصیت کے خلاف اپنا جہاد شروع کر دیتے ہیں‘ اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ ہزاروں انسان ان کے دشمن بلکہ ان کے خون کے پیاسے ہو جاتے ہیں۔اس تنہائی و بےکسی کے عالم میں جس سے ہر مصلح کو آغاز دعوت میں دوچار ہونا پڑتا ہے صرف اسی قادروتوانا کا ہاتھ ہوتا ہے جو ان کی تسکین ونصرت کا سہارا ہوتا ہے۔حضرت ابرہیمؑ نمرود کے دربار میں اور حضرت موسیٰؑ فرعون کی بارگاہ میں‘ حضرت عیسیٰؑ رومیوں اور یہودیوں کی عدالت میں ایک ہی گناہ کے مجرم تھے مگر چونکہ اللہ تعالی اپنے اس پیغام کی بقا وقیام کا جس کے لئے وہ پیغمبر کو مبعوث کرتا ہے خود ذمہ دار ہوتا ہے اس لئے اس بے کسی و بے چارگی کے عالم میں اس کی زندگی کا وہی محافظ اور نگہبان بن جاتا ہے کہ وہ بے خوف وخطر اپنے فرائض کو انجام دے سکیں‘ چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو شروع ہی میں تسکین دے دی گئی تھی۔

واصبر لحکم ربک فانک باعیننا۔(طور:۴)

اپنے رب کے حکم کے انتظار میں صبر کئے بیٹھا رہ کہ تو ہماری آنکھوں کے سامنے ہے۔

سب کو معلوم ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جب دعوت کا آغاز کیا تو مکہ کا بچہ بچہ آپ ﷺ کا دشمن ہو گیا۔آپ ﷺ کو طرح طرح کے آزار پہنچائے گئے‘ آپ ﷺ کے خلاف سینکڑوں منصوبے باندھے گئے‘ آپ ﷺ کے قتل کی سازشیں ہوئیں‘ تلواریں زہر میں بجھا کر رکھی گئیں‘ سوتے میں آپ ﷺ کو قتل کا ارادہ کیا گیا‘ میدان جنگ میں آپ ﷺ پر نرغہ کیا گیا‘ کمین گاہوں سے آپ ﷺ پر حملے کئے گئے‘ غفلت میں آپ ﷺ کے سر پر پتھر گرانے کی تدبیر سوچی گئی‘ کھانے میں زہر دیا گیا‘ مگر ہر موقع پر یہ ظاہر ہوا کہ:

دشمن اگر قوی است نگہبان قوی تر است

اور قرآن مجید کا یہ اعلان صحیح ثابت ہوا:

ان ربك احاط بالناس۔ (اسراء)

تیرے پروردگار نے لوگوں کو گھیر رکھا ہے کہ تجھ پر دسترس پائیں۔

یہ خود ایک مستقل معجزہ ہے کہ ان ہنگاموں' فتنوں اور سازشوں کے عالم میں خصوصاً عرب کے ملک میں جہاں اقتدار حکومت یا نظام امن کا نام و نشان تک نہ تھا' کیونکر آپ ﷺ نے بحفاظت تمام اپنے فرض کو انجام تک پہنچایا۔

قریش کی مجلسیں اکثر خانہ کعبہ میں منعقد ہوا کرتی تھیں اور اکثر وہیں ان کی نشست و برخاست رہا کرتی تھی' تاہم آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نماز اور طواف کے لئے بے خوف و خطر وہیں تشریف لے جایا کرتے اور برملا ان کے دیوتاؤں اور بتوں کی برائیاں بیان کیا کرتے تھے' آخر قریش نے ایک دفعہ ارادہ کیا کہ نعوذ باللہ آپ ﷺ کا خاتمہ کر دیں' یہ خبر آپ ﷺ تک پہنچتی ہے مگر اس سے آپ ﷺ کے ارادہ میں کسی قسم کا وہن یا ضعف نہیں پیدا ہوتا۔ ایک دن قریش نے یہ طے کیا کہ آج محمد ﷺ کی بوٹی بوٹی اڑا دی جائے' اتفاق سے کنار کی یہ تقریر حضرت فاطمہؓ سن لیتی ہیں وہ روتی ہوئی باپ کی خدمت میں حاضر ہوتی ہیں' آپ ﷺ تسلی دیتے ہیں اور وضو کر کے حرم کی سمت روانہ ہو جاتے ہیں' دشمنوں کی نگاہیں آپ ﷺ پر پڑتی ہیں تو وہی نگاہیں جواب تک خون آشامی کے لئے تیار تھیں' دفعتاً سرنگوں ہو جاتی ہیں۔ (۱)۔ حاکم میں ہے کہ اس کے بعد آپ ﷺ نے چند کنکریاں اٹھا کر ماریں جن کو یہ کنکریاں لگیں وہ بدر میں مارے گئے۔

ایک دفعہ ابوجہل نے ارادہ کیا کہ اگر اب وہ آپ ﷺ کو سجدہ میں دیکھے گا تو آپ ﷺ کی پیشانی کو رگڑ دے گا۔ جب وہ اس ارادہ سے آگے بڑھا تو جھجک کر پیچھے لوٹ گیا' لوگوں نے دریافت کیا تو اس نے کہا مجھے ایسا معلوم ہوا کہ میرے اور

محمد ﷺ کے درمیان آگ کی خندق حائل ہے اور چند پہرہ دار ہستیاں کھڑی ہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا' اگر وہ میرے قریب آتا تو فرشتے اس کے ٹکڑے اڑا دیتے۔ (۲)۔

معلوم ہے کہ جب شب کو آپ ﷺ نے ہجرت کا ارادہ کیا ہے' قریش کے تمام خاندان نے مل کر آپ ﷺ کے قتل کا فیصلہ کرلیا تھا' قریش کے بہادر رات بھر خانہ اقدس کا پہرہ دے رہے تھے' تاہم آپ ان کے سامنے سے نکلے' زبان مبارک پر یہ آیت پاک تھی۔

وجعلنا من بین ایدیھم سدا ومن خلفھم سدا فاغشیناھم فھم لا یبصرون۔(یسین)

اور ہم نے ان کے آگے اور پیچھے دیواریں کھڑی کردیں (ان کی آنکھوں پر) پردہ ڈال دیا کہ وہ نہیں دیکھتے ہیں۔

پہرہ داروں کی آنکھوں پر قدرت نے مہر لگادی اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان کے درمیان سے نکل کر چلے گئے' صبح ہوئی تو دشمن آپ ﷺ کے تعاقب میں اس غار تک پہنچ گئے جہاں آپ ﷺ اور حضرت ابوبکرؓ جا کر چھپے تھے' وہ اس غار کے دہانہ تک پہنچ گئے اور اگر وہ ذرا جھک کر دیکھتے تو ان مقدس پناہ گزینوں پر ان کی نظر پڑ جاتی' مگر خدا نے ان کی عقل اور دوراندیشی کے نور کو بجھا دیا کہ نیچے جھک کر دیکھنے کا خیال تک ان کے دل میں نہیں آیا۔

کفار نے یہ اعلان کیا تھا کہ جو محمد ﷺ کو گرفتار کرلائے یا ان کا سر کاٹ کر لائے گا اس کو سو اونٹ انعام میں ملیں گے' یہ سن کر سراقہ بن جعشم اپنے اسپ راہوار پر سوار ہو کر آپ ﷺ کے تعاقب میں روانہ ہوا' اور دم بہ دم اس مختصر قافلہ کے قریب ہو رہا تھا۔ حضرت ابوبکرؓ پر بتقاضائے بشری اضطراب طاری تھا' مگر

---

(۱)۔ مستدرک حاکم جلد اول صفحہ ۱۶۳' حیدر آباد' مسند ابن حنبل جلد اول صفحہ ۳۶۸ (۲)۔ صحیح مسلم باب قولہ تعالیٰ وما کان اللہ لیعذبھم۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سکینت خاطر میں کوئی فرق نہ آیا' آپ ﷺ نے دعا کی' تین دفعہ اس کے گھوڑے کے پاؤں زمین دھنس دھنس گئے' اس نے فال کے تیر نکال کر دیکھے تو ہر دفعہ نفی میں جواب آیا' بالآخر اس کو یقین ہو گیا کہ یہ کوئی اور ہی راز ہے' اور ذات محمدی ہماری گرفت سے باہر ہے' اس نے اپنے ارادۂ فاسد سے توبہ کی اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ایک خط امان لے کر واپس پھر گیا (۱)۔ اور بعد کو مسلم ہو گیا۔

شروع شروع میں جب آپ ﷺ مدینہ تشریف لائے تو صحابہ جان نثاری کی بنا پر راتوں کو آپ ﷺ کے گرد پہرہ دیا کرتے تھے' ایک رات صحابہ آپ ﷺ کے خیمہ کے گرد پہرہ دے رہے تھے کہ یہ آیت نازل ہوئی:

واللہ یعصمک من الناس۔ (مائدہ)

اور اللہ ان لوگوں سے تیری حفاظت کرے گا۔

آپ ﷺ نے اسی وقت خیمہ سے باہر سر نکالا اور پہرہ والوں کو خطاب کر کے فرمایا کہ لوگو! واپس جاؤ' خدا نے میری حفاظت کا فرض خود اپنے ذمہ لے لیا ہے۔ (۲)۔ یہ وعدۂ حفاظت ہزارہا مشکلات اور خطرات کے باوجود بھی پورا ہوتا رہا' غزوۂ احد میں جب مسلمانوں کے پاؤں اکھڑ چکے تھے' اور ذات مبارک دشمنوں کے نرغہ میں تھی اور آپ ﷺ پر تیغ و تبر و سنگ کی بارش ہو رہی تھی' لیکن دو سفید پوش آپ ﷺ کے پاس کھڑے ہوئے آپ ﷺ کی حفاظت کا فرض انجام دے رہے تھے۔ (۳)۔

ایک دفعہ ایک شخص کو لوگ گرفتار کر لائے' اور عرض کی کہ یہ حضور ﷺ کے قتل کی گھات میں تھا' فرمایا کہ اس کو چھوڑ دو کہ اگر یہ مجھ کو قتل کرنا چاہتا بھی تو نہیں کر سکتا۔ اسی طرح سے خیبر میں جب ایک یہودیہ نے گوشت میں زہر ملا کر پیش کیا' تو آپ ﷺ نے پہلا ہی لقمہ اٹھایا تھا کہ فرمایا یہ گوشت نہ کھاؤ' کیونکہ اس نے مجھ سے کہا ہے کہ اس

میں زہر ملا ہے۔ یہودیہ کو بلا کر جب واقعہ کی تحقیق کی اور اس نے اپنی نیت فاسد کا اقرار کیا تو آپ ﷺ نے فرمایا۔ کہ خدا تجھ کو اس پر قابو نہ دیتا۔(۴)۔

---

(۱)۔ صحیح بخاری باب هجرت النبی صلی الله علیه وسلم۔ (۲)۔ جامع ترمذی تفسیر سورئه مائده۔ (۳)۔ صحیح بخاری غزوئه احد و صحیح مسلم کتاب الفضائل۔ (۴)۔ صحیح مسلم۔

www.IqbalCyberLibrary.Net
All rights reserved.
©2002-2006

لیلۃ الجن

جنوں کی انقلاب آسمانی کی تلاش اور ان کا شرف باسلام ہونا

قل اوحی الی انه استمع نفر من الجن (جن)

مخلوقات الٰہی کی تعداد اور اصناف کا کون اندازہ لگا سکتا ہے۔

وما یعلم جنود ربك الا هو (مدثر)

اور تیرے رب کی فوجوں کا علم اس کے سوا کسی کو نہیں۔

مخلوقات الٰہی کی ایک صنف کا نام جن ہے' اہل لغت کہتے ہیں کہ عربی میں جن کا لفظ جن سے مشتق ہے جس کے معنی ''چھپنے'' اور ''چھپانے'' کے ہیں۔ چونکہ یہ مخلوق انسانوں کی آنکھوں سے عموماً مستور رہتی ہے اس لئے اس کو جن کہتے ہیں' یہ عجیب بات ہے کہ یہ لفظ اس معنی میں یا اسی کے قریب قریب مختلف قوموں کی زبانوں میں پایا جاتا ہے۔ فرنچ میں جنی (eeneG) اور انگریزی میں (eineG) اسی مفہوم میں ہے' جس میں عربی میں جنی (دیو' بھوت' پلیت) ہے لاطینی میں جینیوس (suineG) اور جینی (iineG) وہ مفہوم رکھتا ہے جو ہمارے ہاں ہمزاد کا' اور روح نوعی کے معنی میں بھی یہ لفظ رومی اساطیر (میتھالوجی) میں مستعمل ہوا ہے۔ فارسی میں ''جان'' کے معنی مطلق ''روح'' کے ہیں۔ بہر حال دنیا کی قوموں میں یہ اعتقاد کسی نہ کسی حیثیت سے موجود رہا ہے کہ انسان کے سوا اس سطح ارضی پر ایک اور غیر مرئی مخلوق بھی موجود ہے۔ یورپ کے موجودہ دور الحاد میں ارواح سے نامہ و پیام اور ان کے عمل و تسخیر کے کارنامے بڑے بڑے فلسفیوں اور مادہ پرستوں کو آئینہ حیرت بنائے ہوئے ہیں اور روز بروز ان کے انکار اور شک کی جرأت کم ہوتی چلی جاتی ہے۔ اسلام کے علاوہ دوسری مذہبی کتابوں میں بھی جن اور شیطان کے تذکرے موجود ہیں' حضرت عیسیٰؑ کے معجزات جو موجودہ انجیل میں مذکور ہیں ان کی بڑی تعداد انسان اور حیوانوں کو ان کے پنجہ ظلم سے رہائی ہے۔ قرآن مجید نے بتایا ہے کہ ان کی پیدائش انسانوں سے پہلے ہوئی ہے اور یہ آگ سے بنائے گئے ہیں۔

ولقد خلقنا الانسان من صلصال من حماء مسنون
والجان خلقناه من قبل من نار

اورہم نے آدمی کوکھنکھناتے سڑے ہوئے گارے سے پیدا
کیااور جنوں کواس سے پہلے لوکی آگ سے پیدا کیا۔

السموم (حجر)

وخلق الجان من مارج من نار (رحمٰن۔۱)

اوراس نے جنوں کوآگ کی لو سے پیدا کیا ہے۔

اسلام سے پہلے عرب میں جنات کابڑا تسلط تھا'ان کی پوجا کی جاتی تھی ۔(۱) ۔ان کی دہائی مانگی جاتی تھی اور

(۱) ۔ صحیح مسلم باب التفسیر۔

بت خانوں میں جوعامل اور کاہن ہوتے تھے ان سے ان کی دوستی ہوتی تھی اور وہ ان کوغیب کی خبریں بتایا کرتے تھے۔بچوں کے سرہانے استرے رکھے جاتے تھے کہ ان سے جنات بھاگ جاتے ہیں'یہ اعتقاد تھا کہ ہرشاعر کے ساتھ ایک جن ہوتا ہے'یہ بھی خیال تھا کہ وہ صورتیں بدل بدل کرلوگوں میں پھرتے ہیں اوران کوستاتے ہیں'خدا کے کارخانہ قدرت میں بھی ان کے استیلااورتصرف کودخل تھا'وہ جنگل میں انسانوں کومارڈالتے تھے'راستوں سے اٹھالے جاتے تھے'لوگوں کو بیمارڈال دیتے تھے'ان کے ہوش وحواس کے خزانہ پر قبضہ کرلیتے تھے'غرض جس طرح خدائی الوہیت میں عرب کے بہت سے دیوتااور دیبیاں شریک تھیں'اسی طرح یہ جنات بھی شریک تھے۔

وجعلوا لله شرکاء الجن ۔(انعام:۱۲)

اوران مشرکوں نے جنوں کوخدا کا شریک بنایا ہے۔

وجعلوا بینه' وبین الجنہت نسبا(صافات:۵)

اوران مشرکوں نے خدااورجنوں کے درمیان رشتے قائم کر
رکھے ہیں۔

لائیں تو ان کے لئے یہ ناممکن ہے۔

خدا کی قدرت اور طاقت کے سامنے دونوں لاچار اور درماندہ ہیں۔

یا معشر الجن والانس ان استطعتم ان تنفذوا من اقطار السموت والارض فانفذوا لا تنفذون الا بسلطان۔ (رحمٰن)

اے جن وانس اگر آسمان وزمین کے حدود سے نکل کر باہر جا سکتے ہو تو نکل جاؤ لیکن خدا کی قدرت قاہرہ کے بغیر تم نکل نہیں سکتے ہو۔

کاہنوں اور عاملوں کو جو غیب کی بعض بعض باتیں معلوم ہو جاتی ہیں تو اس کی صورت یہ ہوتی ہے کہ اللہ تعالیٰ جب کسی امر کا فیصلہ کرتا ہے تو اپنے ملاءاعلیٰ میں اس کا ذکر کرتا ہے' ملاءاعلیٰ والے اپنے نیچے کے فرشتوں سے اس کا تذکرہ کرتے ہیں اور اس طرح درجہ بدرجہ ہر آسمان کے فرشتوں کو علم ہو جاتا ہے' یہاں تک کہ آخری آسمان تک بات پہنچ جاتی ہے' جہاں سے نیچے دنیا کی حد شروع ہوتی ہے' یہاں تک کہ جنات وشیاطین سن گن لینے کے لئے ادھر ادھر چھپے رہتے ہیں' ایک دو لفظ انہوں نے سن لئے اور ان میں اپنی طرف سے سو جھوٹ ملا کر عاملوں اور کاہنوں سے کہہ دیتے ہیں' وہ اس کو انسان میں مشتہر کرتے (۱)۔ ہیں۔ اسی لئے اللہ تعالیٰ نے آسمان میں بے شمار ستاروں کے شعلے بھڑکا رکھے ہیں کہ ایک تو ان سے آسمان کی زیبائش وآرائش ہے اور دوسری وجہ یہ ہے جب یہ جنات اور شیاطین اپنی سرحد سے آگے بڑھ کر فرشتوں کی باتیں سننا چاہتے ہیں تو فوراً ایک چمکتا ہوا تارا (شہاب ثاقب) ٹوٹ کر ان پر گرتا ہے' مختلف صورتوں میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

ولقد جعلنا فی السماء بروجا و زینها للنظرین وحفظنها من کل شیطان رجیم الا من استرق السمع فاتبعه شهاب مبین۔ (حجر:۲)

اور ہم نے آسمان میں برج بنایا ہے اور ان ستاروں کو دیکھنے

دنیا میں اس سلسلۂ نبوت کا جو آغاز آفرینش سے جاری تھا اور دین الٰہی کا ہزاروں منزلوں کے طے ہونے کے بعد تکمیل کی منزل میں پہنچ جانا اور نوع انسان کو خدا کی وہ آخری شریعت پر بہرہ ور ہونا جس کے بعد خاکدان عالم کو وحی و نبوت کے کسی اور حامل کی ضرورت نہ ہوگی۔ ایک ایسا واقعہ تھا جس نے آب و خاک کے عالم میں انقلاب عظیم پیدا کر دیا' اس نے سطح زمین کے ہزاروں پیغمبروں کے دین و ملت کو منسوخ کر دیا' ان کی آسمانی کتابوں کے احکام و رسوم کو بدل دیا' ملکوں کی شاہنشاہیاں ہل گئیں۔ قیصر و کسریٰ کے تخت الٹ گئے' صومعہ و کلیسا ویران ہو گئے۔ اسی طرح مملکت فلکی اور آسمانی بادشاہی میں بھی انقلاب کا ظاہر ہونا ضرور تھا' آسمانی مخلوقات میں بھی ایک انقلاب پیدا ہوا' مگر اس کو وہی دیکھ سکے جو دیکھ سکتے تھے' انجیل میں حضرت عیسیٰؑ کی پیدائش کے موقع پر بھی ایک نئے نورانی ستارہ کے ظہور کی خبر ہے جس کو دیکھ کر دوسرے ملک کے لوگ ان کی تلاش میں بیت لحم پہنچے اور ان کے دیدار سے مشرف ہوئے' مگر بنی اسرائیل کو آخر تک اس بینائی سے محرومی رہی۔

صحیحین میں ہے کہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نبوت سے سرفراز ہوئے تو ستاروں کی دنیا میں ایک انقلاب پیدا ہوا' جن اور شیاطین اب اوپر چڑھنے سے روک دیئے گئے' ٹوٹنے والے ستاروں کی بھرمار ہو گئی۔ کاہنوں اور عاملوں کی خبر رسائی کے ذرائع مسدود ہو گئے اور ان باطل پرستیوں کا دروازہ ہمیشہ کے لئے بند کر دیا گیا۔ اس آسمانی انقلاب نے جنوں اور شیطانوں کی محفلوں میں حیرت پیدا کر دی' سب نے کہا یقیناً روئے زمین پر کوئی اہم واقعہ رونما ہوا ہے' دنیا کی ہر سمت کو انہوں نے چھان ڈالا' اس پر چند سال گزر گئے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اسلام کی تبلیغ کے لئے قبائل میں دورے کر رہے تھے اور اسی تقریب سے عکاظ کے میلہ میں تشریف لے جا رہے تھے' راستہ میں رات کے وقت مقام نخلہ میں قیام ہوا۔ صبح کے وقت حضور انور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے رفقاء کے ساتھ نماز میں مصروف

السماء فوجدنها ملئت حرسا شديدا وشهبا وانا
كنا نقعد منها مقاعد للسمع فمن يستمع الان يجدله
شهابار صدا وانا لا ندری اشرا اريدبهن فی الارض ام
اراد بهم ربهم رشدا وانا منا الصلحون ومنا دون
ذلك كنا طرائق قددا وانا ظننا ان لن يعجز الله فی
الارض ولن نعجزه هربا وانا لما سمعنا الهدی امنا به
فمن يؤمن بربه فلا يخاف بخسا ولا رهقا وانا منا
المسلمون ومنا القاسطون فمن اسلم فاولئك تحروا
رشدا. واما القاسطون فكانوا لجهنم حطبا۔(جن:۱)

خدا پر جھوٹ الزام نہیں قائم کر سکتا' انسانوں میں کچھ ایسے
لوگ تھے جو بعض جنوں کی پناہ مانگا کرتے تھے تو ان ہی نے
ان کو اور زیادہ گمراہ کر دیا' انسان بھی ہماری ہی طرح یہ سمجھتے
تھے کہ اب خدا کوئی پیغمبر نہ بھیجے گا۔ ہم نے آسمان کو خوب
ٹٹولا تو ہم نے پایا کہ وہ نگہبانوں سے اور ٹوٹنے والے تاروں
سے بھرا ہوا ہے' ہم پہلے اس آسمان کی بعض نشست گاہوں
میں سننے کو بیٹھ جاتے تھے' اب جو کوئی سننے جاتا ہے تو اپنی
تاک میں ٹوٹنے والے ستارہ کو پاتا ہے اور ہمیں نہیں معلوم کہ
اس انقلاب سے زمین والوں کے ساتھ کسی برائی کا ارادہ کیا
جا رہا ہے یا ان کا پروردگار ان کے ساتھ بھلائی کرنا چاہتا ہے'
ہم میں اچھے بھی ہیں اور ان کے علاوہ اور لوگ بھی ہیں' ہم
جدا جدا راستوں پر تھے اور ہم سمجھتے تھے کہ ہم خدا کو اس زمین
میں عاجز نہیں کر سکتے اور نہ بھاگ کر اس کے قبضہ سے نکل
سکتے ہیں' اور اب جب ہم نے اس ہدایت کی بات کو سن لیا تو
اب ہم اس پر ایمان لاتے ہیں' تو جو شخص اپنے پروردگار پر
ایمان لے آتا ہے تو پھر گھاٹے ٹوٹے کا اس کو ڈر نہیں رہتا'
ہم میں کچھ اطاعت گزار ہیں کچھ گناہ گار ہیں تو جو اطاعت

گزار ہیں ان ہی نے حقیقت میں ہدایت کا راستہ ڈھونڈ نکالا
ہے اور جو گناہ گار ہیں وہ جہنم کے ایندھن ہیں۔

پھر سورۂ احقاف میں اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

واذ صرفنا الیک نفرا من الجن یستمعون القرانج فلما حضروہ قالوا انصتوا ج فلما قضی ولوا الی قومہم منذرین قالوا یقومنا انا سمعنا کتبا انزل من بعد موسی مصدقالما بین یدیہ یہدی الی الحق والی طریق مستقیم. یقومنا اجیبوا داعی اللہ وامنوا بہ یغفرلکم من ذنوبکم ویجرکم من عذاب الیم۔(احقاف۔۴)

ہم نے جب جنوں کی ایک جماعت کے رخ کو اے پیغمبر تیری طرف پھیر دیا کہ وہ قرآن کو سنیں تو جب وہ آئے تو انہوں نے ایک دوسرے سے کہا چپ رہو' جب قرآن ختم ہو گیا تو وہ اپنی قوم کے پاس گئے کہ انہیں خبر کر دیں' انہوں نے جا کر کہا بھائیو! ہم نے ایک شریعت کی کتاب کو سنا جو موسیٰ کے بعد اتاری گئی ہے اور اس کے پہلے جو کتاب الٰہی آئی ہے اس کی تصدیق کرتی ہے اور سچائی اور سیدھی راہ دکھاتی ہے' اے بھائیو! خدا کے پکارنے والے کو قبول کرو اور اس پر ایمان لاؤ تاکہ وہ تمہارے گناہوں کو معاف کرے اور دردناک عذاب سے تم کو پناہ دے۔

صحیح مسلم سے معلوم ہوتا ہے کہ جنوں نے دو دفعہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے کلام مجید پڑھتے سنا اس لئے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ قرآن مجید کی یہ دونوں سورتیں الگ الگ واقعہ کی طرف اشارہ کرتی ہوں' پہلے واقعہ میں حضرت عبداللہ بن مسعودؓ شریک نہ (۱)۔ تھے' اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اور نہ کسی صحابی نے ان جنوں کو اپنی آنکھوں سے دیکھا۔(۲)۔ بلکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

کو اس کی اطلاع ایک درخت (۴)۔ نے کی، اور تفصیل کیفیت وحی آسمانی سے معلوم ہوئی، اس واقعہ کو واقعہ لیلۃ الجن (جن کی رات) کہتے ہیں، لیکن یہ دونوں واقعے مکہ معظمہ ہی میں گزرے ہیں، صحیح مسلم (۵)۔ ترمذی (۵)۔ اور مسند طیالسی میں ہے کہ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے ان کے شاگرد خاص علقمہ نے پوچھا کہ آپ صاحبوں میں سے کوئی لیلۃ الجن میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ تھا؟ انہوں نے کہا نہیں، لیکن ایک اور واقعہ ہے کہ ایک دفعہ شب کو ہم لوگوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو نہیں پایا، میدانوں اور گھاٹیوں میں ہر جگہ ڈھونڈا، مگر آپ نہیں ملے۔ ہم لوگوں کو طرح طرح کے خیال آنے لگے کہ آپ ﷺ کو کوئی اٹھا لے گیا یا دھوکے سے کسی نے قتل کر دیا، سخت اضطراب اور قلق میں ہم نے یہ رات بسر کی۔ صبح ہوئی تو دیکھا کہ آپ ﷺ غار حرا کی طرف سے چلے آ رہے ہیں۔ ہم سب نے عرض کی کہ یا رسول اللہ! ہم نے شب کو ہر جگہ آپ ﷺ کو ڈھونڈا، مگر آپ ﷺ کہیں نہیں ملے، ہم نے سخت اضطراب اور قلق میں رات بسر کی۔ فرمایا کہ ''رات کو جنوں کا قاصد آیا تھا، میں اس کے ساتھ گیا تھا، میں نے ان کو قرآن پڑھ کر سنایا۔'' اس کے بعد آپ ہم سب کو لے کر اس مقام پر تشریف لے گئے اور وہاں ان کے قیام اور آگ جلانے کے نشانات دکھائے اور فرمایا کہ انہوں نے مجھ سے زاد راہ کی خواہش کی، میں نے ان کے لئے دعا کی کہ وہ جس ہڈی اور گوبر پر گزریں ان کے لئے وہ کھانا ہو جائے۔ (۶)۔

مسند ابن حنبل کے زیادات میں حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کی زبانی جنوں کی آمد کا ایک اور واقعہ مذکور ہے وہ کہتے ہیں کہ ایک دفعہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مکہ میں رات کے وقت ہم لوگوں میں بیٹھے تھے کہ یکایک آپ ﷺ نے فرمایا کہ تم میں سے کوئی میرے ساتھ چلے لیکن وہ نہ چلے جس کے دل میں ذرا سی بھی کھوٹ ہو، ابن مسعودؓ کہتے ہیں کہ میں پانی کا لوٹا لے کر آپ ﷺ کے ساتھ ہو لیا۔ آپ ﷺ مجھے

سروپا ہے' اس روایت کا سلسلہ سند یہ ہے عن ابی فزارہت عن ابی زید مولی عمرو بن الحریث المخزومی عن عبداللہ بن مسعود۔ اس میں ابوزید مولا عمرو بن حریث ایک مجہول راوی ہے جس سے محدثین میں کوئی واقف نہیں' حافظ ذہبی میزان الاعتدال میں لکھتے ہیں:

ابوزید مولی عمرو بن حریث لا یعرف عن ابن مسعود و عنه ابوفزارہت لایصح حدیثه ذکرہ البخاری فی الضعفاء' ومتن حدیثه ان نبی اللہ توضا بالنبیذ وقال ابومحمد الحاکم رجل مجهول قلت ماله سوی حدیث واحد۔(میزان الاعتدال)

ابوزید غلام عمرو بن حریث اس کو کوئی جانتا نہیں' اس نے ابن مسعود سے روایت کی ہے اور اس نے ابوفزارہ سے' اس کی حدیث صحیح نہیں' بخاری میں ضعفا میں اس کو درج کیا ہے' اس کی حدیث کا متن یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نبیذ سے وضو کیا ابواحمد حاکم کہتے ہیں کہ یہ مجہول الحال آدمی ہے میں کہتا ہوں کہ اس کی یہی ایک حدیث ہے۔

البتہ جامع ترمذی میں اسی قسم کا ایک واقعہ عبداللہ بن مسعودؓ سے فرشتوں کی آمد اور دیدار کے متعلق بروایت صحیحہ مروی ہے۔

---

(۱)۔ مسند ابن حنبل جلد اول ص ۴۵۸۔

شق قمر

اقتربت الساعۃ وانشق القمر (قمر)

پیغمبر کی صداقت کی گواہی کائنات کا ذرہ ذرہ دیتا ہے' آسمان اور زمین چاند اور سورج ہر چیز اس کی صداقت کا ثبوت بن جاتی ہے۔ انجیل (متی ۲۔۲) میں ہے کہ حضرت عیسیٰؑ کی پیدائش کے وقت ایک نیا ستارہ طلوع ہوا اور جب انہوں نے وفات پائی تو تین گھنٹہ کے لئے تمام دنیا میں اندھیرا چھا گیا (متی ۲۷: ۴۵) قرب قیامت کی ایک نشانی یہ بھی تھی کہ چاند کے دو ٹکڑے ہو جائیں گے' یہ نشانی آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دست مبارک پر پوری اتری اور قرآن نے کہا:

اقتربت الساعۃ وانشق القمر وان یروا ایۃ یعرضوا ویقولوا سحر مستمر۔ (قمر۔۱)

قیامت نزدیک آ گئی اور چاند شق ہو گیا' اگر کافر کوئی سا بھی نشان دیکھیں تو اس سے اعراض ہی کریں اور کہیں کہ یہ تو جادو ہے جو سدا سے ہوتا آیا ہے۔

بعض عقل پرست مسلمانوں نے قرب قیامت کی مناسبت سے یہ تاویل کی ہے کہ اس آیت سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے عہد میں شق قمر کا ثبوت نہیں ہوتا بلکہ یہ قیامت کے واقعہ کا ذکر ہے' لیکن اس حالت میں اول تو بے قرینہ ماضی (چاند پھٹ گیا) کو مستقبل (چاند پھٹ جائے گا) کے معنی میں لینا پڑے گا۔ دوسرے یہ کہ اگر قیامت کا واقعہ ہوتا تو اس کے بعد یہ کیوں ہوتا کہ ''یہ کافر اگر کوئی نشانی بھی دیکھیں تو منہ پھیر لیں اور یہ کہیں کہ یہ تو جادو ہے جو ہوتا آیا ہے۔'' قیامت سامنے آ جانے کے بعد اس کا انکار کے کیا معنی اور اس کو مستمر جادو کہنا کیونکر صحیح ہو سکتا ہے؟ اس کے علاوہ مستند اور صحیح روایات کی کیوں تردید کی جا سکتی دہے۔

اس شق قمر کا واقعہ صحیح بخاری' صحیح مسلم' جامع ترمذی' مسند ابن حنبل' مسند طیالسی'

مستدرک حاکم، دلائل بیہقی، اور دلائل ابونعیم میں یہ تصریح مذکور ہے کہ صحابہ میں سے حضرت عبداللہ بن مسعودؓ عبداللہ بن عباسؓ عبداللہ بن عمرؓ انس بن مالکؓ جبیر بن مطعمؓ علی بن ابی طالب اور حذیفہؓ بن یمان وغیرہ نے اس واقعہ کی روایت کی ہے ان میں سب سے صحیح اور مستند تر حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کی روایت ہے جو صحیح بخاری ومسلم وترمذی وغیرہ میں مروی ہے، وہ اس واقعہ کے وقت موقع پر موجود تھے اور اس معجزہ کو اپنی آنکھوں سے دیکھا تھا۔ چنانچہ ان کے الفاظ یہ ہیں:

انشق القمر ونحن مع النبی صلی اللہ علیہ وسلم بمنی فقال اشھدوا و ذھبت فرقۃ نحو الجبل

ہم آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ منیٰ میں تھے کہ چاند پھٹ گیا اور اس کا ایک ٹکڑا پہاڑ کی طرف چلا گیا آپ نے فرمایا گواہ رہو۔

صحیحین میں ان کی دوسری روایت یہ ہے:

انشق القمر علی عھد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرقتین فرقۃ فوق الجبال و فرقۃ دونہ فقال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اشھدوا۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانہ میں چاند کے دو ٹکڑے ہو گئے ایک ٹکڑا تو پہاڑ کے اوپر رہا اور دوسرا اس کے نیچے، آپ ﷺ نے فرمایا گواہ رہو۔

حضرت انسؓ بن مالک کی یہ روایت بخاری ومسلم دونوں میں ہے۔

ان اھل مکۃ سالوا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یریھم آیہ فاراھم القمر شقتین حتی راوا حرا بینھما۔

اہل مکہ نے آپ سے مطالبہ کیا کہ آپ ﷺ ان کو کوئی معجزہ دکھائیں آپ ﷺ نے ان کو چاند کے ٹکڑے دکھائے، ایک ٹکڑا حرا کے اس طرف تھا دوسرا اس طرف۔

صحیح مسلم میں ہے:

ان اھل مکۃ سالوا النبی صلی اللہ علیہ وسلم ان یریھم ایۃ فاراھم انشقاق القمر فرقتین۔

اہل مکہ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے کوئی نشانی طلب کی تو آپ ﷺ نے چاند کو دو ٹکڑے ہونے کو دکھایا۔

جامع ترمذی میں ان کی روایت کے الفاظ یہ ہیں:

سال اھل مکۃ النبی ﷺ ایۃ فانشق القمر بمکۃ فرقتین فنزلت۔

اہل مکہ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے کوئی نشانی طلب کی تو چاند مکہ میں دو ٹکڑے ہو گیا اس پر آیت اتری۔

اقتربت الساعۃ وانشق القمر۔

قیامت آ گئی اور چاند پھٹ گیا۔

جامع ترمذی اور مسند ابن حنبل میں جبیرؓ بن مطعم کی جو روایت ہے اس میں ہے کہ اس معجزہ کو دیکھ کر کفار نے کہا کہ محمد ﷺ نے ہم پر جادو کر دیا ہے' دوسروں نے کہا کہ اگر ہم پر جادو کر دیا ہے تو تمام آدمیوں پر تو جادو نہیں کر سکتے' مسند ابو داؤد طیالسی (۱)۔ اور بیہقی میں ہے کہ انہوں نے کہا کہ محمد ﷺ تمام دنیا پر تو جادو نہیں کر سکتے' مسافروں کو اور مقامات سے آنے دو' دیکھو وہ کیا کہتے ہیں؟ چنانچہ جب ادھر ادھر سے مسافر آئے اور ان سے پوچھا گیا تو انہوں نے بھی اپنا یہی مشاہدہ بیان کیا۔

بہر حال یہ معجزہ رات کے وقت مکہ میں بمقام منیٰ واقع ہوا۔

عقلی حیثیت سے یہ معجزہ زمانہ قدیم سے معرکۃ لآرا رہا ہے' علمائے متکلمین نے فلسفہ قدیم کے اصول پر اس میں خوب خوب موشگافیاں کی ہیں' مثلاً فلاسفہ قدیم کا یہ اعتقاد تھا کہ اجرام فلکی میں خرق والتیام اور شکست

(۱)۔ مسند عبداللہ بن مسعود ص ۳۸' حیدر آباد دکن۔

وریخت محال ہے' اس لئے شق قمر بھی ناممکن ہے' متکلمین نے ثابت کیا کہ اجرام فلکی

میں خرق والتیام اور شکست و ریخت ممکن ہے' مگر اب جدید طبیعات و ہیئت نے ہماری معلوم کے آسمان وزمین کو بدل دیا ہے۔ یہ مباحث بے سود و بیکار ہیں۔ اب تو ہر روز نئے نئے ستاروں کے شکست و ریخت اور تصادم کے حادثے سنے جا رہے ہیں اور ہیئت جدید اور علم تکوین میں تو زمین' سورج اور ستاروں کے آغاز آفرنیش کی داستان ہی اس باب سے شروع ہوتی ہے۔

اس سے دوسرے درجہ پر ایک اور قدیم اعتراض و جواب کتابوں میں لکھا چلا آتا ہے اور ہمارے مسیحی ناظرین نے اس کو نئے آب و رنگ سے شہرت دی ہے اور وہ یہ ہے کہ اگر یہ معجزہ درحقیقت واقع ہوتا تو یہ صرف اہل مکہ ہی کو نظر نہ آتا بلکہ اس کو تمام دنیا دیکھتی اور اس کی روایتیں مشرق سے لے کر مغرب تک پھیل جاتیں لیکن بجز مکہ کے اور ملکوں میں اس واقعہ کا چرچا نہیں ہوا اور تمام قدیم اہل نجوم اور ہیئت و تاریخ اس کی روایت سے خاموش ہیں۔

لوگوں نے اس شبہ کے یہ جوابات دیئے ہیں کہ اولاً ہم اس کو تسلیم نہیں کرتے کہ یہ واقعہ کسی دوسرے **ملک** کے لوگوں کو نظر نہیں آیا' تم اس کے ثبوت میں کہو گے کہ اگر نظر آتا تو اس **ملک** کے اہل تاریخ اس کا ذکر کرتے' حالانکہ کسی تاریخ میں اس کا ذکر نہیں' لیکن سوال یہ ہے کہ ایک **ملک** کا مشہور واقعہ جو دوسرے **ملک** کی معاصر تاریخوں میں مذکور نہ ہو صرف اس کا یہ عدم ذکر کیا اس کے انکار کی سند ہو سکتا ہے اور اگر ایسا ہے تو ہندوؤں کی مہابھارت کا تم انکار کر سکتے ہو' حضرت مسیح کے تمام معجزات بلکہ واقعات زندگی تک کا انکار کر سکتے ہو کہ شام و مصر کے معاصر رومی مورخوں نے ایسے عجیب و غریب واقعات کا ایک حرف بھی قلمبند نہیں کیا' اس کے برخلاف ابھی اوپر کی روایتوں میں بیان کیا جا چکا ہے کہ عرب و شام سے آنے والے مسافروں نے یہ بیان کیا کہ انہوں نے چاند کو دو ٹکڑے ہوتے دیکھا ہے۔

فلکی حیثیت سے جو اعتراض کیا جاتا ہے کہ اہل ہیئت جو اجرام فلکی کے ایک ایک

واقعہ کو قلمبند کرتے آتے ہیں انہوں نے اس واقعہ کا ذکر نہیں کیا ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ یہ معجزہ رات کے وقت ظاہر ہوا تھا اور اس وقت دنیا کا بڑا حصہ خواب راحت میں مصروف تھا' جو لوگ بیدار بھی ہوں گے' وہ اپنے دوسرے مشاغل میں مصروف ہوں گے اور جنہوں نے دیکھا بھی ہوگا' ان میں کتنا بڑا حصہ ان کا ہوگا جو اپنے مشاہدات کو تحریری صورت میں لانے پر قادر نہ تھے یعنی ناخواندہ تھے اور اگر ان میں چند لکھے پڑھے ارباب ہیئت اور اصحاب تاریخ تھے تو ضروری نہیں کہ انہوں نے اس مشاہدہ کا تذکرہ بھی کیا ہو یا تذکرہ کیا تو ان کی یادداشت مثل دوسری سینکڑوں علمی یادداشتوں کے ضائع ہوگئی ہو' آغاز آفرینش سے اب تک اجرام فلکی میں لاکھوں انقلابات پیش آتے ہوں گے لیکن کیا وہ سب کے سب دنیا کے اوراق ہیئت میں درج ہیں؟ اور ان کا درج نہ ہونا ان کے عدم وقوع کی دلیل ہے؟ مختلف مذاہب کی کتابوں میں اس قسم کے حوادث فلکی کا ذکر ہے لیکن علم ہیئت و فلک اس کے ذکر سے خاموش ہے' لیکن یہ خاموشی اس کے عدم وقوع پر شہادت ہے؟ خود تمہاری انجیل میں ہے کہ حضرت عیسیٰؑ کی پیدائش کے وقت ایک ستارۂ نبوت طلوع ہوا جس کو یورپ کے لوگوں نے دیکھا اور پھر انجیل میں یہ بھی مذکور ہے کہ جب حضرت عیسیٰؑ کو سولی دی گئی تو تمام دنیا دفعتاً تاریک ہوگئی لیکن کیا ہیئت و افلاک کی کتابوں میں ان انقلابات سماوی کا تذکرہ موجود ہے۔

حوادث فلکی کے حدوث اور وقوع میں بڑی چیز یہ ہے کہ اس کا مشاہدہ مطالع اور مغارب پر موقوف ہے اور ہر جگہ کے مطالع و مغارب دوسری جگہ سے نہایت مختلف ہیں' بالخصوص قمر کے مطالع میں تو اور بھی سخت اختلاف ہے' ایک جگہ چاند ڈوبتا ہے دوسری جگہ نکلتا ہے' ایک جگہ چاندنی ہے دوسری جگہ اندھیرا ہوتا ہے' ایک جگہ چاند کو گہن لگتا ہے اور دوسرے مقامات کے لوگوں کو وہ نظر تک نہیں آتا' اس لئے اگر تمام دنیا نے اس معجزہ کو نہیں دیکھا تو یہ شق قمر کی نفی کی دلیل نہیں' چنانچہ دنیا کی مختلف باخبر

قوموں نے اپنی اپنی کتابوں میں مختلف حوادث فلکی کا ذکر کیا ہے' لیکن جس واقعہ کو ایک نے بڑے شدومد سے بیان کیا ہے اس کی معاصر قوموں کی کتابیں اس کی شہادت سے قطعاً خالی ہیں' لیکن کیا یہ خاموشی اس کے عدم وقوع کی سند ہو سکتی ہے؟ علاوہ اور وجوہ کے اس خاموشی اور اختلاف کی ایک وجہ یہی ہوتی ہے کہ تمام دنیا کا ایک مطلع نہیں ہے اس لئے ایک جگہ نظر آتی ہے۔ دوسری جگہ نہیں آتی' بعض متکلمین نے جن میں ایک شاہ ولی اللہ صاحب بھی ہیں' لکھا ہے اور امام غزالی کا بھی ادھر ہی رجحان معلوم ہوتا کہ درحقیقت چاند میں شگاف نہیں ہوا تھا بلکہ لوگوں کو ایسا نظر آیا' چنانچہ حضرت انسؓ کی روایت کے یہ الفاظ ہیں۔

ان اهل مكة سالوا النبي صلى الله عليه وسلم ان يريهم اية فاراهم انشق القمر فرقتين (صحيح مسلم)

اہل مکہ نے آپ ﷺ سے نشانی طلب کی تو آپ ﷺ نے چاند دو ٹکڑے کر دکھایا۔

ہم ان تمام پر پیچ راستوں سے گزر کر صرف ایک سیدھی سی بات کہہ دینا چاہتے ہیں کہ شق القمر اہل مکہ کی طلب پر ایک آیت الٰہی تھی' یعنی ان منکروں کو ان کی خواہش کے مطابق ثبوت کی ایک نشانی دکھائی گئی تھی' احادیث میں یہ ہے کہ چاند دو ٹکڑے ہو کر نظر آیا' جو خدا انسانوں کی آنکھوں میں خلاف عادت تصرف کر سکتا ہے۔ وہ خود چاند میں بھی خلاف عادت تصرف کر سکتا ہے' پھر چونکہ اللہ نے یہ نشانی اہل مکہ کے لئے ظاہر کی تھی اور ان ہی کے لئے یہ آیہ ثبوت تھی' اسی لئے تمام دنیا میں اس کے ظہور اور روایت کی حاجت نہ تھی' اس بنا پر بالغرض اگر دنیا کے دوسرے حصہ میں شق قمر مشاہدہ نہ ہوا تو یہ حیرت اور تعجب کی بات نہیں بلکہ اہل مکہ کے علاوہ اور لوگوں کو دوسرے شہروں اور ملکوں میں اس کا نظر آنا ہی مصلحت الٰہی تھی کہ اگر یہ عام طور سے دوسرے اقطاع عالم کے لوگوں کو بھی نظر آتا تو یہ سمجھا جا سکتا کہ یہ آسمان کے طبعی

انقلابات میں سے کوئی انقلاب تھا' جیسا کہ اور سینکڑوں قسم کے تغیرات اس سے پہلے ہو چکے ہیں' جیسا کہ فلکیات اور علم بدء الخلق (کسموگریفی اور نیچر ہسٹری) میں مذکور ہیں' لیکن جب اہل مکہ کے علاوہ جو شہر میں تھے یا باہر قافلہ میں تھے صرف ان ہی کو نظر آیا تو اس بات کی صاف اور صریح دلیل ہے کہ یہ صرف آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ایک نشان کے طور پر ظاہر ہوا۔ واللہ الحمد۔

غلبہ روم کی پیشین گوئی

الم غلبت الروم فی ادنی الارض(روم)

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی الہامی زبان سے جن واقعات کی پیشین گوئی کی ہے‘ ان سب میں سب سے زیادہ شاندار‘ سب سے زیادہ صاف وتصریح‘ سب سے زیادہ معرکۃ الآراء روم کی پیشین گوئی ہے۔

عرب کے چپ وراست دونوں پہلوؤں میں روم و فارس کی پرزور حکومتیں قائم تھیں‘ اس وقت ایران کا تاجدار خسرو اور روم کا فرمانروا ہرقل تھا‘ ان دونوں سلطنتوں میں ایک مدت سے معرکہ آرائیوں کا سلسلہ قائم تھا۔ بعثت نبوی کے پانچویں سال یعنی ۶۱۱ ء میں ان دونوں سلطنتوں میں ایک خونریز جنگ شروع ہوگئی‘ اگرچہ ان دونوں قوموں میں کسی قوم نے مذہب اسلام قبول نہیں کیا تھا تاہم رومی حضرت عیسیٰؑ کے پیرو اور اہل کتاب تھے اور ایرانیوں کے عقائد مشرکین مکہ کے ساتھ مطابقت رکھتے تھے‘ اس لئے لازمی طور سے مسلمانوں کو رومی عیسائیوں کے ساتھ اور مشرکین مکہ کو ایرانیوں کے ساتھ ہمدردی تھی‘ اس لئے مسلمانوں اور کفار قریش دونوں کو جنگ کے نتیجہ کا شدت کے ساتھ انتظار تھا۔

ان دونوں سلطنتوں کے حدود دریائے دجلہ وفرات کے کناروں پر آکر ملتے تھے‘ رومی سلطنت مشرق میں ایشیائے کوچک‘ حدود عراق‘ شام‘ فلسطین اور مصر میں پھیلی ہوئی تھی‘ ایرانیوں نے دوطرفہ حملہ کیا‘ ایک طرف تو وہ دجلہ وفرات کے کناروں سے شام کی طرف بڑھے اور دوسری طرف ایشیائے کوچک کی جانب آذربائیجان سے آرمینیا ہوکر موجودہ اناطولیہ میں داخل ہوگئے اور دونوں طرف سے رومیوں کو پیچھے ہٹاتے ہٹاتے سمندر میں ان کو دھکیل دیا۔ شام کی سمت میں انہوں نے یکے بعد دیگرے اس ارض مقدس کا ایک ایک شہر رومیوں سے چھین لیا۔

۶۱۴ء میں فلسطین اور اس کا مقدس شہر یروشلم صلیبی علم کے بجائے درفش کاویانی کے زیر سایہ آ گیا' کنیسے مسمار کیے گئے' مذہبی شعائر کی توہین کی گئی' ۲۶ ہزار یہودیوں نے ایرانی فوج میں شامل ہو کر ۶۰ ہزار بے گناہ عیسائیوں کا قتل عام کیا' شہنشاہ ایران کی قصر اقامت کی تیس ہزار مقتول سروں سے آرائش کی گئی' ایرانی فتوحات کا سیلاب سے اس سے آگے بڑھ کر ۶۱۶ء میں پوری وادی نیل یعنی مملکت مصر پر محیط ہو گیا اور آخر سکندریہ کے ساحل پر جا کر تھما اور دوسری طرف ایشیائے کوچک کو زیروزبر کرتا ہوا باسفورس کے ساحل پر جا کر رکا اور قسطنطنیہ کی دیواروں سے جا کر ٹکرایا' شہنشاہ روم کے دارالسلطنت کے سامنے ایران کے فاتح لشکر نے جا کر اپنے خیمے کھڑے کر دیئے اور اب رومیوں کے بجائے عراق و شام و فلسطین و مصر و ایشیائے کوچک کے وسیع علاقوں میں ایرانی حکومت قائم ہو گئی۔ ہر جگہ آتش کدے تعمیر ہوئے اور مسیح کے بجائے آگ اور سورج کی جبری پرستش کو رواج دیا گیا' رومی سلطنت کی اس تباہی کو دیکھ کر رومی شہنشاہی کی وسیع مملکت میں بغاوتیں کھڑی ہو گئیں' افریقہ میں بھی شورش ہوئی' خود قسطنطنیہ کے قریب یورپ میں مختلف قومیں قتل و غارت گری میں مصروف ہو گئیں۔ غرض اس وقت سلطنت رومہ کے پرزے پرزے اڑ گئے تھے۔

جنگ کا نتیجہ جب ایسا خلاف امید ظاہر ہوا تو مسلمانوں کو۔ یقیناً رنج اور کفار کو مسرت حاصل ہوئی اور انہوں نے مسلمانوں کو طعنہ دیا کہ جس طرح ہمارے بھائی غالب ہوئے ہیں۔ اسی طرح اگر ہم سے تم لڑتے تو ہم غالب ہوتے اس وقت رومیوں کی جو افسوسناک حالت تھی وہ آپ سن چکے کہ وہ اپنے مشرقی مقبوضات کا ایک ایک چپہ کھو بیٹھے تھے' خزانہ خالی تھا' فوج منتشر تھی' ملک میں بغاوتیں پیدا تھیں' شہنشاہ روم ہرقل ہمہ تن عیاش' بے پرواہ' سست اور مبتلائے اوہام تھا' ایرانیوں کا فاتح سپہ سالار قسطنطنیہ کے دروازہ پر پہنچ کر رومیوں کے سامنے حسب ذیل شرائط پیش کرتا ہے۔

رومی باج ادا کریں' ایک ہزار ٹالنٹ سونا' ایک ہزار ٹالنٹ چاندی' ایک ہزار حریر کے

تھان' ایک ہزار گھوڑے اور ایک ہزار باکرہ لڑکیاں ایرانیوں کے حوالہ کریں۔
رومیوں کی کمزوری کی یہ حالت ہے کہ وہ ان شرمناک شرائط کو قبول کرتے ہیں اس پر بھی جب رومی قاصد شہنشاہ ایران کے دربار میں مصالحت کا پیغام لے کر جاتا ہے تو مغرور خسرو جواب دیتا ہے کہ مجھ کو یہ نہیں بلکہ خود ہرقل زنجیروں میں بندھا ہوا میرے تخت کے نیچے چاہئے اور اس وقت تک صلح نہیں کروں گا' جب تک شہنشاہ روم اپنے مصلوب خدا کو چھوڑ کر سورج دیوتا کے آگے سر نہ جھکا لے گا۔
کارزار عالم کا نقشہ یہ تھا کہ معرکہ جنگ سے بہت دور ایک خشک اور بنجر زمین کی سنسان پہاڑی سے ایک شہزادہ امن نمودار ہوا اور واقعات عالم کے بالکل خلاف سروش غیب سے نغمہ اقدس میں گویا ہوا۔

الم غلبت الروم فی ادنی الارض وھم من بعد غلبھم سیغلبون فی بضع سنین للہ الامر من قبل ومن بعد یومئذ یفرح المئومنون بنصر اللہ ینصر من یشاء وھو العزیز الرحیم وعداللہ لا یخلف اللہ وعدہ۔(روم)

رومی قریب تر زمین میں مغلوب ہو گئے' لیکن وہ چند سال میں مغلوب ہو جانے کے بعد پھر غالب ہوں گے خدا ہی کے ہاتھ میں پہلے اور پیچھے سب اختیار ہے اور اس دن مسلمان خدا کی مدد سے خوش ہوں گے وہ جس کی چاہئے مدد کرے وہ غالب رحم والا ہے' خدا کا وعدہ ہے خدا اپنے وعدہ کے خلاف نہیں کرتا۔

یہ پیشین گوئی واقعات کے لحاظ سے اس قدر مستبعد اور نا قابل یقین تھی کہ کفار نے اس کے صحیح ہونے کی صورت میں کئی اونٹوں کے ہارنے کی مسلمانوں سے شرط لگائی' اب مسلمانوں اور کافروں کو بڑی شدت سے واقعات کے پہلو کا انتظار تھا' آخر چند سال کے بعد دنیا نے خلاف امید پلٹا کھایا' مورخ گبن کے الفاظ میں شہنشاہ جو اپنی

ابتدائی اور آخری زندگی میں سستی' عیاشی اور اوہام کا غلام اور رعایا کے مصائب کا نامرد تماشائی تھا' جس طرح صبح وشام کا کہرا آفتاب نصف النہار کی روشنی سے پھٹ جاتا ہے' دفعتاً ۶۲۱ء میں محلوں کا رکارڈیوس میدان جنگ کا سیزر بن گیا اور روم اور ہرقل کی عزت نہایت شاندار طریقہ سے بچالی گئی۔(۱)۔

جس وقت ہرقل اپنی بقیہ فوج لے کر قسطنطنیہ سے چلا ہے' لوگوں کو معلوم ہوتا تھا کہ رومتہ العظمیٰ کے آخری لشکر کا منظر دنیا کے سامنے ہے(۲)۔لیکن عرب کے نبی امی کی پیشین گوئی حرف بحرف پوری ہوئی اور عین اس وقت جب مسلمانوں نے بدر کے میدان میں قریش کو شکست دی' رومیوں نے ایرانیوں پر غلبہ حاصل کیا' مشرقی مقبوضات کا ایک ایک شہر واپس لے لیا اور ایرانیوں کو باسفورس اور نیل کے کناروں سے ہٹا کر پھر دجلہ وفرات کے سواحل کی طرف دھکیل دیا۔

اس عظیم الشان پیشین گوئی کی صداقت کے اثر نے دنیا کو محو حیرت کر دیا' قریش کے بہت سے لوگ اس صداقت کو دیکھ کر مسلمان ہو گئے۔(۳)۔واقعہ کے ساڑھے بارہ سو برس کے بعد تاریخ زوال روم کا مشہور مصنف گبن اس حیرت ناک پیشین گوئی کی صداقت سے متحیر ہو کر کہتا ہے:

''مشرق کی ان دو عظیم الشان سلطنتوں کے ڈانڈے پر بیٹھ کر ان دونوں کی ایک دوسرے کو تباہ کر دینے والی روز افزوں کوششوں کی ترقی کو دلی مسرت کے ساتھ بغور مطالعہ کر رہا تھا اور عین اس وقت جبکہ ایرانیوں کو پیہم کامیابیاں حاصل ہو رہی تھیں اس نے اس پیشین گوئی کی جرأت کی کہ چند سال میں فتح وظفر رومی علم پر سایہ فگن ہوگی' جس وقت پیشین گوئی کی گئی تھی' کوئی پیشین گوئی اس سے زیادہ دور از قیاس نہیں ہو سکتی تھی' کیونکہ ہرقل کی بارہ سال (۶۱۰ء سے ۶۲۲ء تک) کی حکومت نے اس بات کا اعلان کر دیا تھا کہ رومی شہنشاہی کا شیرازہ جلد بکھر جائے گا۔(۴)۔''

ہرقل کی طبیعت میں اس فوری انقلاب اور واقعات کی رو سے اس حیرت ناک تغیر اور

اس کے اسباب کی تفصیل میں تاریخ روم کے مصنفین نے عجیب عجیب باتیں پیدا کی ہیں لیکن انہیں کیا معلوم کہ اس خونی معرکہ سے دور ایک پیغمبرانہ ہاتھ رومیوں کی مدد کے لئے دراز تھا اور وہی اس انقلاب اور تغیر کا سب سے بڑا روحانی سبب تھا۔

مستدرک (۵)۔ (علی شرط الشیخین) اور جامع ترمذی (۶)۔ میں ہے کہ روم و فارس کی جنگ جب شروع ہوئی تو مشرکین ایرانیوں کے طرف دار تھے' کیونکہ وہ بھی بت پرستے تھے اور مسلمان رومیوں کے طرف دار تھے کہ وہ اہل کتاب تھے اس وقت ایرانی روم کو دباتے جا رہے تھے' اس پر سورۂ روم پیشین گوئی نازل ہوئی' حضرت ابوبکرؓ نے چلا چلا کر تمام مشرکین کو یہ پیشین گوئی سنائی' مشرکین نے کہا کہ اس پیشین گوئی کے لئے کوئی سال مقرر کر دو' حضرت ابوبکرؓ نے پانچ سال کی شرط کی' آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو معلوم ہوا تو فرمایا کہ بضع کا تلفظ ۳ سے ۹ تک بولا جاتا ہے' اس لئے دس سال سے کم کی مدت مقرر کرنی چاہئے تھی' چنانچہ اس تشریح کے مطابق نویں سال غزوۂ بدر کے موقع پر پیشین گوئی پوری ہوئی اور رومی غالب آئے۔

غزوۂ بدر ہجرت کے پہلے سال اور بعثت کے چودھویں سال پیش آیا' اس سے ۹ برس پہلے بعثت کا پانچواں سال ہوگا' اس بناء پر پیشین گوئی کا زمانہ بعثت اور اس کے پورے ہونے کا زمانہ ۱۴ بعثت یا اھ ہے بعض لوگوں نے اس پیشین گوئی کے پورے ہونے کا زمانہ صلح حدیبیہ یعنی ۶ھ بیان کیا ہے' یہ صحیح نہیں۔ شاید لوگوں کو اس سے

---

(۱)۔ تاریخ زوال روم مصنفہ گبن ج ۳ صفحہ ۳۰۴ مطبوعہ ۱۸۹۰ء (۲)۔ ایضاً۔ (۳)۔ ترمذی تفسیر سورئہ روم۔ (۴)۔ تاریخ زوال روم ج ۳ صفحہ ۳۰۲ صفحہ ۳۰۳ طبع مذکور۔ (۵)۔ جلد ۲ تفسیر سورہ روم۔ (۶)۔ تفسیر سورئہ روم۔

دھوکہ ہوا کہ صحیح بخاری میں ہے کہ قاصد نبوی ﷺ جب اسلام کا دعوت نامہ لے کر قیصر کے پاس گیا تو وہ اس وقت فتح کا شکریہ ادا کرنے کے لئے شام آیا ہوا تھا' اور

معلوم ہے کہ قاصد صلح حدیبیہ کے زمانہ میں روانہ ہوئے تھے‘ اس لئے لوگوں نے یہ سمجھا کہ حصول فتح کی بھی یہی تاریخ ہے‘ مگر یہ مغالطہ ہے اور بالکل ظاہر ہے کہ یہ فتح ملہ کی تاریخ نہیں بلکہ فتح کے جشن کی تاریخ ہے‘ رومی تاریخ مطابقت سے یہ ثابت ہوتی ہے کہ ۶۰۹ ء میں آپ ﷺ کی بعثت ہوئی‘ ۶۱۰ ء سے روم و فارس کی چھیڑ چھاڑ شروع ہوئی‘ ۶۱۳ ء میں اعلان جنگ ہوا۔ ۶۱۴ ء سے رومیوں کی شکست کا آغاز ہوا اور ۶۲۵ ء میں ان کی فتح تکمیل کو پہنچ گئی‘ اس ترتیب سے دیکھے تو ظاہر ہوگا کہ اس پیشین گوئی کی خوبی یہ ہے کہ آغاز شکست سے آغاز فتح تک جوڑیئے بھی تو وہی نو برس ہو گئے ہیں اور اگر انجام شکست سے آغاز فتح تک جوڑیئے تو بھی وہی نو برس ہوں گے۔

اس فتح کی تکمیل کے بعد ہرقل پھر وہی سست و عیاش قیصر بن گیا جو پہلے تھا‘ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ دست مبارک نے صرف اس پیشین گوئی کے پورا کرنے کے لئے چند سال کے واسطے اس کے دل و دماغ کو بیدار اور دست و بازو کو ہشیار کر دیا تھا‘ پیشین گوئی کی تکمیل کے بعد پھر پہلے کی طرح تعیش اور کاہلی نے اس کو عیش و غفلت کے بستر پر تھپک تھپک کر سلا دیا۔

دیگر آیات و دلائل نبوی ﷺ

قرآن مجید میں

طیرُ الابابیل کی نشانی::

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ولادت عام الفیل میں ہوئی جس میں ابرہتہ الاشرم نے ہاتھیوں کی قطار کے ساتھ خانہ کعبہ پر حملہ کرنا چاہا تھا' لیکن فضائے آسمانی کے ایک حقیر پرندہ نے کنکریوں کے ذریعہ سے ان کو ہلاک کر دیا' یہ ایک عظیم الشان نشان تھا جس کا ظہور مسلمان اور عیسائی دونوں تسلیم کریں گے کہ مشرکین عرب کی تائید کے لئے ہوسکتا تھا' کیونکہ ابرہتہ الاشرم ایک عیسائی بادشاہ تھا جس کا مذہب بہر حال مشرکین سے بہتر تھا' بلکہ یہ خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ظہور کا نشان تھا جن کی ذات پاک حقیقی طور پر خانہ کعبہ کی حفاظت کی کفیل تھی' یہی وجہ ہے کہ خداوند تعالیٰ نے اس معجزہ کے ذکر میں خاص طور پر آپ ﷺ کی طرف روئے خطاب کیا ہے۔

الم تر کیف فعل ربك باصحب الفیل الم یجعل کیدھم فی تضلیل وارسل علیھم طیرا ابابیل ترمیھم بحجارۃ من سجیل فجعلھم کعصف ماکول۔(فیل)

کیا تو نے نہیں دیکھا کہ تیرے پروردگار نے ہاتھی والوں کے ساتھ کیا کیا ان کی چھپی گھاتوں کو بے راہ نہیں کر دیا اور ان پر جھنڈ کے جھنڈ پرندے بھیجے جو ان کو پتھریلی کنکریوں سے مارتے تھے تو خدا نے ان کو کھائی ہوئی بھس کے مانند کر دیا۔

یہ سورہ واقعہ کے تقریباً ۴۵ برس بعد اتری تھی اور غالباً اس وقت متعدد اشخاص اس قسم

کے چشم دید گواہ ہوں گے اور ایسے تو ہزاروں ہوں گے جنہوں نے دیکھنے والوں سے براہ راست اور بالواسطہ اس واقعہ کو سنا ہوگا' کفار جو ہمیشہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تکذیب کے درپے رہتے تھے' اگر اس صورت واقعہ کے بیان میں کچھ بھی غلطی یا جھوٹ شامل ہوتا تو وہ اس کی اعلانیہ تردید کر دیتے' مگر ایسا نہیں ہوا' اس لئے اس کی سچائی میں کوئی شک وشبہ نہیں کیا جا سکتا۔

شہاب ثاقب کی کثرت::

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو جب نبوت عطا ہوئی تو نظم آسمانی میں ایک خاص انقلاب پیدا ہوا' جنات جو پہلے آسمان کے قریب تک جا سکتے تھے ان کی آمد و رفت مسدود کر دی گئی اور ان پر ٹوٹنے والے تاروں کی بارش ہونے لگی' چنانچہ قرآن مجید میں خود جنات کی زبانی بیان ہے۔

وانا لمسنا السماء فوجدنها ملئت حرسا شدیدا وشھبا وانا کنا نقعد منھا مقاعد

ہم نے آسمان کو ٹٹولا تو پایا کہ وہ سخت پہرہ داروں اور ٹوٹنے والے تاروں سے بھر دیا گیا ہے اور ہم پہلے سننے

للسمع فمن یستمع الان یجدلہ شھابا رصدا۔(جن:۱)

کو وہاں ٹھکانوں پر بیٹھتے تھے لیکن اب جو کوئی سنے تو تارے کو اپنی تاک میں پاوے۔

شرح صدر::

شرح صدر یعنی سینہ کا کھول دینا یا اس غرض سے چاک کر دینا کہ وہ نور الٰہی سے معمور کیا جائے ایک دولت ربانی تھی جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو عطا ہوئی۔ ارشاد ہو:

الم نشرح لک صدرک۔(شرح)

اے محمد ﷺ کیا ہم نے تیرے سینہ کو کھول نہیں دیا (چاک نہیں

کردیا)

احادیث میں گو شرح صدر کی پوری تفصیل مذکور ہے مگر بہر حال قرآن پاک اس کا ثبوت ملتا ہے کہ خواہ یہ ظاہری صورت سے یا باطنی رنگ میں علم و حکمت اور نور معرفت کی غیر معمولی اور مافوق بشری بخشش ہو' ہر صورت میں وہ ایک فہم سے بالاتر کیفیت تھی۔

مکہ سے بیت المقدس تک ایک شب میں سفر::

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے معجزانہ طریق پر ایک شب میں مکہ معظمہ سے بیت المقدس تک جو پراسرار سفر کیا' قرآن نے ان الفاظ میں ان کی تصدیق کی ہے۔

سبحان الذی اسری بعبدہ لیلا من المسجد الحرام الی المسجد الاقصی۔(اسراء:۱)

پاک ہے وہ خدا جو اپنے بندہ کو خانہ کعبہ سے بیت المقدس رات کے وقت ایک شب میں لے گیا۔

حالانکہ ان دونوں مقامات کے بیچ میں اس زمانہ میں مہینوں کا سفر تھا۔

قریش پر قحط سالی کا عذاب::

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کی روایت سے پہلے بھی بیان کیا جاچکا ہے کہ جب قریش نے آپ ﷺ کی مخالفت کی تو آپ نے ان کو بد دعا کی کہ خداوندا ان کو سال تک قحط میں مبتلا رکھ' جس طرح تو نے حضرت یوسف علیہ السلام کے زمانہ میں سات سال تک مستقل قحط کو قائم رکھا تھا' چنانچہ ان پر ایسا سخت قحط پڑا کہ لوگوں نے بھوک کے مارے مردار اور چمڑے کھائے' یہاں تک کہ جب لوگ آسمان کی طرف دیکھتے تھے تو وہ ان کو دھوئیں کی طرح نظر آتا تھا' یہ حالت دیکھ کر ابوسفیان آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور کہا کہ اے محمد ﷺ تم خدا کی اطاعت اور صلہ رحم کا حکم دیتے ہو'

حالانکہ خود تمہاری قوم تباہ ہو رہی ہے اس کے لئے خدا سے دعا کرو' آپ ﷺ نے دعا فرمائی اور بارش ہوئی جس نے قحط کی مصیبت کو دور کر دیا' اس کے بعد پھر قریش نے حسب دستور آپ ﷺ کی مخالفت شروع کی تو قیام مکہ ہی کے زمانہ میں خدا نے آپ ﷺ کی زبان سے یہ پیشین گوئی قریش کو سنائی کہ آئندہ اس کا انتقام ایک اور سخت گرفت سے لیا جائے گا' وہ گرفت بدر کی لڑائی تھی' چنانچہ سورۂ دخان کی ان آیتوں میں اسی واقعہ کا ذکر ہے۔(۱)۔

فارتقب یوم تاتی السماء بدخان مبین یغشی الناسط ھذا عذاب الیم. ربنا اکشف

اس دن کا انتظار کرو جب آسمان دھواں نمایاں کرے گا جو لوگوں پر چھا جائے گا یہ نہایت تکلیف دہ عذاب ہے'

(۱)۔ صحیح مسلم تفسیر سورہ دخان۔

عنا العذاب انا مئومنون. انی لھم الذکری وقد جاء ھم رسول مبین . ثم تولوا عنہ وقالوا معلم مجنون . انا کاشفوا العذاب قلیلا انکم عائدون یوم نبطش البطشہت الکبری انا منتقمون۔(دخان۔۱)

خداوندا یہ عذاب ہمارے اوپر سے ہٹا لے' ہم مسلمان ہیں اور کہاں ان کے لئے ہے نصیحت پکڑنا' حالانکہ ان کے پاس ایک رسول کھلم کھلا آیا پھر ان لوگوں نے اس سے اعراض کیا اور کہا یہ سکھایا ہوا پاگل ہے ہم تھوڑی دیر کے لئے عذاب کو ہٹا لینے والے ہیں' تم لوگ اس قدیم حالت کی طرف غور کر جاؤ گے ہم اس روز انتقام لیں گے جو سب سے بڑی پکڑ کا دن ہوگا۔

متوقع ہجرت کی معجزانہ نشانیاں::

کفار نے دار الندوہ میں چھپ کر آپ ﷺ کے قتل وغیرہ کے مشورے کیے کوئی مسلمان نہ ان میں شریک تھا اور نہ کسی طرح ہو سکتا تھا' مگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ہر چیز کی خبر اللہ تعالیٰ نے دے دی' دن' تاریخ' وقت سب سے آگاہی ہو گئی اور پھر یہ کہ جس شب کو آپ ﷺ نے ہجرت کی' سب کو معلوم ہے کہ اس رات کو آپ ﷺ کے گھر کے چاروں طرف دشمنوں کا پہرہ تھا تاہم آپ ﷺ ان کی آنکھوں میں خاک جھونک کر ان ہی کے درمیان سے نکل کر حضرت صدیق اکبرؓ کے ساتھ شہر سے نکل گئے' آپ ﷺ مکہ کے قریب ہی غار ثور میں جا کر چھپے' عرب آثار قدم سے اشخاص کے مقام و گزرگاہ کا پتہ لگانے میں نہایت مشتاق تھے' صبح کو وہ آپ ﷺ کا پتہ لگاتے ہوئے غار مذکور کے دہانہ تک پہنچ گئے' یہاں تک کہ اگر وہ ذرا جھک کر دیکھتے تو آپ ﷺ ان کے سامنے تھے' چنانچہ ساتھ والے خدا نے یہ تدبیر کی کہ کافروں سے ان کی یہ سوجھ چھین لی کہ وہ جھک کر دیکھیں اور ان کے دل میں ایسی بات ڈال دی کہ وہ بے دیکھے واپس چلے گئے۔ سیر کی اکثر ضعیف روایتوں میں اور مسند ابن حنبل کی ایک روایت میں جو زیادہ کمزور نہیں ہے مذکور ہے کہ مکڑی نے غار کے منہ پر جالے تن دیئے تھے' کفار نے کہا اگر کوئی اس غار میں جا کر چھپتا تو ظاہر ہے کہ یہ جالے ٹوٹ جاتے اور یہ کہہ کر وہ واپس چلے گئے۔ اس غار سے نکل کر آپ ﷺ مدینہ کی راہ چلے تو قریش کے سوار آپ ﷺ کے تعاقب میں نظر آئے' چنانچہ سراقہ اپنا گھوڑا دوڑاتا ہوا آپ ﷺ کے قریب پہنچ گیا' دفعتاً گھوڑے کے پاؤں زمین میں دھنس گئے' تیسری دفعہ یہی واقعہ پیش آیا' سراقہ اس اعجاز کو دیکھ کر مرعوب ہو گیا اور خط امان لے کر واپس چلا گیا۔

واقعہ ہجرت کے ان معجزانہ واقعات کا تفصیلی بیان احادیث میں ہے' مگر قرآن مجید کا یہ اجمالی اعتراف ان کی تائیدی شہادت ہے۔

واذ یمکر بک الذین کفروا لیثبتوک او یقتلوک او یخرجوک و یمکرون ویمکر اللہ واللہ خیر

الماکرین۔ (انفال۔۴)

اور یاد کرو (اے پیغمبر) جب کفار تمہارے ساتھ داؤ کررہے تھے تاکہ تم کو قید کریں یا قتل کریں یا گھر سے نکال دیں' وہ بھی داؤ کررہے تھے اور خدا بھی داؤ کررہا تھا اور خدا سب داؤ کرنے والوں میں سے بہتر داؤ کرنے والا ہے۔

الا تنصروہ فقد نصرہ اللہ اذ اخرجہ الذین کفروا ثانی اثنین اذھما فی الغار اذ یقول لصاحبہ لا تحزن ان اللہ معنا فانزل اللہ سکینتہ علیہ وایدہ بجنود لم تروھا وجعل کلمت الذین کفروا السفلیط وکلمت اللہ ھی العلیا واللہ عزیز حکیم۔ (توبہ۔۲)

اے لڑائی سے پیچھے رہنے والے لوگو! اگر تم اس پیغمبر کی مدد نہ کرو تو وہ تمہاری مدد سے بے نیاز ہے کہ خدا نے اس وقت اس کی مدد کی جب اس کو کافروں نے مکہ سے نکال دیا تھا' دو رفیقوں میں سے ایک نے جب وہ دونوں غار میں تھے اپنے ساتھی سے کہا تھا کہ گھبراؤ نہیں خدا ہمارے ساتھ ہے' پھر خدا نے اس پر اپنی تسکین نازل کی اور ان فوجوں سے اس کی مدد کی جن کو تم نے نہیں دیکھا اور کافروں کی بات کو نیچا کیا اور خدا ہی کی بات اونچی رہتی ہے اور خدا غالب اور تدبیر والا ہے۔

خواب میں کفار کا کم دیکھنا::

ہجرت کے بعد سب سے بڑا معرکہ غزوۂ بدر کا پیش آیا' جس میں ایک طرف تین سو تیرہ مسلمان تھے جو ہتھیاروں سے بھی پورے آراستہ نہ تھے' دوسری طرف ایک ہزار قریش کی لوہے میں غرق فوج تھی' دنیا قیاس کرسکتی ہے کہ اس جنگ کا خاتمہ کس کے حق میں ہوتا لیکن چونکہ یہ اسلام کی ہمیشہ کے لئے موت و حیات کی ساعت تھی اس لئے کارساز قدرت نے اپنی عجیب وغریب نشانیوں سے حق کو فتح اور باطل کو شکست

دی' چنانچہ معلوم ہوتا ہے کہ غزوہ بدر سے پہلے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اس معرکہ کا نقشہ عالم رویا میں دکھایا گیا تھا اور اس میں کفار کی تعداد بہت کم دکھائی گئی جو ان کی ذلت اور شکست کی طرف اشارہ تھا' مسلمانوں نے جب یہ خواب سنا تو ان کی ہمت ہوئی' اگر عالم رویا میں کفار کی کثرت دکھائی جاتی تو مسلمانوں کے حوصلے پہلے ہی سے پست ہو جاتے' چنانچہ قرآن مجید نے اس کی تصریح کر دی۔

اذ یریکھم اللہ فی منامک قلیلاط ولو اراکھم کثیرا لفشلتم ولتنازعتم فی الامر ولکن اللہ سلمط انہ علیم بذات الصدور۔(انفال۔۵)

خدا کے احسان کو یاد کرو جب وہ تجھ کو تیرے خواب میں ان کافروں کو تھوڑا دکھا رہا تھا' اگر تم کو زیادہ کر کے دکھاتا تو تم ہمت ہار دیتے اور لڑائی کے بارہ میں آپس میں اختلاف کرتے لیکن خدا نے بچا لیا' بے شک خدا سینوں کے راز جانتا ہے۔

مسلمانوں کا کافروں کی نظر میں اور کافروں کا مسلمانوں کی نظر میں کم کر کے دکھانا::

اس معرکہ میں سن چکے ہو کہ کافروں کی تعداد مسلمانوں سے تگنی تھی' ایسی حالت میں مسلمانوں کا بددل ہونا لازمی تھا' خدا نے اپنی قدرت کاملہ کا یہ تماشہ دکھایا کہ مسلمانوں کی نگاہوں میں کچھ ایسا تغیر کر دیا کہ وہ مسلمانوں کو بہت تھوڑے معلوم ہونے لگے' ادھر کفار کو مسلمان تھوڑے نظر آتے تھے مقصود یہ تھا کہ روسائے کفار میدان سے بھاگ کر جانیں بچا کر نہ لے جانے پائیں' اس کی یہ تدبیر کی کہ مسلمان اپنی تعداد سے بھی کم ان کو نظر آنے لگے' اس کا اثر یہ ہوا کہ انہوں نے اپنی فتح کو یقینی سمجھ کر حصول نتیجہ کے لئے نہ تو سرفروشانہ کوشش کی اور نہ بھاگنے کی کوئی ضرورت سمجھی اور یہ بات مسلمانوں کے حق میں مفید ہو گئی۔

واذ یریکھم اذا لتقیتم فی اعینکم قلیلا ویقللکم فی اعینھم لیقضی اللہ امرا کان مفعولا۔ (انفال۔۵)

خدا کے اس احسان کو یاد کرو جب تم دشمنوں سے صف آراء
ہوئے تو وہ تمہاری نگاہوں میں ان کو تھوڑا کر کے دکھاتا تھا اور
تم کو ان کی آنکھوں میں کم کر کے دکھا رہا تھا تاکہ اس کام کو
جس کا ہونا مقرر ہے طے کر دے۔

پھر کافروں کی آنکھوں میں مسلمانوں کا دونا نظر آنا::

پہلے تو خدا نے کافروں کی نگاہوں میں مسلمانوں کو کم کر کے دکھایا تاکہ نڈر بے پرواہ ہو کر لڑ پڑیں، پھر جب دونوں صفیں گتھ گئیں تو خدا کے حکم سے مسلمانوں کی تعداد دشمنوں کی آنکھوں میں ان کی اپنی تعداد سے بھی دونی نظر آنے لگی اس کا یہ اثر ہوا کہ قریش نے ڈر کر ہمت ہار دی۔

قد کان لکم ایۃ فی فئتین التقتا فئۃ تقاتل
فی سبیل اللہ واخری کافرۃ یرونھم مثلیھم
رای العین واللہ یرید بنصرہ من یشاء ان فی ذلک
لعبرۃ لاولی الابصار۔(آل عمران۔۲)

اے یہودیو! تمہارے لئے ان دونوں فوجوں میں جو صف
آرا ہوئیں جن میں ایک خدا کی راہ میں لڑ رہی تھی اور دوسری
خدا کی منکر تھی، یقیناً ایک نشانی تھی، کافروں کا لشکر آنکھوں
دیکھتے اپنی مقابل فوج کو اپنے سے دونا دیکھ رہا تھا اور اللہ جس
کو چاہتا ہے اپنی مدد سے تائید کرتا ہے اس واقعہ میں ان
لوگوں کے لئے جو چشم بینا رکھتے ہیں بڑی عبرت ہے۔

فرشتوں کی آمد::

یہ مسلمانوں کی تعداد بڑھ کیونکر گئی؟ کیا آسمان سے فرشتے اتر آئے؟ خدا فرماتا ہے:

اذ تستغیثون ربکم فاستجاب لکم انی ممدکم بالف
من الملئکۃ مردفین وما جعلہ اللہ الا بشری
ولتطمئن بہ قلوبکمط وما النصر الا من عنداللہ ان

الله عزیز حکیم۔(انفال: ۱)

یاد کرو جب تم اپنے پروردگار سے فریاد کر رہے تھے تو اس نے تمہاری سن لی کہ میں لگاتار ہزاروں فرشتوں سے تمہاری مدد کروں گا اور خدا نے یہ نہیں کیا' لیکن خوش کرنے کے لئے اور تا کہ تمہارے دل مطمئن ہوں ورنہ فتح تو اللہ ہی کی طرف سے ہے اللہ غالب حکمت والا ہے۔

اذ یوحی ربك الی الملئکہت انی معکم فثبتوا الذین امنوا سالقی فی قلوب الذین کفروا الرعب۔(انفال:۲)

یاد کرو جب تیرا پروردگار فرشتوں کو وحی کر رہا تھا کہ میں تمہارے ساتھ ہوں تو تم مسلمانوں کے دل مضبوط کیے رہو' کافروں کے دلوں میں' میں عنقریب رعب ڈال دوں گا۔

میدان جنگ میں پانی برسانا::

بدر کے میدان میں جہاں مسلمانوں نے اپنی صفیں قائم کی تھیں وہ جگہ بلند تھی اور جہاں سے قریش کی فوج لڑ رہی تھی وہ جگہ نشیب تھی' اللہ تعالی نے کفار کی شکست کا ایک ظاہری سبب یہ پیدا کر دیا کہ عین اس وقت میدان جنگ میں موسلادھار پانی برسایا' جس نے ادھر تو مسلمانوں کی طرف گرد وغبار بٹھا کر ان کے پاؤں جما دیئے اور ادھر کافروں کی طرف پانی کا ریلا ہوا کہ ان کو زمین پر قدم رکھنا مشکل ہو گیا' خدا فرماتا ہے:

وینزل علیکم من السماء ماء لیطھر کم به ویذھب عنکم رجز الشیطین ولیربط علی قلوبکم ویثبت به الاقدام۔ (انفال۔۲)

اور خدا کے اس احسان کو یاد کرو کہ جب وہ آسمان سے پانی برسا رہا تھا تا کہ تم کو اس پانی سے پاک کرے اور ناپاکی تم

سے دور کرے اور تمہارے دلوں کو مضبوط کرے اور اس سے قدموں کو جما دے۔

لڑائیوں میں نیند کا طاری ہونا::

معرکہ جنگ وہ مقام ہے جہاں بڑے بڑے بہادروں کی آنکھ سے نیند اڑ جاتی ہے مگر مایئہ تسکین عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا اعجاز یہ تھا کہ بدر و احد کے کارزاروں میں مسلمانوں سپاہیوں کی بے خطری اور بے خوفی کے لئے ان کی آنکھوں میں نیند کا غلبہ کر دیا گیا تا کہ کسی خوف و خطر کا خیال کئے بغیر وہ اپنے فرض کو انجام دیں' چنانچہ خدا احسان جتاتا ہے۔

واذ یغشیکم النعاس امنۃ منہ۔(انفال۔۲)

یاد کرو جب خدا اپنی طرف سے تمہاری بے خوفی کے لئے تم پر اونگھ طاری کر رہا تھا۔

ثم انزل علیکم من بعد الغم امنۃ نعاسا یغشی طائفۃ منکم و طائفۃ قد اھمتھم انفسھم۔

پھر خدا نے غم کے بعد بے خوفی کے لئے تم پر نیند اتاری' جو ایک گروہ پر چھا رہی تھی اور دوسرا گروہ تھا جس کو اپنی جان کی فکر غم میں ڈالے تھی۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا کنکری پھینکنا::

یہ سب کچھ تھا لیکن عین اس دارو گیر کے معرکہ میں ایک مقدس اور پرسکون دل اور سربسجو د پیشانی کے ساتھ ظاہری ہتھیاروں سے منزہ ہو کر دعاؤں میں مصروف تھا' اس نے سر اٹھایا' اس حیرت ناک منظر پر نگاہ ڈالی اور زمین سے ایک مٹھی کنکری اور خاک اٹھا کر دشمن کی طرف پھینکی' دفعتاً باطل کا طلسم چور چور تھا' قرآن گواہی دیتا ہے۔

فلم تقتلوھم ولکن اللہ قتلھم و ما رمیت اذ رمیت

ولکن اللہ رمی ولیبلی المؤمنین منہ بلاء حسنا ان اللہ سمیع علیم۔ (انفال۔ ۲)

تو تم نے (مسلمانو) ان کو قتل نہیں کیا' بلکہ خود خدا نے ان کو قتل کیا اور اے پیغمبر تو نے نہیں پھینکا' جب تو نے پھینکا بلکہ خدا نے پھینکا کہ مسلمانوں کو اس سے (فتح کی) اچھی نعمت عطا کرے خدا دعاؤں کا سننے والا اور بھیدوں کا جاننے والا ہے۔

کوئی رمی کے معنی تیر پھینکنے کے نہ لے کہ آپ ﷺ نے اس موقع پر کیا' تمام عمر میں سخت سے سخت خطرہ میں بھی کبھی تیغ و تیر اور تیر و خنجر سے دست مبارک کو آلودہ نہیں کیا۔

غزوہ بدر میں دو میں سے ایک کا وعدہ::

پڑھ چکے ہیں کہ بدر کے معرکہ سے پہلے قریش کا ایک تجارتی قافلہ مال و اسباب سے لدا ہوا شام سے مکہ جا رہا تھا اور ادھر سے قریش کی فوج بڑے سر و سامان کے ساتھ مسلمانوں سے لڑنے کو نکلی تھی' مدینہ سے نکلنے سے پہلے ہی اللہ تعالیٰ نے اس صورت واقعہ سے مسلمانوں کو آگاہ کر دیا تھا اور کہہ دیا تھا کہ ان دونوں میں سے ایک چیز تم کو ملے گی یا تو یہ قافلہ اور یا قریش کی فوج شکست کھائے گی' اور تم کو غنیمت کا مال ملے گا' چنانچہ یہ صورت واقعہ بھی درست نکلی اور وعدہ بھی پورا ہوا۔

واذ یعدکم اللہ احدی الطائفتین انہا لکم۔ (انفال: ۱)

اور یاد کرو جب تم سے اللہ وعدہ کر رہا تھا کہ ان دو گروہوں میں ایک تمہارا ہے۔

غزوۂ احزاب کی خبر::

غزوۂ احزاب میں جس میں دفعتاً متحدہ عرب قبائل کا سیلاب مدینہ کے چاروں طرف امنڈ آیا تھا' واقعہ سے بہت پہلے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو عالم رویا

میں اس کی اطلاع دی جا چکی تھی' اور آپ ﷺ نے تمام مسلمانوں کو اس مصیبت کے آنے سے پیشتر باخبر کر دیا تھا' چنانچہ جب یہ صورت حال نظروں کے سامنے آ گئی تو اس نشان کے ظاہر ہونے سے مسلمانوں کے ایمان میں اور زیادہ پختگی آ گئی اور ان کے دلوں میں آپ ﷺ کی صداقت کا مزید یقین پیدا ہو گیا۔

ولما را المئومنون الاحزاب قالوا ھذا ما وعدنا اللہ ورسولہ' وصدق اللہ ورسولہ وما زادھم الا ایمانا و تسلیما۔(احزاب۔۳)

اور جب مسلمانوں نے ان متحدہ حملہ آور قبائل کو دیکھا تو کہا کہ یہی وہ ہے جس کا وعدہ ہم سے خدا اور اس کے رسول نے کیا تھا اور خدا اور اس کے رسول نے سچ کہا تھا اور اس واقعہ نے ان کو ایمان اور اقرار میں اور زیادہ پختہ کر دیا

غزوۂ احزاب میں آندھی::

اس غزوہ میں عرب کے مختلف قبائل نے مل کر مسلمانوں پر متحدہ حملہ کیا تھا اور چاروں طرف سے مدینہ کا محاصرہ کر لیا تھا اور ڈیرے خیمے ڈال کر اس بات پر جم گئے تھے کہ ہم اس محاصرہ کی حالت میں مسلمانوں کو مدینہ میں گھیر کر ان کا خاتمہ کر دیں گے' چنانچہ ۲۰ دن تک وہ محاصرہ کئے پڑے رہے' آس پاس کے یہودی جو پہلے مسلمانوں سے عہد کر چکے تھے دشمنوں سے جا کر مل گئے اور اس قدر زور کا حملہ کیا کہ مسلمان فریضہ نماز بھی وقت پر ادا نہ کر سکتے تھے' مدینہ میں فاقہ ہونے لگا منافقین اور کچے دل کے لوگ گھبرا کر ساتھ چھوڑنے لگے کہ عین وقت پر اللہ تعالیٰ نے مدینہ کے باہر اس زور کی آندھی چلائی کہ دشمنوں کے خیمے اکھڑ گئے' طنابیں ٹوٹ گئیں' ہانڈیاں الٹ گئیں اور ایسی سخت سردی پڑی کہ دشمن ٹھٹھر کر رہ گئے اور ہمت ہار کر محاصرہ چھوڑ کر چلے گئے' خدا نے مسلمانوں کو اپنا یہ احسان جتایا۔

یایھا الذین امنوا اذکروا نعمتہ اللہ علیکم اذا جاء

تکم جنود فارسلنا علیھم ریحا و جنود الم تروھا
و کان اللہ بما تعملون بصیرا۔(احزاب:۲)

مسلمانوں! اپنے اوپر خدا کی اس نعمت کو یاد کرو کہ جب
فوجوں نے تم پر حملہ کیا تو ہم نے ان پر ہوا اور ایسی فوجیں
بھیجیں جن کو تم نے نہیں دیکھا اور جو تم کر رہے تھے خدا اس کو
دیکھ رہا تھا۔

غزوہ حنین میں نصرت::

فتح مکہ کے بعد غزوۂ حنین پیش آیا' گو اس میں مسلمانوں کے ساتھ بڑی بھیڑ شامل تھی' لیکن اس میں کچھ نوجوان جو لڑائی کا تجربہ نہ رکھتے تھے' کچھ مکہ کے نومسلم تھے جو ابھی صبر وضبط کے خوگر نہیں ہوئے تھے' فوج میں زرہ پوش بھی کم تھے اور مقابلہ قبیلہ ہوازن سے پڑا جو قدر اندازی میں کمال رکھتے تھے' مسلمان جونہی آگے بڑھے' حریف نے ان کو تیروں پر رکھ لیا' پہلے ہی حملہ میں مسلمانوں کے قدم اکھڑ گئے لیکن مرکز نبوت اپنی جگہ پر تھا۔ آپ ﷺ نے حضرت عباسؓ کو حکم دیا' انہوں نے مہاجرین و انصار کو آوازیں دیں وہ پلٹے تو آپ ﷺ سواری سے نیچے اترے اور زمین سے ایک مشت خاک اٹھا کر دشمنوں کی طرف پھینکی' دفعتاً جنگ کا نقشہ بدل گیا' ہوازن شکست کھا کر بھاگ نکلے' یہ واقعہ صحیح مسلم اور دیگر معتبر روایتوں سے مذکور ہے' اور قرآن کی اس صداقت کی گواہی دیتا ہے۔

لقد نصرکم اللہ فی مواطن کثیرۃ ویوم حنین اذا
عجبتکم کثرتکم فلم تغن عنکم شیئا و ضاقت
علیکم الارض بما رحبت ثم ولیتم مدبرین ثم انزل
اللہ سکینتہ علی رسولہ و علی المؤمنین و انزل
جنود الم تروھا و عذب الذین کفروا۔(توبہ:۴)

خدا نے تمہاری نصرت بہت سے مقامات میں کی اور نیز حنین
کے دن جب تمہاری کثرت تعداد نے تم کو مغرور بنا دیا تھا تو

یہ کثرت تمہارے کچھ کام نہ آئی اور تم پر زمین اپنی وسعت کے باوجود تنگ ہوگئی پھر پیٹھ پھیر کر پیچھے ہٹے‘ پھر اللہ نے اپنی تسکین اپنے رسول پر اور مومنوں پر نازل کی اور فوجیں اتاریں جن کو تم نے نہیں دیکھا اور کفر کرنے والوں کو پوری سزا دی۔

غیب پر اطلاع::

غیب پر تو ذاتی علم خدا کے سوا کسی کو نہیں‘ مگر وہ جس کو چاہے اپنی اس بخشش سے سرفراز بھی کر سکتا ہے‘ چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نگاہوں کے سامنے کبھی دور دراز مقامات کی خبریں‘ کبھی لوگوں کے دلوں کے حالات کبھی مخفی واقعات آئینہ کر دیئے جاتے تھے‘ مسلمان تو مسلمان‘ وہ بھی جو سچے دل سے آپ ﷺ کی صداقت کے قائل نہ تھے اس سے ڈرتے تھے کہ وحی الٰہی جس کے متعلق انہیں تجربہ ہو چکا تھا کہ وہ واقعات غیبی کے پردہ در ہے‘ کہیں ان کے مخفی جرائم اور دل کے کھوٹوں کو برملا ظاہر نہ کر دے۔

یحذر المنافقون ان تنزل علیھم سورۃ تنبئھم بما فی قلوبھم۔(توبہ۔۸)

منافقین اس سے ڈرتے ہیں کہ مسلمانوں پر کوئی ایسی سورہ اترے جو ان کو ان باتوں سے آگاہ کر دے‘ جو منافقوں کے دلوں میں ہیں۔

بنو نضیر کی سازش کی اطلاع::

ایک دفعہ ایک ضروری کام کے لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم چند رفقائے خاص کے ساتھ بنو نضیر کے قلعہ میں تشریف لے گئے‘ یہود بنی نضیر نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور دیگر اکابر اسلام کے خفیہ قتل کا اس کو بہترین موقع سمجھا‘ چنانچہ جس دیوار کے نیچے آپ ﷺ کھڑے تھے اس کی چھت پر ایک شخص چڑھ گیا کہ اوپر

سے ایک بھاری پتھر آپ ﷺ پر گرا دے کہ دب کر مر جائیں' اللہ تعالیٰ جو اپنے پیغمبر کی حفاظت کا کفیل تھا اس نے بروقت اطلاع دی اور آپ ﷺ فوراً ان کے دام سے باہر نکل آئے اور ان کو ان کے اس ارادۂ فاسد کی اطلاع بھیج دی' اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی۔

یایھا الذین امنوا اذکروا نعمت اللہ علیکم اذھم قوم ان یبسطوا الیکم ایدیم فکف ایدیھم عنکم واتقوا اللہط وعلی اللہ فلیتوکل المؤمنون۔ (مائدہ: ۲)

اے مسلمانو! خدا کے اس احسان کو جو اس نے تم پر کیا یاد کرو کہ جب ایک گروہ نے تم پر دست درازی کا قصد کیا تو خدا نے تم سے ان کے ہاتھوں کو روک دیا اور اللہ سے ڈرتے رہو اور مسلمانوں کو چاہئے کہ اللہ ہی پر بھروسہ رکھیں۔

مہاجرین حبش کو بشارت::

قریش کے گوناگوں مظالم سے تنگ آ کر مسلمانوں کی ایک کثیر تعداد اپنے ملک و وطن کو خیر باد کہہ کر حبش چلی گئی' اول تو غیر ملک اور بدلیس میں ان مسلمانوں کا جانا ہی فکر و تردد کا باعث تھا اور معلوم نہ تھا کہ حبش کے عیسائی بادشاہ اور امراء نئے مذہب کے ان پیرووں کے ساتھ کیونکر پیش آئیں گے؟ اس سے زیادہ فکر کی چیز یہ تھی کہ روسائے قریش کے تجارتی تعلقات کے باعث حبش کے امراء ان سے شناسا تھے اور باہم ان کے درمیان دیرینہ روابط تھے' اس کے بعد اس سے بھی زیادہ تردد انگیز یہ واقعہ ہوا کہ روسائے قریش نے اپنے گذشتہ تعلقات کی بناء پر نجاشی کے دربار میں تحفے تحائف دے کر اپنے سفراء اس غرض سے بھیجے تا کہ وہ ان بے وطن مسلمانوں کو اپنے ملک میں رہنے کی اجازت نہ دے' یہ تمام اسباب تھے جن کی بناء پر مسلمانوں کو عموماً اور مہاجرین کو خصوصاً اپنے مستقبل کی نسبت سخت تشویش کا پیدا ہونا ضروری

تھا' اس بنا پر سکینت الٰہی نے ان کو امن و امان کو پیام سنانا ضروری سمجھا چنانچہ اسی تشویش ناک اور تردد انگیز عہد میں یہ آیت نازل ہوئی۔

والذین ھاجروا فی اللہ من بعد ما ظلموا لنبوئنھم فی الدنیا حسنۃ ولاجر الاخرۃ اکبر۔(نحل۔٦)

اور جن لوگوں نے اللہ کی خاطر مظلومی کی حالت میں ہجرت کی ہم ان کو بالیقین دنیا میں اچھا ٹھکانہ دیں گے اور آخرت کا ثواب سب سے بڑا ہے۔

اگر ہجرت کا لفظ عام ہے اور اس دلیل سے کہ یہ سورہ قیام مکہ کے زمانہ کی ہے اور جن لوگوں نے اس عہد میں ہجرت کی تھی' ان کا ذکر ہے' صاف معلوم ہوتا ہے کہ یہ خاص مہاجرین حبش کے لئے بشارت ہے' سب کو معلوم ہے کہ خدا کا یہ وعدہ کتنا سچا ہوا؟ نجاشی نے صرف یہ کہ قریش کے سفراء کو خلاف توقع ناکام واپس کر دیا بلکہ مسلمانوں کو اس نے بڑی عزت سے جگہ دی اور خدا اسلام کی طرف میلان ظاہر کیا' بعض مسلمان چودہ چودہ برس وہاں رہے اور اس اثناء میں کئی نجاشی سریر آراء ہوئے مگر کسی نے ان سے تعرض نہیں کیا۔

ہجرت کے بعد قریش کو مہلت نہ ملے گی::

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جس بے سروسامانی کے ساتھ ہجرت فرمائی تھی اس کی تفصیل اوپر گزر چکی ہے' اس حالت کو دیکھ کر کسی شخص کے دل میں یہ خیال بھی نہ پیدا ہو سکتا تھا کہ یہ بے خانماں قافلہ ایک دن مدینہ سے اس قدر طاقتور ہو کر نکلے گا کہ جن لوگوں نے ابتدائے نبوت سے آغاز ہجرت تک اس کی جان لینے میں کوئی کسر اٹھا نہیں رکھی' وہ اس کے ہاتھوں خود ہلاک و برباد ہو جائیں گے' لیکن قرآن مجید دوسری پیشین گوئی کر رہا تھا' چنانچہ ہجرت سے ایک سال پہلے مکہ معظمہ میں یہ آیت اتری:

واذ کانوا یستفزونك من الارض لیخرجوك منها
واذا لا یلبثون خلفك الا قلیلا۔

اگر وہ تم کو سرزمین مکہ سے گھبرا چکے تا کہ تم کو اس سے نکال
دیں تو وہ تمہارے بعد بہت کم مدت باقی رہیں گے۔

چنانچہ یہ پیشین گوئی حرف بہ حرف پوری ہوئی اور ایک ہی سال کے بعد غزوہ بدر نے صنادید قریش کا خاتمہ کر دیا اور اہل عرب کی مخالفت کی جڑ کٹ گئی۔

مدینہ میں بڑے بڑے مصائب کا سامنا ہوگا::

عجب نہیں کہ مدینہ آ کر مسلمانوں کو یہ اطمینان ہوگیا کہ ان کی تمام تکلیفوں کا خاتمہ ہو گیا اور اس وقت کوئی ایسا قرینہ بھی نہ تھا جس سے یہ معلوم ہوتا کہ قریش انتقام کے جوش میں نیام سے تلواریں کھینچ لیں گے اور تمام عرب اس مہم میں ان کا ہم آہنگ ہو جائے گا اور متصل آٹھ برس تک لڑائیوں کا سلسلہ قائم رہے گا' جس میں مسلمانوں کو' فاقہ تنگ دستی' قتل وخونریزی' ہر نوع کی مصیبتوں سے دوچار ہونا پڑے گا' مگر عالم غیب کا پیغام محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو پہلے ہی سے پہنچ چکا تھا۔

ولنبونکم بشئی من الخوف والجوع ونقص من
الاموال والانفس والثمرت۔(بقرہ:۱۹)

اور ہم یقیناً تم کو کسی قدر خوف' فاقہ اور جانوروں کی اور مال
اور پھلوں کی کمی کی مصیبتوں سے آزمائیں گے۔

دینی اور دنیاوی شہنشاہی کا وعدہ::

لیکن اس بے سروسامانی کے عالم میں اس بے خانماں گروہ کے ساتھ خدا تعالی نے ایک وعدہ اور بھی کیا اور ان کو خلافت ارض یعنی دینی و دنیاوی شہنشاہی کی بشارت دی' یہ بشارت واقعات موجودہ کے کس قدر خلاف تھی مگر چند ہی سال میں محال نے وقوع کی صورت اختیار کر لی۔

وعداللہ الذین امنوا منکم وعملوا الصلحت

لیستخلفنھم فی الارض کما استخلف الذین من قبلھم ولیمکنن لھم دینھم الذی ارتضی لھم ولیبدلنھم من بعد خوفھم امنا۔(نور: ۱)

تم میں سے جولوگ ایمان لائے اور عمل صالح کیا' خدا نے ان سے وعدہ کیا ہے کہ ان کو زمین کا خلیفہ بنائے گا' جیسا کہ اس نے تم سے پہلے کے لوگوں کو خلیفہ بنایا اور جو دین ان کے لئے پسند کیا ہے اس کو مستحکم کردے گا اور ان کے خوف کو امن سے بدل دے گا۔

مسلمانوں کی حالت کے لحاظ سے یہ بشارت کس قدر عجیب وغریب تھی' مسلمانوں کا گروہ ایک مظلوم' بیکس اور ضعیف گروہ تھا' جس کو کفار نے طرح طرح کی اذیتیں دے کر خانماں برباد کر دیا تھا اور اس نے مدینہ میں آ کر خدا کے چند نیک بندوں کے سائے میں پناہ لی تھی' یہاں آ کر بھی اس کو اطمینان وراحت کی نیند نصیب نہ ہوئی۔ کفار مکہ پہلے ہی سے جان کے دشمن تھے' یہاں آ کر دشمنوں کی تعداد میں منافقین اور یہود کا اور بھی اضافہ ہو گیا۔ اس کا نتیجہ یہ تھا کہ صحابہؓ کو ہمیشہ کفار کے حملہ کا خوف لگا رہتا تھا اور ذرا سے شوروغل پر مدینہ میں بدحواسی پھیل جاتی تھی' یہاں تک کہ صحابہ ہمیشہ سوتے جاگتے مسلح رہتے تھے' چنانچہ اس مظلوم گروہ نے اس حالت سے تنگ آ کر ایک دن کہا کہ کیا کبھی وہ دن بھی آئے گا۔ جب ہم کو اطمینان حاصل ہو گا اور خدا کے سوا کسی اور کا ڈر نہ ہو گا اس پر ان کو قرآن مجید نے خلافت ارض کی بشارت دی (۱)۔ اور وہ پوری ہوئی اور اس گروہ نے دنیا پر اس طرح کامیاب حکومت کی کہ اس کے سامنے تمام متمدن حکومتوں کا شیرازہ بکھر گیا' اس سے بڑھ کر اس پیشین گوئی کی صداقت کیا ہو سکتی ہے۔

قبائل عرب کی شکست ہو گی::

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانہ میں جو غزوات پیش آئے' اسلام کو جو غلبہ

حاصل ہوا' کفار کو جو شکستیں ہوئیں' قرآن مجید نے ان کے متعلق پیشین گوئیاں کیں اور اس حالت میں کیں جب ظاہری اسباب کے لحاظ سے کسی کو اس کا وہم و گمان بھی نہیں ہو سکتا تھا' چنانچہ جب ہر طرف سے کفار کا ہجوم تھا اور اس ہجوم کو دیکھ کر ان کو یقین تھا کہ تمام عرب مل کر مسلمانوں کا خاتمہ کر دے گا' خدا نے یہ اعلان عام کر دیا اس کہ عنقریب خود مسلمان تمام عرب قبائل کی مخالفانہ قوتوں کا خاتمہ کر دیں گے۔

ام یقولون نحن جمیع منتصر سیھزم الجمع ویولون الدبر۔(قمر۔۳)

کیا وہ کفار کہتے ہیں کہ ہم سب ایک اور ایک دوسرے سے مددگار ہیں' یہ جتھا توڑ دیا جائے گا اور وہ پشت پھیریں گے۔

ولو قاتلکم الذین کفروا لولوا الادبار ثم لا یجدون ولیا ولا نصیرا۔(فتح:۳)

اور اگر کفار تم سے لڑیں گے تو ان کو بھاگنا پڑے گا پھر وہ کوئی حامی اور مددگار نہ پائیں گے۔

قاتلوھم یعذبھم اللہ بایدیکم ویخزھم وینصرکم علیھم ویشف صدور قوم مئومنین . ویذھب غیظ قلوبھم۔(توبہ۔۲)

تم ان سے لڑو' خدا ان کو تمہارے ہاتھ سے عذاب دے گا اور ان کو رسوا کرے گا اور تم کو ان پر فتح دے گا اور مسلمانوں کے دل ٹھنڈے کرے گا اور ان کے دلوں کا غصہ دور کرے گا۔

اور یہ تمام پیشین گوئیاں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہی کے زمانہ میں پوری ہوئیں' اسلام نے عرب کے تمام قبائل کی مخالفانہ قوتوں کا خاتمہ کر دیا اور انہوں نے ہر موقع پر شکستیں کھائیں۔

قریش کی شکست اور بربادی کے وعدے::

مصیبت زدہ اور بے سروسامان مسلمانوں کی تسکین کی خاطر آنحضرت صلی اللہ علیہ

وآلہ وسلم کی زبان مبارک سے قریش کی تباہی و بربادی اور مسلمانوں کی فتح و کامیابی کے متعدد وعدہ کئے گئے تھے' جن میں سے بعض آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زندگی میں اور بعض آپ کی وفات کے بعد پورے ہونے والے تھے۔

فاما نذھبن بك فانا منھم منتقمون او نرینك الذی وعدناھم فانا علیھم مقتدرون۔ (زخرف۔۴)

پس اگر ہم تجھ کو اٹھالیں تو بھی ان کافروں سے انتقام لیں گے اور اگر ہم تیری زندگی میں تجھ کو وہ دکھا دیں۔ جس کی دھمکی ان کافروں کو ہم نے دی ہے تو ہم ان پر قدرت رکھتے ہیں۔

فاصبر ان وعداللہ حق فاما نرینك بعض الذی نعدھم او نتوفینك فالینا یرجعون۔ (مومن۔۸)

تو صبر کر خدا کا وعدہ یقینا سچا ہے تو جس بات کی دھمکی ہم ان کافروں کو دیتے ہیں اس کو یا تیری زندگی میں دکھا دیں گے یا تجھ کو موت دیں گے تو وہ ہمارے پاس ہی لوٹائے جائیں گے۔

واما نرینك بعض الذی نعدھم او نتوفینك فانما علیك البلاغ وعلینا الحساب اولم یروا انا فاتی الارض ننقصھا من اطرافھا واللہ یحکم لا معقب لحکمہ۔ (رعد۔۶)

اور اگر تیری ہی زندگی میں بعض وہ وعدے جو ہم نے ان سے کئے ہیں دکھا دیں یا تجھ کو موت دے دیں تو تیرا فرض صرف پیام پہنچا دینا ہے اور ہمارا کام حساب لینا ہے کیا یہ کافر نہیں دیکھتے کہ (ہم اسلامی فتوحات کے ذریعہ سے) سرزمین (عرب) کے حدود میں (کافروں کے قبضہ کو) کم کرتے جاتے ہیں' خدا ہی اپنا حکم چلاتا ہے کوئی اس کے حکم کو رد و بدل

نہیں کر سکتا۔

فتح کی پیشین گوئیاں::

جو چیز مسلمانوں کے دل سے لگی ہوئی تھی وہ فتح مکہ تھی' یعنی اس شہر پر قبضہ جہاں سے وہ نہایت بے بسی اور بے کسی کے عالم میں نکلے تھے اور جس کے حدود میں ان کو قدم رکھنے کی اجازت نہ تھی' وہ گو اب مدینہ کے دارالسلطنت میں تھے' تاہم وطن کی یاد دلوں سے کم نہیں ہوتی تھی' ان کو فتح پر فتح ہوتی جاتی تھی' لیکن ان کے دل کی کلی اپنی شگفتگی کے لئے جس موسم بہار کا انتظار کر رہی تھی وہ ہنوز نگاہوں سے دور تھا' مگر بشارت الٰہی ہر قدم پر ان کے لئے تسکین کا نیا پیام لا رہی تھی اور مژدہ فتح سے ان کے دل شاد کرتی جاتی تھی' سورۂ قصص میں یہ آیت اتری:

ان الذی فرض علیک القران لراوك الی معاد۔ (قصص: ۹)

جس نے تجھ پر قرآن فرض کیا ہے وہ تجھ کو ٹھکانے کی طرف پھر لوٹا کر لے جانے والا ہے۔

یعنی مکہ (۱)۔ پھر سورۂ صف میں خدا نے مسلمانوں کو آخرت میں جنت کی بشارت دینے کے ساتھ اس دنیا میں بھی ایک بشارت دی۔

واخری تحبونها نصر من الله وفتح قریب وبشر المؤمنین۔ (صف: ۲)

اور دوسری نعمت جس کو تم دل سے چاہتے ہو' وہ خدا کی طرف سے نصرت اور عنقریب فتح ہے اور مسلمانوں کو بشارت سنا دے۔

صلح حدیبیہ سے پہلے خواب میں آپ ﷺ کو خانہ کعبہ کا داخلہ دکھایا گیا۔

لقد صدق الله رسوله الریا بالحق لتدخلن المسجد الحرام ان شاء الله امنین محلقین روسکم و مقصرین لا تخافون (فتح: ۴)

خدا نے اپنے رسول کے خواب کو سچ کر دیا' تم لوگ یقیناً مسجد
حرام میں اگر خدا نے چاہا تو بے خوف و خطر داخل ہوں' بال
منڈا کر یا ترشوا کر کسی سے نہ ڈرو گے۔

---

(۱)۔ صحیح بخاری تفسیر آیت مذکور۔

حدیبیہ سے واپس آپ ﷺ آرہے تھے کہ سورۂ فتح نازہوئی۔

ان فتحنا لک فتحا مبینا۔ (فتح: ۱)

ہم نے کھلی فتح تم کو دی۔

آپ ﷺ نے اسی وقت حضرت عمرؓ کو بلوا کر یہ خوشخبری سنائی' اس کے دو برس کے بعد مکہ کی دولت مسلمانوں کو مل گئی۔

خیبر اور حنین کی فتح کی پیشین گوئی::

۶ھ کی صلح حدیبیہ میں فتح مکہ کی پیشین گوئی کی جا چکی تھی جو ۸ھ میں پوری ہوئی لیکن حدیبیہ کی صلح میں مسلمانوں نے رسول کی اطاعت اور متابعت کا جو بہترین نمونہ پیش کیا تھا اور جس صبر اور تحمل سے صلح حدیبیہ کی شرائط کو مسلمانوں نے تسلیم کر لیا تھا اس کے معاوضہ میں اللہ تعالیٰ نے دوسری فتوحات عظیمہ کا وعدہ مسلمانوں سے کیا جن میں بے شمار مال غنیمت ان کو ہاتھ آنے والا تھا۔

فعلم مالم تعلموا فجعل من دون ذلک فتحا قریبا
ھو الذی ارسل رسولہ بالھدی و دین الحق لیظھرہ
علی الدین کلہ و کفی باللہ شھیدا۔ (فتح: ۴)

تو خدا نے وہ نہیں جانا جو تم نے نہیں جانا اور اس (فتح مکہ)
سے پہلے ایک عنقریب فتح تمہارے لئے بنائی اور اسی نے
اپنے پیغمبر کو ہدایت اور دین حق دے کر بھیجا تاکہ اس کو تمام
دینوں پر غالب کرے اور خدا گواہ کافی ہے۔

یہ خیبر کی فتح تھی جو صلح حدیبیہ کے ایک سال کے بعد اور فتح مکہ سے ایک سال پہلے حاصل ہوئی اور جس پر عرب میں یہودیوں کی قوت کا خاتمہ ہو گیا اور اسلام کو عرب

وہ ہمت سے کام لیتے تو اس کا ابطال خود ان کے امکان میں تھا' مثلاً یہودیوں کا دعویٰ تھا کہ وہ خدا کے چہیتے ہیں اور جنت ان کے لئے مخصوص ہے' لیکن چونکہ جنت صرف مرنے کے بعد نصیب ہو سکتی ہے اور جن لوگوں کو اس کے ملنے کا یقین کامل ہو' وہ اس کے لئے جان دینے سے دریغ نہیں کر سکتے اس لئے قرآن مجید نے یہودیوں کے متعلق کہا:

قل ان کانت لکم الدار الاخرۃ عنداللہ خالصۃ من دون الناس فتمنوا الموت ان کنتم صدقین ولن یتمنوہ ابدا بما قدمت ایدیھم واللہ علیم بالظلمین (بقرہ: ۱۱)

کہہ اگر آخرت کا گھر صرف تمہارے لئے مخصوص ہے تو اگر تم سچے ہو تو موت کی آرزو کرو' لیکن وہ لوگ اپنے گناہوں کی وجہ سے ہرگز یہ آرزو نہ کریں گے' خدا ظالموں کو خوب جانتا ہے۔

قل یایھا الذین ھادوا ان زعمتم انکم اولیاء للہ من دون الناس فتمنوا الموت ان کنتم صدقین ولا یتمنونہ ابدا بما قدمت ایدیھم واللہ علیم بالظلمین۔ (جمعہ: ۱)

کہہ اے یہود! اگر تمہارا یہ خیال ہے کہ صرف تمہی خدا کے دوست ہو تو اگر تم اس میں سچے ہو تو موت کی آرزو کرو وہ لوگ اپنے گناہوں کی وجہ سے ہرگز اس کی آرزو نہ کریں گے خدا ظالموں کو خوب جانتا ہے۔

لیکن باوجود اس کے کہ وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تکذیب کے لئے ہر ممکن کوشش کرتے تھے اور آرزوئے موت ان کے لئے ممکن تھی' تاہم قرآن مجید کی پیشین گوئی پوری ہوئی اور آج تک کسی یہودی نے بقائے الٰہی کی آرزو میں جان

نہیں دی۔

یہود کی دائمی ناکامی::

یہود سے دم بہ دم مقابلہ درپیش تھا اور پورے سات برس تک یہ مقابلہ درپیش رہا' یہود عرب میں بڑی طاقت رکھتے تھے' تمام مالی کاروبار ان کے قبضہ میں تھا ان کے پاس بکثرت دولت تھی' عربوں سے تہذیب وتمدن اور علوم وفنون میں اعلانیہ فائق تھے۔ ہر طرح کے سامان جنگ رکھتے تھے اور فن جنگ سے بھی کماحقہ واقف تھے' مدینہ سے لے کر حدود شام تک ان کے تجارتی قلعوں کی مسلسل قطاریں تھیں اور ادھر مسلمانوں کے پاس ان میں سے کوئی چیز نہ تھی' بایں ہمہ قرآن مجید نے اپنے پیغمبر کی زبانی یہ اعلان عام کردیا۔

ولو امن اهل الكتاب لكان خيرا لهم منهم المؤمنون واكثرهم الفسقون ط لن يضروكم الا اذى ط وان يقاتلوكم يولوكم الادبار ثم لا ينصرون. ضربت عليهم الذلة اين ماثقفوا الا بحبل من الله وحبل من الناس وباء وابغضب من الله وضربت عليهم المسكنة۔

اگر اہل کتاب ایمان لے آتے تو ان کے لئے یہ بہتر ہوتا ان میں بعض ایماندار اور اکثر فاسق ہیں' وہ تم کو سوا تھوڑی تکلیف دینے کے کوئی نقصان نہیں پہنچا سکتے' اور اگر وہ تم سے لڑیں تو پشت پھیر دیں' پھر ان کی مدد نہ کی جائے گی' ان پر ذلت جہاں کہیں وہ ہوں چھینک ماری گئی ہے لیکن خدا کے کسی وسیلہ سے یا لوگوں کی سفارش سے کبھی کبھی اس ذلت سے بچ جائیں' خدا کا غضب لے کر وہ لوٹیں گے اور بیچارگی ان پر چھا جائے گی۔

اس وقت سے آج تک ان کی اشیاء افریقہ اور یورپ ہر جگہ کی تاریخ اس صداقت

سے معمور پیشین گوئی کی صرف ظرف تصدیق ہے۔

روم کی قوت ٹوٹ جائے گی::

۶ھ کے بعد مسلمانوں کا مقابلہ عرب کے مشرکین اور یہود سے زیادہ سخت اور طاقت ور دشمن رومی عیسائیوں سے آ پڑا۔ رومن امپائر کی وسعت' قوت' سامان' نظام' فوج' خزانہ کو پیش نظر رکھ کر مسلمانوں کی حالت پر غور کرو تو معلوم ہو گا کہ ایک پرکاہ کا کوہ سے مقابلہ ہے' تاہم اسلام کے پیغمبر کی زبان سے اسی وقت یقین و تسلی کے کلمات دنیا نے سن لئے۔

هو الذی ارسل رسوله بالهدی و دین الحق لیظهر علی الدین کله۔(صف: ۱)

وہی خدا ہے جس نے اپنے پیغمبر کو ہدایت اور سچا دین دے کر بھیجا ہے تا کہ اس دین کو تمام دینوں پر غلبہ عطا کرے۔

دنیا کو اس پیشین گوئی کی تصدیق کے لئے صرف سال کا انتظار کرنا پڑا۔

خلفائے راشدین کے زمانہ کی لڑائیاں::

لیکن قرآن مجید کی پیشین گوئیاں صرف انہی غزوات کے ساتھ مخصوص نہ تھیں جو عہد نبوت میں پیش آئے بلکہ اس کے بعد بھی خلفاء کے زمانہ میں جو عظیم الشان لڑائیاں واقع ہوئیں' ان کے متعلق قرآن مجید نے پہلے سے پیشین گوئی کر دی تھی اور وہ آئندہ زمانہ میں پوری ہوئیں۔ مسلمانوں کو ایرانیوں اور رومیوں سے جو جنگ کرنا پڑی وہ تاریخ اسلام کا ایک نمایاں واقعہ ہے لیکن قرآن مجید نے اس کے نتائج کا پہلے سے اعلان کر دیا تھا۔

قل للمخلفین من الاعراب ستدعون الی قوم الی باس شدید تقاتلونهم او یسلمون۔ (فتح: ۲)

جہاد میں جان چرانے والے بدووں سے کہہ دو کہ تم کو ایک سخت طاقتور قوم سے جنگ کرنے کے لئے بلایا جائے گا تم

لوگ ان سے لڑو گے یا وہ مسلمان ہوں گے۔

چنانچہ یہ جنگ ہوئی اور وہی نتیجہ ہوا جس جو قرآن مجید نے دوصورتوں میں یعنی قتل اور اسلام میں محدود کر دیا تھا۔

وفات نبوی ؐ کی پیشین گوئی::

مکہ کی فتح کے بعد آپ ﷺ کی زندگی کا مقصد پورا ہو گیا اور اس عام اصول کی بناء پر کہ انبیاء اپنی زندگی کا مقصد پورا کرنے کے بعد نہیں رہتے' وہ وقت آیا کہ آپ ﷺ اپنی اصلی مرکز یعنی ملاء اعلیٰ سے جاملیں' اس لئے خداوند تعالیٰ نے اس راز کو ایک مستقل پیشین گوئی کی صورت میں ظاہر کر دیا۔

اذا جاء نصر اللہ و الفتح و رایت الناس یدخلون فی دین اللہ افواجا فسبح بحمد ربک و استغفرہ انہ کان توابا۔ (النصر)

جب خدا کی مدد اور فتح آ گئی اور تم نے دیکھ لیا کہ لوگ خدا کے دین میں جھنڈ کے جھنڈ داخل ہو رہے ہیں تو خدا کی تسبیح اور استغفار کر' وہ بڑا توبہ قبول کرنے والا ہے۔

اس سورہ میں آپ ﷺ کے وصال کی پیشین گوئی اگرچہ نہایت مبہم الفاظ میں کی گئی ہے لیکن اشارات سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہ مژدہ نہیں بلکہ مژدہ وصال ہے' کیونکہ مژدہ فتح کے ساتھ تسبیح و استغفار کو کوئی مناسبت نہیں بلکہ اس کے لئے شکر موزوں ہے' تسبیح و استغفار کا اصلی وقت وہ ہے جب انسان دنیا سے رخصت ہوتا ہے چنانچہ صحابہ میں جو لوگ نکتہ دان شریعت تھے وہ اس راز کو سمجھ گئے تھے۔

مر چکے تھے' حضرت حمزہ محسن تھے اور ۳ھ ہی میں شہادت پا چکے تھے' حضرت عباسؓ دو برس بڑے تھے' اس بناء پر محدثانہ اصول تنقید کے معیار پر اس زمانہ کے واقعات کا سلسلہ روایت بہت کم صحیح اترتا ہے اور اس لئے وہ غیر مستند ٹھہرتے ہیں۔

بہر حال تمام صحیح معجزات کے استقصاء سے کچھ واقعات بعثت سے پہلے کے معلوم ہوتے ہیں' کچھ مکہ کی زندگی اور زیادہ تر مدینہ عہد کے جب اسلامی روایتوں کا سلسلہ روایوں کی کثرت کے باعث مستحکم ہو چکا تھا ملتے ہیں' بعثت کے بعد جو معجزات ظاہر ہوتے ہیں وہ نوعیت کے لحاظ سے مختلف ہیں' مثلاً بعض واقعات اجسام کائنات میں تصرف اور تاثیر کے ہیں' بعض تکثیر اشیاء کے ہیں' بعض استجابت دعا اور شفائے امراض وغیرہ کے ہیں' اس لئے ذیل میں ہر نوع کے معجزات کو ہم علیحدہ علیحدہ لکھتے ہیں۔

علامات نبوت

قبل بعثت

ہر شخص اس کو تسلیم کرے گا کہ ممتاز افراد کے سوانح زندگی میں شروع ہی سے ایسے آثار پائے جاتے ہیں۔ جو ان کے روشن مستقبل کی پیشین گوئی کرتے ہیں' جب یہ ان ممتاز افراد انسانی کا یہ حال ہے جو خاندانوں' قوموں اور ملکوں کے صرف ظاہری رہنما اور رہبر ہوتے ہیں تو اس حیثیت سے ان برتر ہستیوں کی نسبت کیا شبہ ہو سکتا ہو جو قوموں کے روحانی پیشواء اور انسانیت کے حقیقی رہبر اور رہنما ہوتے ہیں' چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ابتدائی سوانح زندگی میں اس قسم کے واقعات بکثرت ملتے ہیں' کتب سیر و دلائل کے مصنفین نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ولادت سے لے کر بعثت تک ان تمام واقعات کو بڑی شرح وبسط سے بیان کیا ہے' مگر جیسا کہ پہلے گزر چکا محدثانہ اصول کی سخت گیری نے ہمارے لئے ان کا دائرہ بہت تنگ کر دیا ہے' صحیح روایتوں سے اس عہد کے جو واقعات علامات نبوت کے تحت میں آ سکتے ہیں' وہ حسب ذیل ہیں۔

حضرت آمنہ کا خواب::

متعدد صحابیوں سے روایت ہے کہ صحابہ نے ایک دفعہ آنحضرت ﷺ سے دریافت کیا کہ یا رسول اللہ! اپنا حال بیان فرمایئے! فرمایا۔ میں اپنے باپ ابراہیمؑ کی دعا اور عیسیٰؑ کی بشارت اور اپنی ماں کا خواب ہوں' میری ماں نے جب میں پیٹ میں تھا' خواب دیکھا کہ ان کے بدن سے ایک نور نکلا ہے جس سے شام کے محل روشن ہو گئے' یہ خالد ابن معدان تابعی کی روایت ہے۔(۱)۔ جو گو ابن سعد میں مرسل ہے' مگر مستدرک میں ہے کہ انہوں نے اصحاب رسول اللہ ﷺ سے سنا' حضرت عرباضؓ بن ساریہ کی روایت میں کچھ الفاظ زیادہ ہیں۔ انہوں نے کہا کہ میں نے رسول اللہ

ﷺ کو کہتے سنا کہ میں خدا کا بندہ اور خاتم انبیاء اس وقت سے ہوں کہ میرا باپ (آدم) آب وگل میں تھا' میں اس کی تفصیل بتاتا ہوں' میں اپنے باپ ابراہیمؑ کی دعا'عیسیٰؑ کی بشارت اور اپنی ماں آمنہ کا خواب ہوں' اور اسی طرح پیغمبروں کی مائیں خواب دیکھا کرتی ہیں' آنحضرت ﷺ کی والدہ نے آپؐ کی ولادت کے وقت خواب دیکھا کہ ایک نور ہے جس سے شام کے محل روشن ہو گئے۔ (۲)۔ پھر یہ آیت پڑھی: (۳)۔

یاایھا النبی انا ارسلناک شاھدا ومبشرا ونذیرا و داعیا الی اللہ باذنہ و سراجا منیرا۔(احزاب:۲)

اے پیغمبر! میں نے تجھ کو گواہ اور خوشخبری سنانے والا اور ڈرانے والا اور خدا کے حکم سے خدا کی طرف پکارنے والا اور روشن چراغ بنا کر بھیجا۔

---

(۱)۔ ابن سعد جلد اول صفحہ ۹۶ مستدرک حاکم ج ۲ صفحہ ۶۰۰ (۲)۔ مسند ابن حنبل ج ٤ صفحہ ۱۲۷ بیھقی' مستدرک (علی شرط الصحیح) ج ۲ صفحہ ٦۰۰ وابن سعد ج ۱ صفحہ ۹٦ (۳)۔ مستدرک حاکم (صحیح) جلد ۲ صفحہ ٤۱۸

ولادت نبویؐ کی پیشین گوئیاں یہود ونصاری میں ::

احادیث سیر اور دلائل کی کتابوں میں تو بر تو ایسی روایتیں ہیں جن سے ثابت ہوتا ہے کہ ظہور نبوی ﷺ کے عہد میں یہود و نصاری خاص طور سے آنے والے پیغمبر کے منتظر تھے اور اس کے جلد ظہور اور بعثت کی مختلف پیشین گوئیاں کر رہے تھے' ان روایتوں میں سے گو ہر روایت بجائے خود ضعیف ہے' مگر ان کی مجموعی حیثیت سے یہ قدر مشترک ضرور نکلتا ہے کہ یہ عہد ان لوگوں کے نزدیک آنے والے پیغمبر کے خاص انتظار کا تھا اور مدینہ کے لوگوں میں اور مکہ کے جویان حق اشخاص میں اس پیغمبر کے ظہور کا خاص ذکر اور چرچا تھا۔

بت خانوں سے غیبی آوازیں::

اسی طرح ان کتابوں میں بکثرت روایتیں ایسی ہیں جن میں بیان ہے کہ آپ ﷺ کی پیدائش کے بعد لوگوں نے بت خانوں کے اندر غیبی آواز سنی کہ ''اب صنم خانوں کی بربادی کا زمانہ آ گیا۔ پیغمبر صادق کی ولادت ظہور میں آ چکی ہے۔''
ان روایتوں کا اکثر حصہ سخت کمزور اور ناقابل اعتبار ہے' تاہم مجموعی شہادت سے اس قدر اخذ کیا جا سکتا ہے کہ اس عہد میں اس قسم کا کوئی واقعہ ضرور ہوا تھا' چنانچہ صحیح بخاری کے حوالہ سے اس قسم کی ایک روایت آ گے آتی ہے۔

شق صدر::

تمام ارباب سیر اور بعض محدثین کی روایت کی بناء پر بچپن کے زمانہ میں جب آپ ﷺ حضرت حلیمہؓ کے ہاں پرورش پا رہے تھے شق صدر کا واقعہ پیش آیا' ایک روایت میں ہے کہ بعض صحابہ نے آپ ﷺ سے دریافت کیا کہ یارسول اللہ! آپ ﷺ کو سب سے پہلا غیبی واقعہ کیا پیش آیا؟ اس کے جواب میں آپ ﷺ نے دو فرشتوں کی آمد اور شق صدر کا واقعہ بیان کیا۔ (۱)۔

اس واقعہ کی سب سے مستند روایت وہ ہے جو حماد بن سلمہ اور ثابت النباتی کے واسطہ سے صحیح مسلم' مسند احمد ابن سعد وغیرہ میں ہے کہ آپ ﷺ ایک روز بچوں کے ساتھ کھیل رہے تھے کہ ایک آنے والا آیا اور اس نے آپ ﷺ کو پکڑ کر سینہ مبارک کو چاک کیا اور قلب اقدس سے خون کا ایک لوتھڑا نکال کر پھینک دیا اور کہا کہ یہی حصہ تجھ میں شیطان کا تھا پھر سونے کے طشت میں زمزم کے پانی سے دھو کر برابر کر دیا' لڑکے بھاگے ہوئے حلیمہ کے پاس آئے کہ محمد ﷺ کو کسی نے مار ڈالا' حلیمہ آئیں تو دیکھا کہ آپ ﷺ کے چہرہ کا رنگ متغیر ہے۔ حضرت انسؓ کہتے ہیں کہ آپ ﷺ کے سینہ میں اس زخم کے ٹانکے کے نشان ہم کو نظر آتے تھے' مستدرک میں بھی اسی قسم کی ایک اور روایت خالد بن معدان سے عتبہ بن عبدالسلمی کے واسطہ سے

مذکور ہے۔(باب دلائل النبوہ ج ۲ص ۲۱۶)

ارباب سیر اور بعض محدثین کی روایت کے مطابق میں نے اس واقعہ کو یہاں لکھ دیا ہے مگر اس باب میں میری جو ذاتی تحقیق ہے وہ اس سے پہلے (شرح صدر) حوالہ قلم کر چکا ہوں۔

---

(۱)۔ مستدرک حاکم جلد ۲ باب معجزات ابن سعد ج ۱ صفحہ ۹۶' مسند دارمی باب کیف کان اول شان النبی صلی اللہ علیہ وسلم و مسند ابویعلی و ابونعیم و ابن عساکر و احمد عن یمنہ ابن عیدان۔

(۲)۔ صحیح مسلم باب الاسرا ابن سعد جلد اول صفحہ ۹۷ مسند ابن حنبل روایات حضرت انسؓ ج ۲

مبارک قدم ہونا::

رواتیوں میں آپ ﷺ کے مبارک قدم ہونے کے بہت سے واقعات مذکور ہیں' مگر ان میں سے کوئی بطریق صحیح مروی نہیں' صرف ایک روایت صحیح طریقہ سے مذکور ہے اور وہ یہ ہے کہ ایک صحابی اپنے باپ سے روایت کرتے ہیں کہ وہ اسلام سے پہلے جاہلیت میں حج کرنے گئے تھے تو انہوں نے دیکھا کہ ایک شخص طواف میں مصروف ہے اور اس کی زبان پر شعر میں دعا ہے۔

ددالی راکبی محمدا

یارب ردواصطنع عندی یدا

"اے میرے پروردگار! میرے سوار محمد ﷺ کو واپس بھیج اور

مجھ پر یہ ایک احسان کر۔"

وہ کہتے ہیں کہ میں نے دریافت کیا کہ یہ کون ہے؟ لوگوں نے بتایا کہ یہ عبدالمطلب ہیں' ان کا ایک اونٹ گم ہوگیا تھا' انہوں نے اپنے پوتے کو اس کے ڈھونڈنے کے لئے بھیجا ہے اور وہ اب تک لوٹ کر نہیں آیا ہے' ان کا یہ پوتا ایسا ہے کہ انہوں نے جس کام کے لئے اس کو بھیجا ہے ان کو کامیابی ہی ہوئی ہے' کچھ دیر کے بعد آپ ﷺ اونٹ لے کر واپس آتے نظر آئے' عبدالمطلب نے سینہ سے لگا لیا۔

۔(۱)

بے ستری میں آپ ﷺ کا غش کھا کر گرنا::

آپ ﷺ بچہ تھے کہ خانہ کعبہ کی تعمیر درپیش ہوئی' تمام شرفائے مکہ اس مقدس گھر کے معمار اور مزدور بنے' بچے اینٹیں اٹھا اٹھا کر لا رہے تھے انہوں بچوں کی صف میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور آپ ﷺ کے چچا حضرت عباسؓ بھی تھے' حضرت عباسؓ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے کہا کہ تہبند کھول کر گردن پر رکھ لو کہ پتھر کی رگڑ سے گردن پر خراش نہ آئے' آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے چچا کے حکم کی تعمیل کی' دفعتاً آپ ﷺ غش کھا کر گر پڑے اور آنکھیں پھٹ کر آسمان سے لگ گئیں' جب ہوش آیا تو آپ ﷺ کی زبان پر یہ لفظ تھے ''میرا تہبند' میرا تہبند!'' لوگوں نے تہبند کمر سے باندھ دیا' یہ صحیحین (۲)۔ کی روایت ہے' حاکم اور ابو نعیم میں ہے کہ ابو طالب نے اس کے بعد واقعہ دریافت کیا تو فرمایا کہ مجھے ایک سفید پوش مرد نظر آیا جس نے کہا کہ ''ستر پوشی کر'' بیہقی اور ابن سعد میں اور حاکم کی دوسری روایت میں ہے کہ ندا آئی کہ ''محمد ﷺ اپنے ستر کو چھپا۔'' ان روایتوں میں ہے کہ غیب کی یہ پہلی آواز تھی جو آپ ﷺ کو سنائی دی۔

نیند طاری ہونا::

حضرت علیؓ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سن کر بیان کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا کہ بعثت سے پہلے صرف دو دفعہ میرے دل میں برا خیال آیا اور دونوں دفعہ خدا نے مجھے بچالیا۔ ایک دفعہ رات کو میں نوجوان چرواہوں کے ساتھ مکہ سے باہر تھا' میرے دل میں آیا کہ شہر کے اندر جا کر لطف احباب اٹھاؤں' چلا تو سر راہ شادی کا ایک جلسہ نظر آیا میں دیکھنے کھڑا ہو گیا تو خدا نے مجھ پر نیند طاری کر دی تو اس وقت تک میں نہ جاگا' جب تک سورج کی کرنوں نے آ کر میرے شانے نہ ہلائے' دوسری دفعہ جب خیال آیا تو پھر یہی واقعہ گزرا' اس کے بعد میں جاہلیت کا

کوئی ارادہ نہ کیا یہاں تک کہ خدا نے مجھ کو نبوت سے مشرف کیا،

(۱)۔ مستدرک حاکم ج ۲ صفحہ ۶۰۳ ذھبی نے حکم کی اس روایت کو علی شرط مسلم تسلیم کیا ھے علاوہ ازیں تاریخ بخاری ابن سعد ابو یعلی طبرانی' بھیقی' ابو نعیم اور ابن مندہ میں یہ واقعہ مذکور ھے۔ (۲)۔ صحیح بخاری ج اول کتاب المناقب باب بنیان الکعبہ' صحیح مسلم۔

صدائے غیب::

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وفات کے بعد کا واقعہ ہے کہ حضرت عمرؓ ایک دفعہ بیٹھے تھے' سامنے سے ایک خوبصورت سا آدمی گزرا' حضرت عمرؓ نے بلوا کر حال پوچھا' اس نے کہا میں جاہلیت میں کاہن تھا' دریافت کیا کہ اس زمانہ میں عجیب ترین واقعہ تم نے کیا دیکھا؟ اس نے کہا میں بازار میں تھا کہ میرا متوکل جن میرے پاس گھبرایا ہوا آیا اور یہ شعر پڑھا:

الم تر الجن و ابلاسھا
ویاسھا من بعد انکاسھا
ولحوتھا بالقلاص و احلابھا

حضرت عمرؓ نے فرمایا اس نے سچ کہا' خود مجھ پر اسی قسم کا ایک واقعہ گزرا' ایک دفعہ میں جاہلیت کے بتوں کے پاس سویا تھا کہ ایک آدمی بچھڑا لے کر آیا اور اس کی قربانی کی' ناگاہ اس کے اندر سے بڑے زور سے چیخنے والے کی آواز آئی جس سے زیادہ چیخ کی آواز میں نے کبھی نہیں سنی' یہ آواز یہ تھی۔

یاجلیح' امر جنیح رجل فصیح یقول لا الہ الا اللہ۔
اے جلیح! کامیاب بات ایک فصیح آدمی کہتا ہے کہ خدا کے سوا کوئی خدا نہیں۔

حضرت عمرؓ کہتے ہیں کہ یہ آواز سن کر سب لوگ کود کود کر بھاگ نکلے' لیکن میں اپنی جگہ سے نہ ٹلا اور دل میں کہا کہ اصل حقیقت دریافت کر کے ٹلوں گا' ناگاہ دوسری دفعہ اور

پھر تیسری دفعہ وہی آواز آئی' اس واقعہ کو کچھ ہی دن گزرے تھے کہ مکہ میں یہ شہرہ ہوا کہ آپ ؐ نے نبوت کا دعویٰ کیا ہے۔(۲)۔

پتھروں سے سلام کی آواز::

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نبوت کے بعد فرمایا کرتے تھے کہ میں مکہ کے اس پتھر کو پہچانتا ہوں جو مجھ کو نبوت سے پہلے سلام کیا کرتا تھا۔ میں اب بھی اس کو پہچانتا ہوں' یہ صحیح مسلم' مسند احمد اور دارمی کی روایت (۳)۔ ہے' دوسری روایتوں میں (۴)۔ ہے کہ مکہ کے اس پتھر کو پہچانتا ہوں جو میری بعثت کے زمانہ میں مجھ کو سلام کیا کرتا تھا۔

خواب میں فرشتوں کی آمد::

نبوت سے پہلے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو حالت خواب میں فرشتے نظر آیا کرتے تھے' صحیح بخاری میں ہے کہ آغاز وحی سے پہلے رویا میں تین فرشتے آپ ﷺ کے پاس آئے' آپ ﷺ دوسرے لوگوں کے ساتھ کعبہ کے احاطہ میں آرام فرمارہے تھے کہ ایک فرشتے نے پوچھا۔ ''ان میں وہ کون ہے؟'' بیچ والے نے جواب دیا۔ ''ان میں جو سب سے بہتر ہے۔'' پچھلے نے کہا ''تو ان میں سے بہتر کو لے لو۔'' تو اس کے بعد وہ لوگ چلے گئے۔(۵)۔

---

(۱)۔ مسند ابن راھویہ ابن اسحاق' بزاز' بھیقی' ابونعیم' ابن عساکر قال ابن حجر اسنادہ' حسن متصل درجا (خصائص کبری سیوطی' ج اول صفحہ ۸۸ حیدر آباد' مستدرک حاکم ج ٤ صفحہ ٢٤٥ علی شرط مسلم۔) (۲)۔ صحیح بخاری باب اسلام عمر۔ (۳)۔ صحیح مسلم کتاب الفضائل مسند احمد ج ٥ صفحہ ٩ و مسند دارمی صفحہ باب ما اکرم اللہ بہ نبیہ من ایمان الشجر بروایت جابرؓ بن سمرہ۔ (٤)۔ جامع ترمذی ذکر معجزات و ابونعیم صفحہ ١٤١۔ (٥)۔ صحیح بخاری کتاب التوحید و باب صفتہ النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کتاب الانبیاء۔

اشیاء میں اثر

اشیاء میں اثر سے مقصود یہ ہے کہ بحکم الٰہی کبھی کبھی آپ ﷺ کے فیض و برکت کی قوت اثر سے جمادات' نباتات' حیوانات اور انسانوں میں ایک ایسا انقلاب پیدا ہو گیا' جس کی بناء پر اشیاء سے ان کی فطرت کے مافوق یا ان کے معمول کے برخلاف افعال' حرکات اور اثرات رونما ہوئے' اس قسم کے معجزات حضرت موسیٰؑ کی سیرت میں زیادہ نمایاں ہیں' مثلاً پانی کا خون ہو جانا' عصاء کا سانپ بن جانا' ہتھیلی کا چمکنے لگنا' عصاء کی ضرب سے دریا کا خشک ہو جانا' چٹان سے پانی بہنے لگنا' اوس کے اٹھانے سے دشمن کا شکست کھانا' آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بھی یہ نشانیاں ملی تھیں' جن میں سب سے مستند معجزہ شق القمر ہے' جس کی تفصیل دلائل قرآنی کے ضمن میں پہلے گزر چکی' اس کے بعد ستون' حنانہ یعنی مسجد نبوی کے ستون خرما سے گریہ و بکا کی آواز پیدا ہونے کا واقعہ ہے۔

ستون کا رونا::

مسجد نبوی میں پہلے منبر نہ تھا' مسجد میں خرمے کے تنے کا ایک ستون تھا' آپ ﷺ اس سے ٹیک لگا کر خطبہ دیا کرتے تھے' منبر تیار ہوا تو آپ ﷺ نے اس پر کھڑے ہو کر جمعہ کا خطبہ دینا شروع کیا تو دفعتًا اس ستون سے بچوں کی طرح رونے کی آواز آنے لگی' بعض روایتوں میں ہے کہ اونٹنیوں کی طرح بلبلانے کی آواز آئی' یہ حاضرین کے اختلاف مذاق کی بناء پر رونے کی مختلف تشبیہیں ہیں' راویوں کا مشترک مقصود یہ ہے کہ درد فراق سے اس جزع و فزع کی آواز سنائی دینے لگی' یہ دیکھ کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم منبر سے اتر کر آئے اور ستون پر تسکین کے لئے ہاتھ پھیرا اور اس کو سینہ سے لگایا تو آواز بند ہو گئی' آپ ﷺ نے فرمایا کہ اس کا رونا اس بناء پر تھا کہ یہ پہلے خدا کا ذکر سنا کرتا تھا۔ (۱)۔ یہ واقعہ حدیث کی اور سیر کی

کتابوں میں گیارہ مختلف صحابیوں سے منقول ہے۔(۲)۔

منبر کا ہلنے لگنا::

ایک دفعہ آنحضرت ﷺ منبر پر خطبہ دے رہے تھے' جلال و کبریائی الٰہی کا بیان تھا' آپ ؐ خود بہت متاثر تھے' حضرت ابن عمرؓ کہتے ہیں کہ میں نے دیکھا تو آپ ؐ داہنے بائیں ہل رہے تھے اور نیچے سے منبر اس زور سے ہل رہا ہے کہ مجھے ڈر ہوا کہ آپ ؐ کو لے کر نہ گر پڑے۔(۳)۔

---

(۱)۔ صحیح بخاری باب علامات النبوہ و مسند احمد و ترمذی ابویعلی و ابن ماجه و دارمی (معجزات) و نسائی (باب خطبته الجمعه۔) (۲)۔ (۱)جابرؓ بن عبداللہ (بخاری' نسائی' امام احمد' بزار' ابونعیم (۲)سہیلؓ بن سعد (ابن ابی شیبه' ابن سعد علی شرط الصحیحین' (۳)عبداللہ بن عمرؓ (بخاری امام احمد ترمذی' (٤)انسؓ بن مالك (ترمذی' امام احمد' ابویعلی' ابن ماجه' بزار' ابونعیم' (٥)ابی بن کعبؓ امام احمد' امام شافعی' ابن ماجه' دارمی' ابویعلی' ابن سعد' (٦)عبداللہ بن عباسؓ امام احمد' ابن ماجه علی شرط مسلم ابن سعد' بهیقی' دارمی (۷)ابوسیعد خدریؓ (ابن ابی شیبه' ابویعلی' دارمی' عبد بن حمید' ابونعیم علی شرط مسلم' (۸)بریدهؓ دارمی' (۹)مطلب بن دوانه (زبیر بن بکار فی اخبار المدینه' (۱۰)ام سلمةؓ (طبرانی' بهیقی)' (۱۱)عائشةؓ (بهیقی و ابونعیم۔) (۳)۔ صحیح مسلم باب ابتداء الحق ابن ماجه ذکر المبعث' مسند عن ابن عمرو غیره۔

چٹان کا پارہ پارہ ہو جانا::

غزوۂ خندق میں تمام صحابہ مل کر مدینہ کے چاروں طرف دشمنوں سے بچنے کے لئے خندق کھود رہے تھے' اتفاق سے ایک جگہ ایک بہت سخت چٹان نکل آئی لوگوں نے ہر چند اس کو توڑنا چاہا' مگر وہ نہ ٹوٹی' کدالیاں اس پر پڑ کر اچٹ جاتی تھیں' آخر لوگوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں آ کر صورت حال عرض کی' آپ ﷺ اٹھ کر خود تشریف لائے اور کدال ہاتھ میں لے کر ایک ضرب لگائی تو وہ

چٹان ریگ ہو کر چور چور ہو گئی۔(۱)۔

درختوں اور پہاڑوں سے سلام کی آواز::

حضرت علیؓ کہتے ہیں کہ ایک دفعہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ مکہ میں ایک طرف کو نکلا تو میں نے دیکھا کہ جو پہاڑ اور درخت بھی سامنے آتا ہے اس سے السلام یا رسول اللہ کی آواز آتی ہے اور میں ان کو سن رہا تھا۔(۲)۔

پہاڑ کا ہلنا::

صحیح بخاری میں ہے کہ ایک دن آپ ﷺ اور آپ ﷺ کے ساتھ حضرت ابوبکر صدیق ﷺ، حضرت عمرؓ اور حضرت عثمان ﷺ اور صحیح مسلم میں ہے کہ حضرت علیؓ اور حضرت طلحہ ﷺ، اور حضرت زبیرؓ (۴)۔بھی تھے، ایک پہاڑ پر چڑھے، پہاڑ جنبش کرنے لگا، آپ ﷺ نے پہاڑ کو پائے مبارک سے ٹھوکر مار کر فرمایا۔ٹھہر جا! کہ تیری پشت پر اس وقت پیغمبر ہے یا صدیق ہے یا شہید ہے۔(۵)۔

صحیح بخاری میں راوی کو شک ہے، یہ پہاڑ کوہ احد تھا یا کوہ حرا۔مگر صحیح مسلم میں اور مسند احمد میں صرف کوہ حرا کا اور ابویعلیٰ اور بیہقی میں صرف کوہ احد کا نام ہے، بہر حال اگر یہ کوہ احد تھا تو مدینہ کا یہ واقعہ ہے اور اگر کوہ حرا تھا تو مکہ کا ہے۔

آپ ﷺ کے اشارہ سے بتوں کا گر جانا::

فتح سے پہلے خانہ کعبہ میں تین سو ساٹھ بتوں کا معبد تھا، جب مکہ فتح ہوا تو آپ ﷺ کعبہ میں تشریف لے گئے، دست مبارک میں ایک چھڑی تھی اور زبان اقدس پر یہ آیت کریمہ جاری تھی:

جاء الحق وزهق الباطل ان الباطل كان زهوقا۔(بنی اسرائیل: ۹)

حق آیا اور باطل مٹ گیا، باطل مٹنے ہی کے لئے آیا تھا۔

آپ ﷺ چھڑی سے جس بت کی طرف اشارہ کرتے تھے وہ بے چھوئے دھم سے

گر پڑتا تھا۔

یہ واقعہ کعبہ کے چاروں طرف تین سو ساٹھ بت تھے اور آپ ﷺ دست مبارک میں چھڑی لے کر ان بتوں کی طرف اشارہ کرتے جاتے اور آیت مذکور تلاوت کرتے جاتے تھے' صحیح بخاری و مسلم باب فتح مکہ میں موجود ہے مگر اس اشارہ سے بے چھوئے بتوں کا گر جانا گرتے جانا صحیحین میں مذکور نہیں' البتہ فاکہی میں بروایت

(۱)۔ صحیح بخاری (غزوئہ خندق و نسائی کتاب الجہاد) و بیہقی و ابونعیم و ابن سعد و ابن اسحق و ابن جریر۔ (۲)۔ جامع ترمذی ذکر معجزات بروایت حسن۔ (۳)۔ صحیح بخاری مناقب ابی بکرؓ۔ (٤)۔ صحیح مسلم فضائل طلحہؓ و زبیر۔ (۵)۔ صحیحین کے علاوہ یہ واقعہ مسند ابن حنبل بروایت بریدہ اور ترمذی نسائی اور دارقطنی بروایت حضرت عثمانؓ اور ابویعلی اور بیہقی میں بروایت سہل بن سعد مذکور ہے۔

عمر اور طبرانی' ابن اسحاق اور ابونعیم میں بروایت ابن عباسؓ موجود ہے' فاکہی کی روایت کو ابن حبان نے صحیح کہا ہے' صحیح بخاری کتاب المغازی باب غزوہ الفتح میں جو روایت ہے اس سے ضمناً اس کے خلاف یہ سمجھا جا سکتا ہے کہ آپ ﷺ نے ان لوگوں سے اکھڑوا کر پھینکوا دیا' اس حدیث کے الفاظ یہ ہیں:

عن ابن عباس لما قدم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ابی ان یدخل البیت فیہ الالھت فامربھا فاخرجت۔

ابن عباس سے روایت ہے کہ جب آپ ؐ مکہ آئے تو اس حالت میں کہ خانہ کعبہ کے اندر بت تھے' آپ ؐ نے اس کے اندر جانے سے انکار کیا تو آپ ؐ نے ان کے باہر نکال دینے کا حکم دیا تو وہ باہر نکال دیئے گئے۔

اگر فاکہی' طبرانی' ابن اسحاق' اور ابونعیم کی روایت بالا صحیح ہو تو اس میں اور بخاری کی اس روایت میں یہ تطبیق ممکن ہے کہ پہلے جن بتوں کا ذکر ہے وہ حول البیت یعنی خانہ

کعبہ کے باہر چاروں طرف تھے‘ آپ ﷺ ان کی طرف اشارہ کر کے آیت مذکور کو پڑھتے تھے اور وہ گر جاتے تھے اور خانہ کعبہ کے اندر جو بہت تھے۔ اپنے اندر جانے سے پہلے آپ ﷺ نے ان کو نکلوا کر پھینکوا دینے کا حکم دیا تھا‘ اسی طرح بخاری و مسلم کی فتح مکہ والی روایت میں جن بتوں کو چھڑی سے کونچنے دینے کا ذکر ہے وہ‘ وہ ہیں جو باہر تھے یعنی حول البیت اور جن کے نکلوانے کا ذکر بخاری کی دوسری روایت میں ہے وہ خانہ کعبہ کے اندر تھے۔

کھانوں سے تسبیح کی آواز::

حضرت جابرؓ کہتے ہیں کہ تم لوگ معجزوں کو خوف کی چیز سمجھتے ہو اور ہم لوگ ان کو برکت سمجھتے تھے۔ ہم کھانوں سے جب وہ کھائے جاتے تھے‘ تسبیح کی آواز سنا کرتے تھے۔ (۱)۔

زمین کا ایک مرتد کو قبول نہ کرنا::

ایک عیسائی نے اسلام قبول کیا اور سورۂ بقرہ و آل عمران پڑھی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کے متعلق کتابت وحی کی خدمت کی‘ چند دنوں کے بعد وہ مرتد ہو کر بھاگ گیا اور عیسائی ہو گیا‘ اور مشہور کیا کہ میں نے جو کچھ لکھا ہے محمد ﷺ اس کے سوا کچھ نہیں جانتے‘ اللہ تعالیٰ نے اپنی نشانی دکھائی یعنی اس کو موت دے دی‘ اس کے دوستوں نے اسے دفن کیا تو صبح کے وقت لاش قبر سے باہر تھی‘ اس کے دوستوں کو معلوم ہوا تو کہنے لگے یہ محمد ﷺ اور اصحاب محمد ﷺ کا کام ہے چونکہ وہ ان سے علیحدہ ہو گیا اس لئے قبر کو کھود کر اس کو باہر پھینک دیا۔ اس خیال سے ان لوگوں نے اب کے خوب گہری قبر کھود کر اس میں اس کو دفن کیا‘ صبح کے وقت پھر مردہ قبر سے باہر تھا۔ اب ان کا یہ خیال پختہ ہو گیا اور کہنے لگے کہ یہ مسلمانوں ہی کی حرکت ہے‘ پھر جس قدر وہ گہری قبر کھود سکتے تھے‘ کھود کر اس میں اس کو دفن کیا‘ صبح کو دیکھا تو پھر وہی منظر سامنے تھے۔ اب ان کو یقین ہوا کہ یہ آدمی کا کام نہیں‘ چنانچہ اس کو اسی

طرح زمین پر چھوڑ دیا۔(۲)۔

(۱)۔صحیح بخاری باب علامات نبوت۔ (۲)۔بخاری باب علامات نبوت فی الاسلام۔ (۳)۔مسلم حدیث جابر الطویل (احمد دارمی و بیھقی باختلاف یسیر۔)

درختوں کا چلنا::

ایک بار آپ ؐ سفر میں قضائے حاجت کے لئے نکلے۔حضرت جابرؓ پانی لئے ہوئے ساتھ تھے۔آپ ؐ نے میدان میں ادھر ادھر دیکھا تو کوئی چیز آڑ کرنے کے لئے نہ ملی،میدان کے کنارے صرف دو درخت تھے،آپ ؐ ایک درخت کے پاس گئے اور اس کی ایک ڈالی کو پکڑ کر کہا کہ خدا کے حکم سے میری اطاعت کر،وہ فرمانبردار اونٹ کی طرح آپ ؐ کے ساتھ ہولیا،پھر دوسرے درخت کے نزدیک تشریف لے گئے اور وہ بھی اسی طرح آپ ؐ کے ساتھ چل پڑا۔پھر آپ ؐ نے دونوں کو ایک جگہ جمع کیا اور فرمایا کہ خدا کے حکم سے جڑ جاؤ،دونوں باہم مل گئے جب ان کی آڑ میں فراغت کر چکے تو پھر دونوں درخت الگ الگ اپنی جگہ پر آ گئے۔(۱)۔

اسی قسم کا واقعہ دوسرے سفروں میں بھی پیش آیا ہے،چنانچہ صحابہؓ نے اپنی عینی شہادت کی بناء پر اس کو بیان کیا ہے،حضرت اسامہ بن زیدؓ حجتہ الوداع (۲)۔میں اور حضرت یعلٰی بن مرہؓ نے کسی (۳)۔سفر میں اپنا مشاہدہ بیان کیا ہے۔

ایک اور واقعہ ہے کہ آپ ؐ ایک روز اہل مکہ کی ایذ ارسانی سے نہایت غمگین بیٹھے ہوئے تھے،اسی حالت میں حضرت جبریلؑ آئے اور انہوں نے دریافت کیا تو حضرت جبریلؑ نے کہا یا خود آپ ؐ نے اللہ تعالٰی سے درخواست کی (روایتیں مختلف ہیں) کہ مجھے ایک ایسی نشانی دکھا جو اس غم کو مجھ سے دور کر دے،حکم ہوا کہ میدان کے کنارے جو ایک درخت ہے آپ ؐ اس کو بلایئے،آپ ؐ نے بلایا تو وہ سامنے آ کر کھڑا ہو گیا،پھر اس کو واپس جانے کو کہا تو وہ اپنی جگہ پر واپس چلا گیا۔ آپ ؐ نے فرمایا''اب مجھے کوئی غم نہیں۔(۴)۔''

خوشئہ خرما کا چلنا::

آپ ﷺ کی خدمت میں ایک بدو آیا اور کہا کہ مجھے یہ کیونکر یقین ہو کہ آپ ﷺ پیغمبر ہیں۔آپ ﷺ نے فرمایا اگر میں اس خوشئہ خرما کو بلا لوں تو تم میری نبوت کی شہادت دو گے؟ اس نے کہا ہاں! آپ ﷺ نے خوشئہ خرما کو بلایا اور وہ درخت سے اتر کر آپ ﷺ کے پاس آیا اور پھر آپ ﷺ کے حکم سے واپس چلا گیا بدو فوراً اس معجزہ کو دیکھ کر ایمان لے آیا۔(۵)۔

درخت کا چلنا اور اس سے آواز آنا::

آپ ﷺ ایک سفر میں تھے کہ ایک بدو آتا ہوا نظر آیا' جب وہ آپ ﷺ کے قریب آ گیا تو آپ ﷺ نے پوچھا کہاں جاتے ہو؟ اس نے جواب دیا' مکان کا ارادہ ہے' پھر آپ ﷺ نے فرمایا' ''تمھیں نیکی کی حاجت ہے۔'' اس نے کہا وہ نیکی کیا ہے؟ آپ ﷺ نے کلمئہ توحید کی تلقین کی' اس نے کہا اس کی شہادت کون دیتا ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا' ''سامنے کا یہ درخت۔'' چنانچہ یہ کہہ کر آپ ﷺ نے وادی کے کنارے سے اس درخت کو بلایا' وہ دوڑتا ہوا آیا اور آپ ﷺ کے سامنے کھڑا ہو گیا' آپ ﷺ نے تین بار اس سے کلمئہ توحید پڑھایا اور اس نے پڑھا۔پھر وہ اپنی جگہ پر واپس چلا گیا اور بدو یہ کہہ کر اپنے مکان کو روانہ ہوا کہ اگر میرے اہل وعیال نے بھی اسلام قبول کر لیا تو ان سب کو لے کر آؤں گا ورنہ تنہاء آپ ﷺ کے ساتھ قیام کروں گا۔(۶)۔

---

(۱)۔ مسلم حدیث جابر الطویل (احمد و دارمی و بهیقی با ختلاف یسیر۔ (۲)۔ بسند ابویعلی و بهیقی و ابونعیم حافظ ابن حجر نے مطالب عالیه میں اس روایت کی تحسین کی هے۔ (۳)۔ امام احمد بروایت یعلی بن مره و ابن شیبه برحال ثقات و حکم بروایت صحیح۔ (٤)۔ سنن ابن ماجه باب الصبر علی البلاء و مسند احمد عن انس بن مالکؓ و ابن سعد و بزاز و بهیقی عن عمر بن الخطاب۔ (۵)۔ ترمذی (معجزات نبوی ﷺ) نے اس کو صحیح کها هے' امام بخاری نے تاریخ میں اس واقعه کو نقل کیا هے اور ابویعلی نے ابن عباسؓ سے اس کی روایت

کی ہے۔ (۶)۔ مسند دارمی۔ (۷)۔ بسند صحیح و بزار و ابونعیم باختلاف یسیر' و ابن سعد جلد اول صفحہ ۱۲۱

بے دودھ کی بکری نے دودھ دیا::

عبداللہ ابن مسعودؓ سے روایت ہے کہ وہ کہتے ہیں کہ میں نوخیز چھوکرا تھا' عقبہ بن معیط ایک کافر رئیس کی بکریاں مکہ میں چرایا کرتا تھا' آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور حضرت ابوبکرؓ کا ادھر سے گزر ہوا۔(۱)۔

(۱)۔ یہ روایت ابوداؤد طیالسی' مسند ابن حنبل ابن سعد اور دلائل ابی نعیم میں ہے' طیالسی و ابونعیم کی روایت میں یہ الفاظ ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور حضرت ابوبکرؓ جب مشرکین سے بھاگے تھے تب یہ واقعہ پیش آیا یعنی ہجرت کے ایام میں' طیالسی کی اس روایت کا سلسلۂ سند ہر طرح سے محفوظ ہے' ابوداؤد حماد بن سلمہ سے اور وہ عاصم ابن مہدلہ سے اور عاصم زر بن حبیش سے اور وہ خود عبداللہ بن مسعودؓ سے اس کی روایت کرتے ہیں' یہ تمام اصحاب ثقہ اور معتبر ہیں' بایں ہمہ اس واقعہ کو زمانہ ہجرت میں قرار دینے سے متعدد خرابیاں نظر آتی ہیں جن سے ثابت ہوتا ہے کہ اس روایت میں کسی صاحب سے بھول ہوئی ہے' اس روایت سے ظاہر ہوتا ہے کہ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ ہجرت کے وقت نوخیز لڑکے تھے اور ابھی تک قرآن مجید سے ناواقف تھے بلکہ مسلمان بھی نہ تھے حالانکہ وہ ہجرت سے پہلے اسلام لا چکے تھے وہ چھٹے مسلمان تھے اور ہجرت کے وقت وہ حبش میں تھے اور وہاں سے اس وقت لوٹے جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مدینہ جا چکے تھے جیسا کہ نماز میں سلام کرنے والی روایت ہے جو حدیث کی تمام کتابوں میں ہے سے ثابت ہوتا ہے اس لئے وہ اس وقت مکہ میں سرے سے موجود ہی نہ تھے۔ اس روایت کے ان الفاظ کے متعلق میں اپنے یہ شکوک لکھ چکا تھا کہ رجال اور سیر کی مختلف کتابوں میں حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کا حال الٹ پلٹ کر پڑھا' سب نے ان کے حال میں اس روایت کی نقل کیا ہے مگر ان شبہات پر کسی کی نظر نہیں پڑی' اسی اثناء میں فتح الباری جلد ہجرت اٹھا

کر دیکھا تو معلوم ہوا کہ بعینہ یہی اعتراضات حافظ ابن حجر کے ذہن میں بھی گزرے ہیں لیکن انہوں نے حسب دستور مختلف روایات کی تطبیق کے متعلق جو ان کا عام اصول ہے اس سے کام لے کر آگے بڑھ گئے یعنی یہ کہہ دیا ہے کہ ممکن ہے کہ یہ ہجرت کے علاوہ کسی اور زمانہ کا واقعہ ہو' مگر مشکل یہ ہے کہ ہجرت کے علاوہ کوئی اور زمانہ ایسا نہیں جس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حضرت ابوبکرؓ کے ساتھ مشرکین سے بھاگے ہوں لیکن الحمد للّٰہ کو اثنائے تحقیق میں بھی مجھے مسند احمد بن حنبل (جلد ۱ صفحہ ۳۷۹) میں یہی روایت اس قسم کی سند سے مل گئی ہے جس میں ان قابل اعتراض الفاظ کے بجائے مطلق یہ الفاظ ہیں کہ میں بکریاں چرا رہا تھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور حضرت ابوبکرؓ کا گزر ہوا' اس میں فرار اور ہجرت کا مطلق ذکر نہیں ہے' اس سے ثابت ہوتا ہے کہ یہ ہجرت سے بہت پہلے کا کوئی واقعہ ہے' پہلے الفاظ کے راوی عاصم سے ان کے شاگرد حماد بن سلمہ ہیں اور دوسرے الفاظ کے راوی ان ہی کے شاگر ابوبکر عیاش ہیں' گو حافظہ کی خرابی اور اغلاط کی کثرت میں یہ دونوں برابر ہیں تاہم ناقدانہ وجوہ ابوبکر بن عیاش کی تائید میں ہیں' پہلی روایت میں فر (بھاگے) کا لفظ ہے اور دوسری جگہ میں مر یعنی گزرے کا لفظ ہے' معلوم ہوتا ہے کہ راویوں کے فر اور مر کے الفاظ میں باہم تشابہ ہو گیا ہے اور بعد کو پھر فر کی مناسبت سے عن المشرکین بڑھ گیا ہے' ابن سعد نے بسند حسن (جلد اول صفحہ ۱۲۲) اس واقعہ کو ان الفاظ میں روایت کیا ہے کہ جس سے تمام مسئلہ صاف ہو جاتا ہے حضرت ابن مسعودؓ کہتے ہیں' میں اپنے سے پہلے کسی کا مسلمان ہونا نہیں جانتا۔ میں گھر کی بکریاں چرا رہا تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میرے پاس آئے اور دریافت فرمایا کہ تمہاری کسی بکری میں دودھ ہے میں نے عرض کیا نہیں! آپؐ نے ایک بکری کے تھن میں ہاتھ لگایا فوراً دودھ اتر آیا تو میں نے اپنے سے پہلے کسی کا مسلمان ہونا نہیں مانتا۔

آپؐ نے مجھ سے پوچھا لڑکے! تمہارے پاس دودھ ہے؟ ہم کو پلاؤ گے؟ میں نے کہا میں امین ہوں تم کو نہیں پلا سکتا' آپؐ نے پوچھا' اچھا کوئی بکری کا بچہ ہے؟

میں نے کہاہاں ۔فرمایا لے آؤ‘ حضرت ابوبکرؓ نے بچہ پکڑا اورآنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تھن میں ہاتھ لگایا اور دعا کی‘ ابوبکرؓ ایک گہرا پتھر لے آئے اس میں دودھ دوہا گیا‘ پہلے آپ ؐ نے خود پیا‘ پھر حضرت ابوبکرؓ نے پیا‘ اس کے بعد حضرت ابن مسعودؓ کہتے ہیں کہ پھر مجھے پلایا۔ دودھ پی کر آپ ؐ نے فرمایا اے تھن سمٹ جا۔ وہ سمٹ کر خشک ہو گیا۔ اس کے بعد میں آپ ؐ کے پاس حاضر ہوا اور عرض کی کہ اس عمدہ کلام یعنی قرآن مجید میں سے مجھے کچھ سکھایئے۔ فرمایا تم سیکھنے والے لڑکے ہو تو میں نے خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے منہ سے ستر سورتیں سکھیں‘ جن میں کوئی دوسرا میرا مقابلہ نہیں کر سکتا۔ ابن سعد میں ہے کہ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کہا کرتے تھے کہ میرا اسلام لانے میں اس معجزہ کو دخل ہے۔ (۱)۔

سست گھوڑے کا تیز رفتار ہو جانا::

ابوطلحہ ؓصحابی کا گھوڑا نہایت سست رفتار اور مٹھا تھا‘ ایک دفعہ مدینہ میں شوروغل ہوا‘ آپ ؐ نے اسی گھوڑے پر سوار ہو کر مدینہ کا چکر لگایا‘ وہ آپ ؐ کی سواری کی برکت سے اس قدر تیز ہو گیا کہ جب آپ ؐ واپس تشریف لائے تو فرمایا۔ یہ تو دریا ہے۔ اس کے بعد کوئی گھوڑا اس کا مقابلہ نہیں کر سکتا تھا۔ (۲)۔

اندھیرے میں روشنی ہونا::

حضرت انسؓ کہتے ہیں کہ دو صحابی آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں رات کو دیر تک حاضر رہے‘ جب واپس ہوئے تو رات بہت اندھیری تھی مگر خدا کی قدرت کہ ان کے سامنے دو چراغوں کی طرح آگے آگے کوئی چیز روشن ہو گئی‘ جب دونوں الگ ہو کر اپنے اپنے گھر چلے تو ایک چراغ ایک کے ساتھ اور دوسرا دوسرے کے ساتھ ہو گیا‘ یہاں تک کہ دونوں گھر چلے گئے‘ یہ صحیح بخاری کی روایت ہے۔ (۳)۔ اس میں ان دونوں صحابیوں کے ناموں کی تصریح نہیں‘ لیکن حاکم‘ ابن سعد‘ بیہقی اور ابونعیم میں حضرت انسؓ نے ان کے نام عبادؓ بن بشیر اور اسیدؓ بن خضیر بتائے

ہیں اوران میں یہ اضافہ ہے کہ یہ روشنی ان کی لکڑیوں کے سروں میں پیدا ہوگئی تھی' ابونعیم کی ایک دوسری روایت میں جوحضرت انسؓ ہی سے مروی ہے' عبادؓبن بشیر اور اسیدؓبن حضیر کے بجائے حضرت ابوبکرؓاور عمرؓ کے نام ہیں' روایت کی صحت کی صورت میں ممکن ہے کہ دوسرا واقعہ ہو۔ نیز حاکم' بیہقی اور ابونعیم میں اسی قسم کا واقعہ ابوعبس ابن جبرؓصحابی جو ہمیشہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ عشاء کی نماز پڑھا کرتے تھے' ان کو بھی ایک دفعہ پیش آنا بیان کیا گیا۔ تاریخ بخاری اور بیہقی میں ایک سفر میں اندھیری رات کو حمزہ الاسلمیؓ کی انگلیوں کا روشن ہوجانا بھی مذکور ہے۔

جانور کا سجدہ کرنا::

حدیث کی اکثر کتابوں میں چند الفاظ کے تغیر کے ساتھ یہ روایت مذکور ہے کہ ایک دفعہ ایک انصاری کا اونٹ باؤلا ہوگیا تھا یا بگڑ گیا تھا' لوگوں نے جا کر آپ ؐ کو خبر کی' آپ ؐ نے اس کے پاس جانا چاہا تو سب نے روکا کہ یارسول اللہ! "یہ آدمی کو کتے کی طرح کاٹ کھاتا ہے۔" آپ ؐ نے فرمایا

(۱)۔ ابن سعد جلد اول صفحہ ۲۲۲ (۲)۔ صحیح بخاری کتاب الجہاد و باب الرکوب علی الدبتہ الصعبتہ ج ۱ صفحہ ۴۰ (۳)۔ صحیح بخاری باب علامات نبوت۔

مجھے اس کا خوف نہیں یہ کہہ کر آپ ؐ آگے بڑھے تو اونٹ نے آپ ؐ کے سامنے آ کر اپنی گردن ڈال دی' آپ ؐ نے اس پر ہاتھ پھیرا اور اس کو پکڑ کر اس کے مالک کے حوالے کردیا۔ پھر فرمایا۔ ہر مخلوق جانتی ہے کہ میں خدا کا رسول ہوں لیکن گنہگار انسان اور نافرمان جن۔ (۱)۔ صحابہ نے یہ منظر دیکھ کر کہا یارسول اللہ! جب جانور آپ ؐ کو سجدہ کرتے ہیں تو انسان کو سب سے پہلے کرنا چاہئے۔ آپ ؐ نے فرمایا اگر انسان کا دوسرے انسان کو سجدہ کرنا جائز ہوتا تو میں عورت کو حکم دیتا کہ وہ اپنے شوہر کو سجدہ کرے۔ (۲)۔

جانور کا آپؐ کے مرتبے کو پہچاننا::

ایک دفعہ آپؐ ایک انصاری کے باغ میں گئے' ایک اونٹ کھڑا چلا رہا تھا' آپؐ کو دیکھ کر وہ بلبلانے لگا اور اس کی دونوں آنکھوں میں آنسو ڈبڈبا آئے۔ آپؐ نے قریب جا کر اس کے سر اور کنپٹی پر ہاتھ پھیرا تو وہ چپ ہو گیا۔ آپؐ نے دریافت فرمایا کہ یہ کس کا اونٹ ہے؟ لوگوں نے ایک انصاری کا نام بتایا' وہ بلوائے گئے تو آپؐ نے فرمایا' تم ان جانوروں پر جن کو خدا نے تمہارا محکوم بنایا ہے رحم کیا کرو اس اونٹ نے مجھ سے شکایت کی ہے کہ تم اس کو بھوکا رکھتے ہو اور اس کو تکلیف دیتے ہو۔ (۳)۔

حافظہ سے بڑھ جانا::

تمام صحابہ میں حضرت ابو ہریرہؓ کی روایتیں سب سے زیادہ ہیں حالانکہ وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں صرف تین چار برس رہے تھے' لوگوں کو آج بھی اس پر تعجب ہے اور خود ان کے زمانہ میں بھی تھا' لیکن حضرت ابو ہریرہؓ کہتے ہیں کہ ہمارے مہاجر بھائی تو بیوپار میں لگے رہتے تھے اور انصار بھائی اپنے کھیتوں میں اور میرا آپؐ کی خدمت میں حاضری کے سواء اور کوئی کام نہ تھا۔ ایک دن خدمت میں حاضر تھا کہ زبان مبارک سے نکلا کہ جو دامن پھیلا کر اس وقت میری باتیں سینہ میں سمیٹ لے گا وہ پھر کبھی نہ بھولے گا۔ میں نے دامن پھیلایا' جب کلام مبارک ختم ہوا' سینہ میں سمیٹ لیا' اس وقت سے کوئی بات نہ بھولا۔ (۴)۔

صحیح بخاری میں یہی واقعہ ایک اور طرح سے بھی مذکور ہے چنانچہ وہ آگے آئے گا۔

---

(۱)۔ دارمی۔ (۲)۔ امام احمد بن حنبل نے مسند میں متعدد صحابیوں کی سند سے یہ واقعہ نقل کیا ہے چنانچہ کتاب مذکور میں حضرت جابرؓ حضرت ابن عباسؓ حضرت انسؓ اور حضرت عائشہؓ کی مسند دیکھو نیز سنن نسائی و ابن شیبہ طبرانی اور بیہقی اہل دلائل نے اس ایک واقعہ کو ذرا ذرا سے لفظی اختلاف کے باعث

شفائے امراض

واذا مرضت فھو یشفین ط

پیغمبر دنیا میں درحقیقت بیماریوں کے روحانی طبیب بن کر آتے ہیں‘ مگر کبھی ارواح و قلوب کے معالجہ ان کو جسمانی امراض وعوارض کا علاج بھی کرنا پڑتا ہے‘ تمام انبیاء میں حضرت عیسیٰؑ کی زندگی اس وصف میں سب سے ممتاز ہے‘ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بھی اس قسم کے معجزات کا وافر حصہ ملا۔

حضرت علیؓ کی آنکھوں کا اچھا ہو جانا::

حضرت سعیدؓ بن ابی وقاص‘ حضرت سلمہؓ بن اکوع اور حضرت سہیلؓ بن سعد تین چشم دید گواہوں سے روایت ہے کہ غزوۂ خیبر میں جب آپ ؐ نے علم عطا فرمانے کے لئے حضرت علیؓ بن ابی طالب کو طلب فرمایا تو معلوم ہوا کہ ان کی آنکھوں میں آشوب چشم ہے اور یہ آشوب جیسا کہ مسند ابن حنبل میں ہے ایسا سخت تھا کہ ایک صاحب (سلمہؓ بن اکوع) ان کا ہاتھ پکڑ کر لائے تھے‘ آپ ؐ نے ان کی آنکھوں میں اپنا لعاب دہن ملا دیا اور دم کر دیا‘ وہ اسی وقت اچھی ہو گئیں‘ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ ان کی آنکھوں میں کبھی درد تھا ہی نہیں۔(۱)۔

ٹوٹی ہوئی ٹانگ کا درست ہونا::

حضرت عبداللہؓ بن عتیک قلعہ میں داخل ہو کر جب ابو رافع یہودی کو قتل کر کے واپس آنے لگے تو کوٹھے کے زینہ سے گر پڑے جس سے ان کی ایک ٹانگ میں سخت چوٹ آئی‘ پہلے پہل تو یہ چوٹ معلوم نہیں ہوئی‘ لیکن بعد کو یہ حالت ہوئی جیسا کہ ابن اسحاق میں ہے کہ ان کے ہمراہی اٹھا کر ان کو لائے‘ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں آ کر واقعہ بیان کیا‘ آپ ؐ نے اس ٹانگ پر دست مبارک سے مسح کر دیا اور فوراً بالکل اچھی ہوگئی اور یہ معلوم ہونے لگا کہ کبھی چوٹ لگی ہی نہ تھی۔ (۲)۔

تلوار کے زخم کا اچھا ہونا::

غزوۂ خیبر میں حضرت سلمہؓ بن اکوع کی ٹانگ میں تلوار کا زخم لگ گیا وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس آئے' آپ ؑ نے اس پر تین مرتبہ دم کر دیا' پھر انہیں کوئی شکایت محسوس نہیں ہوئی' صرف نشان رہ گیا تھا۔(۳)۔

غزوۂ حنین میں حضرت خالدؓ بن ولید کے پاؤں میں زخم لگا' جب لڑائی ختم ہو چکی تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو معلوم ہوا' آپ ؑ حضرت خالدؓ کی فرودگاہ پوچھتے ہوئے ان کے پاس آئے' دیکھا کہ کجاوہ سے ٹیک لگائے

(۱)۔ صحیح بخاری باب غزوئہ خیبر و مناقب علی کتاب الجہاد و صحیح مسلم باب فضائل علی و مسند ابن حنبل ج ۳ صفحہ ۵۲ سہیل بن سعد اور سلمہ بن اکرع کی روایت بخاری و مسلم دونوں میں ھے اور حضرت سعدؓ کی روایت صرف مسلم ھے۔ (۲)۔ بخاری باب قتل ابی رافع میں یہ واقعہ دو طرح بیان ھوا ھے یہاں ان دونوں میں تطبیق کر دی گئی ھے۔ (۳)۔ صحیح بخاری باب غزوئہ خیبر و مسند ابن حنبل ج ۴ حدیث سلمہ بن اکرع۔

ہوئے بیٹھے ہیں' آپ ؑ نے ان کے زخم پر ایک نگاہ ڈالی اور اس پر لعاب دہن ڈال دیا' زخم اچھا ہو گیا۔(۱)۔

اندھے کا اچھا ہونا::

آپ ؑ کی خدمت میں ایک اندھا حاضر ہوا اور اپنی تکلیفیں بیان کیں' آپ ؑ نے فرمایا' اگر چاہو تو دعا کر دوں اور اگر چاہو تو صبر کرو اور یہ تمہارے لئے اچھا ہے' عرض کی دعا کیجئے۔فرمایا' اچھی طرح وضو کر کے یہ دعا مانگو کہ خداوندا! اپنی رحمت والے پیغمبر کے وسیلہ سے میری حاجت پوری کر دے۔ترمذی (۲)۔ اور حاکم کی ایک روایت (۳)۔ میں اسی قدر ہے مگر ابن حنبل (۵)۔ اور حاکم (۵)۔ کی دوسری روایت میں اس کے بعد ہے کہ اس نے ایسا کیا تو فوراً اچھا ہو گیا۔(۶)۔ حاکم کی

ایک اور روایت میں جو علی شرط البخاری ہے یہ واقعہ ان الفاظ میں منقول ہے حضرت عثمانؓ بن حنیف صحابی کہتے ہیں کہ ایک نابینا صحابیؓ آپ ﷺ کے پاس حاضر ہوئے اور درخواست کی کہ یارسول اللہ! میری خدمت کے لئے کوئی آدمی نہیں' مجھے سخت تکلیف ہے۔ فرمایا' وضو خانہ میں جا کر وضو کرو' پھر دو رکعت نماز پڑھو' اس کے بعد یہ دعا مانگو۔ عثمان بن حنیف کہتے ہیں کہ ابھی ہم مجلس سے الگ نہیں ہوئے تھے اور نہ کچھ زیادہ بات کرنا پائے تھے کہ وہ نابینا واپس آیا تو ایسا معلوم ہوا کہ اس کو نابینائی کی بیماری کبھی تھی ہی نہیں۔

حبیبؓ بن فدیک ایک اور نابینا صحابی کے اچھے ہونے کا واقعہ ابن ابی شیبہ' طبرانی' بیہقی اور ابونعیم میں مذکور (۷)۔ ہے مگر چونکہ اس کے سلسلہ سند میں مجہول الاسم اشخاص ہیں اس لئے اس کو قلم انداز کر دیا ہے۔

بلا دور ہونا::

آپ ﷺ ایک سفر میں جارہے تھے' راستہ میں ایک عورت بچہ کو لئے ہوئے سامنے آئی اور کہا کہ یارسول اللہ اس کو دن میں کئی دفعہ کسی بلا کا دورہ ہوتا ہے' آپ ﷺ نے بچہ کو اٹھا کر کجاوہ کے سامنے رکھا اور تین بار کہا کہ اے خدا کے دشمن نکل میں خدا کا رسول ہوں' پھر لڑکے کو اس کے حوالے کر دیا' سفر سے پلٹے تو وہ عورت دو دنبے لے کر حاضر ہوئی اور عرض کی یارسول اللہ! میرا ہدیہ قبول فرمائیے' خدا کی قسم پھر بچے کے پاس وہ بلا نہ آئی' آپ ﷺ نے ایک دنبہ قبول فرمالیا اور دوسرے کو واپس کر دیا۔ (۸)۔

گونگے کا بولنا::

حجتہ الوداع میں آپ ﷺ کی خدمت میں ایک عورت اپنے بچہ کو لے کر حاضر ہوئی اور عرض کی کہ یہ بولتا نہیں آپ ﷺ نے پانی منگایا' ہاتھ دھویا اور کلی کی اور فرمایا کہ یہ پانی اس کو پلا دو اور کچھ اس کے اوپر چھڑک دو' دوسرے سال وہ عورت آئی تو بیان کیا کہ لڑکا بالکل اچھا ہو گیا (۹)۔ اور بولنے لگا۔

(۱)۔ مسند ابن حنبل ج ٤ صفحہ ۸۸ عبدالرزاق و عبد بن حمید و ابن عساکر۔ (۲)۔ ترمذی کتاب الدعوات۔ (۳)۔ مستدرك جلد ۱ صفحہ ۵۱۹۔ (٤)۔ مسند ج ٤ صفحہ ۱۳۸ (۵)۔ مستدرك ج ۱ صفحہ ۵۲٦ (٦)۔ ایضاً۔ (۷)۔ دلائل ابی نعیم صفحہ ۱٦۰ واصابہ ترجمہ حبیبؓ بن فدیك۔ (۸)۔ مسند ابن حنبل ج ٤ صفحہ ۱۷۰' ۱۷۱ میں دو حسن روایتوں سے حضرت یعلیٰؓ بن مرہ سے یہ واقعہ مذکور ہے' علاوہ ازیں ابن ابی شیبہ اور حاکم میں بھی یہ منقول ہے۔ دارمی صفحہ ۷ میں یہ واقعہ حضرت جابرؓ سے جس سلسلہ سند سے مذکور ہے وہ مستند نہیں نیز دارمی اور ابونعیم میں اسی قسم کا ایك واقعہ (یعنی) ایك جن کا ایك بچہ پر مسلط ہونا اور آپ ؐ کے اثر سے ایك کتے کا پلہ کی شکل میں نکل کر بھاگنا' حضرت ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ وہ بھی صحیح نہیں۔ (۹)۔ سنن ابن ماجہ باب النشرہ و ابونعیم صفحہ ۱٦۷ ابن ابی شیبہ۔

مرض نسیان کا دور ہونا::

ایک دفعہ حضرت علیؓ نے آ کر شکایت کی کہ یارسول اللہ! قرآن یاد کرتا ہوں تو بھول جاتا ہوں' آپ ؐ نے فرمایا۔اس طرح نماز پڑھ کر یہ دعا مانگو۔حضرت علیؓ فرماتے ہیں کہ میں نے اسی طرح کیا اور فائدہ ہوا' اور جا کر آنحضرت ﷺ سے عرض کی کہ پہلے چار چار آیتیں یاد کرتا تھا اور اب چالیس چالیس آیتیں یاد کر لیتا ہوں' پہلے بات بھول جاتا ہوں اور اب حرف حرف یاد رہتا ہے۔(۱)۔

حضرت عثمانؓ بن ابی العاص کو آپ ؐ نے طائف کا عامل مقرر فرمایا' انہوں نے وہاں سے آ کر بیان کیا کہ یارسول اللہ مجھے یہ مرض پیدا ہو گیا ہے کہ نماز میں یہ نہیں معلوم ہوتا کہ کیا پڑھتا ہوں؟ آپ ؐ نے پاس بلا کر ان کے سینہ پر ہاتھ مارا اور منہ میں دم کیا' پھر یہ حالت بالکل زائل ہوگئی۔(۲)۔

اسی طرح حضرت ابوہریرۃؓ نے بھی ایک دفعہ حافظہ کی شکایت کی تو آپ ؐ نے ان سے فرمایا کہ دامن پھیلاؤ' انہوں نے پھیلایا' آپ ؐ نے اس میں ہاتھ ڈالا' پھر فرمایا

کہ اب اس کو سمیٹ لو‘ حضرت ابو ہریرہؓ کہتے ہیں کہ میں نے ایسا ہی کیا‘ تب سے پھر میں کوئی بات نہ بھولا۔(۳)۔

بیمار کا تندرست ہونا::

حضرت عثمانؓ بن ابی العاص کا واقعہ ہے کہ وہ ایک دفعہ سخت بیمار ہوئے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان کی عیادت کو تشریف لے گئے تو فرمایا کہ یہ دعا سات مرتبہ پڑھو اور ہاتھ بدن پر پھیرو‘ حضرت عثمانؓ کہتے ہیں کہ میں نے ایسا کیا تو خدا نے میری بیماری دور کردی اور اب میں اپنے عزیزوں اور دوستوں کو بھی یہ دعا بتایا کرتا ہوں۔(۴)۔

ایک بار حضرت علیؓ اس قدر بیمار ہوئے کہ موت کی دعا کرنے لگے‘ آپ ؐ کا گزر ہوا تو ان کے سینہ پر تنبیہہ کی اور اور دعا فرمائی‘ پھر ان کو اس مرض کی تکلیف نہ ہوئی۔ (۵)۔

ایک جلے ہوئے بچے کا اچھا ہونا::

محمدؓ بن حاطب ایک صحابی ہیں وہ جب بچے تھے تو اپنی ماں کی گود سے گر کر آگ میں گر پڑے اور کچھ جل گئے‘ ان کی ماں ان کو لے کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں آئیں۔ آپ ؐ نے اپنا لعاب دہن ان پر ملا اور دعا پڑھ کر دم کیا‘ طیالسی اور ابن حنبل میں اس قدر ہے‘ مگر امام بخاری نے تاریخ میں بہ سند بیان کیا ہے کہ محمدؓ بن حاطب کی ماں کہتی تھیں کہ بچہ کو لے کر میں وہاں سے اٹھنے بھی نہیں پائی تھی کہ بچہ کا زخم چنگا ہو گیا۔(۶)۔

جنون دور ہونا::

ایک شخص نے آکر درخواست کی کہ یا رسول اللہ! میرا بھائی بیمار ہے‘ دعا کیجئے۔ پوچھا کیا بیماری ہے؟ عرض کی اس پر جنون کا اثر ہے‘ فرمایا اس کو لے آؤ‘ وہ آیا تو

آپ ؐ نے قرآن مجید کی متعدد سورتیں پڑھ کر جھاڑ دیا' وہ کھڑا ہوا تو اس پر جنون کا کوئی اثر نہ تھا۔ (۷)۔

---

(۱)۔ جامع ترمذی ابواب الدعوات' مستدرك حاکم ج ۱ صفحه ۳۱۶' ذهبی نے جودت سند کے باوجود اس روایت میں کلام کیا هے۔ (۲)۔ سنن ابن ماجه باب الفزع والارق۔ (۳)۔ صحیح بخاری بات علامات نبوت۔ (٤)۔ جامع ترمذی کتاب الطب۔ (٥)۔ جامع ترمذی ابواب الدعوات' بروایت حسن و صحیح حاکم فی المستدرك۔ (٦)۔ مسند ابوداؤد طیالسی صفحه ۱٦٥ مسند ابن حنبل ج ٤ صفحه ۲٥۹ تاریخ بخاری کی روایت ابن عبدالبر نے یه سند استیعاب (ترجمه محمد بن حاطب میں) اور سیوطی نے خصائص کبری ج ۲ صفحه ٦۹ میں نقل کی هے۔ (۷)۔ سنن ابن ماجه باب الفزع والارق اس روایت کے سلسله سند میں ابوحباب ایك راوی هیں جن پر تدلیس کا الزام هے مگر اس روایت میں تو تدلیس کا کوئی اثر نهیں معلوم هوتا۔ والله اعلم۔

استجابت دعا

منجملہ دیگر علامتوں کے اللہ کی بارگاہ میں دعاؤں کا قبول ہونا بھی ایک بڑی علامت ہے جس سے نیک اور مقبول بندوں کی پہچان اور شناخت ہوتی ہے۔ انبیائے الٰہی سے بڑھ کر خدا کے نیک اور مقبول بندے اور کون ہوسکتے ہیں' اس لئے اللہ تعالٰی ان کی دعاؤں کو شرف اجابت بخشتا ہے اور ان کی نداؤں کو جو دل کے اندر سے نکلتی ہیں سمع قبول سے سنتا ہے' حضرت آدمؑ نے ندامت کے ساتھ خدا کو پکارا تو اس نے ان کو معاف کر دیا' حضرت نوحؑ نے طوفانی عذاب کی درخواست کی تو پوری ہوئی' حضرت ابراہیمؑ نے اپنی اولاد کیلئے نبوت اور برکت کی دعا کی تو قبول ہوئی۔ حضرت یونس علیہ السلام نے سمندر کی تہہ میں سے خدا کو پکارا تو اس نے سنا حضرت زکریا نے خانوادۂ نبوت کیلئے ایک وارث مانگا تو دیا گیا۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بھی بارگاہ الٰہی میں دعائیں مانگیں' حاجت مندیوں میں اس کے آگے ہاتھ پھیلائے تنہائیوں میں اس کی رفاقت چاہی' بے کسیوں میں اس کی نصرت مانگی' فقر وفاقہ میں اس کے خزانہ غیب کی مدد طلب کی' حق کی اشاعت میں اس کی اعانت کی درخواست کی' نیک بندوں کے حق میں اپنے آپ کو اس کے سامنے شفیع بنایا' شریروں کے دفع شر کے لئے اس کی غیبی امداد کا سہارا ڈھونڈا اور ان میں سے ہر موقع پر آپ کے لئے قبول واحادیث کا دروازہ کھول دیا گیا۔

مسند احمد میں حضرت حذیفہؓ سے مروی ہے وہ آپ ﷺ جب کبھی کسی کے حق میں دعا فرماتے تھے تو وہ صرف اسی کے بلکہ اس کی اولاد در اولاد کے حق میں مستجاب ہوتی تھی۔ (۱)۔ صحیح مسلم میں ہے کہ جب کسی کے متعلق آپ ﷺ رحمہ اللہ یعنی خدا اس پر رحم کرے فرماتے تھے تو صحابہ سمجھ جاتے تھے کہ اس کو شہادت نصیب (۲)۔ ہوگی۔ چنانچہ ایسا ہی ہوتا تھا یہاں تک کہ وہ بھی جو آپ ﷺ کی دعوت حق کے سخت منکر تھے'

گئے۔(۲)۔

حضرت عمرؓ کا اسلام::

ایک طرف قریش کے سر بر آوردہ اصحاب' اسلام اور داعئ اسلام کی عداوات اور دشمنی کی کوششوں میں مصروف تھے اور دوسری طرف داعئ اسلام ان کی ہدایت و رہنمائی کے پر محبت ولولوں سے معمور تھا' ابوجہل وعمر کو دونوں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی دشمنی میں سب سے زیادہ سخت اور مستقل تھے ان ہی کی ہدایت کا پرشوق ارمان آپ ﷺ کے قلب مبارک میں سب سے زیادہ تھا' جب تبلیغ و دعوت کے دوسرے حربے ان پر کامیاب نہ ہوئے تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان سب سے کارگر حربہ کو ان کے مقابلہ میں استعمال کیا جس کے وار کی کوئی روک نہیں ہو سکتی' آپ ﷺ نے دعا فرمائی کہ خداوندا! ابوجہل میں' عمر میں جو تیرے نزدیک زیادہ محبوب ہو اس سے اسلام کو معزز کر۔(۳)۔ابن ماجہ اور حاکم میں حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ آپ ﷺ نے حضرت عمرؓ کا نام لیا تھا۔اس دعا کو ابھی چند روز بھی نہیں گزرے تھے کہ حضرت عمرؓ اسلام کے حلقہ بگوش ہو گئے' کارساز قدرت نے اس دعا کے قبول و تاثیر کا سامان کیونکر پیدا کیا؟ روایتوں میں اس کی تفصیل میں کچھ اختلاف ہے۔استاد مرحوم نے سیرت کی پہلی جلد میں حضرت عمرؓ کے اسلام کا واقعہ جس طرح لکھا ہے وہ حرف حرف الفاروق کی نقل ہے۔اس میں مذکور ہے کہ حضرت عمرؓ نے اپنی بہن سے لے کر جو سورہ پڑھی اور جس سے متاثر ہو کر وہ مسلمان ہوئے وہ یعنی سورۂ حدید تھی' اس میں شک نہیں کہ بزار طبرانی بیہقی اور ابو نعیم میں یہ روایت بھی ہے لیکن حد درجہ کمزور ہے۔

علاوہ ازیں حضرت عمرؓ کا اسلام مکہ کا واقعہ ہے اور سورۂ حدید مدنی ہے' اس کو حضرت عمرؓ کیونکر اس وقت پڑھ سکتے تھے۔استاد مرحوم نے الفاروق میں واقعہ کتب رجال و تاریخ کے حوالہ سے نقل کیا ہے لیکن حدیث و سیر کی

(۱)۔ صحیح بخاری تفسیر سورئہ دخان وصلواۃ الاستقاء (۲)۔ صحیح بخاری غزوئہ بدر۔ (۳)۔ جامع ترمذی مناقب عمر بہ روایت ابن عمر حدیث حسن غریب' ترمذی کے اسی باب میں اسی مضمون کی ایك اور روایت حضرت ابن عباس سے بھی مروی ھے اس میں اس قدر اضافہ ھے کہ اس دعا کے دوسرے ھی دن حضرت عمرؓ مسلمان ھو گئے' مگر اس روایت میں ایك راوی قابل اعتراض ھے' ترمذی کے علاوہ یہ روایت ابن سعد میں تین مختلف سلسلوں میں بہ سند حسن مذکور ھے (ج ۳ حصہ اول صفحہ ۱۶۱) حافظ ابن حجر نے اصابہ میں "ترجمہ عمر) میں لکھا ھے کہ یہ روایت مسند ابویعلی اور عبد بن حمید وغیرہ میں بھی ھے۔ خصائص سیوطی میں ھے کہ یہ روایت حاکم' طبرانی' ابن ماجہ اور صحیح ابن حبان میں بھی ھے۔

صحیح روایتوں میں یہ واقعہ دونوں صورتوں سے مذکور ہوا ہے' ایک تو وہی مشہور صورت ہے کہ حضرت عمرؓ تلوار کمر سے لگا کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قتل کے ارادہ سے نکلے تھے کہ راہ میں ایک مسلمان سے ملاقات ہوگئی اس نے حضرت عمرؓ کے ارادہ کا حال سن کر کہا پہلے اپنے گھر کی خبر لو' تمہاری بہن اور بہنوئی اس نئے دین میں داخل ہو چکے ہیں۔ حضرت عمرؓ غصہ میں اپنی بہن کے گھر گئے اور مار پیٹ کی' بالآخر انہوں نے قرآن کی ایک سورہ بہن سے لے کر پڑھی اور وہ سورہ طٰہٰ تھی اور جب اس آیت پر پہنچے:

انـنی انـاالـلـہ لاالـہ الا انـا فاعبدنی واقم الصلوۃ لذکری۔(طہٰ)

میں ہوں خدا' کوئی خدا نہیں لیکن میں' تو مجھ کو پوجو اور میری یاد کے لئے نماز کھڑی کرو۔

تو یہ اثر ہوا کہ دل سے لا الہ الا اللہ پکار اٹھے اور در اقدس پر حاضری کی درخواست کی' یہ روایت بسند (۱)۔ ابن سعد ابو یعلی' دار قطنی' حاکم اور بیہقی میں حضرت انسؓ بن مالک سے مروی ہے لیکن یہ حد درجہ کمزور ہے' یہ دو طریقوں سے مروی ہے اور ان دونوں میں ایسے رواہ ہیں جو قبول کے لائق نہیں اور محدثین نے اس کی تصریح کی

ہے۔

دوسری روایت مسند (۲)۔ابن حنبل میں خود حضرت عمرؓ سے ہے'وہ کہتے ہیں کہ ایک شب میں آنحضرت ﷺ کے چھیڑنے کو نکا' آپ ﷺ بڑھ کر مسجد حرام میں داخل ہو گئے اور نماز شروع کر دی'اس وقت آپ ﷺ نے سورۃ الحاقہ تلاوت فرمائی' میں کھڑا سنتا رہا اور قرآن کے نظم اور اسلوب سے حیرت میں تھا' دل میں کہا خدا کی قسم یہ شاعر ہے' جیسا قریش کہا کرتے ہیں۔ابھی یہ خیال تھا کہ آپ ﷺ نے یہ آیت پڑھی:

انہ لقول رسول کریم وما ھو بقول شاعر قلیلا ما تومنون۔ (الحاقہ:۲)

یہ ایک بزرگ قاصد کا کلام ہے اور یہ کسی شاعر کا کلام نہیں تم بہت کم ایمان رکھتے ہو۔

میں نے کہا یہ تو کاہن ہے'میرے دل کی بات جان گیا کہ اس کے بعد ہی آیت پڑھی:

(۱)۔طبع اول میں ہم نے اس واقعہ کو لکھا تھا کہ وہ ''بہ سند صحیح'' مذکور ہے مگر تحقیق سے یہ واقعہ اس مرتبہ صحیح'' کا نہیں ثابت ہوا۔'' دارقطنی نے اس روایت کو مختصراً لکھ کر کہا ہے کہ اس کا ایک راوی قاسم بن عثمان بصری قوی نہیں (باب الطہارۃ للقرآن) ذہبی نے مستدرک حاکم (جلد ۴ صفحہ ۵۹) کے استدراک میں لکھا ہے کہ یہ روایت واہی اور منقطع ہے اور میزان الاعتدال میں قاسم بن عثمان بصری کے حال میں جو اس روایت کا ایک راوی ہے لکھا ہے'اس نے حضرت عمرؓ کے اسلام کا پورا قصہ بیان کیا ہے وہی منکرہ جداً اور نہایت ہی منکر ہے کنز الاعمال (فضائل) عمرؓ بن الخطاب میں بھی اس روایت کی کمزوری ظاہر کی گئی ہے'ان روایتوں کے مشترک راوی اسحاق بن یوسف' قاسم بن عثمان اور اسحاق بن ابراہیم الحنینی اور اسامہ بن زید اسلم ہیں اور یہ سب پایۂ اعتبار سے ساقط ہیں لیکن بایں ہمہ کہ یہ روایت اپنی سند کے لحاظ سے

نہایت کمزور ہے تاہم اس میں جو واقعات بیان ہوئے ہیں ان میں سے متعدد ٹکڑوں کی صحیح روایتوں سے تائید ملتی ہے' مثلاً حضرت عمرؓ کا اپنی بہن اور بہنوئی کو ان کے مسلمان ہو جانے پر آزار دینا (بخاری اسلام سعیدؓ بن زید) اور آنحضرت ﷺ کا حضرت عمرؓ کے اسلام کیلئے دعائے خیر کرنا (ترمذی و حاکم) اور متعدد طریقوں سے ایک واقعہ کا ذکر ہونا' گو وہ سب ضعیف ہی کیوں نہ ہوں کچھ نہ کچھ اصلیت کا پتہ دیتا ہے۔ اس لئے ہم نے اس واقعہ کو تسلیم کیا ہے۔ (۲)۔ جلد اول صفحہ ۱۷ اس روایت کے تمام راوی ثقہ ہیں لیکن ابتدائی راوی کی ملاقات حضرت عمرؓ سے ثابت نہیں اس لئے اس میں انقطاع ہے لیکن حضرت عمرؓ کے اسلام کے بارہ میں سب سے محفوظ روایت یہی ہے۔

ولا بقول کاھن قلیلا ما تذ کرون . تنزیل من رب العلمین۔ (الحاقہ: ۲)

یہ کاہن کا کلام بھی نہیں' تم بہت کم نصیحت پکڑتے ہو' یہ تو جہانوں کے پروردگار کی طرف سے اترا ہے۔

آپ ﷺ نے یہ سورہ آخر تک پڑھی اور اس کو سن کر اسلام میرے دل میں پوری طرح گھر گیا۔

ابن اسحاق نے ان دونوں روایتوں کو بہت کچھ گھٹا بڑھا کر بغیر کسی سند کے اپنی سیرت میں لکھا ہے اس لئے وہ اس باب میں سند کے قابل نہیں' حافظ ابن حجر نے اصابہ میں یہ دونوں روایتیں لکھ کر چھوڑ دی ہیں اور یہ فیصلہ نہیں کیا ہے کہ ان دونوں واقعوں میں سے مرجح کون ہے؟ اور اگر دونوں قابل قبول ہیں تو ان کی ترتیب کیا ہے؟ میرا خیال یہ ہے کہ اگر یہ دونوں واقعے صحیح ہیں تو ان کی ترتیب یہ ہے کہ پہلے حضرت عمرؓ نے آپ ﷺ کو نماز میں سورۃ الحاقہ پڑھتے سنا اور اس سے ان کو اسلام کی طرف میلان ہوا جیسا کہ ان کے اس فقرہ سے ظاہر ہوتا ہے کہ فوقع الاسلام فی قلبی کل موقعیعنی اسلام میرے دل میں پوری طرح بیٹھ گیا۔ تاہم چونکہ وہ طبعاً مستقل

اور پختہ کار تھے اس لئے اپنے اسلام کا انہوں نے اعلان نہیں کیا بلکہ اس اثر کو شاید روکتے رہے، لیکن اس کے بعد جب ان کی بہن کا واقعہ پیش آیا اور سورہ طٰہٰ پر نظر پڑی تو پھر دل پر قابو نہ رہا، اور جوش حق کا چشمہ ان کی زبان و دل سے بے اختیار ابل پڑا اور فوراً دراقدس پر حاضری کی درخواست پیش کی، حضرت انسؓ کی اس روایت میں ہے کہ جب حضرت عمرؓ کی آواز سن کر گھر میں چھپ گئے تھے۔(۱)۔ بے تامل نکل کر سامنے آ گئے اور بشارت دی کہ اے عمر! نوید مژدہ کہ جمعرات کی رات کو تمہارے حق میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جو دعا کی تھی شاید اس کے پورے ہونے کا دن آ گیا حضور ﷺ نے دعا فرمائی تھی کہ خداوندا! عمر بن خطاب یا عمر بن ہشام (ابوجہل) سے اسلام کو عزت دے۔

غور کرو کہ یہ دعائے نبوی کس طرح حرف بہ حرف پوری ہوئی، نہ صرف یہ کہ حضرت عمرؓ نے اسلام قبول کیا بلکہ ان کی ذات سے اسلام کو وہ عزت نصیب ہوئی کہ جس کا ساڑھے تیرہ سو برس کے بعد بھی دنیا کو اعتراف ہے عبداللہ بن مسعودؓ گواہی دیتے ہیں کہ مازلنا اعزۃ منذ اسلم عمر حضرت عمرؓ جب اسلام لائے تو ہم مسلمانوں کو عزت اور قوت حاصل ہوگئی۔(۲)۔ اسلام کی اس عزت کو اگر چہ سوانح فاروقی کے کارناموں میں تلاش کرو تو دعائے نبوی کے قبول و اجابت کا پر حیرت سماں نگاہوں کے سامنے گزر جائے گا۔

سراقہ کے گھوڑے کے پاؤں کا دھنس جانا::

جب آپ ﷺ ہجرت کے غرض سے مدینہ کو روانہ ہوئے تو کفار کے جاسوسوں میں سراقہ نے آپ ﷺ کا پیچھا کیا اور آپ ﷺ سے اس قدر قریب آ گیا کہ حضرت ابوبکرؓ گھبرا گئے بول اٹھے کہ "ہم آ لئے گئے۔" آپ نے ان کی دل دہی کی اور دعا فرمائی جس کے اثر سے اس کے گھوڑے کے پاؤں زمین میں دھنس گئے، سراقہ نے یہ حالت دیکھ کر کہا کہ تم دونوں نے مجھے بد دعا دی، اب دعا کرو تو میں تمام لوگوں کو

ثمال الیتامی عصمۃ للا رامل

(محمد گورے رنگ والا ہے اس کے چہرہ کے وسیلہ سے ابر باراں کی سیرابی مانگی جاتی ہے یتیموں کی جائے پناہ اور بیواؤں کا بچاؤ ہے۔)

حضرت ابن عمرؓ کہتے ہیں کہ آپ ﷺ جب پانی برسنے کی دعا مانگتے تو میں آپ ﷺ کے چہرہ مبارک کو تکتا رہتا اور ابو طالب کا یہ شعر یاد آتا' آپ ﷺ دعا مانگ کر منبر سے اترنے بھی نہیں پاتے تھے کہ مدینہ کا ہر پرنالہ زور وشور سے بہنے لگتا۔(۲) اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس قسم کے متعدد واقعے حضرت ابن عمرؓ کے سامنے گزرے تھے' حضرت عمرؓ کے زمانہ خلافت میں جب قحط پڑا تو حضرت عمرؓ نے دعا مانگی کہ خداوندا! ہم اپنے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زندگی میں اس کو وسیلہ بنا کر تیرے سامنے پیش کرتے تھے تو تو ہم کو سیراب کرتا تھا۔(۷)۔

ایک دفعہ مدینہ میں خشک سالی ہوئی' آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مسلمانوں کو لے کر نکلے اور کھڑے ہو کر بارگاہ الٰہی میں دونوں ہاتھوں کو پھیلا کر دعا مانگی' پھر قبلہ رخ ہو کر چادر الٹی اور دو رکعت نماز پڑھی' ابر آیا' پانی برسا اور لوگ سیراب ہوئے۔(۸)۔

دعائے نبویؐ سے پانی برسنے کا سب سے حیرت انگیز لیکن مستند تر واقعہ حسب ذیل ہے جو متعدد طریقوں اور

---

(۱)۔ بخاری باب علامات نبوت۔ (۲)۔ صحیح بخاری باب الھجرہ و صحیح مسلم باب الترغیب فی سکنی المدینتہ و باب صیانتہ المدینتہ۔ (۳)۔ ایضاً۔ (۴)۔ صحیح بخاری کتاب الرویا و التعبیر۔ (۵)۔ صحیح بخاری باب الاستسقاء۔ (۶)۔ صحیح بخاری و ابن ماجہ ابواب الاستسقاء۔ (۷)۔ صحیح بخاری ابواب الاستسقاء۔ (۸)۔ بخاری' مسلم' ترمذی وغیرہ ابواب الاستسقاء۔

سلسلوں سے احادیث میں مذکور ہے' واقعہ یہ ہے کہ ایک بار مدینہ اور اطراف مدینہ

میں قحط پڑا‘ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جمعہ کا خطبہ دے رہے تھے کہ اس حالت میں ایک شخص نے کہا۔ یارسول اللہ! مویشی ہلاک ہوگئے‘ لوگوں بھوکوں مر گئے۔ خدا سے دعا فرمایئے کہ ہم کو سیراب کرے۔ آپ ﷺ نے دعا کے لئے ہاتھ اٹھائے‘ یہ اثر ہوا کہ پہلے تو آسمان آئینہ کی طرح صاف تھا اور اب ایک آندھی چلی‘ بادل امنڈ آئے اور آسمان کا دہانہ کھل گیا‘ لوگ مسجد سے نکلے تو پانی میں بھیگتے ہوئے مکان تک پہنچے‘ ایک ہفتہ تک مسلسل پانی برستا رہا یہاں تک کہ لوگ گھبرا اٹھے اور دوسرے جمعہ کو اسی آدمی نے یا کسی اور نے کہا یارسول اللہ! مکانات گر گئے۔ دعا کیجئے کہ خدا پانی کو روک لے‘ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مسکرائے اور دعا فرمائی۔ بادل پھٹ گئے اور مدینہ تاج کی طرح چمک اٹھا۔(۱)۔

ابن ماجہ باب الاستقساء میں اس قسم کے دو واقعے اور لکھے ہیں‘ اگر وہ اس واقعہ سے الگ ہیں تو اس قسم کے دو واقعوں کا اور اضافہ ہو جاتا ہے۔

حضرت انسؓ کے حق میں دعائے برکت::

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مدینہ میں تشریف لائے تو حضرت انسؓ کی والدہ ان کو چادر میں لپیٹ کر لائیں اور آپ ﷺ کی خدمت میں بطور خادم کے پیش کیا اور ان کے لئے دعا کی درخواست کی۔ آپ ﷺ نے ترقی مال و اولاد کی دعا دی۔ حضرت انسؓ کا بیان ہے کہ آج اس دعا کی برکت سے میرے پاس بہ کثرت دولت ہے اور میرے لڑکوں اور پوتوں کی تعداد سو کے قریب پہنچ چکی ہے۔(۲)۔ اس دعا کا یہ اثر تھا کہ حضرت انسؓ بن مالک کا باغ تھا جو سال میں دوبار پھل لاتا تھا اور اس میں ایک پھول کا درخت تھا جس سے مشک کی بو آتی تھی۔(۳)۔

حضرت ابن عباسؓ کے حق میں دعائے علم::

ایک بار آپ ﷺ قضائے حاجت کے لئے باہر گئے‘ حضرت عبداللہ بن عباس ﷺ نے پہلے ہی سے وضو کا پانی بھر کے رکھ دیا‘ آپ ﷺ نے ان کو تفقہ فی

الدین کی دعا دی۔(۴)۔ چنانچہ ان کو یہ درجہ حاصل ہوا کہ انہوں نے ”خیر الامتہ“ کا خطاب پایا۔

حضرت ام حرامؓ کے حق میں دعائے شہادت::

ایک روز آپ ﷺ ام حرامؓ کے مکان پر تشریف لے گئے انہوں نے آپ ﷺ کو کھانا کھلایا اور سر سے جوئیں نکالنے لگیں‘ اسی حالت میں آپ ﷺ کو نیند آ گئی‘ پھر ہنستے ہوئے بیدار ہوئے‘ تو ام حرامؓ نے ہنسی کی وجہ پوچھی‘ آپ ﷺ نے فرمایا‘ میری امت میں سے مجاہدین کا ایک گروہ میرے سامنے پیش کیا گیا جو بغرض جہاد دریا میں اس طرح سوار ہو کر چلے گا جس طرح تخت پر بادشاہ۔ ام حرامؓ نے درخواست کی کہ خدا سے دعا فرمایئے کہ میں بھی انہی میں سے ہوں‘ چنانچہ آپ ﷺ نے دعا فرمائی اور امیر معاویہؓ کے زمانہ میں ان کو بحری جنگ کا شرف حاصل ہوا اور دریا سے نکل کر خشکی میں آئیں تو سواری سے گر کر درجہ شہادت حاصل کیا۔(۵)۔

---

(۱)۔ صحیح بخاری باب علامات النبوہ و ابواب الامر و صحیح مسلم باب صلوۃ الاستسقاء بہ طریق متعددہ۔ (۲)۔ مسلم فضائل انس بن مالکؓ۔ (۳)۔ ترمذی مناقب انسؓ۔ (۴)۔ مسلم فضائل عبداللہ بن عباسؓ۔ (۵)۔ بخاری کتاب الجہاد۔

ایک نوجوان کی ہدایت کیلئے دعا::

حضرت ابوامامہ باہلی صحابی بیان کرتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ایک دن اصحاب کے حلقہ میں تشریف فرما تھے‘ ایک نوجوان نے آ کر کہا کہ یارسول اللہ! مجھے زنا کی اجازت دیجئے۔ یہ سن کر چاروں طرف سے اس پر لوگوں نے ملامت شروع کی‘ آپ ﷺ نے روکا‘ پھر اس نوجوان کو اپنے پاس بلا کر بٹھایا اور دل دہی سے پوچھا کہ تم اس فعل کو اپنی ماں کے لئے پسند کرو گے‘ عرض کی‘ آپ ﷺ پر قربان نہیں یارسول اللہ! فرمایا تو اور لوگ بھی اپنی ماؤں کے لئے نہیں پسند کریں گے۔ تو کیا تم اپنی بیٹی کے لئے یہ پسند کرو گے؟ عرض کی نہیں یارسول اللہ! فرمایا تو اور لوگ

بھی اپنی بیٹیوں کے لئے اس کو پسند نہیں کریں گے' تو کیا اپنی بہن کے لئے یہ پسند کرو گے' گزارش کی نہیں یا رسول اللہ! فرمایا تو اور لوگ بھی اپنی بہنوں کے لئے یہ پسند نہ کریں گے' پھر اسی طرح خالہ اور پھوپھی کے متعلق آپ ﷺ نے پوچھا' اس نے وہی جواب دیا اور آپ ﷺ بھی اسی طرح فرماتے گئے' اس کے بعد اس پر ہاتھ رکھ کر دعا کی کہ خداوندا! اس کے گناہوں کو بخش دے اور اس کے دل کو پاک اور اس کو عصمت عطا کر۔ ابو امامہ کہتے ہیں کہ اس کے بعد اس نوجوان کا یہ حال تھا کہ وہ کسی کی طرف مڑ کر بھی نہیں دیکھتا تھا۔ (۱)۔

حضرت سعدؓ بن وقاص کی شفایابی کیلئے دعا::

حضرت سعدؓ بن وقاص کہتے ہیں کہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ہم رکابی میں مکہ گیا اور وہاں جا کر ایسا سخت بیمار ہوا کہ مرنے کے قریب ہو گیا' یہاں تک کہ وصیت کی تیاری کی' آپ ؐ عیادت کو تشریف لائے تو عرض کی یا رسول اللہ! میں اس سرزمین میں مرتا ہوں جس سے ہجرت کی تھی' آپ ؐ نے فرمایا نہیں انشاء اللہ (۲)۔! پھر تین دفعہ دعا کی کہ الٰہی سعد کو شفا دے' سعد کو شفا دے' سعد کو شفا دے۔ (۳)۔ چنانچہ ان کو شفا ہوئی اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد چودہ پندرہ برس تک زندہ رہے اور لشکر عراق کے امیر مقرر ہوئے۔

حضرت سعد بن ابی وقاص کے مستجاب الدعوات ہونیکی دعا::

ان ہی حضرت سعدؓ بن وقاص کے حق میں آپ ؐ نے دعا فرمائی تھی کہ خداوندا! ان کو مستجاب الدعوات (۴)۔ بنا۔ چنانچہ اس کا یہ اثر تھا کہ وہ جس کو دعا دیتے تھے وہ یقیناً قبول ہو جاتی تھی' کوفہ کی امارت کے زمانہ میں بعض شریروں نے بارگاہ فاروقی میں ان کی غلط شکایت کی' حضرت عمرؓ نے تحقیق حال کیلئے آدمی بھیجا وہ ایک ایک مسجد میں جا کر لوگوں سے حضرت سعدؓ کے متعلق حالات دریافت کرتا پھرتا تھا' ایک محلّہ کی مسجد میں ایک شخص نے جھوٹی گواہی دی کہ وہ نماز بھی ٹھیک نہیں پڑھاتے' یہ سن کر

حضرت سعدؓ بے اختیار ہو گئے۔فرمایا خداوندا! اگر یہ جھوٹا ہو تو اس کو آزمائش میں ڈال۔اس شخص کا یہ حال ہو گیا تھا کہ بوڑھے ہو کر اس کی پلکیں لٹک آئی تھیں تاہم بازاروں میں چھوکریوں کو چھیڑتا پھرتا تھا اور کہتا تھا کہ سعد کی بددعا مجھے لگ گئی' احادیث وسیر میں ان کی قبولیت دعا کے اور بھی واقعات مذکور ہیں۔

---

(۱)۔مسند احمد ج ۵ صفحہ ۳۵٦ بہ سند صحیح و شعب الایمان بھیقی۔ (۲)۔نسائی کتاب الوصیتہ۔ (۳)۔صحیح مسلم کتاب الوصیتہ۔ (٤)۔ترمذی مناقب سعد بن ابی وقاص۔ (٥)۔صحیح بخاری کتاب الصلوٰۃ۔

حضرت عروہؓ کے حق میں دعائے برکت::

ایک بار آپ ؐ نے حضرت عروہؓ کو ایک دینار دیا کہ اس کی ایک بکری خرید لائیں' انہوں نے اس سے دو بکریاں خریدیں' ایک کو ایک دینار پر فروخت کر ڈالا اور آپ ؐ کی خدمت میں دوسری بکری اور دینار کو پیش کیا' آپ ؐ نے ان کو خرید و فروخت کے معاملات میں برکت کی دعا کی اور اس کا یہ اثر یہ ہوا کہ اگر وہ مٹھی بھر بھی خریدتے تھے تو اس میں نفع ہوتا تھا۔(۱)۔

ابو امامہ باہلیؓ کے حق میں دعائے سلامتی::

حضرت ابو امامہؓ کہتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کہیں فوج بھیج رہے تھے' میں نے حاضر ہو کر عرض کی کہ یارسول اللہ میرے لئے دعا کیجئے کہ شہادت نصیب ہو۔فرمایا خداوندا! ان کو سالم و غانم واپس لا۔چنانچہ ہم صحیح و سلامت مال غنیمت لے کر واپس ہوئے۔پھر کہیں فوج جانے لگی' میں نے پھر وہی درخواست کی' آپ ؐ نے پھر وہی دعا دی اور پھر وہی ہوا۔تیسری دفعہ پھر یہی موقع پیش آیا' میں نے عرض کی یارسول اللہ! میں نے دو دفعہ دعائے شہادت کے لئے درخواست پیش کی قبول نہ ہوئی' اب یہ تیسرا موقع ہے' آپ ؐ نے پھر وہی دعا دی اور وہی نتیجہ تھا۔(۲)۔

حضرت طلحہؓ کے حق میں برکت اولاد کی دعا::

حضرت ابوطلحہؓ کی بیوی نہایت ہوشمند اور اسلام اور پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر دل سے فدا تھیں۔ایک دفعہ ان کا بچہ بیمار ہوا'حضرت ابوطلحہ گھر سے باہر ہی تھے کہ بچہ نے دم توڑ دیا'بیوی نے بچہ کو ایک گوشہ میں ڈال دیا'ابوطلحہؓ جب گھر واپس آئے تو بیوی سے دریافت کیا کہ بچہ کیسا ہے؟ نیک بخت نے جواب دیا کہ وہ آرام پا گیا۔ ابوطلحہؓ سمجھے کہ وہ اچھا ہے' دونوں میاں بیوی ایک ہی بستر پر سوئے' ابوطلحہؓ صبح کو اٹھے' غسل کر کے مسجد نبویؐ میں نماز پڑھنے کو جانے لگے تو بیوی نے اصل حقیقت ظاہر کی' ابوطلحہؓ نے آ کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو شب کا ماجرا سنایا تو فرمایا شاید کہ خدا نے آج شب کو برکت کی ہو' چنانچہ اس شب کی برکت مقررہ مہینوں کے بعد پوری ہوئی۔(۳)۔ایک انصاری کہتے ہیں کہ برکت کا یہ اثر ہوا کہ میں نے ابوطلحہؓ کی نو اولادیں دیکھیں اور سب کی سب قرآن خواں تھیں۔(۴)۔

حضرت ابو ہریرہؓ کی والدہ کے حق میں دعائے ہدایت::

حضرت ابو ہریرہؓ کی والدہ کافرہ تھیں' ابو ہریرہؓ ان کو دعوت اسلام دیتے تھے لیکن وہ نہیں مانتی تھیں۔ایک دن انہوں نے حسب دستور دعوت اسلام دی تو انہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو برا بھلا کہا'حضرت ابو ہریرہؓ کو سخت تکلیف ہوئی' وہ روتے ہوئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور اس ناگوار واقعہ کا ذکر کیا اور درخواست کی کہ میری والدہ کے لئے ہدایت کی دعا فرمایئے۔آپ ؐ نے دعا کی کہ خداوندا! ابو ہریرہؓ کی ماں کو ہدایت نصیب کر۔

---

(۱)۔بخاری باب علامات النبوہ۔ (۲)۔مسند احمد ج ۵ صفحہ ۲۴۸ و ابویعلی و بھیقی۔ (۳)۔صحیح مسلم فضائل ابوطلحۃؓ۔ (۴)۔صحیح بخاری کتاب الجنائز باب من لم یظھر الحزن عند المصیبتہ

حضرت ابو ہریرہؓ کو اس دعا کے قبول ہونے کا اس درجہ یقین تھا کہ وہ خوش خوش گھر

واپس آئے دیکھا کہ دروازہ بند ہے' ماں نے پاؤں کی آہٹ سنی تو کہا دروازے پر ٹھہرے رہو' حضرت ابو ہریرہؓ کو پانی گرنے کی آواز بھی محسوس ہوئی' جب وہ غسل کر کے کپڑے بدل چکیں تو دروازہ کھولا اور کلمہ شہادت پڑھا' حضرت ابو ہریرہؓ خوشی کے مارے الٹے پاؤں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں واپس آئے اور آپ ؐ کو مژدہ سنایا (۱)۔ آپ ﷺ نے خدا کا شکر ادا کیا اور دونوں کو دعا دی۔

اونٹ کا تیز ہو جانا::

ایک غزوہ میں حضرت جابرؓ کی سواری کا اونٹ اس قدر تھک گیا یا بیمار ہو گیا کہ تقریباً چل نہیں سکتا تھا' آپ ﷺ نے دیکھا تو دعا دی اور اب وہ اس قدر تیز ہو گیا کہ تمام اونٹوں کے آگے آگے رہتا تھا' آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے آ کر پھر دریافت کیا کہ اے جابر! اب کیا حال ہے؟ عرض کی آپ ﷺ کی دعا کی برکت قبول ہوئی۔ (۲)۔

بیمار کا اچھا ہونا::

آپ ﷺ ایک صحابی کی عیادت کو تشریف لے گئے جو ضعف سے چور ہو گئے تھے' آپ ﷺ نے فرمایا کیا تم صحت کی حالت میں خدا سے دعا کرتے تھے؟ انہوں نے کہا ہاں! میں خدا سے دعا کرتا تھا کہ مجھے آخرت میں جو عذاب دینا ہے وہ دنیا ہی میں دے دے۔ آپ ﷺ نے فرمایا سبحان اللہ! تم دنیا کے عذاب کے متحمل نہیں ہو سکتے تو تم نے یہ دعا کیوں نہیں کی۔

ربنا اتنا فی الدنیا حسنۃ وفی الاخرۃ حسنۃ وقنا عذاب النار۔ (بقرہ۔۲۵)

خداوندا ہم کو دنیا و آخرت دونوں میں بھلائی دے اور دوزخ کے عذاب سے محفوظ رکھ۔

اس کے بعد آپ ﷺ نے درگاہ خداوندی میں دعا کی اور خدا نے ان کو شفاء عطا فرمائی۔(۳)۔

سواری میں قوت آ جانا::

حضرت جریرؓ ایک صحابی تھے جو گھوڑے کی پیٹھ پر جم کر نہیں بیٹھ سکتے تھے' ایک بار آپ ﷺ نے ان کو ذی الحلیفہ کے بت خانے کے ڈھانے کے لئے بھیجنا چاہا' انہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے گھوڑے پر جم کر نہ بیٹھنے کی شکایت کی' آپ ﷺ نے ان کے سینہ پر ہاتھ مارا اور دعا دی کہ خداوندا! اس کو گھوڑے پر بیٹھنے کی قوت دے اور اس کو ہادی ومہدی بنا۔ چنانچہ وہ گئے اور اس میں آگ لگا کر آئے۔(۴)۔

ایک مغرور کا ہاتھ شل ہو جانا::

آپ کے سامنے ایک شخص نے بائیں ہاتھ سے کھانا شروع کیا' آپ ﷺ نے فرمایا دائیں ہاتھ سے کھاؤ' اس نے غرور سے کہا۔ میں اس سے کھا نہیں سکتا۔ چونکہ اس نے غرور سے کہا تھا' آپ ﷺ نے فرمایا' خدا کرے ایسا ہی ہو' چنانچہ اس کے بعد ایسا ہوا کہ وہ دائیں ہاتھ کو اٹھا کر واقعی اپنے منہ تک نہیں لے جا سکتا تھا۔(۵)۔

---

(۱)۔ صحیح مسلم فضائل ابوھریرہؓ (۲)۔ بخاری کتاب الجہاد۔ (۳)۔ صحیح مسلم کتاب الدعوات باب کراھتہ الدعا بتعجیل العقوبتی فی الدنیا۔ (۴)۔ صحیح مسلم فضائل جریر بن عبداللہ بجلی۔ (۵)۔ صحیح مسلم باب آداب الطعام و الشراب واحکامھا۔

قبیلہ دوس کا مسلمان ہونا::

ایک بار حضرت طفیل دوسیؓ اپنے رفقاء کے ساتھ آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور کہا یا رسول اللہ! دوس کے قبیلہ نے دعوت اسلام قبول کرنے سے انکار کیا آپؐ اس پر بد دعا فرمایئے لیکن رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ دعا فرمائی:

اللھم اھد دوسا وائت بھم۔

خداوندا دوس کو ہدایت دے اور ان کو لا۔ (۱)۔

رفع بے پردگی کیلئے دعا::

ایک حبشیہ عورت نے آپ ؐ کی خدمت میں حاضر ہوکر عرض کہ کہ مجھے صرع کا دورہ ہوتا ہے جس سے میں بے پردہ ہو جاتی ہوں میرے لئے دعا فرمایائے، ارشاد ہوا اگر صبر کرنا چاہو تو تمہیں جنت نصیب ہوگی اور اگر کہو تو میں دعا کروں کہ خدا تم کو صحت دے۔ اس نے کہا میں صبر کرتی ہوں لیکن ستر عورت کیلئے دعا فرمائیے۔ چنانچہ آپ ؐ نے اس کے لئے دعا کی۔ (۲)۔

سلطنت کسریٰ کی تباہی::

پڑھ چکے ہو کہ آنخضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دعوت اسلام کے لئے جب کسریٰ کے پاس خط بھیجا تو اس نے خط کو چاک کرکے پھینک دیا، آنخضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو معلوم ہوا تو آپ ﷺ نے اس کو بد دعا دی کہ اس کے بھی پرزے پرزے ہو جائیں۔ (۳)۔ چنانچہ حضرت عمرؓ کے زمانہ میں اس کی سلطنت کے پرخچے اڑ گئے۔

دعائے برکت کا اثر::

آنخضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہمیشہ فوج کو صبح تڑکے روانہ فرماتے تھے اور تمام امت کے لئے دعا کی تھی کہ خداوندا! میری امت کو صبح سویرے میں برکت دے۔ ایک تجارتی پیشہ صحابی نے اس پر عمل کیا اور اپنا سامان تجارت عموماً صبح سویرے روانہ کرنا شروع کیا۔ چنانچہ اس دعا کی برکت ظاہر ہوئی اور وہ اتنے دولت مند ہو گئے کہ ان کو اپنی دولت کے رکھنے کو جگہ نہیں ملتی تھی۔ (۴)۔

طول عمر کی دعا::

ام قیسؓ ایک صحابیہ تھیں ان کا لڑکا مر گیا تو وہ اس قدر اداس ہو گئیں کہ غسل جنازہ دینے والے سے کہا کہ میرے بچے کو ٹھنڈے پانی سے غسل نہ دو' ورنہ مر جائے گا' آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اس کی خبر ہوئی تو مسکرائے اور ان کو طول عمر کی دعا دی' چنانچہ انہوں نے تمام عورتوں سے زیادہ عمر پائی۔

ایک بچہ کی ہدایت کے لئے دعا::

رافع بن سنان نے اسلام قبول کر لیا لیکن بی بی نے جس کی گود میں ایک لڑکی تھی اس سعادت ابدی سے انکار کیا' اب اختلاف مذہب کی بنا پر لڑکی کے بارے میں نزاع پیدا ہوئی۔ بارگاہ نبوت میں مقدمہ پیش ہوا'

---

(۱)۔ صحیح بخاری قصہ دوس (کتاب الجہاد) و مسلم فضائل غفار و اسلم و دوس وغیرھا۔ (۲)۔ صحیح مسلم باب ثواب المومن فیما یصیبہ من المرض (کتاب البر و الصلہ۔) (۳)۔ صحیح بخاری کتاب الجہاد۔ (٤)۔ ابوداؤد ترمذی ابن ماجہ صفحہ ۱٦۳ باب مایرجی من البرکت فی السحور و مسند احمد ج ۳ صفحہ ٤۳۰ عن صخر الغائدی۔

آپ ﷺ نے دونوں کو الگ الگ بٹھایا اور کہا کہ لڑکی کو بلاتے جاؤ دونوں نے بلایا تو لڑکی ماں کی طرف بڑھی' آپ ﷺ نے اس حالت کو دیکھ کر دعا فرمائی کہ خداوندا! اس کو ہدایت دے اس کا یہ اثر ہوا کہ لڑکی کا رخ فوراً باپ کی طرف پھر گیا' یہ ابوداؤد کی روایت ہے۔ (۱)۔

ابن سعد نے اسی قسم کا ایک اور واقعہ ابوسلمہ صحابی کی نسبت لکھا ہے کہ وہ بچے تھے ان کے دادا اور نانا میں سے ایک کافر اور ایک مسلمان تھا' دونوں نے بچہ کی تولیت کا دعویٰ کیا' آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کا فیصلہ خود بچہ کے اختیار پر رکھ دیا' پہلے تو بچہ اپنے کافر رشتہ دار کی طرف بڑھا' آپ ﷺ نے فرمایا' خدا اس کو ہدایت دے۔ فوراً بچہ مسلمان عزیز کی طرف چلا گیا اور فیصلہ اسی کے حق میں رہا۔ (۲)۔

---

(۱)۔ ابوداؤد صفحہ ۲۲۲ کتاب الطلاق باب اذا اسلم الابوان مع

من یکون الولد۔ (۲)۔ ابن ماجہ باب تخیر الصبی بین ابویہ میں بھی
یہ روایت ہے۔

اشیاء میں اضافہ

مسلمانوں کی ابتدائی زندگی جس فقر وفاقہ میں گزری تھی' اس کا حال کتاب کے مختلف حصوں میں پڑھ چکے ہو' کئی کئی دن گزر جاتے تھے کہ ان کو کھانے کی کوئی چیز نہیں ملتی تھی' ایسی حالت میں اگر برکت الہٰی ان کو اپنا خاص مہمان نہ بنالیتی تو ان کا کیا حشر ہوتا؟ انجیل میں ہے کہ حضرت عیسیٰ نے تھوڑی سے روٹی اور مچھلی سے کئی سو آدمیوں کو شکم سیر کر دیا اور یہ ان کا بڑا معجزہ سمجھا جاتا ہے' لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دست مبارک اور فیض روحانی سے ایک دفعہ نہیں متعدد دفعہ اس قسم کے برکات ظاہر ہوئے۔

تھوڑے سے کھانے میں ستر آدمیوں کا سیر ہونا::

ایک دن حضرت ابوطلحہؓ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی آواز سے محسوس کیا کہ آپ ؐ بھوک کی شدت سے ضعیف ہو رہے ہیں' گھر آئے اور بی بی ام سلیم سے کہا کہ مجھ کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ضعیف آواز سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ ؐ بھوکے ہیں' تمہارے پاس کچھ کھانے کو ہے' انہوں نے جو کی چند روٹیاں دوپٹے میں لپیٹ کر حضرت انسؓ کے ہاتھ آپ ؐ کی خدمت میں بھیجیں۔ وہ روٹیاں لے کر آئے تو آپ ؐ صحابہؓ کے ساتھ مسجد میں تشریف فرما تھے۔ حضرت انسؓ سامنے کھڑے ہوئے تو آپ ؐ نے پوچھا کہ کیا ابوطلحہؓ نے تمہارے ہاتھ کھانا بھیجا ہے؟ انہوں نے کہا ہاں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تمام صحابہ کے ساتھ اٹھے اور حضرت ابوطلحہؓ کے مکان پر تشریف لائے۔ حضرت انسؓ نے ان کو خبر کی تو انہوں نے بی بی سے کہا کہ آنحضرت ؐ ایک جماعت کے ساتھ تشریف لاتے ہیں اور ہمارے پاس کھانے کا کوئی سامان نہیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ابوطلحہؓ کے ساتھ آئے اور ام سلیمؓ سے کہا کہ جو کچھ تمہارے پاس ہو لاؤ۔ انہوں نے وہی

روٹیاں پیش کیں جو حضرت انسؓ کے ہاتھ بھیجی تھیں' آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حکم سے ان کو چورا کیا گیا اور ام سلیمؓ نے گھی کا برتن انڈیل دیا جس نے سالن کا کام دیا' لیکن ان ہی روٹیوں میں برکت ہوئی کہ آپ ؐ دس دس آدمیوں کو بلا بلا کر کھلاتے تھے اور شکم سیر ہو ہو کر جاتے تھے' یہاں تک کہ ستر اسی آدمی آسودہ ہو گئے۔ (۱)۔

چھوہارے کے ڈھیر کا بڑھ جانا::

حضرت جابرؓ کے والد نے اپنے اوپر یہودیوں کا قرض چھوڑ کر وفات کی' قرض داروں نے تقاضا کیا تو حضرت جابرؓ آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور کہا کہ والد نے اپنے اوپر قرض چھوڑ کر انتقال کیا ہے اور بجز کھجوروں کے میرے پاس ادا کرنے کا کوئی سامان نہیں' صرف کھجوروں کی پیداوار سے کئی برس تک یہ قرض ادا نہیں ہو سکتا' آپ ؐ میرے ساتھ نخلستان میں تشریف لے چلئے' تا کہ آپ ؐ کے ادب سے قرضدار مجھ پر سختی نہ کریں'

(۱)۔ صحیح بخاری علامات النبوہ۔

آپ ؐ ان کے ساتھ تشریف لائے اور کھجوروں کا جو ڈھیر لگا ہوا تھا اس کے گرد چکر لگا کر دعا کی اور اسی پر بیٹھ گئے اور فرمایا کہ اپنے اپنے قرض میں لیتے جاؤ' آپ ﷺ کی دعا کی تاثیر سے ان ہی کھجوروں میں برکت ہوئی کہ تمام قرض ادا ہو گیا اور جس قدر کھجوریں قرض داروں کو ادا کی گئی تھیں اتنی ہی بچ رہیں۔ (۱)۔

کھانے میں حیرت انگیز برکت::

چونکہ اصحاب صفہ بالکل محتاج تھے اور ان کی معاش کا کوئی سامان نہ تھا' اس لئے آپ ﷺ نے ایک بار حکم دیا کہ جس کے پاس دو آدمیوں کے کھانے کا سامان ہو وہ اصحاب صفہ میں سے ایک کو اور جن کے پاس چار آدمیوں کی غذا ہو وہ دو کو اپنے ساتھ لے جائے اور کھانا کھلائے۔ چنانچہ اس اصول کے موافق آنحضرت صلی اللہ

علیہ وآلہ وسلم کے حصہ میں دس اور حضرت ابوبکرؓ کے حصے میں تین آدمی آئے۔ یہ لوگ حضرت ابوبکرؓ کے گھر میں آئے لیکن حضرت ابوبکرؓ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہی کے یہاں کھانا کھایا' اور آپ ﷺ کے ساتھ عشاء کی نماز پڑھی' اس لئے کسی قدر رات گزر گئی' وہ گھر میں دیر سے آئے تو ان کی بیوی ام رومان نے کہا کہ مہمانوں کو چھوڑ کر کہاں رہ گئے؟ انہوں نے کہا کیا تم نے ان کو کھانا نہیں کھلایا وہ بولیں بغیر تمہارے ان لوگوں نے کھانے سے انکار کیا' حضرت ابوبکرؓ نہایت برہم ہوئے اور ان لوگوں کو کھانا کھلانا شروع کیا وہ لوگ جو لقمہ اٹھاتے تھے اس میں پہلے سے بھی زیادہ اضافہ ہو جاتا تھا' یہاں تک کہ جب وہ لوگ شکم سیر ہو کر کھا چکے تو بچا ہوا کھانا پہلے سے بھی زیادہ نکلا۔

حضرت ابوبکرؓ نے اس برکت کو دیکھ کر ام رومان کی طرف مسرت سے دیکھا اور غصہ میں اگرچہ کھانے کی قسم کھا چکے تھے لیکن قسم توڑنے کے ایک لقمہ اس میں سے کھایا اور تمام کھانا آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے گھر بھیج دیا۔ وہ کھانا آپ ﷺ کے گھر صبح تک رہا۔ دوسرے روز آپ ﷺ کی خدمت میں بارہ آدمی آئے' جن میں سے ہر ایک کے ساتھ کئی آدمی خدا جانے کتنے تھے' آپ ﷺ نے وہ کھانا ان کے پاس بھیج دیا اور وہ لوگ بھی سیر ہو گئے۔ (۲)۔

گھی کی مقدار میں برکت::

ام مالکؓ کا دستور تھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں ہمیشہ ایک برتن میں گھی ہدیتاً بھیجا کرتی تھیں' جب ان کے بچے سالن مانگتے اور گھر میں نہ ہوتا تو وہ اس برتن کو جس میں آپ ﷺ کی خدمت میں گھی بھیجتی تھیں' اٹھا لائیں اور اس میں سے بقدر ضرورت گھی نکل آتا۔ ایک دن انہوں نے اس برتن کو نچوڑ لیا۔ پھر آپ ﷺ کی خدمت میں آئیں تو آپ ﷺ نے فرمایا۔ اگر تم نے اس کو نچوڑ کر نہ لیا ہوتا تو ہمیشہ اس میں سے گھی نکلا کرتا۔ (۳)۔

جو کی مقدار میں برکت::

ایک بار ایک شخص نے آپ ﷺ سے غلہ مانگا' آپ ﷺ نے تھوڑے سے جو دے دیئے اس میں اس قدر برکت ہوئی کہ وہ روز اپنے لئے' اپنی بی بی کے لئے' اپنے مہمان کے لئے اس میں سے صرف کرتا تھا اور اس میں کمی نہ ہوتی تھی' ایک دن اس نے اس کو تولا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا' آپ ﷺ نے فرمایا۔ اگر تم اس کو نہ تولتے تو ہمیشہ ایک حالت پر قائم رہتا۔(۴)۔

---

(۱)۔ صحیح بخاری باب علامات النبوہ۔ (۲)۔ ایضًا۔ (۳)۔ صحیح مسلم باب معجزات النبی و مسند احمد عن جابرؓ (٤)۔ ایضًا۔

کھانے میں حیرت انگیز اضافہ::

غزوۂ احزاب میں تمام مہاجرین وانصار خندق کھود رہے تھے' حضرت جابرؓ نے دیکھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سخت بھوکے ہیں وہ اپنی بیوی کے پاس آئے اور پوچھا کہ تمہارے پاس کچھ کھانے کو ہے؟ انہوں نے ایک صاع جو نکالا اور گھر میں ایک بکری تھی' حضرت جابرؓ نے اس کو ذبح کیا اور بی بی نے آٹا گوندھا' گوشت دیگچی میں چڑھایا گیا تو حضرت جابرؓ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لینے کے لئے چلے' بی بی نے کہا کہ دیکھو آپ ﷺ کے ساتھ لوگوں کو لا کر مجھے رسوا نہ کرنا' حضرت جابرؓ ﷺ آئے اور چپکے سے آپ ﷺ کے کان میں کہا کہ ہم نے کھانے کا انتظام کیا ہے' آپ ﷺ چند اصحاب کے ساتھ تشریف لے چلئے' لیکن آپ ﷺ نے تمام اہل خندق کو پکارا کہ آؤ جابرؓ نے دعوت عام کی اور حضرت جابرؓ سے کہا کہ جب تک میں نہ آلوں چولہے سے دیگچی نہ اتاری جائے اور روٹی نہ پکے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تمام لوگوں کو لے کر روانہ ہوئے' حضرت جابرؓ گھر میں آئے تو بی بی نے برا بھلا کہنا شروع کیا' انہوں نے کہا میں کیا کروں' تم نے جو کچھ کہا تھا میں نے اس

کی تعمیل کر دی' آپ ﷺ آئے تو بی بی نے آپ ﷺ کے سامنے آٹا پیش کیا' آپ ﷺ نے اس میں اپنا لعاب دہن ملا دیا اور برکت کی دعا دی' اسی طرح دیگچی میں بھی لعاب دہن ڈالا اور دعائے برکت کی' اس کے بعد آپ ﷺ نے روٹی پکانے اور سالن نکالنے کا حکم دیا' کم وبیش ایک ہزار آدمی تھے سب کھا کر واپس گئے لیکن گوشت اور آٹے میں کوئی کمی نہیں ہوئی۔(۱)۔

تھوڑی سی زادراہ میں غیر معمولی برکت::

غزوۂ تبوک میں صحابہؓ کو بھوک کی اتنی تکلیف ہوئی کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سواریوں تک کے ذبح کرنے کی اجازت دے دی' حضرت عمرؓ کو معلوم ہوا تو آپ ﷺ کے پاس آئے اور کہا کہ اگر ایسا کیا گیا تو سواریاں کم ہو جائیں گی' آپ ﷺ بچا ہوا زادراہ سب سے طلب فرمائیں اور اس پر دعائے برکت کریں' ممکن ہے کہ خدا اس میں ان کا بھلا کر دے' آپ ﷺ نے ایک چادر بچھوائی اور تمام فوج کا زادراہ جمع کرا دیا اور اس پر برکت کی دعا کی' پھر تمام لوگوں سے فرمایا کہ اپنے اپنے برتن بھر لیں لوگوں نے تمام برتن بھر لئے اور خوب سیر ہو کر کھایا' یہاں تک کہ کھانے سے بچ گیا۔(۲)۔

تھوڑی سی زادراہ میں عظیم برکت::

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ایک سفر میں تھے' صحابہ بھوک سے اس قدر بیتاب تھے کہ اونٹنیاں ذبح کرنی چاہیں لیکن آپ ﷺ نے تمام لوگوں کے زادراہ کے جمع کرنے کا حکم دیا' ایک چادر بچھائی گئی اور اس پر تمام زادراہ ڈھیر کیا گیا' اس تمام سامان کی مجموعی مقدار نے صرف اس قدر زمین کا احاطہ کیا جس پر ایک بکری بیٹھ سکتی تھی اور اشخاص کی تعداد چودہ سو تھی لیکن تمام لوگوں نے سیر ہو کر کھایا اور اپنے اپنے توشہ دان بھر لئے' کھانے کے بعد آپ ﷺ نے پانی طلب فرمایا' ایک صاحب ایک برتن میں تھوڑا سا پانی لائے' آپ ﷺ نے اس کو پیالہ میں انڈیل دیا اور ۱۴ اسو

آدمیوں نے اس سے وضو کیا۔(۳)۔

(۱)۔ بخاری ج ۲ صفحہ ۵۸۹ ذکر غزوئہ خندق۔ (۲)۔ صحیح مسلم ج اول صفحہ ۳۲ مصر کتاب الایمان۔ (۳)۔ مسلم ج ۲ صفحہ ۶۱ مصر باب خلط زواد اذاقلت۔

آدھ سیر آٹے اور ایک بکری میں برکت ::

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ایک سفر میں تھے' ۱۳۰ آدمیوں کی جماعت ساتھ تھی' آپﷺ نے لوگوں سے پوچھا کہ تمہارے ساتھ کچھ کھانے کا سامان ہے؟ ایک شخص ایک صاع آٹا لایا اور وہ گوندھا گیا' پھر ایک کافر بکریاں چراتا ہوا آیا' آپﷺ نے اس سے ایک بکری خرید فرمائی اور ذبح کرنے کے بعد کلیجی کے بھونے کا حکم دیا اور ہر شخص کو تقسیم کی' گوشت تیار ہوا تو دو پیالوں میں بھرا گیا اور سب کے سب کھا کر آسودہ ہو گئے اور بچ بھی گیا۔(۱)۔

تھوڑے سے کھانے میں غیر معمولی برکت ::

حضرت انسؓ کی والدہ ام سلیمؓ نے ایک بار ایک قسم کا کھانا تیار کیا اور حضرت انسؓ کو بھیجا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بلا لائیں وہ گئے تو آپﷺ نے پوچھا کہ کیا میرے ساتھیوں کو بھی بلایا ہے؟ حضرت انسؓ نے گھر میں آ کر پوچھا حضرت انسؓ نے آپﷺ سے آ کر کہا وہ تو ذرا سی چیز ہے جس کو ام سلیمؓ نے تیار کیا ہے' آپﷺ تشریف لائے اور کھانا سامنے رکھا گیا تو فرمایا دس دس آدمیوں کو لاؤ' اس طرح دس دس کر کے چالیس آدمی آئے اور شکم سیر ہو کر کھایا لیکن کھانے میں کسی قسم کی کمی نہیں ہوئی۔(۲)۔

قلیل تعداد میں کثیر برکت ::

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جب حضرت زینبؓ سے نکاح کیا تو حضرت انسؓ کی والدہ ام سلیمؓ نے تھوڑا سا حیس (ایک قسم کا کھانا ہوتا ہے) تیار کیا اور ایک

طشت میں حضرت انسؓ کے ہاتھ آپ ﷺ کی خدمت میں بھیجا‘ حضرت انسؓ کھانا لے کر آئے تو آپ ﷺ نے بہت سے اصحاب کو مدعو کیا‘ تقریباً تین سو آدمی جمع ہو گئے‘ آپ ﷺ نے حکم دیا کہ دس دس آدمی حلقہ باندھ کر بیٹھ جائیں اور اپنے سامنے سے کھانا شروع کریں‘ تمام لوگ کھا کر آسودہ ہو گئے‘ لیکن اس میں اس قدر برکت ہوئی کہ حضرت انسؓ کہتے ہیں کہ مجھے یہ معلوم نہ ہو سکا کہ جس وقت میں نے طشت اٹھا کر رکھا اس وقت کھانا زیادہ تھا یا جب لوگوں کے سامنے رکھا گیا تھا۔ (۳)۔

ایک پیالہ میں حیرت انگیز برکت::

سمرہ بن جندبؓ کا بیان ہے کہ ہم لوگ دس دس آدمی صبح سے شام آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس ایک پیالہ سے متصل کھاتے رہتے تھے‘ لوگوں نے پوچھا اس میں اس قدر بڑھتی کیونکر ہوتی جاتی ہے؟ انہوں نے آسمان کی طرف اشارہ کر کے بتایا کہ ’’وہاں‘‘ سے۔ (۴)۔

دودھ کے پیالہ میں برکت::

ایک دن حضرت ابو ہریرہؓ بھوک کی شدت سے بے تاب ہو کر راستہ میں بیٹھ گئے۔ حضرت ابوبکرؓ کا گزر ہوا تو ان سے قرآن مجید کی ایک آیت پوچھی‘ لیکن اس کا مقصد اپنی حالت زار کی طرف توجہ دلانا تھا‘ وہ گزر گئے اور کچھ توجہ نہ کی‘

(۱)۔ بخاری جلد ۲ صفحہ ۲۱۱ کتاب الاطعمہ۔ (۲)۔ بخاری جلد ۲ صفحہ ۸۱۹ کتاب الاطعمہ۔ (۳)۔ صحیح مسلم جلد ۱ صفحہ ۵۵۰ مصر کتاب النکاح۔ (۴)۔ ترمذی صفحہ ۶۰۲ باب ماجاء فی آیات نبوت النبی صلی اللہ علیہ وسلم۔

پھر حضرت عمرؓ گزرے‘ انہوں نے اسی غرض سے ان سے بھی ایک آیت پوچھی لیکن انہوں نے بھی بے التفاتی کی‘ اس کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا گزر ہوا اور آپ ﷺ نے ان کے چہرے کو دیکھ کر اصل حقیقت معلوم کر لی اور ان کو پکارا‘

حضرت ابو ہریرہؓ نے لبیک کہا اور ساتھ ہو لئے' آپ ﷺ گھر میں داخل ہوئے تو دودھ کا پیالہ بھرا نظر آیا' پوچھنے سے معلوم ہوا کہ ہدیتاً آیا ہے۔ آپ ﷺ نے حضرت ابو ہریرہؓ کو حکم دیا کہ اصحاب صفہ کو بلا لائیں' حضرت ابو ہریرہؓ کو یہ ناگوار گزرا کہ اس دودھ کا سب سے زیادہ مستحق تو میں تھا' لیکن آپ ﷺ کی تعمیل ارشاد سے چارہ نہ تھا' مجبوراً اصحاب صفہ کو بلا لے گئے اور سب کے سب اپنی اپنی جگہ پر بیٹھ گئے۔ آپ ﷺ کے حکم سے حضرت ابو ہریرہؓ نے سب کو پلانا شروع کیا' جب سب کے سب سیراب ہو گئے تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پیالہ ہاتھ پر رکھا اور ابو ہریرہؓ کی طرف دیکھ کر مسکرائے اور کہا کہ اب صرف ہم اور تم باقی ہیں' آؤ بیٹھو اور پینا شروع کیا۔ آپ ﷺ ان کو متصل پلاتے رہے یہاں تک کہ وہ خود بول اٹھے کہ اب گنجائش نہیں' اس کے بعد آپ ﷺ نے خود پیالہ لیا اور جو کچھ بچ گیا تھا بسم اللہ کہہ کر پی گئے۔ (۱)۔

بکری کے دست میں برکت ::

ایک صحابی نے آپ ﷺ کے لئے گوشت پکایا چونکہ آپ ﷺ کو بکری کا دست نہایت مرغوب تھا' انہوں نے آپ ﷺ کو دونوں دست دیئے' جب آپ ﷺ ان کو تناول فرما چکے تو پھر دست مانگا' انہوں نے کہا یا رسول اللہ! بکری کے کتنے دست ہوتے ہیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا خدا کی قسم! اگر تم خاموش رہتے تو میں جس قدر دست مانگتا تم مجھے دیتے رہتے۔ (۲)۔

بکری کے تھنوں میں برکت ::

حضرت مقدادؓ سے روایت ہے کہ میں اپنے دو رفیقوں کے ساتھ سخت عسرت اور فاقہ زدگی کی حالت میں آیا اور تمام صحابہ کی خدمت میں اپنے آپ کو پیش کیا لیکن کسی نے ہماری کفالت منظور نہیں کی' بالآخر ہم سب آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے' آپ ﷺ ہم کو گھر لے گئے' وہاں تین بکریاں بندھی ہوئی تھیں'

آپ ﷺ نے فرمایا کہ ان کا دودھ دوھ کر پیا کرو' چنانچہ ہم سب دودھ دوھ کے اپنا حصہ پی لیتے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا حصہ رکھ دیتے تھے' آپ ﷺ رات کو آتے تو پہلے نرم آواز میں سلام کرتے' پھر مسجد میں آ کر نماز پڑھتے۔ اس کے بعد اپنا حصہ دودھ پیتے' ایک دن جبکہ میں اپنے حصہ کا دودھ پی چکا تھا' شیطان نے مجھ کو دھوکہ دیا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم انصار کے یہاں سے آتے ہیں' وہ آپ ﷺ کی خدمت میں تحائف پیش کرتے ہیں اور آپ ﷺ ان کو تناول فرماتے ہیں' آپ ﷺ کو اس دودھ کی ضرورت نہیں' میں اس کے دھوکہ میں آ گیا اور تمام دودھ اٹھا کر پی گیا' جب میرے پیٹ میں گنجائش نہ رہی تو شیطان یہ کہہ کر چلتا بنا کہ کم بخت تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا حصہ پی گیا' جب آپ ﷺ تشریف لائیں گے اور اپنے حصہ کو نہ پائیں گے تو تجھ کو بددعا دیں گے اور تیرا دین و دنیا سب کچھ برباد ہو جائے گا۔

---

(۱)۔ بخاری جلد ۲ صفحہ ۹۵۶ کتاب الرقاق۔ (۲)۔ شمائل ترمذی باب صفتہ ادام رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔

چنانچہ اس ڈر سے میری آنکھوں کی نیند اڑ گئی۔ آپ ﷺ تشریف لائے حسب معمول سلام کیا اور نماز پڑھی' اس کے بعد دودھ کو کھولا تو آپ ﷺ کا حصہ غائب تھا' آپ ﷺ نے آسمان کی طرف سر اٹھایا اور میں سمجھا کہ آپ ﷺ اب مجھ پر بددعا فرمائیں گے اور میں ہلاک ہو جاؤں گا' لیکن آپ ﷺ نے یہ دعا فرمائی۔ ''خداوندا! جس شخص نے مجھ کو کھلایا' اس کو کھلا اور جس نے مجھے پلایا' اسے پلا۔'' اب میں چادر لپیٹ کے اٹھا' ہاتھ میں چھری لی کہ ان بکریوں میں جو سب سے زیادہ فربہ ہو اس کو ذبح کروں لیکن مجھے معلوم ہوا کہ ان سب کے تھنوں میں دودھ بھرا ہوا ہے' اب میں نے ایک برتن کی طرف ہاتھ بڑھایا جس کے متعلق آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اہل وعیال کو یہ خیال بھی نہ آیا تھا کہ کبھی اس قدر دودھ ہو گا کہ اس میں دوہا جائے گا لیکن میں نے اس میں دودھ دوہا تو وہ بھر گیا اور اوپر پھین نظر آنے لگا' میں

نے دودھ کو آپ ﷺ کی خدمت میں پیش کیا تو آپ ﷺ نے فرمایا' کیا تم اپنا حصہ پی چکے' میں نے کہا آپ ﷺ پی لیجئے۔

آپ ﷺ نے پی کر دودھ مجھے عنایت فرمایا' چنانچہ جب مجھے معلوم ہوا کہ آپ ﷺ سیر ہو گئے اور آپ ﷺ کی دعا کی برکت میں' میں شامل ہو گیا تو میں ہنستے ہنستے زمین پر گر پڑا اور آپ ﷺ کی خدمت میں اول سے آخر تک تمام واقعہ بیان کیا۔ آپ ﷺ نے فرمایا۔(۱)۔

''یہ خداوند تعالیٰ کی رحمت ہے' تم نے اپنے ساتھیوں کو کیوں نہیں جگایا کہ وہ بھی پیتے۔''

میں نے کہا کہ ''جب میں نے آپ ﷺ کے ساتھ پی لیا تو مجھے اس کی پرواہ نہیں کہ کسی اور نے پیا یا نہیں؟''

ایک وسق جو کی برکت::

حضرت عائشہؓ بیان کرتی ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے وفات پائی تو کچھ وسق (ایک پیانہ) جو کے سوا کچھ گھر میں نہ تھا' تو میں نے اسی کو کھانا شروع کیا تو وہ ختم ہی ہونے پر نہیں آتا تھا تو ہم نے اس کو تولا تو پھر وہ ختم ہو گیا یعنی اس کی وہ برکت جاتی رہی۔(۲)۔

توشہ دان بھرا رہتا::

حضرت ابو ہریرہؓ کہتے ہیں کہ مجھ پر اسلام میں تین مصیبتیں سب سے سخت پڑیں' پہلی آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وفات' دوسری حضرت عثمانؓ کی شہادت' تیسری میرے توشہ دان کا جاتے رہنا' لوگوں نے پوچھا کیوں کیسا توشہ دان؟ انہوں نے کہا۔ آپ ﷺ ایک غزوہ میں تھے' رسد ختم ہو گئی تھی آپ ﷺ نے مجھ سے دریافت فرمایا کہ ابو ہریرہؓ! کچھ تمہارے پاس ہے؟ میں نے عرض کی کہ کچھ کھجوریں ہیں' ارشاد ہوا وہ لے آؤ' میں لایا تو آپ ﷺ نے ان کو دسترخوان پر پھیلا دیا' ایک

کھجوریں تھیں، آپ ﷺ ایک ایک کھجور لے کر اور اس پر خدا کا نام پڑھ کر رکھتے جاتے تھے، پھر آپ ﷺ نے سب کو ملا دیا اور حکم دیا کہ دس دس آدمی آ کر شریک ہوں، چنانچہ اس طرح لوگ آتے گئے اور پوری فوج سیر ہو گئی اور کچھ کھجوریں بچ گئیں، میں نے عرض کی یا رسول اللہ! اس پر میرے لئے برکت کی

(۱)۔ صحیح مسلم ج ۲ صفحہ ۱۸ مصر باب اکرام الضیف۔ (۲)۔ صحیح بخاری و مسلم۔

دعا فرمائیے، آپ ﷺ نے دعا کی، میں نے ان کو اپنے توشہ دان میں ڈال لیا۔ ان کی برکت یہ تھی کہ جب میں ہاتھ ڈالتا تھا اس میں کھجوریں نکل آتی تھیں اور ۵۰ وسق تو میں نے اس میں سے راہ خدا میں خیرات کی، حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ کے زمانہ تک میں اسی سے کھاتا رہا، حضرت عثمانؓ کی شہادت کے ہنگامہ میں جہاں اور چیزیں گئیں، توشہ دان بھی جاتا رہا۔ (۱)۔

تھوڑی کھجوروں میں برکت::

حضرت دکینؓ اور نعمان بھی مقرن صحابی کہتے ہیں کہ ہم لوگ چار سو چودہ آدمی خدمت نبوی ﷺ میں ایک ساتھ حاضر ہوئے اور ہم سب نے کھانے کی درخواست کی، آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت عمرؓ کو حکم دیا کہ ان کو کھانا کھلاؤ، انہوں نے عرض کی یا رسول اللہ! میرے پاس تو اسی قدر ہے جو بال بچوں کو کافی ہو، ارشاد ہوا جاؤ ان کو کھلا دو، عرض کی جیسا حکم ہو تعمیل، میں عذر نہیں، یہ کہہ کر حضرت عمرؓ ہم کو لے کر چلے اور ایک جگہ لا کر بٹھایا اور جو کچھ کھجوریں تھیں وہ سامنے لا کر رکھ دیں، اور ان میں یہ برکت نظر آئی کہ ہم سب سیر ہو گئے لیکن کھجوروں میں کمی نہیں آئی۔ (۲)۔

(۱)۔ مسند احمد، جامع ترمذی، ابن سعد، ابن حبان، و بیہقی۔
(۲)۔ مسند احمد عن وکین و ابوداؤد ابن حباب و ابن سعد عن نعمان بن مقرن۔

پانی جاری ہونا

عرب کے خشک و ریگستانی ملک میں سب سے کم یاب جنس پانی کا ایک چشمہ ہے' دنیا کے فاتحوں اور کشور کشاؤں کے حملوں سے یہ ملک جن اسباب کی بناء پر ہمیشہ محفوظ رہا ہے ان میں سے ایک قوی سبب اس میں پانی کے وجود کی کمیابی بھی ہے۔ چنانچہ یونانیوں' رومیوں اور ایرانیوں کی ہمتیں اس لئے صحرائے لق ودق میں آباد قبائل کے فتح سے قاصر رہیں' غور کرو کہ اسلام کا فاتحانہ لشکر بھی اگر نبوت کے برکات الٰہی کے یہ چشمے اس کے ساتھ ساتھ نہ ہوتے تو اس مشکل کو وہ کبھی حل کر سکتا تھا؟

انبیائے عالم میں صرف ایک حضرت موسیٰؑ کی ذات ہے جن کیلئے ایک دفعہ چٹان کی رگیں پانی کی سوتیں بنیں لیکن رسول عرب کیلئے مشکیزہ کا چمڑہ' گوشت و پوست کی انگلیاں' خشک چشموں کے دہانے' سوکھے ہوئے کنوؤں کی سوتیں' دہان مبارک کی کلیاں متعدد دفعہ پانی کا خزانہ ثابت ہوئیں۔

مشکیزہ سے پانی ابلنا::

ایک دفعہ آنحضرت آپ ﷺ سفر میں تھے' صبح کو آنکھ کھلی اور آپ ﷺ نے نماز پڑھانی شروع کی تو ایک صحابی جماعت سے الگ ہو گئے' آپ ﷺ نے شریک جماعت نہ ہونے کی وجہ پوچھی تو انہوں نے جنابت کا عذر کیا چونکہ پانی نہ تھا اس لئے ان کو آپ ﷺ نے تیمم کا حکم دیا' اس کے بعد آپ ﷺ نے چند صحابہ کو پانی کی جستجو میں روانہ فرمایا' وہ لوگ چلے تو ایک عورت ملی جو اونٹ پر دو مشکیزوں میں پانی لاد کر لئے جا رہی تھی' ان لوگوں نے اس چشمہ کا پتہ پوچھا تو اس نے کہا' اس جگہ پانی نہیں ہے' پھر ان لوگوں نے دریافت کیا کہ تمہارے قبیلہ اور چشمہ کے درمیان کس قدر فاصلہ ہے؟ اس نے ایک دن اور ایک رات کی مسافت بتائی' وہ لوگ اس کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں لائے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہاتھ سے مشکیزہ کو چھو دیا۔ آپ ﷺ کے دست مبارک کی برکت سے

اس پانی کی مقدار میں اس قدر اضافہ ہوگیا کہ چالیس آدمیوں نے اس سے خوب سیراب ہوکر پانی پیا اور اپنے اپنے تمام مشکیزے اور برتن بھر لئے' اس کے بعد آپ ﷺ نے کھجور اور روٹی کے ٹکڑے جمع کرکے اس عورت کو دیئے' وہ اپنے گھر آئی تو حیرت و استعجاب سے لبریز تھی' اس نے اپنے قبیلہ کے لوگوں سے کہا کہ میں سب سے بڑے ساحر کو یا اس کے معتقدین کے خیال میں ایک پیغمبر کو دیکھا' آخر اسی خاتون کے اثر سے یہ پورا قبیلہ مع اس عورت کے مسلمان ہوگیا۔(۱)۔

انگلیوں سے پانی جاری ہونا::

ایک دن آپ ﷺ مقام زوراء میں تھے' عصر کا وقت آ گیا تو صحابی نے پانی کی جستجو کی' لیکن صرف آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لئے پانی ملا' جب آپ ﷺ کی خدمت میں پانی کا برتن پیش کیا گیا تو آپ ﷺ نے اس پر اپنا ہاتھ ڈال دیا اور انگلیوں سے پانی کا فوارہ چھوٹنے لگا' یہاں تک کہ تقریباً تین سو آدمیوں نے اس سے وضو کیا۔(۲)۔

---

(۱)۔ صحیح بخاری باب علامات نبوہ۔ (۲)۔ صحیح بخاری' صحیح مسلم' جامع ترمذی باب معجزات۔

پانی کا بڑھ جانا::

آپ ؐ صحابہ کے ساتھ کسی سفر میں تھے' نماز کا وقت آیا تو صحابہ نے پانی تلاش کیا لیکن کہیں نہ ملا ایک صحابی پیالہ میں تھوڑا سا پانی لائے' پہلے آنحضرت ﷺ نے اس سے وضو کیا پھر پیالے پر آپ ؐ نے انگلیاں پھیلا دیں' پانی کی مقدار میں اس قدر برکت ہوئی کہ تقریباً ستر آدمیوں کے وضو کیلئے کافی ہوا۔(۱)۔

انگلیوں کی برکت::

ایک بار نماز کا وقت آیا تو جن لوگوں کا گھر مسجد کے قریب تھا وہ گھر کے اندر وضو کرنے کے لئے چلے گئے' لیکن بقیہ لوگ بے وضو رہ گئے' آنحضرت ﷺ کی

خدمت میں ایک برتن میں وضو کا پانی پیش کیا گیا' آپ ﷺ نے اس کے اندر ہاتھ ڈالنا چاہا تو اس کا دہانہ اس قدر تنگ نکلا کہ آپ ﷺ کی ہتھیلیاں اس کے اندر پھیل نہ سکیں اس لئے آپ ﷺ نے اپنی انگلیاں اس کے اندر ڈالیں اور وہ پانی تقریباً ۸۰ آدمیوں کے لئے وضو کے لئے کافی ہوا۔(۲)۔

انگلیوں سے پانی کا چشمہ بہنا::

صلح حدیبیہ کے دن صحابہ پیاس سے بے تاب ہوئے' آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سامنے صرف چمڑے کے ایک برتن میں پانی تھا' آپ ﷺ نے اس سے وضو کرنا شروع کیا تو تمام صحابہ آپ ﷺ کی طرف تیزی کے ساتھ بڑھے' آپ ﷺ نے اس بیتابی کی وجہ پوچھی تو لوگوں نے کہا کہ ہماری ضروریات کے لئے صرف یہی پانی تھا' آپ ﷺ نے اس کے اندر ہاتھ ڈال دیا اور آپ ﷺ کی انگلیوں کے درمیان سے چشمہ کی طرح پانی جاری ہوا' جو پندرہ سو آدمی ساتھ تھے' سب نے اس سے وضو کیا اور سیراب ہو کر پانی پیا۔(۲)۔

کلی سے پانی بڑھ جانا::

دوسری روایت ہے کہ صحابہ اس دن اس کنوئیں پر ٹھہرے جس کا نام حدیبیہ تھا اور اس کا تمام پانی اولچ لیا' یہاں تک کہ کنوئیں کے اندر ایک قطرہ پانی نہ رہا' آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو معلوم ہوا تو کنوئیں کے کنارے بیٹھ گئے اور تھوڑا سا پانی منہ میں لے کر اس میں کلی کر دی' تھوڑی دیر میں پانی اس قدر ابلا کہ تمام صحابہ اور صحابہ کے تمام اونٹ سیراب ہو گئے۔(۴)۔

ہاتھ منہ دھونے کی برکت::

غزوۂ تبوک کے سفر میں دو' دو وقت کی نمازیں ایک ساتھ پڑھتے جا رہے تھے' ایک دن عشاء اور مغرب کی نماز ایک ساتھ ادا کی' پھر فرمایا' کل تم لوگ دوپہر کے وقت

تبوک کے پاس پہنچو گے‘ لیکن جب تک میں نہ آلوں کوئی شخص اس کے پانی میں ہاتھ نہ لگائے‘ لوگ پہنچے تو نہر تسمہ کی طرح تنگ اور باریک نظر آئی‘ آپ ؐ کے حکم سے لوگوں نے پانی کو اولیچنا شروع کیا‘ پانی ایک گڑھے میں جمع ہو گیا تو آنحضرت ﷺ نے اس میں منہ ہاتھ دھوئے‘ پھر وہ پانی نہر میں ڈال دیا گیا تو وہ پانی سے ابل گئی۔(۵)۔

انگلیوں کی برکت::

آپ ؐ نے ایک سفر میں حضرت جابرؓ سے وضو کا پانی طلب فرمایا‘ انہوں نے قافلہ میں بہت ڈھونڈا پانی نہیں ملا‘ انصار میں ایک شخص تھے جو خاص طور پر آنحضرت ﷺ کیلئے پانی ٹھنڈا کر کے رکھتے تھے‘ حضرت جابرؓ نے آپ ؐ کی خدمت میں پانی نہ ملنے کی اطلاع کی تو آپ ؐ نے ان کو ان انصاری کے پاس بھیجا‘ لیکن ان کے پاس بھی اس قدر کم پانی نکلا کہ اگر انڈیلا جائے تو برتن کے خشک حصہ میں جذب ہو کر رہ جاتا‘ حضرت جابرؓ نے آنحضرت ﷺ کو اس کی خبر دی تو آپ ؐ نے اس برتن کو منگا بھیجا اور ہاتھ میں

---

(۱)۔صحیح بخاری و مسلم باب معجزات و مسند احمد عن انسؓ بن مالک۔ (۲)۔صحیح بخاری باب معجزات۔ (۳)۔ایضاً۔ (٤)۔ایضاً۔ (۵)۔ایضاً۔

لے کر کچھ پڑھا اور اس کو طشت کے اندر رکھ کے حضرت جابرؓ کو حکم دیا کہ بسم اللہ کر کے ہاتھ پر پانی گرائیں‘ حضرت جابرؓ کا بیان ہے کہ میں نے پانی ڈالنا شروع کیا تو پہلے آپ ؐ نے انگلیوں کے درمیان سے پانی امنڈا‘ پھر طشت بھر گیا‘ یہاں تک کہ سب لوگ پانی پی کر سیراب ہو گئے‘ اس کے بعد آپ ؐ نے اس کے اندر سے ہاتھ نکال لیا اور طشت بھرا کا بھرا رہ گیا۔(۱)۔

انگلیوں سے پانی کا جوش مارنا::

حضرت جابرؓ بن عبداللہ سے روایت ہے کہ ایک بار عصر کا وقت آ گیا' صرف تھوڑا سا بچا ہوا پانی رہ گیا تھا' آپ ؐ نے اپنی انگلیاں اس میں ڈال دیں اور ان کے اندر سے پانی جوش مارنے لگا' یہاں تک کہ ۱۴۰۰ آدمیوں نے اس سے وضو کیا اور سیراب ہوئے۔(۲)۔

تھوڑے پانی میں کثیر برکت::

ایک بار آپ ؐ سفر میں تھے' صبح کے وقت قافلہ سے الگ ہو کر سو گئے اور چند اشخاص سے جو ساتھ تھے کہہ دیا کہ نماز کا خیال رکھنا' لیکن سب کے سب سو گئے اور سب سے پہلے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بیدار ہوئے تو دن نکل چکا تھا' اب سب کے سب گھبرا کے اٹھے تو آپ ؐ نے کوچ کرنے کا حکم دیا' دن چڑھا تو آپ ؐ نے سواری سے اتر کر وضو کیا' تھوڑا سا پانی جو بچ رہا تھا اس کی نسبت ابوقتادہؓ سے فرمایا کہ اس کو محفوظ رکھنا' اس سے عظیم الشان نشان ظاہر ہوگا۔ جب آفتاب خوب بلند ہو چکا تو آپ ؐ قافلہ سے جا ملے لوگوں نے کہا یا رسول اللہ! پیاس نے ہم کو مار ڈالا' آپ ؐ نے فرمایا تم لوگ تباہ نہیں ہو سکتے' یہ کہہ کر اپنے وضو کا بچا ہوا پانی ابوقتادہؓ سے طلب کر کے لوگوں کو پلانا شروع کیا اور تمام لوگ سیراب ہو گئے۔(۳)۔

انگلیوں سے پانی ابلنا::

حبان بن بح الصدائی کا بیان ہے کہ میری قوم حالت کفر میں تھی' مجھے معلوم ہوا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان کے لئے فوجی تیاریاں فرما رہے تھے اور آپ ؐ کو اطلاع دی کہ میری قوم مسلمان ہے' پھر میں نے رات بھر آپ ؐ کے ساتھ سفر کیا' جب صبح ہوئی تو میں نے اذان دی' آپ ؐ نے پانی کا برتن مجھے عطا فرمایا' میں نے اس سے وضو کیا' پھر آپ ؐ نے اپنی انگلیاں اس میں ڈال دیں اور ان کے درمیان سے چشمہ کی طرح پانی ابلنے لگا' آپ ؐ نے حکم دیا کہ جو شخص چاہئے اس سے وضو کرے۔(۴)۔

ایک اور واقعہ::

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے روایت ہے کہ ہم لوگ معجزات کو برکت سمجھا کرتے تھے' چنانچہ ایک بار ہم لوگ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ سفر میں تھے' پانی کی کمی کی شکایت ہوئی تو آپ ؐ نے بچے ہوئے پانی کو طلب فرمایا' وہ ایک برتن میں آپ ؐ کے سامنے پیش کیا گیا' اور آپ ؐ نے اس میں ہاتھ ڈال کر فرمایا کہ ''وضو کے مبارک پانی کی طرف دوڑو' خدا کی طرف سے برکت ہوگی۔'' میں نے دیکھا تو آپ ؐ کی انگلیوں کے درمیان پانی ابل رہا تھا۔(۵)۔

یہ واقعات جو مختلف عنوانوں میں بیان کیے گئے' ممکن ہے کہ ان میں سے بعض ایک ہی واقعہ کی متعدد حکایتیں ہوں' لیکن چونکہ ہر ایک کے ساتھ خصوصیت میں کچھ فرق و امتیاز محسوس ہوا اس لئے ان کو مستقل واقعات کی صورت دے دی گئی ہے۔

---

(۱)۔ مسلم باب حدیث جابر الطویل۔ (۲)۔ بخاری ج ۲ صفحہ ۲۴۲ کتاب الاشربہ۔ (۳)۔ مسلم کتاب الصلوۃ باب قضاء الصلوۃ الغائتہ۔ (۴)۔ مسند احمد بن حنبل ج ۲ صفحہ ۱۶۹۔ (۵)۔ صحیح بخاری باب علامات النبوہ فی الاسلام۔

اطلاع غیب

فلا یظھر علی غیبہ احدا . الا من ارتضی من رسول (جن۔۲)

قرآن مجید نے اس حقیقت کو بار بار بے نقاب کیا ہے کہ ''غیب کا علم خدا کے سوا کسی اور کو نہیں۔'' چنانچہ قرآن مجید میں اس معنی کی بکثرت آیتیں ہیں اور ان کا منشاء یہ معلوم ہوتا ہے کہ علم غیب کی صفت سے خدا کے سوا کسی اور کو متصف نہیں کیا جا سکتا۔

فقل انما الغیب للہ(یونس)

کہہ دے (اے پیغمبر) کہ غیب تو خدا ہی کے لئے ہے۔

قل لا یعلم من فی السموت والارض الغیب الا الله۔(نحل)

کہہ دے (اے پیغمبر) کہ خدا کے سوا آسمان و زمین میں کوئی غیب نہیں جانتا۔

یعنی خدا کے سوا کسی مخلوق کو غیب کا ذاتی علم نہیں اور نہ غیب کی باتیں خدا نے آسمان و زمین میں کسی مخلوق کو بتائی ہیں۔ چنانچہ قیامت کے دن تمام انبیاء کو یہ اعتراف کرنا پڑے گا۔

یوم یجمع الله الرسل فیقول ماذا اجبتم قالوا لا علم لناط انك انت علام الغیوب۔(مائدہ۔۱۵)

جس دن خدا پیغمبروں کو جمع کرے گا اور کہے گا کہ تم کو کیا جواب دیا گیا' وہ کہیں گے کہ ہم کو کچھ علم نہیں' غیب کی باتوں کا پورا جاننے والا تو ہی ہے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جو اعلم الانبیاء تھے ان کو یہ اقرار کرنے کا حکم ہوتا ہے۔

قل لا اقول لکم عندی خزائن اللہ ولا اعلم الغیب۔(انعام:۵)

کہہ دے اے پیغمبر! کہ میں نہیں کہتا کہ خدا کے تمام خزانے میرے قبضہ میں ہیں اور یہ بھی کہہ دیتا ہوں کہ میں غیب کی باتیں نہیں جانتا۔

قل لا املك لنفسی نفعا ولا ضرا الا ما شاء الله ولو کنت اعلم الغیب لا استکثرت من الخیر وما مسنی السوئط ان انا الا نذیر و بشیر لقوم یئومنون۔(اعراف:۲۳)

کہہ دے (اے پیغمبر)! کہ میں اپنے آپ کے لئے کسی نفع و

ضرر پر قادر نہیں ہوں لیکن یہ کہ خدا جو چاہے' اگر مجھے غیب کا
علم ہوتا تو بہت سے فائدے اٹھالیتا اور مجھ کو کبھی مصیبت نہ
پیش آتی' لیکن میں تو ایمان دار قوم کو ڈرانے والا اور خوشخبری
سنانے والا ہوں۔

ان آیتوں نے صاف کھول دیا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو نہ غیب کا ذاتی علم تھا اور نہ تمام غیب کی باتیں آپ ﷺ کو بتائی گئی تھیں' البتہ خدا تعالیٰ نے اپنے علم میں سے جو کچھ چاہا اور پسند کیا' آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو وقتاً فوقتاً اس سے مطلع فرماتا رہا' چنانچہ صاف ارشاد ہوا:

ولا یحیطون بشیء من علمه الا بماشاء (بقرہ: ۳۴)
وہ (یعنی مخلوقات الٰہی) خدا کے علم میں سے کسی چیز کا احاطہ
نہیں کرسکتے لیکن اتنے کا جتنے کا خدا چاہے۔

سورۂ جن میں فرمایا:

فلا یظهر علی غیبه احدا الا من ارتضی من
رسول۔(جن: ۲)
اللہ تعالیٰ اپنے غیب کی بات کسی پر ظاہر نہیں کرتا لیکن اس
پیغمبر پر جس کو پسند کرے۔

دوسری جگہ سورۂ آل عمران میں فرمایا:

وما کان الله لیطلعکم علی الغیب ولکن الله
یجتبی من رسله من یشاء (۱۸)
اور خدا غیب کی باتیں تم کو نہیں بتاسکتا لیکن وہ اپنے پیغمبروں
میں سے جس کو چاہتا ہے (اس کے لئے) چن لیتا ہے۔

امور غیب میں سے قیامت کے متعلق تصریح کردی گئی ہے کہ اس کا علم کسی کو عطا نہیں ہوا ہے۔

یسئلونك عن الساعة ایان مرساها قل انما

علمها عند ربی لا یجلیها یوقتها الا ھوط ثقلت فی السموت والارض لا تاتیکم الا بغتۃ ط یسئلونک کانک حفی عنھاط قل انما علمھا عنداللہ ولکن اکثر الناس لا یعلمون۔(اعراف)

(اے پیغمبر)!لوگ تجھ سے قیامت کی نسبت پوچھتے ہیں کہ وہ کب لنگر انداز ہوگی؟ کہہ دے کہ اس کا علم تو صرف میرے پروردگار ہی کو ہے'وہی اپنے وقت پر اس کو ظاہر کرے گا'وہ وقت آسمان وزمین میں بڑا بھاری ہوگا'وہ دفعتاً آ جائے گا' تجھ سے وہ قیامت کا حال اس طرح پوچھتے ہیں کہ گویا وہ تجھے معلوم ہے اور تو چھپاتا ہے کہہ دے کہ اس کا علم صرف خدا ہی کے پاس ہے لیکن اکثر آدمی نہیں سمجھتے۔

صحاح میں حضرت جبریلؑ کے ایک مسافر کی صورت میں آنے کی جو روایت ہے اور جس میں انہوں نے ایمان اسلام اور احسان کے متعلق آنحضرتﷺ سے سوالات پوچھے ہیں اور آپؐ نے ان کے جوابات دیئے ہیں'اس کے آخر میں وہ پوچھتے ہیں کہ قیامت کب ہوگی؟اس کے جواب میں آنحضرتﷺ فرماتے ہیں:

ما المسئول عنھا با علم من السائل وسا حدثك عن اشراطھا۔(کتاب الایمان مسلم و بخاری)

جس سے پوچھتے ہو وہ پوچھنے والے سے اس باب میں زیادہ علم نہیں رکھتا'ہاں اس کی علامتیں بتاؤں گا۔

صحیح بخاری میں حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ وہ کہا کرتی تھیں کہ جو تم سے یہ کہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم غیب کی باتیں جانتے تھے وہ جھوٹا ہے'قرآن نے صاف کہہ دیا ہے:

وما تدری نفس ماذا تکسب غدا۔

کسی نفس کو یہ علم نہیں کہ کل وہ کیا کرے گا۔

ایک دفعہ چند لڑکیاں آپ ﷺ کے سامنے بیٹھی گا رہی تھی' گاتے گاتے ایک نے ان میں سے کہا:

وفینا نبی یعلم ما فی غدا۔

ہم میں سے ایک نبی ہے جو کل کی ہونے والی بات جانتا ہے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس سے منع فرمایا۔(۲)۔ حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے روایت ہے کہ

---

(۱)۔ صحیح بخاری تفسیر نجم۔ (۲)۔ صحیح بخاری کتاب النکاح۔

آنحضرت ؐ نے فرمایا کہ غیب کی کنجی پانچ باتیں ہیں'اس کے بعد آپ ﷺ نے یہ آیت پڑھی: (۱)۔

ان اللہ عندہ علم الساعۃ وینزل الغیث ویعلم ما فی الارحام ما تدری نفس ماذا تکسب غدا او ما تدری نفس بای ارض تموت(لقمان: ۴)

(۱)خدا ہی کے پاس اس آنے والے گھڑی کا علم ہے'
(۲)وہی پانی برساتا ہے'(۳)وہی جانتا ہے کہ ماؤں کے پیٹوں میں کیا ہے'(۴) کوئی نہیں جانتا کہ وہ کل کیا کرے گا؟
(۵)اور نہ یہ کوئی جانتا ہے کہ کس سرزمین میں وہ مرے گا۔

یہی روایت بخاری کے دوسرے باب میں اس طرح ہے کہ غیب کی کنجیاں پانچ ہیں' جن کو خدا کے سوا کوئی نہیں جانتا' بجز خدا کے کوئی نہیں جانتا کہ حاملہ عورت کے رحم میں لڑکا ہے یا لڑکی' اور نہ خدا کے سوا کوئی یہ جانتا ہے کہ کل کیا ہوگا اور نہ خدا کے علاوہ کسی کو اس کا علم ہے کہ پانی کب برسے گا اور نہ بجز خدا کے کسی کو اس کی خبر ہے کہ وہ کہاں مرے گا۔(۲)۔

بہر حال ان مخصوص باتوں کے علاوہ جن کا علم صرف عالم الغیب کو ہے' اپنے غیب کی

باتوں میں جن باتوں کو وہ مناسب سمجھتا تھا آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو وقتاً فوقتاً ان کی اطلاع دیتا تھا۔ سورۂ ہود میں بعض انبیاء کے تذکرہ کے بعد خدا فرماتا ہے:

تلك من انباء الغيب نوحيها اليك وما كنت تعلمها انت ولا قومك۔ (ہود۔ ۴)

یہ غیب کی خبریں ہیں جو ہم تیری طرف وحی کر رہے ہیں' نہ تو ان کو جانتا ہے اور نہ تیری قوم جانتی تھی۔

خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے متعلق ارشاد ہوا۔

وما هو على الغيب بضنين۔ (تکویر۔ ۱)

یعنی آپ ﷺ کو امور غیب میں سے جس کی تعلیم دی جاتی ہے آپ ﷺ اپنی امت کو اس کے بتانے میں بخل نہیں فرماتے۔

ایک دفعہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے عہد میں سورج کو گرہن لگا تھا۔ آپ ﷺ نے صحابہ کے ساتھ نماز کسوف ادا فرمائی تھی اور نماز کے بعد ایک نہایت بلیغ ومؤثر خطبہ ارشاد فرمایا تھا' اس میں ایک فقرہ یہ بھی تھا۔

ياامة محمد والله لو تعلمون ما علمت لضحكم قليلا ولبكيتم كثيرا (صحيح بخاری باب الصدقه فی الکسوف و تفسير سوره مائده)

اے گروہ محمد ﷺ خدا کی قسم! اگر تم وہ جانتے جو میں جانتا ہوں تو تم ہنستے کم اور روتے زیادہ۔

ایک دفعہ نماز کے بعد آپ ﷺ نے منبر پر کھڑے ہو کر فرمایا:

هل ترون قبلتی ههنا فوالله ما يخفى على خشوعكم ولا ركوعكم انی لاراكم من وراء ظهری۔ (بخاری)

تم دیکھتے ہو کہ میرا رخ ادھر ہے' لیکن خدا کی قسم مجھ سے اور

(نماز میں) تمہارا خشوع اور نہ تمہارا رکوع پوشیدہ رہتا ہے

میں تم کو اپنی پیٹھ کے پیچھے سے دیکھتا ہوں۔

---

(۱)۔ صحیح بخاری تفسیر لقمان۔ (۲)۔ صحیح بخاری کتاب الرویا علی الغیب باب عالم الغیب۔

دوسری روایت میں ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا:

انی الاراکم ورائی کما اراکم۔ (بخاری باب عظتہ امام الناس)

میں جس طرح تم کو دیکھ رہا ہوں اس طرح میں تم کو پیچھے سے بھی دیکھتا ہوں۔

احادیث میں متعدد صحابہ سے روایت ہے کہ ایک دفعہ آپ ﷺ خطبہ دے رہے تھے' بعض صاحبوں نے کچھ سوالات کیے جن کو آپ ﷺ نے پسند نہیں کیا۔ آپ ﷺ کو جوش آ گیا' آپ ﷺ نے فرمایا سلونی شئتم (جو چاہو مجھ سے دریافت کر لو) ایک شخص نے اٹھ کر کہا یا رسول اللہ! میرا باپ کون ہے! فرمایا ''حذافہ۔'' دوسرے نے اٹھ کر کہا اور میرے باپ کا نام کیا ہے؟ فرمایا ''سالم غلام شیبہ۔'' اور بار بار آپ ﷺ فرماتے جاتے تھے'پوچھو مجھ سے'پوچھو مجھ سے۔ یہ دیکھ کر حضرت عمرؓ آگے بڑھے اور عرض کی کہ یا رسول اللہ! ہم کو اللہ اپنا پروردگار' محمد ﷺ اپنا رسول اور اسلام اپنا دین پسند ہے۔(۱)۔

صحابہ بیان کرتے ہیں کہ ایک دن آپ ﷺ نے صبح کی نماز پڑھ کر تقریر شروع کی' یہاں تک کہ ظہر کا وقت آ گیا۔ ظہر کی نماز سے فارغ ہو کر عصر تک پھر تقریر کی' اس کے بعد عصر کی نماز پڑھی' اس سے فارغ ہو کر غروب آفتاب تک پھر تقریر کا سلسلہ جاری رکھا' اس طویل خطبہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے لوگوں کو جو کچھ ہو چکا اور جو کچھ ہو گا یعنی آغاز آفرینش سے لے کر قیامت تک کے واقعات' پیدائش عالم' علامات قیامت' فتن' حشر و نشر سب کچھ سمجھایا صحابہ کہا کرتے تھے کہ ہم میں سے

بہت سے لوگ بہت کچھ بھول گئے' بعضوں کو کچھ یاد ہے' ان واقعات میں سے کوئی واقعہ پیش آ جاتا تو ہم کو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ جیسے کسی شخص کی صورت ذہن سے اتر جاتی ہے پھر اس کو دیکھ کر یاد آ جاتی ہے۔(۲)۔

نجاشی شاہ حبش جس کے سایہ حکومت میں جا کر مسلمانوں نے پناہ لی تھی اور جس نے اسلام کی صداقت کا اعتراف کیا تھا' جس دن اس نے حبش میں وفات پائی' آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے صحابہ کو اس سانحہ کی اطلاع دی آپ ﷺ نے فرمایا کہ آج تمہارے بھائی نجاشی نے وفات پائی اور اس کے بعد اس کے جنازہ کی نماز غائبانہ ادا فرمائی۔(۳)۔

۸ھ میں غزوہ موتہ پیش آیا ہے تو آپ ﷺ نے فوج کا علم زیدؓ بن حارثہ کو عنایت کیا اور فرمایا کہ جب زید شہید ہوں تو یہ امانت جعفرؓ کے سپرد کی جائے' جب وہ بھی جان بحق ہوں تو عبداللہ بن رواحہ اس خدمت کو انجام دیں اور جب وہ بھی کام آ جائیں تو مسلمان اپنے مشورہ سے جس کو چاہئیں اپنا سردار بنائیں۔ یہ افسری اور سرداری کے متعلق ترتیبی بیان درحقیقت واقعہ کا اظہار تھا' میدان جنگ میں پہلے زیدؓ نے شہادت پائی' ان کی جانشینی جعفرؓ نے کی' وہ بھی جب علم نبوت پر قربان ہو چکے تو عبداللہؓ بن رواحہ نے پیش قدمی کی' جب وہ بھی نثار ہو گئے تو مسلمانوں نے خالدؓ بن ولید کو اپنا افسر بنایا' چونکہ اس جنگ میں رومیوں کی عظیم الشان سلطنت کا مقابلہ تھا' اس لئے مسلمانوں

---

(۱)۔ صحیح بخاری کتاب العلم باب الغضب فی الموعظتہ و التعلیم۔
(۲)۔ صحیح مسلم باب اخبار النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فیما یکون الی قیام الساعتہ۔ (۳)۔ صحیح بخاری کتاب الجنائز و صحیح مسلم۔

کو بڑا اضطراب تھا' عین اس وقت جب مدینہ سے کوسوں دور شام کی سرحد پر یہ خونی مناظر درپیش تھے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مسجد نبوی ﷺ میں منبر پر تشریف

فرماتے۔ دونوں آنکھوں سے آنسو جاری تھے اور فرما رہے تھے علم کو زیدؓ نے لیا وہ شہید ہوئے‘ پھر جعفرؓ نے لیا وہ بھی جاں بحق ہوئے تو عبداللہ بن رواحہ نے لیا‘ انہوں نے بھی شہادت پائی‘ تو خالد بن ولید نے لیا اور ان کو فتح دی گئی۔(۱)۔

ایک غزوہ میں ایک شخص نہایت جانبازانہ حملے کر رہا تھا‘ صحابہ نے دیکھا تو اس کی بڑی تعریف کی لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کو دیکھ کر فرمایا کہ ”یہ جہنمی ہے۔“ صحابہ کو اس پر بڑا تعجب ہوا اور ایک صحابی اس کے پیچھے ہو لئے‘ ایک موقع پر اس کو سخت زخم لگا اور اس نے بے صبری کی حالت میں خودکشی کر لی‘ وہ صحابی خدمت مبارک میں دوڑے ہوئے آئے اور کہا ”میں گواہی دیتا ہوں کہ آپ ﷺ خدا کے رسول ہیں۔“ آپ ﷺ نے فرمایا کہ ”کیا واقعہ ہے؟“ انہوں نے عرض کیا کہ ابھی حضور ﷺ نے ایک شخص کے متعلق فرمایا تھا کہ وہ جہنمی ہے لوگوں کو اس پر تعجب ہوا تھا‘ میں اس کے پیچھے ہو لیا‘ میں نے دیکھا کہ ایک زخم کے صدمہ سے اس شخص نے خودکشی کر لی۔(۲)۔

ایک غزوہ میں ایک شخص شریک تھا‘ وہ قتل ہوا کسی نے آ کر خبر دی کہ یارسول اللہ! فلاں شخص شہید ہو گیا ہے۔ فرمایا کہ ناممکن ہے‘ شہادت اس کے لئے کہاں‘ میں نے اس کو دوزخ میں دیکھا ہے‘ کیونکہ مال غنیمت میں سے اس نے ایک عبا چرائی تھی۔ (۳)۔

مسلمانوں نے ۸ھ میں طائف کا محاصرہ کیا تھا (آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو معلوم ہو چکا تھا کہ طائف کی فتح اس محاصرہ سے مقدر نہیں) اس لئے ایک روز آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ کل انشاء اللہ ہم محاصرہ کو چھوڑ کر کوچ کریں گے‘ لوگوں کو اتنی محنت و زحمت کے بعد حصول فتح کے بغیر واپسی شاق ہوئی اور انہوں نے کہا ہم فتح حاصل کئے بغیر چلے جائیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا۔ ”اچھا کل پھر قسمت آزمائی کر لو۔“ چنانچہ دوسرے دن مسلمان لڑے تو ان کو زیادہ

نقصانات ہوئے' شام ہوئی تو آپ ﷺ نے فرمایا۔ ''کل انشاء اللہ ہم محاصرہ چھوڑ کر چلے جائیں گے۔'' مسلمانوں کو اس سے تعجب ہوا اور آپ ﷺ مسکرا دیئے۔

(۴)۔ یہ گویا اس بات کا اظہار تھا کہ تمہیں میری طرح حقیقت حال کا علم نہ تھا۔

عمیر بن وہب اسلام کا سخت دشمن تھا' وہ اور صفوان بن امیہ دونوں خانہ کعبہ میں بیٹھ کر بدر کے مقتولین پر ماتم کر رہے تھے' اور بالآخر ان دونوں میں پوشیدہ طور سے یہ سازش قرار پائی کہ عمیر مدینہ جا کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دھوکہ سے قتل کر آئے اور اگر وہ مارا گیا تو صفوان اس کے تمام قرض اور گھر کے مصارف اور اولاد کی پرورش کی ذمہ داری اپنے سر لے گا۔ عمیر یہاں سے اٹھ کر گھر آیا اور تلوار کو زہر میں بجھا کر مدینہ کو چل کھڑا ہوا' مدینہ پہنچا تو حضرت عمرؓ نے اس کو دیکھ لیا وہ اس کو پکڑ کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں لائے' آپ ؐ

(۱)۔ صحیح بخاری کتاب الجنائز و باب علامات النبوہ فی الاسلام و غزوئہ موتہ۔ (۲)۔ صحیح بخاری کتاب الجہاد صفحہ ۴۰۶' باب العمل بالخواتیم۔ (۳)۔ جامع ترمذی باب ما جاء فی الغلول۔ (۴)۔ صحیح بخاری و مسلم غزوئہ طائف۔

نے پوچھا کہ عمیر یہاں کس ارادہ سے آئے ہو؟ اس نے کہا اپنے بیٹے کو چھڑانے آیا ہوں۔ فرمایا کیوں نہیں! کیا تم نے اور صفوان نے خانہ کعبہ میں بیٹھ کر میرے قتل کی سازش نہیں کی ہے؟ عمیر یہ راز کی بات سن کر سناٹے میں آ گیا اور اس کو سخت تعجب ہوا اور بے اختیار بول اٹھا کہ محمد ﷺ بے شک تم خدا کے پیغمبر ہو' خدا کی قسم! میرے اور صفوان کے سوا کسی تیسرے کو اس معاملہ کی خبر نہ تھی۔ (۱)۔

حضرت وابصہ اسدی صحابیؓ کہتے ہیں کہ میں ایک دفعہ اس غرض سے حاضر خدمت ہوا کہ نیکی اور گناہ کی حقیقت دریافت کروں' لیکن اس سے پہلے کہ میں کچھ کہوں' آپ ﷺ نے فرمایا۔ وابصہ! میں تمہیں بتاؤں کہ تم کیا پوچھنے آئے ہو؟ عرض کی ارشاد ہو؟ فرمایا۔ تم نیکی اور گناہ کی حقیقت پوچھنے آئے ہو؟ عرض کی قسم اس ذات کی

جس نے آپ ﷺ کو بھیجا' آپ ﷺ نے سچ فرمایا' ارشاد ہوا۔ نیکی وہ ہے جس کے کرنے کے خیال سے تمہارے دل میں انشراح اور خوشی پیدا ہو اور گناہ وہ ہے جو تمہارے دل میں کھٹک پیدا کرے' اگرچہ لوگوں نے اس کے کرنے کا فتوٰی ہی کیوں نہ دے دیا ہو۔ (۲)۔

ایک دفعہ ایک صحابیہ نے آپ ﷺ کی دعوت کی' بکری ذبح کی اور آپ ﷺ کو اور دیگر رفقاء کو کھانا کھانے کے لئے بلایا آپ ﷺ نے تشریف لے گئے اور گوشت کا ایک لقمہ اٹھا کر ابھی چکھا ہی تھا کہ فرمایا یہ بکری اپنے مالک کی اجازت کے بغیر ذبح کی گئی ہے۔ صحابیہ نے عرض کیا کہ یارسول اللہ! آل معاذ اور ہمارے خاندان میں پوچھنے گچھنے کی ضرورت نہیں ہوتی' وہ ہماری چیز بے تکلف لیتے ہیں اور ہم ان کی چیز۔ (۳)۔ دوسری روایت میں ہے کہ اس نے جواب دیا کہ ہاں یارسول اللہ! میں نے اپنی پڑوسن سے یہ بکری مانگی' اس نے اپنے شوہر سے پوچھے بغیر دے دی۔

غزوۂ خیبر میں ایک یہودیہ نے آپ ﷺ کی دعوت کی' کھانے میں بکری کا گوشت تھا' آپ ﷺ نے چند رفقاء کے ساتھ اس کو کھانا چاہا' ابھی پہلا ہی لقمہ اٹھایا تھا کہ آپ ﷺ نے صحابہ سے فرمایا کہ ہاتھ روک لو' اس گوشت میں زہر ملایا گیا ہے۔ اس کے بعد آپ ﷺ نے حکم دیا کہ خیبر کے تمام یہود کو جمع کیا جائے' جب وہ جمع ہو گئے تو آپ ﷺ نے دریافت کیا کہ جو کچھ میں پوچھوں گا سچ سچ بتاؤ گے' انہوں نے کہا ہاں' آپ ﷺ نے فرمایا تمہارے باپ کا کیا نام ہے انہوں نے کچھ بتایا' آپ ﷺ نے فرمایا' تم جھوٹے ہو' تمہارے باپ کا یہ نام ہے۔ اس امتحان کے بعد آپ ﷺ نے دریافت فرمایا' کیا تم نے بکری کے گوشت میں زہر ملایا تھا؟ انہوں نے کہا ہاں! آپ ﷺ کو کیونکر معلوم ہوا؟ فرمایا کہ بکری کے اس دست نے مجھ سے کہا۔ (۴)۔

حضرت صہیبؓ بن سنان جو صہیب رومی کر کے مشہور ہیں' جس شب کو آنحضرت صلی

اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہجرت فرمائی‘ انہوں نے بھی ہجرت کرنی چاہی لیکن کفار نے ان کو روک دیا‘ وہ رات بھر کھڑے رہے اور بیٹھنے کا نام بھی نہیں لیا‘ کفار نے ان کی اس حالت کو دیکھ کر کہا چلو اس کو تو پیٹ کے عارضہ نے خود ہی مجبور کر

(۱)۔ تاریخ طبری بروایت عروہ بن زبیر صفحہ ۳۰٤ طبع یورپ۔
(۲)۔ مسند ابن حنبل حدیث والصبتہ الاسدی و ابویعلی و بیہقی و ابونعیم فی حلیتہ الاولیاء ذکر وابصتہ بن معبد الجھنی و بزار۔ (۳)۔ سنن نسائی و حاکم فی المستدرک عن جابرؓ۔ (٤)۔ سنن ابوداؤد و کتاب الرباث و دارمی کلام الموتی و بیہقی۔

دیا ہے‘ یہ کہہ کر وہ چلے گئے‘ انہوں نے نگہبانوں سے اپنے کو آزاد پا کر مدینہ کا راستہ لیا‘ کافروں نے ان کو پکڑ لیا‘ آخر کچھ زرونقد دے کر ان سے رہائی حاصل کی‘ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کو دیکھنے کے ساتھ فرمایا‘ اے ابویحیٰی! تمہاری خرید وفروخت بڑے نفع کی رہی‘ حضرت صہیب رضی اللہ عنہ نے عرض کی یارسول اللہ! مجھ سے پہلے کوئی یہاں آیا نہیں جو اس راز کی آپ ﷺ کو خبر کرتا؟ یہ یقیناً آپ ﷺ کو بذریعہ وحی معلوم ہوا۔(۱)۔

حضرت حذیفہؓ کی والدہ مکرمہ نے ایک دن اپنے بیٹے پر عتاب کیا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں اتنے دن ہو گئے کیوں نہ گئے‘ انہوں نے معذرت کی اور کہا کہ آج جا کر اپنی اور آپ ﷺ کی مغفرت کی دعا کراؤں گا چنانچہ وہ مغرب کی نماز میں جا کر حاضر ہوئے۔ عشاء کی نماز کے بعد جب آپ واپس ہوئے تو یہ بھی پیچھے چلے‘ آپ ﷺ نے آواز پہچان کر فرمایا۔ ”کون! حذیفہ! خدا تمہاری اور تمہاری ماں کی مغفرت کرے۔ (۲)۔“ گویا درخواست سے پہلے ہی حذیفہ کی درخواست سمع اقدس تک پہنچ چکی تھی۔

صحابہ کو آپ ﷺ کی اس قوت اطلاع کا اس قدر یقین تھا کہ جب تک آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم زندہ رہے صحابہ کو اپنے ایک ایک عمل کا خوف لگا رہتا تھا کہ ایسا نہ ہو کہ خدا آپ ﷺ کو اس کی خبر کر دے‘ یہاں تک کہ حضرت ابن عمرؓ کہتے ہیں کہ

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زندگی میں ہم لوگ اپنی بیویوں سے بھی کھل کر ملتے ہوئے ڈرتے تھے کہ ایسا نہ ہو کہ ہماری نسبت قرآن میں کچھ نازل ہو جائے تو رسوائی ہو۔ (۳)۔علاوہ ازیں منافقین کے تمام اندرونی حالات اور ناموں سے بھی آپ ﷺ کو ایک ایک کر کے واقفیت تھی ۔ (۴)۔

---

(۱)۔ مستدرك حاكم جلد ثالث صفحه ٤٠ بروايت صحيح ذهبی نے بھی اس کی تصریح کی ہے ذکر ھجرہ صھیبؓ۔ (۲)۔ جامع ترمذی مناقب حسنینؓ۔ (۳)۔ صحیح بخاری مسند احمد ج ۲ صفحه ٦٢ (٤)۔ صحیح بخاری۔

اہل کتاب کے سوالات کے جواب دینا

یہ دوست دشمن اور موافق و مخالف سب کو معلوم ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم لکھے پڑھے نہ تھے یہود و نصاری کی مذہبی کتابوں سے آپ ﷺ کو تعلیمی واقفیت نہ تھی' توراہ و انجیل اور علمائے یہود و نصاری نے ان کی شرحوں میں یا اپنی دوسری مذہبی تصنیفات میں جو کچھ لکھا تھا آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کا ایک صفحہ ملاحظہ نہیں فرمایا تھا اور یہی آخری چیزیں اس وقت یہود و نصاری کے ایمان و عقائد کا جزو ہو گئی تھی اور عوام میں ان ہی کتابوں کو مقبولیت حاصل تھی بایں ہمہ آپ ﷺ کا ان کے سوالات کا صحیح جواب دینا آپ ﷺ کی روحانی تعلیم کی کھلی شہادت ہے مکہ میں جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی نبوت کا اعلان کیا تو کفار عرب کو عموماً آپ ﷺ کے اس دعویٰ پر یقین نہیں آیا اس لئے انہوں نے معجزات طلب کئے اور جب وہ دکھائے گئے تو ان کو سحر اور جادو کہنے لگے' پھر ان کو خیال آیا کہ یثرب' خیبر اور شام میں جا کر یہودیوں سے ملیں اور ان سے پوچھ کر چند ایسے سوالات دریافت کریں جن کے جوابات محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) سے مانگے جائیں اور چونکہ وہ لکھے پڑھے نہیں ہیں اور مکہ میں بھی کوئی ایسا نہیں ہے جو ان کو ان کے جوابات بتا سکے گا' اس لئے وہ ان کے جوابات نہ دے سکیں گے اور اس

ان کو پیغمبر کے سوا کوئی اور نہیں بتا سکتا۔

صحیح بخاری میں حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مدینہ منورہ آئے تو عبداللہ بن سلام مدینہ کے ایک مشہور یہودی عالم آپ ﷺ سے ملنے آئے اور کہا کہ میں آپ ﷺ سے تین سوال کروں گا جن کا جواب پیغمبر کے سوا اور کوئی نہیں دے سکتا۔ یہ بتایئے کہ (۱) قیامت کی پہلی علامت کیا ہے؟ (۲) اور اہل جنت کی پہلی غذا کیا ہوگی؟ (۳) اور بچہ کبھی ماں سے کبھی باپ سے مشابہ کیوں ہوتا ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا' قیامت کی پہلی نشانی ایک آگ ہے جو لوگوں کو مشرق سے مغرب تک لے جائے گی اور اہل جنت کی پہلی غذا مچھلی کا جگر ہے' اور ماں یا باپ سے بچہ کی مشابہت کا سبب یہ ہوتا ہے کہ جب باپ کا نطفہ سبقت کرتا ہے تو بچہ باپ سے مشابہ ہوتا ہے اور جب ماں کا نطفہ سبقت کرتا ہے تو ماں سے مشابہ ہوتا ہے' عبداللہ بن سلام نے یہ جواب سن کر کہا میں آپ ﷺ کی رسالت کی گواہی دیتا ہوں۔

صحیح مسلم میں ہے کہ حضرت ثوبانؓ کہتے ہیں کہ ایک دفعہ ایک یہودی عالم خدمت والا میں حاضر ہوا اور کہا کہ اے محمد ﷺ میں تم سے چند سوالات کروں گا تم جواب دو۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ میرے جواب سے تم کو فائدہ ہوگا۔ اس نے کہا سنو! یہ بتاؤ کہ قیامت کے دن جس وقت آسمان اور زمین بدلے جائیں گے' لوگ کہاں ہوں گے؟ فرمایا ''پل کے پیچھے تاریکی میں۔'' دوسرا سوال اس نے کیا کہ سب سے پہلے جنت میں جانے کی اجازت کس کو ملے گی؟ جواب دیا ان غریبوں کو جو راہ حق میں گھر سے بے گھر ہوئے ہیں' اس نے کہا اب میں تم سے وہ بات پوچھتا ہوں جس کا جواب روئے زمین پر صرف پیغمبر یا پیغمبر کے علاوہ ایک دو آدمی ہی دے سکتے ہیں۔ بتاؤ کہ بچہ کبھی لڑکی اور کبھی لڑکا کیوں ہوتا ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا۔ مرد کا نطفہ سپید اور عورت کا زرد ہوتا ہے' جب یہ دونوں ملتے ہیں تو اگر مرد کا نطفہ غالب ہوتا ہے تو وہ

خدا کے حکم سے لڑکا ہوتا ہے اور جب عورت کا نطفہ غالب ہوتا ہے تو وہ لڑکی ہوتی ہے' یہودی نے یہ جواب سن کر کہا کہ بے شک تم نبی ہو اور یہ کہہ کر چلا گیا' آپ ﷺ نے فرمایا۔ یہ جوابات مجھ کو خدا نے القاء کئے مجھے پہلے سے معلوم نہ تھے۔

مسند ابو داؤد طیالسی میں ہے کہ ایک دفعہ چند یہودی خدمت اقدس میں آئے اور کہا کہ ہم آپ ﷺ سے چند باتیں دریافت کرنا چاہتے ہیں' جن کا جواب پیغمبر کے سوا کوئی اور نہیں دے سکتا۔ آپ ﷺ نے فرمایا جو تم چاہو پوچھ سکتے ہو لیکن وعدہ کرو کہ اگر میں نے ایسے جوابات دیئے جن کو تم نے صحیح سمجھا تو کیا اسلام قبول کرلو گے؟ انہوں نے کہا ہاں ہم کو یہ شرط منظور ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا اچھا پوچھو کیا پوچھتے ہو؟ انہوں نے کہا کہ چار سوالوں کے جواب دیجئے' پہلا یہ کہ حضرت یعقوبؑ نے توراۃ کے اترنے سے پہلے جو کھانا اپنے اوپر حرام کرلیا تھا اس کا کیا واقعہ ہے؟ دوسرا یہ کہ ایک ہی نطفہ کبھی نر اور کبھی مادہ کیونکر ہو جاتا ہے؟ تیسرا یہ کہ توراۃ میں نبی امی کی کیا پہچان بتائی گئی ہے؟ اور چوتھا یہ کہ فرشتوں میں سے تمہارا دوست یا نگہبان کون ہے؟ آپ نے جواب میں ارشاد فرمایا تم کو اس خدا کی قسم جس نے موسیٰؑ پر توراۃ نازل کی' تم یہ جانتے ہو کہ ایک دفعہ یعقوبؑ سخت بیمار پڑے تو انہوں نے نذر مانی کہ اگر میں اچھا ہو گیا تو کھانے اور پینے کی جو چیز مجھ کو سب سے زیادہ محبوب ہے وہ چھوڑ دوں گا' ان کو کھانے میں سب سے زیادہ اونٹ کا گوشت اور پینے میں اونٹ کا دودھ پسند تھا' چنانچہ صحت کے بعد انہوں نے اونٹ کا گوشت اور دودھ چھوڑ دیا۔ یہودیوں نے کہا خدایا سچ ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا' خدایا گواہ رہو۔ پھر فرمایا میں تم کو اس خدا کی قسم دیتا ہوں جس نے موسیٰؑ پر توراۃ نازل کی' تم کو یہ معلوم ہے کہ مرد کا نطفہ گاڑھا اور سپید ہوتا ہے اور عورت کا پتلا اور زرد' ان میں جو جنس غالب ہوتی ہے وہ نطفہ بھی خدا کے حکم سے وہی ہو جاتا ہے اور اسی سے مشابہ ہو جاتا ہے' انہوں نے کہا خدایا درست ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا۔ خدایا گواہ رہو۔ پھر فرمایا تم کو اس خدا

کی قسم دیتا ہوں جس نے موسٰیؑ پر توراہ نازل کی‘ تم کو یہ معلوم ہے کہ اس نبی کی آنکھیں سوئیں گی اور دل نہیں سوئے گا‘ انہوں نے کہا خدایا ہاں‘ آپ ﷺ نے فرمایا۔ خدا گواہ رہو۔ یہودیوں نے کہا اچھا یہ بتایئے کہ فرشتوں میں آپ ﷺ کا رفیق کون ہے؟ اس جواب کے معلوم کرنے کے بعد ہم آپ ﷺ کے ساتھ ہو جائیں گے یا آپ ﷺ سے الگ ہو جائیں گے۔ آپ ﷺ نے فرمایا جبرائیل ہے اور دنیا میں کوئی پیغمبر ایسا نہیں ہوا جس کا وہ رفیق نہ ہو۔ یہودیوں نے کہا‘ تو ہم پھر آپ ﷺ کے ساتھ نہیں ہو سکتے‘ کیونکہ وہ ہمارا دشمن ہے۔

صحیح بخاری باب التفسیر (بنی اسرائیل) میں ہے کہ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ بیان کرتے ہیں کہ میں ایک دفعہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ ایک کھیت میں جا رہا تھا کہ راہ میں چند یہودی ملے‘ انہوں نے ایک دوسرے سے کہا کہ محمد ﷺ سے کیا پوچھنا چاہئے‘ بعضوں نے کہا کہ اس کی ضرورت نہیں‘ شاید وہ کوئی ایسا جواب دیں جو تم کو ناگوار ہو‘ بالآخر انہوں نے طے کیا کہ بہرحال کچھ پوچھنا چاہئے۔ انہوں نے دریافت کیا کہ محمد ﷺ بتاؤ روح کیا چیز ہے؟ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خاموش ہو گئے‘ حضرت ابن مسعودؓ کہتے ہیں کہ میں سمجھ گیا کہ آپ ﷺ پر وحی نازل ہو رہی ہے‘ جب وحی نازل ہو چکی تو آپ ﷺ نے یہ آیت پڑھی:

ویسئلونک عن الروح قل الروح من امر ربی وما اوتیتم من العلم الا قلیلا۔ (بنی اسرائیل)

وہ پوچھتے ہیں کہ روح کیا ہے اے پیغمبر! کہہ دے کہ روح میرے پروردگار کی ایک بات ہے اور تم کو علم کا بہت کم حصہ دیا گیا ہے۔

جامع ترمذی (تفسیر بنی اسرائیل) مستدرک ج ا ص ۹‘ اور مسند احمد میں ہے کہ حضرت صفوانؓ بن عسال مرادی روایت کرتے ہیں کہ دو یہودی راستہ میں جا رہے

تھے' ایک نے دوسرے سے کہا کہ چلو اس پیغمبر سے کچھ پوچھیں دوسرے نے کہا کہ اس کو پیغمبر نہ کہو تم کو وہ اپنی نسبت پیغمبر کہتے سنے گا تو اس کے چار آنکھیں ہو جائیں گی' اس کے بعد وہ دونوں آپ ؐ کی خدمت میں آئے اور آکر پوچھا کہ موسیٰؑ کو جو نو احکام ملے تھے وہ کیا تھے؟ آپ ؐ نے فرمایا وہ یہ تھے کہ (۱) شرک نہ کرو' (۲) زنا نہ کرو' (۳) قتل نہ کرو' (۴) چوری نہ کرو' (۵) جادو نہ کرو' (۶) بے گناہ کی چغلی نہ کھاؤ' (۷) سود نہ کھاؤ' (۸) پاک دامن عورت پر بہتان نہ باندھو' (۹) اور میدان جنگ سے فرار نہ کرو (راوی کو اس نویں حکم میں شک ہے) (۱۰) پھر فرمایا اور تمہارے لئے اے یہود خاص حکم یہ ہے کہ سبت مناؤ۔ ان دونوں نے یہ جواب سن کر آپ ؐ کے دست و پائے مبارک کے بوسے دیئے اور کہا کہ ہم گواہی دیتے ہیں کہ بے شک آپ ؐ پیغمبر ہیں' آپ ؐ نے فرمایا تو پھر مسلمان کیوں نہیں ہو جاتے' انہوں نے کہا داؤد نے دعا کی تھی کہ اس نسل میں ہمیشہ پیغمبر ہوا کرے گا اور اگر ہم مسلمان ہو جائیں تو ہم ڈرتے ہیں کہ یہود ہم کو مار ڈالیں گے۔

اخبار غیب یا پیشین گوئیاں

فطرت بشری کے عجز اور بے چارگی کا سب سے بڑا دردناک نظارہ مستقبل سے ناواقفیت اور جہالت ہے۔ انسان کی مضطرب اور بے چین فطرت مستقبل کے بحر ظلمات میں ہاتھ پاؤں مارتی ہے اور تھک کر اپنی نادانی اور جہالت کا اعتراف کر لیتی ہے اور اسی لئے وہ اس بات پر مجبور ہے کہ جو انسانیت سے مافوق کسی دعویٰ کی مدعی ہو اس کی آزمائش اور امتحان کے لئے اسی بحر بے کراں کی شناوری کو معیار اور سند قرار دے دے چنانچہ یہی اخبار غیب اور پیشین گوئی کی قدرت نبوت اور رسالت بلکہ عالم بزرگی اور ولایت کے ثبوت پر نوع انسانی کے عام افراد کے نزدیک ایک دلیل ہے اور حجت قائمہ ہے' بنی اسرائیل کے نزدیک یہ وصف نبوت کا اس درجہ لازمہ تھا کہ ان کی زبان میں پیغمبر کا نام ہی ''پیشین گو'' ہے۔ عربی' عبرانی اور دوسری سامی زبانوں میں ''نبی'' یا ''نابی'' جو پیغمبر کے معنی میں مستعمل ہے' اس کے لغوی معنی مخبر اور پیشین گو کے ہیں اور نبوت کے معنی مخبری اور پیشین گوئی کے ہیں' اسی لئے بنی اسرائیل کے نزدیک نبی اور پیغمبر کی صرف اس قدر حقیقت ہے کہ وہ غیب کا قاصد اور جہان نادیدہ کا مخبر ہے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بعثت سے پہلے عرب کی یہ کیفیت تھی کہ تمام عرب کاہنوں کے جال میں گرفتار تھا' عرب کے تمام مشرکانہ معابد کاہنوں کے دارالسلطنت تھے' جن میں بیٹھ کر وہ عرب کے دل و دماغ پر حکومت کر رہے تھے' مشہور کاہنوں کے پاس لوگ دور دور سے سفر کر کے آتے تھے اور ان سے مستقبل اور غیب کی باتیں دریافت کرتے تھے' وہ ایک خاص قسم کی مقفیٰ اور مسجع عبارتوں میں ان کو غیب کی اور مستقبل کی باتیں بتاتے تھے' آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب پیغمبر بنا کر عربوں کے درمیان بھیجے گئے تو ان کے لئے ثبوت نبوت کی سب سے بڑی دلیل یہی اخبار غیب اور پیشین گوئی ہو سکتی تھی' آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

نے بیسیوں پیشین گوئیاں کیں اور مستقبل کے واقعات اور باتوں کے رای العین کی طرح پیش فرمایا اور وہ سب کی سب بے کام و کاست پوری اتریں۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ان پیشین گوئیوں کا صدور مختلف حالتوں میں ہوا اور آپ ؐ کی ان کی اطلاع مختلف صورتوں میں دی گئی' مثلاً کبھی قرآن مجید کی وحی کی صورت میں' کبھی عالم خواب میں اور کبھی زبان صداقت نشان کے عام الفاظ میں جس میں طریقہ اطلاع کا اظہار نہیں ہے' قرآن مجید کی پیشین گوئیوں کی تفصیل اس سے پہلے گزر چکی ہے خواب کی پیشین گوئیوں کا تذکرہ کچھ عالم رویا کے بیان میں آچکا ہے' باقی پیشین گوئیاں سطور ذیل میں تحریر ہیں۔

فتوحات عظیمہ کی اطلاع::

اسلام کا آغاز جس اطمینانی اور بے سروسامانی کے ساتھ ہوا' اس سے کس کو اس وقت خیال ہوسکتا تھا کہ چند نہتے' فاقہ کش' غریب الدیار مسلمانوں کے بازوؤں میں یہ قوت پیدا ہوجائے گی کہ وہ قیصر وکسریٰ کے تخت کو الٹ دیں گے' لیکن پیغمبر صادق نے اسی وقت بشارت سنائی کہ مسلمانو! تم عنقریب قسطنطنیہ فتح کرو گے' مدائن تمہارے ہاتھوں میں آئے گا' قیصر وکسریٰ کے خزانے تمہارے دست تصرف میں ہوں گے' مصر تمہاری حکومت میں داخل ہوگا' تم سے اور ترکوں سے جن کی چھوٹی آنکھیں اور چوڑے چہرے ہوں گے (ترکستان ومنغولی ترک) جنگ (ا)۔ ہوگی۔ دنیا ان میں سے کس واقعہ کی تردید کرسکتی ہے۔

یہ پیشین گوئیاں الگ الگ بھی کی گئی ہیں' مگر مجموعی حیثیت سے اس وقت کی گئیں جب مسلمان مدینہ میں محصور ہو رہے تھے اور تمام عرب مدینہ کو گھیرنے کے لئے امنڈا چلا آرہا تھا اور مسلمان ہر آن اپنی موت کا نقشہ اپنی آنکھوں کے سامنے دیکھ رہے تھے' غزوۂ خندق کے موقع پر جب خندق کھودتے وقت ایک سخت پتھر حائل ہو گیا تھا اور صحابہ اس کو توڑنے سے عاجز ہو چکے تھے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ

اذا ھلک کسری فلا کسری بعدہ واذا ھلک قیصر فلا قیصر بعدہ جب کسرٰی ہلاک ہوگا تو اس کے بعد کوئی کسرٰی نہ ہوگا اور جب قیصر ہلاک ہوگا تو پھر دوسرا قیصر نہ ہوگا۔ (۴)۔

---

(۱)۔ صحیح بخاری باب علامات النبوہ فی الاسلام میں یہ حدیثیں ہیں۔ (۲)۔ سنن نسائی کتاب الجہاد۔ (۳)۔ صحیح مسلم کتاب الفتن۔ (۴)۔ صحیح بخاری باب علامات النبوہ و صحیح مسلم وغیرہ۔

نہ صرف تاریخ بلکہ آج بھی دنیا کا مشاہدہ اس آواز کی صداقت سے معمور ہے' ایرانی مجوسیوں کی شہنشاہی کی شکست کے بعد کیا پھر کسی ایرانی مجوسی شہنشاہ کا تاج خسروی کسی نے دیکھا اور رومی شہنشاہی کی بربادی کے بعد رومی قوم کا وجود بھی اس سطح زمین پر کہیں نظر آیا۔

سازوسامان کی بشارت::

حضرت جابرؓ کہتے ہیں کہ ایک دفعہ آپﷺ میرے گھر تشریف لائے اور دریافت کیا کہ کیا قالین ہے؟ عرض کی ہمارے پاس قالین کہاں؟ ارشاد ہوا کہ عنقریب تم قالینوں اور عمدہ فرشوں پر بیٹھو گے' حضرت جابرؓ کہتے ہیں کہ وہ دن آیا جب ہم قالینوں پر بیٹھے' اب میں اپنی بیوی سے کہتا ہوں کہ قالین ہٹا لے جاؤ' تو وہ کہتی ہیں کہ یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پیشین گوئی ہے۔ (۱)۔

امن وامان کی بشارت::

عدی بن حاتم کا بیان ہے کہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر تھا دو شخص آئے' ایک نے بھوک کی اور دوسری نے رہزنی کی شکایت کی۔ آپﷺ نے عدی کی طرف مخاطب ہو کر فرمایا' کیوں عدی' تم نے حیرہ کو دیکھا ہے؟ انہوں نے کہا' دیکھا تو نہیں' لیکن اس کو جانتا ہوں۔ آپﷺ نے فرمایا اگر تم زندہ رہے تو دیکھو گے کہ حیرہ سے ایک ہودج نشین عورت چل کر خانہ کعبہ کا طواف

کرے گی اور اس کو خدا کے سوا کسی کا خوف نہ ہو گا' اگر تم زندہ رہے تو دیکھو گے کہ کسریٰ کا خزانہ فتح کر لیا گیا' اگر تم زندہ رہے تو دیکھو گے کہ ایک شخص مٹھی بھر سونا چاندی لے کر نکلے گا کہ کسی کو خیرات دے لیکن دولت کی کثرت کا یہ عالم ہو گا کہ کوئی قبول کرنے والا نہ ملے گا۔ عدیؓ کے دل میں یہ بات کھٹکی تھی کہ آخر قبیلہ طے کے وہ ڈاکو کیا ہو جائیں گے جنہوں نے تمام ملک میں آگ لگا رکھی ہے' لیکن خود عدیؓ کا بیان ہے کہ میں نے دیکھ لیا کہ حیرہ سے ایک پردہ نشین عورت تنہا چل کر آتی ہے اور خانہ کعبہ کا طواف کر کے واپس جاتی ہے اور اس کو خدا کے سوا کسی کا ڈر نہیں ہوتا' ان کا بیان ہے کہ جن لوگوں نے کسریٰ کا خزانہ فتح کیا ان میں' میں بھی تھا' صرف تیسری پیشین گوئی میرے سامنے پوری ہونے سے رہ گئی ہے جو لوگ زندہ رہیں گے وہ اس کو بھی پورا ہوتے ہوئے دیکھ لیں گے۔ (۲)۔ چنانچہ راویوں کا بیان ہے کہ بنو امیہ کی سلطنت کے زمانہ میں یہ واقعہ بھی بعینہ گزرا۔

ابوصفوان کے قتل کی خبر::

ہجرت کے بعد جب مسلمانوں کو مدینہ منورہ کا دارالامان مل گیا اور اسلام روز بروز ترقی کرنے لگا تو یہ دیکھ کر قریش کے سردار مدینہ پر حملہ کی تدبیریں سوچنے لگے اسی اثناء میں انصار کے ایک رئیس سعد عمرہ ادا کرنے کے لئے مکہ معظمہ گئے اور ابوصفوان (امیہ) کے گھر جا کر مہمان ہوئے' ابوصفوان ایک دفعہ موقع پا کر ان کو طواف کرانے لایا' وہ کعبہ کا طواف کر رہے تھے کہ ابوجہل نکل آیا' اس نے کہا تم مکہ آ کر بے خوف و خطر کعبہ کا طواف کرتے ہو' حالانکہ تم نے بے دینوں (مسلمانوں) کو اپنے ہاں پناہ دے رکھی ہے اور سمجھتے ہو کہ خدا اور رسول کی تم نصرت کر رہے ہو۔ خدا کی قسم! اگر ابو صفوان کے ساتھ تم نہ ہوتے تو یہاں سے سلامت گھر نہ جا سکتے' حضرت سعدؓ نے ڈانٹ کر جواب دیا کہ اگر تم ہم کو طواف نہ کرنے دو گے' تو ہم تمہارا قافلہ تجارت مدینہ کے راستہ سے گزرنے نہ دیں گے' صفوان نے کہا اے سعد! ان سے سخت لہجہ

میں گفتگو نہ کرو'یہ اس وادی کے سردار ہیں۔

---

(۱)۔ صحیح بخاری باب علامات النبوہ۔ (۲)۔ ایضاً۔

حضرت سعدؓ نے کہا اے صفوان! اپنی طرف داری رہنے دو'میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سنا ہے کہ تم عنقریب مسلمانوں کے ہاتھ سے مارے جاؤ گے' ابوصفوان نے کہا کیا وہ یہاں آ کر مجھے ماریں گے۔ انہوں نے جواب دیا۔ یہ مجھے نہیں معلوم ۔ یہ سن کر ابوصفوان کے بدن پر رعشہ پڑ گیا' وہ گو کافر تھا' لیکن اس کو معلوم تھا کہ دہن رسالت سے آج تک کوئی غلط بات نہیں نکلی' چنانچہ اس کے بعد بدر کی لڑائی کا موقع پیش آیا تو اس کی بیوی نے جانے سے روکا' اور سعدؓ کی پیشین گوئی یاد دلائی' ابوصفوان نے بھی ڈر کر اس فوج میں شرکت سے انکار کر دیا' لیکن ابوجہل اس کو سمجھا بجھا کر لے گیا' بالآخر اسی کارزار میں یہ پیشین گوئی پوری ہوئی۔(۱)۔

نام بنام مقتولین بدر کی خبر::

بدر کا معرکہ جب پیش آنے والا تھا' آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم صحابہ کو لیکر میدان میں گئے اور بتایا کہ یہ فلاں کافر کی قتل گاہ ہے' یہ ابوجہل کا مقتل ہے' یہاں قریش کا وہ بڑا سردار مارا جائے گا۔ یہ عجیب وغریب پیشین گوئی تھی' تین سو' ساڑھے تین سو نیم مسلح بے سروسامان سپاہیوں کا افسر ایک ہزار سے زیادہ سپاہیوں کی غرق آہن با ساز و سامان فوج کی شکست اور افسروں کے قتل و موت کا اعلان کر رہا تھا' صحابہ کہتے ہیں کہ ہر سردار قریش کے لئے آپ ﷺ نے جو جگہ مقرر فرمادی تھی' وہیں اس کی لاش وخون میں لتھڑی پائی گئی۔(۲)۔

فاتح خیبر کی تعیین::

خیبر میں یہودیوں کے متعدد مستحکم اور مضبوط قلعے تھے' ہر روز مسلمان افسر علم وفوج لے کر جاتے تھے' اور زور آزمائی کرتے تھے اور شام کو ناکام واپس آتے تھے ایک دن آپ ﷺ نے فرمایا کہ کل علم میں اس کے ہاتھ میں دوں گا جس کو خدا اور اس کا

رسول پیار کرتا ہے اور اسی کے ہاتھ پر کل فتح ہوگی' اسلام کے صف میں ہر حوصلہ مند شمشیرزن نے کل کی توقع پر بے قراری میں رات بسر کی' کو کبہ صبح جب طلوع ہوا تو حضرت علیؓ پردۂ غبار سے نمودار ہوئے' حضرت ممدوح کو آشوب چشم تھا اس لئے وہ ساتھ نہ آ سکے تھے۔ آپ ﷺ نے حضرت علیؓ کے ہاتھ میں علم دیا اور خیبر کا میدان اسی دن ان کے ہاتھ سے سر ہوا۔ (۳)۔

حضرت فاطمہ زہراؓ کی وفات کی اطلاع::

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے مرض الموت میں ایک دفعہ حضرت فاطمہ کو اپنے پاس بلایا اور ان کے کان میں کوئی بات کہی کہ وہ رونے لگیں' تھوڑی دیر کے بعد ان سے ایک اور بات کہی کہ وہ ہنسنے لگیں' حضرت عائشہؓ کہتی ہیں کہ مجھ کو یہ دیکھ کر تعجب ہوا اور ان سے اس کا سبب دریافت کیا' انہوں نے کہا میں رسول اللہ کا راز ظاہر نہیں کر سکتی' جب آپ ﷺ کی وفات ہوگئی تو حضرت عائشہؓ نے دوبارہ ان سے دریافت کیا' حضرت فاطمہؓ نے کہا ہاں اب میں بتا سکتی ہوں' حضورؐ نے پہلے مجھ سے یہ فرمایا کہ میں اسی بیماری میں انتقال کروں گا اور پھر فرمایا اے فاطمہؓ! میرے اہل بیت میں سب سے پہلے تم آ کر مجھ سے ملوگی۔ (۴)۔ یہ دونوں باتیں صحیح ثابت ہوئیں آپ ﷺ نے اسی مرض میں وفات پائی' اور آپ ﷺ کی وفات کے تقریباً چھ مہینوں کے بعد حضرت فاطمہ زہراؓ بھی اس دنیا سے چل بسیں۔

(۱)۔ صحیح بخاری آغاز کتاب المغازی۔ (۲)۔ صحیح مسلم غزوئہ بدر۔ (۳)۔ صحیح بخاری فتح خیبر۔ (٤)۔ صحیح مسلم باب الفضائل و صحیح بخاری باب علامات النبوہ فی الاسلام۔

خود اپنی وفات کی اطلاع::

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جس سال وفات پائی آپ ﷺ نے اسی سال

کہ شام فتح ہونے کے ساتھ وہ عربوں کا مسکن بن گیا اور آج بھی ان کی آبادی وہاں سب سے زیادہ ہے۔

فتح عراق کی خبر::

پھر ارشاد ہوا کہ عراق مفتوح ہوگا اور لوگ وہاں بھی اپنی سواریوں کو ہنکاتے ہوئے اہل وعیال کو لے کر آئیں گے' حالانکہ مدینہ ان کے لئے بہتر تھا اگر وہ سمجھتے۔(۶)۔ فتح عراق کی بعض اور روایتیں بھی ہیں۔

خوزستان اور کرمان کی فتوحات اور ترکوں سے جنگ::

حضرت ابوہریرہؓ کہتے ہیں کہ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ قیامت سے پہلے تم لوگ ایسے لوگوں سے لڑو گے جن کے جوتے بال کے ہوں گے۔(۷)۔دوسری روایت میں ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا' اس وقت تک قیامت نہیں آئے گی جب تک تم خوزو کرمان کے عجمیوں سے نہ لڑو گے۔جن

---

(۱)۔مسند ابن حنبل ج ۵ ص ۳۳۵ (۲)۔صحیحین مناقب ابی بکرؓ (۳)۔صحیح مسلم کتاب الحج وموطا امام مالك و عبدالرزق و ابن خذیمه و ابن حبان۔ (٤)۔بحواله سابق۔ (٥)۔مسند ابن حنبل روایات معاذؓ (٦)۔صحیح مسلم کتاب الحج و موطا امام مالك۔ (٧)۔صحیح بخاری باب علامات النبوه فی الاسلام۔

چہرے سرخ' ناکیں چپٹی' آنکھیں چھوٹی ہونگی' انکے چہرے ہتھوڑوں سے پٹی ہوئی ڈھالوں کے مانند ہوں گے (یعنی چوڑے چپٹے) اور انکے جوتے بال کے ہونگے (۱)۔اور روایتوں میں یہ الفاظ ہیں' اس وقت تک قیامت نہ آئے گی۔جب تک مسلمان ترکوں سے نہ لڑلیں' جن کے چہرے چپٹے ہوں گے' جن کے لباس بال کے ہوں گے اور بال ہی کے موزے (یا جوتے) پہن کر وہ چلتے ہوں گے۔(۲)۔یہ تمام پیشین گوئیاں پہلی ہی صدی کے آخر تک پوری ہوگئیں۔

فتح مصر کی بشارت اور ایک واقعہ کا حوالہ::

حضرت ابو ذرؓ کہتے ہیں کہ آپ ؐ نے فرمایا' تم عنقریب مصر فتح کرو گے جہاں کا قیراط مشہور ہے' جب اس کو فتح کرو تو وہاں کے باشندوں کے ساتھ نیکی سے پیش آنا کیونکہ تمہارے انکے درمیان تعلق اور رشتہ ہے (حضرت ابرہیمؑ کی بیوی اور حضرت اسماعیلؑ کی ماں ہاجرہ مصر کی تھیں اور جب تم دیکھنا کہ وہاں ایک اینٹ بھر جگہ کیلئے دو آدمی لڑتے ہوں تو وہاں سے نکل جانا خود حضرت ابو ذرؓ نے بعینہ ایسا ہی دیکھا اور وہاں سے واپس چلے آئے۔(۳)۔

غزوہ ہند کی خبر::

ہندوستان کے سات کڑور مسلمان یہ سن کر خوش ہوں گے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی زبان قدسی بیان سے ہندوستان میں اسلام کے داخل اور غالب ہونے کی خوشخبری سنائی تھی' آپ ﷺ نے فرمایا میری امت کے دو گروہ ہیں جن کو اللہ تعالی آتش و دوزخ سے بچائے گا' ایک وہ جو ہندوستان کے غزوہ میں شریک ہو گا' دوسری روایت میں حضرت ابو ہریرہؓ سے مروی ہے کہ وہ کہتے تھے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہم سے (مسلمانوں سے) ہندوستان کے غزوہ کا وعدہ فرمایا تھا تو اگر میں نے وہ زمانہ پایا تو اس کی راہ میں اپنی جان و مال قربان کردوں گا تو اگر میں اس میں شہید ہوا تو بہترین شہید ٹھہروں گا اور اگر زندہ لوٹا تو میں آتش دوزخ سے آزاد ابو ہریرہ ہوں گا۔(۴)۔یہ پیشین گوئیاں امام نسائی المتوفی ۳۰۲ھ کی سنن میں جو سلطان محمود کے حملہ ہندوستان (۳۹۲ھ) تقریباً سو برس پہلے لکھی گئی ہے۔

بحر روم کی لڑائیاں::

بحر روم جس کو بحر اخضر اور بحر متوسط (میڈیٹرین سی) بھی کہتے ہیں' یورپ اور ایشیا کی اور اب گویا اسلام اور عیسائیت کی حد فاضل ہے اور اس زمانہ میں یہ رومیوں کی بحری قوت کا جولانگاہ تھا' ایک دفعہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خواب راحت سے

مسکراتے ہوئے بیدار ہوئے اور فرمایا اس وقت خواب میں میری امت کے کچھ لوگ تخت شاہی پر بادشاہوں کی طرح بیٹھے ہوئے دکھائے گئے' یہ بحر اخضر میں (جہاد کے لئے) اپنے جہاز ڈالیں گے۔(۵)۔یہ بشارت سب سے پہلے امیر معاویہؓ کے عہد میں پوری ہوئی اور دیکھا گیا کہ دمشق کی سرزمین پر اسلام میں سب سے پہلے تخت شاہی بچھایا جاتا ہے اور دمشق کا شہزادہ یزید اپنی سپہ سالاری میں مسلمانوں کا پہلا لشکر لے کر بحر اخضر میں جہازوں کے بیڑے ڈالتا ہے اور دریا عبور کر کے قسطنطنیہ کی چہار دیواری پر تلوار مارتا ہے۔

(۱)۔صحیح بخاری باب علامات النبوہ فی الاسلام۔ (۲)۔ایضاً۔ (۳)۔صحیح مسلم باب الوصیته باھل مصر کتاب فضائل الصحابه بسند احمد ج ۵ صفحه ۱۴۳ (عن ابی ذر) و مسند ابی عوانه و ابی حبان۔ (۴)۔یہ دونوں روایتیں سنن نسائی کتاب الجہاد میں ہیں۔ (۵)۔صحیح بخاری باب کتاب الرویا فی النھار' مسلم باب غزوہ البحر کتاب الامارہ و ابوداؤد کتاب الجہاد۔

بیت المقدس کی فتح::

بیت المقدس اسلام کا دوسرا قبلہ ہے اور اس کی تولیت امت محمدیہ کا حق تھا' آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے صحابہ کو اس تولیت کی بشارت دے دی تھی اور فرمایا تھا کہ میری موت کے بعد یہ واقعہ پیش آئے گا۔عوف بن مالک اشجعی سے روایت ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا کہ قیامت سے پہلے چند واقعے گن رکھو (اول) میری موت' پھر بیت المقدس (۱)۔کی فتح۔اس کے بعد آپ ﷺ نے چار اور باتیں بیان فرمائیں یہ بشارت حضرت عمرؓ کے عہد میں ۱۶ھ میں پوری ہوئی۔

فتح قسطنطنیہ کی بشارت::

فتح قسطنطنیہ کی متعدد بشارتیں ہیں' ایک دفعہ فرمایا کہ تم لوگ یقیناً آئندہ قیصر کے خزانوں پر متصرف ہو گے (۲)۔اور فرمایا میری امت کی ایک جماعت بحیرہ اخضر

(بحیرہ روم) جس کے ساحل پر قسطنطنیہ ہے) سوار ہوگی۔ (۳)۔مسلمانوں کی پہلی جماعت اسی قسطنطنیہ کی فتح کے لئے اس دریا میں سوار ہوئی۔آثار قیامت کے سلسلہ میں فرمایا' یہ ہوگا' یہ ہوگا' پھر تم قسطنطنیہ فتح کرو گے۔ (۴)۔ایک اور روایت میں ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا' تم لوگ بے شبہ قسطنطنیہ فتح کرو گے تو اس کا حاکم (مسلمان) کتنا اچھا حاکم ہوگا اور وہ (فتح کرنے والی) فوج کیسی اچھی فوج ہوگی۔ (۵)۔مسلمان خلفاء اور سلاطین میں سے ہر باہمت نے اس کو پورا کرنے کے لئے قسمت آزمائی کی مگر ازل سے یہ سعادت سلطان محمد فاتح کی قسمت میں آچکی تھی۔

فتح روم کا اشارہ::

جس طرح قسطنطنیہ مشرقی رومی سلطنت کا پایہ تخت تھا' رومیہ (روم) مغربی رومی سلطنت کا دارالحکومت تھا جواب اٹلی کا پایہ تخت ہے' جو مغربی عیسائیوں کا مقدس شہر ہے' گو صاف اور صریح الفاظ میں نہیں لیکن اشارہ پایا جاتا ہے کہ آپ ﷺ نے مسلمانوں کو اس کی فتح کی بشارت دی تھی۔چنانچہ تاریخوں سے ثابت ہے کہ سپین اور مغرب کے مسلمانوں نے اس کے مناروں کے اوپر بھی اسلام کا علم ایک دفعہ بلند کردیا تھا۔حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص سے کسی نے پوچھا کہ پہلے قسطنطنیہ فتح ہوگا یا رومیہ؟ انہوں نے اپنی یادداشت کے کاغذوں کو دیکھ کر جواب دیا کہ ہم لوگ ایک دفعہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اردگرد حاضر تھے کہ کسی نے دریافت کیا کہ یارسول اللہ! پہلے قسطنطنیہ فتح ہوگا یا رومیہ؟ فرمایا' نہیں پہلے ہرقل کا شہر (۶)۔ فتح ہوگا آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے رومیہ کے متعلق جو زیادہ وضاحت نہیں فرمائی' اس کی وجہ غالباً یہ ہو کہ مسلمانوں کی حکومت کا وہاں فتح کے بعد قسمت الہٰی میں باقی رہنا منظور نہ تھا۔

فاتح عجم کا اشارہ::

حضرت سعدؓ بن ابی وقاص حجتہ الوداع میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ہم

سے پہلے مجھ سے آ کر وہ ملے گی جس کا ہاتھ سب سے لمبا ہوگا' ازواج مطہرات کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے جو محبت تھی اس کا ایک نتیجہ یہ تھا کہ اس پیشین گوئی کے مطابق وہ اپنے اپنے ہاتھ ناپا کرتی تھیں' حضرت عائشہؓ کہتی ہیں کہ ہم میں سب سے پہلے حضرت زینبؓ نے وفات پائی تو ہم سمجھے کہ ہاتھ کی لمبائی سے حضورﷺ کا کیا مقصد تھا (ہاتھ کا لمبا ہونا عربی میں کشادہ دستی اور فیاضی سے کنایہ ہے) زینبؓ ہم سب سے زیادہ کشادہ دست تھیں۔ (۳)۔

ام ورقہ کی شہادت کی خوشخبری::

ام ورقہؓ ایک صحابیہ تھیں' آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جب بدر کا ارادہ کیا تو انہوں نے درخواست کی کہ یا رسول اللہ! مجھ کو بھی اسی میں شرکت کی اجازت دیجئے۔ شاید کہ خدا مجھے شہادت نصیب کرے۔ فرمایا تم اپنے گھر ہی میں رہو تمہیں شہادت نصیب ہوگی۔ چنانچہ وہ زندگی ہی میں اس پیشین گوئی کے مطابق شہیدہ کہلاتی تھیں' ان کے پاس ایک غلام اور ایک لونڈی تھی۔ حضرت عمرؓ کے زمانے میں ان دونوں نے مل کر ایک رات ان کا گلا گھونٹ کر مار ڈالا اور اس طرح اطلاع نبویﷺ کے مطابق انہوں نے گھر بیٹھے یہ دولت پائی۔ (۴)۔

خلفاء کی بشارت::

حضرت ابو ہریرہؓ کہتے ہیں کہ آپﷺ نے فرمایا' بنی اسرائیل کی سرداری اور نگہبانی انبیاء کرتے تھے جب کوئی نبی مرتا تھا تو دوسرا نبی اس کا قائم مقام ہوتا تھا اور اس میں کوئی شک نہیں کہ میرے بعد کوئی نبی نہیں البتہ خلفاء ہوں گے اور بہت ہوں گے۔ (۵)۔

بارہ خلفاء::

آپﷺ کے بعد بارہ خلفاء کے ہونے کی بشارتیں حدیث کی مختلف کتابوں میں

مختلف الفاظ میں آئی ہیں۔صحیح مسلم (۶)۔ میں یہ الفاظ ہیں۔ اس وقت تک یہ اسلامی حکومت اچھی رہے گی' جب تک اس پر بارہ آدمی حکومت کریں گے۔ یہ حکومت اس وقت تک ختم نہ ہوگی جب تک اس پر بارہ خلیفہ حکمران

(۱)۔ صحیح بخاری باب الھجرہ و صحیح بخاری و مسلم و ابودائود و نسائی باب الوصایا۔ (۲)۔ صحیحین حدیث کوثر۔ (۳)۔ صحیح مسلم فضائل حضرت زینبؓ۔ (۴)۔ سنن ابی باب الامامتہ وابن راھویہ۔ (۵)۔ صحیح مسلم کتاب الامارہ۔ (۶)۔ صحیح مسلم کتاب الامارہ

نہ ہولیں' بارہ خلیفوں تک اسلام معزز اور محفوظ رہے گا۔ میرے بعد قریش میں سے بارہ خلیفہ ہوں گے' پھر چھوٹے لوگ ہوں گے۔ ابوداؤد کتاب المھدی میں یہ الفاظ ہیں۔ یہ دین ہمیشہ قائم رہے گا' یہاں تک اس میں بارہ خلیفہ گزر جائیں' ان سب پر تمام امت مجتمع ہوگی۔ علمائے اہل سنت میں قاضی عیاض اس حدیث کا یہ مطلب بتاتے ہیں کہ تمام خلفاء میں سے بارہ وہ شخص مراد ہیں جن سے اسلام کی خدمت بن آئی اور وہ متقی تھے' حافظ ابن حجر ابوداؤد کے الفاظ کی بناء پر خلفائے راشدین اور بنی امیہ میں سے ان بارہ خلفاء کو گناتے ہیں جن کی خلافت پر تمام امت کا اجتماع رہا یعنی (۱) حضرت ابوبکرؓ (۲) حضرت عمرؓ (۳) حضرت عثمانؓ (۴) حضرت علیؓ (۵) حضرت امیر معاویہؓ (۶) یزید' (۷) عبدالملک' (۸) ولید' (۹) سلیمان' (۱۰) عمر بن عبدالعزیز' (۱۱) یزید ثانی (۱)۔ (۱۲) ہشام۔ شیعہ فرقہ تو اس حدیث کی تشریح میں اپنے بارہ اماموں کو پیش کردے گا۔

خلافت راشدہ کی مدت ::

فرمایا' خلافت (یعنی خلافت راشدہ) میرے بعد تیس برس ہوگی' پھر بادشاہی ہو جائے گی۔(۲)۔ یہ تیس سال کی مدت حضرت علیؓ کی خلافت پر تمام ہوتی ہے۔

خلیفہ کا نام

خلافت کی مدت

خلیفہ کا نام

خلافت کی مدت

حضرت ابو بکرؓ

۱۱ھ تا ۱۳ھ

حضرت عثمانؓ

۲۳ھ تا ۳۵ھ

حضرت عمرؓ

۱۳ھ تا ۲۳ھ

حضرت علیؓ

۳۵ھ تا ۴۰ھ

شیخین کی خلافت کی پیشین گوئی::

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے گو صریح اور صاف الفاظ میں اپنے جانشینوں کی تعیین نہیں فرمادی تھی مگر آپ ﷺ کو یہ علم بخشا جا چکا تھا کہ حالات اس طرح رونما ہوں گے۔ ایک دفعہ آپ ﷺ نے بیان فرمایا کہ میں سویا تھا کہ میں نے اپنے آپ کو ایک کنوئیں کی جگت پر دیکھا جس پر ڈول پڑا ہوا تھا۔ میں نے اس میں سے اتنے ڈول پانی نکالے جتنے خدا نے چاہئے' پھر اس ڈول کو ابو قحافہ کے بیٹے ابو بکرؓ نے لیا' انہوں نے بھی اس سے ایک ڈول پانی کھینچا' مگر ان کے کھینچنے میں کسی قدر ضعیف تھا' خدا ان کو معاف کرے' پھر یہ ڈول ایک بڑا سا ڈول بن گیا' تو خطاب کے بیٹے (عمرؓ)

نے اس کو اپنے ہاتھ میں لے لیا اور اسی طرح کھینچا کہ کسی طاقت ور آدمی کو میں نے ان کے برابر کھینچتے نہیں دیکھا یہاں تک کہ حوض لبالب بھر گیا اور پینے والوں کا چاروں طرف سے ہجوم ہوگیا۔(۳)۔

یہ خلافت صدیقی وفاروقی کی تمثیلی پیشین گوئی ہے جس کی آئندہ واقعات نے حرف حرف تصدیق کی۔

مسلمانوں کو دولت کی کثرت اور فتنوں کے ظہور سے آگاہ کرنا:

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وفات کے بعد جن فتنوں کا آغاز ہوا اور مسلمانوں میں جو خانہ جنگیاں پیش آئیں ان کا پورا پورا علم آپ ؐ کو عطا ہوا تھا اور اسی لئے آپ ؐ نے بار بار مسلمانوں کو اس سے متنبہ کر دیا تھا' ایک دفعہ آپ ؐ صحابہ کے ساتھ شہر سے باہر

(۱)۔ مقدمہ تاریخ الخلفاء سیوطی۔ (۲)۔ جامع ترمذی کتاب الفتن سنن ابی دائود' حاکم' نسائی' بھیقی۔ (۳)۔ صحیح بخاری کتاب المناقب کتاب الرویا صحیح مسلم مناقب آخری فقرے حتی ضرب الناس بعطن کا مرادی ترجمہ ھے لفظی نھیں (دیکھو فتح الباری ج ۱۲ صفحہ ۲٦٤۔

تھے' آپ ؐ نے ہمراہیوں سے پوچھا کہ مجھ کو جو نظر آ رہا ہے وہ تم دیکھ رہے ہو؟ سب نے عرض کی نہیں یا رسول اللہ! آپ ﷺ نے فرمایا میں دیکھ رہا ہوں کہ تمہارے گھروں پر بارش کے طرح فتنے برس رہے ہیں۔(۱)۔ دوسری دفعہ فرمایا۔ خدا کی قسم! مجھ کو تم پر فقر وفاقہ کا خوف نہیں بلکہ دولت کا خوف ہے کہ جس طرح تم سے پہلوں پر دنیا پھیلا دی گئی تھی' تم پر بھی پھیلا دی جائے تو تم اس میں آپس میں رشک وحسد کرنے لگو اور جس طرح اس نے تم سے پہلوں کو غافل کر دیا تم کو بھی غافل کر دے۔(۲)۔ ایک اور موقع پر ارشاد ہوا۔ دیکھو میرے بعد ایک دوسرے کی گردن نہ مارنے لگنا۔ ایک دفعہ ارشاد ہوا۔ ایک زمانہ آئے گا کہ تمہارے سامنے دن

کو ایک کھانے کا پیالہ اور رات کو دوسرا کھانے کا پیالہ آئے گا اور کعبہ کے پردوں کی طرح (بیش قیمت اور عمدہ) تمہارے لباس ہوں گے۔ حاضرین نے عرض کی یا رسول اللہ! اس حالت میں اچھے ہیں یا اس حالت میں اچھے رہیں گے؟ فرمایا نہیں تم اس حالت میں اچھے ہو کہ تم سب باہم ایک دوسرے سے محبت اور پیار کرتے ہو اور اس وقت تم ایک دوسرے کے دشمن ہو گے اور ایک دوسرے کا گلا کاٹو گے۔

(۳)۔ حضرت ابو ہریرہؓ کہتے ہیں کہ ایک دفعہ آپ ﷺ مجلس میں رونق افروز تھے' فرمایا کہ میرے بعد اختلاف اور فتنہ ہو گا' لوگوں نے عرض کی کہ یا رسول اللہ! تو اس وقت ہم کو کیا حکم ہے؟ فرمایا کہ امیر اور اس کے رفقا کا ساتھ دینا۔ (۴)۔ ایک موقع پر آپ ﷺ نے فرمایا' عنقریب میرے بعد کچھ فتنے پیدا ہوں گے جن میں بیٹھنے والا کھڑے ہونے والے سے اور کھڑا ہونے والا چلنے والے سے اور چلنے والا دوڑنے والے سے بہتر ہو گا۔ (۵)۔

حضرت عمرؓ کی وفات کے بعد فتنوں کا ظہور ہو گا::

خلافت راشدہ کے عہد میں جو فتنے برپا ہوئے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کی اطلاع آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو پہلے ہی دے دی تھی اور آپ ﷺ نے بعض صحابہ کو بتا دیا تھا۔ ایک دفعہ حضرت عمرؓ نے صحابہ سے پوچھا کہ حضور ﷺ نے فتنہ کی نسبت جو فرمایا تھا وہ کس کو زیادہ یاد ہے' حضرت حذیفہؓ نے کہا مجھے یاد ہے' انسان کو اہل و عیال اور دولت و مال میں جو فتنہ پیش آتا ہے وہ نماز' صدقہ' اچھی باتوں کے کہنے اور بری باتوں کے روکنے سے دور ہو جاتا ہے' حضرت عمرؓ نے کہا میں اس کی نسبت نہیں پوچھتا۔ میں اس فتنہ کو پوچھتا ہوں جو سمندر کی موجوں کی طرح لہریں لے گا' حضرت حذیفہؓ نے کہا اے امیر المومنین! اس فتنہ سے آپؓ کو کوئی نقصان نہیں پہنچے گا کہ اس کے اور آپ کے درمیان ایک بند دروازہ ہے دریافت فرمایا کہ کیا یہ دروازہ کھول دیا جائے گا یا توڑ دیا جائے گا۔ حضرت حذیفہؓ نے جواب دیا توڑ دیا جائے گا۔ حضرت

عمرؓ نے کہا تو یہ دروازہ کبھی بند نہ ہو سکے گا' حضرت حذیفہؓ نے کہا ہاں ایسا ہی ہے۔ راوی کہتا ہے کہ میں نے حضرت حذیفہؓ سے پوچھا کہ کیا حضرت عمرؓ کو معلوم تھا کہ وہ دروازہ کون تھا؟ انہوں نے جواب دیا ہاں بے شک ان کو اس کا اسی طرح علم تھا جس طرح اس بات کا علم ہے کہ آج کے بعد کل آئے گا۔ راوی کہتا ہے میں لحاظ سے نہ پوچھ سکا کہ وہ دروازہ کون تھا؟ اس لئے مسروق (تابعی) سے کہا کہ وہ حضرت حذیفہؓ سے اس کو دریافت کریں' مسروق نے دریافت کیا تو انہوں نے بتایا کہ وہ دروازہ

(۱)۔ صحیح بخاری کتاب الفتن و حجتہ الوداع۔ (۲)۔ صحیح بخاری و مسلم کتاب الفتن۔ (۳)۔ مسند احمد حدیث طلحہ (النظری) و مستدرک حاکم' (٤)۔ مستدرک حاکم ج ۳ صفحہ ۹۹ ذھبی نے اس کو صحیح کہا ھے۔ (۵)۔ صحیح بخاری کتاب الفتن۔

خود حضرت عمرؓ کا وجود (۱)۔ تھا۔ یہ دروازہ جب ٹوٹا تو کس کو معلوم نہیں کہ اسلام پر فتنوں کا سیلاب امنڈ آیا۔

فتنے مشرق کی جانب سے اٹھیں گے ::

مستند اور معتبر حدیثوں میں پوری تصریح کے ساتھ بروایات کثیرہ مذکور ہے (۲)۔ کہ اسلام میں فتنوں کا آغاز مشرق کی طرف سے ہوگا' آپ ﷺ نے انگلی سے اشارہ کر کے بار بار فرمایا کہ ادھر سے جدھر شیطان کی سینگیں یعنی سورج کی کرنیں نکلتی ہیں۔ یہ اشارہ عرب سے مشرق کی طرف تھا' یعنی عراق کی طرف' دیکھو حضرت عمرؓ کا قاتل عجمی تھا' حضرت عثمانؓ کے عہد کا فتنہ عراق ہی سے اٹھ کر مصر تک پھیلا۔ جنگ جمل اسی سرزمین پر ہوئی' حضرت علیؓ یہیں شہید ہوئے' امیر معاویہؓ اور حضرت علیؓ کی جنگ صفین یہیں پیش آئی' خوارج اسلام کا پہلا گمراہ کن فرقہ یہیں سے اٹھا' جبریہ اور قدریہ وغیرہ اسلام کے دیگر فرقوں کی یہ بدعتیں جنہوں نے اسلامی عقائد کی سادگی کو پارہ پارہ کر دیا یہیں پیدا ہوئے' جگر گوشہ رسول اور خانوادۂ نبوت کا قافلہ یہیں فرات کے کنارے لٹا' مختار نے ادعائے کاذب کا فتنہ یہیں پیدا کیا' شیعیت جس

نے اسلام کو دو حصوں میں منقسم کیا یہیں کی پیداوار ہے' حجاج کی سفاکیاں اسی سرزمین پر ہوئیں' ترک و تاتاری غارت گریوں کے نتائج جنہوں نے اسلام کی رہی سہی طاقت اور عرب و خلافت عربی کا تار تار الگ کر دیا' یہیں رونما ہوئے حتیٰ کہ اس جنگ عظیم میں بھی واحد اسلامی طاقت کے ساتھ غداری کے نتائج بھی اولاً یہیں سے ظاہر ہوئے اور اس کے اثرات بعد کو اور اطراف میں بھی رونما ہوئے۔

حضرت عثمانؓ کو فتنہ کی اطلاع::

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مدینہ کی ایک باغ میں ٹیک لگائے بیٹھے تھے حضرت ابوبکرؓ دروازہ کھلوا کر آئے تو آپ ؐ نے ان کو جنت کی بشارت دی' حضرت عمرؓ آئے اور آپ ؐ نے ان کو جنت کا مژدہ سنایا' اس کے بعد حضرت عثمانؓ آئے تو آپ ؐ نے ان کو جنت کی بشارت کے ساتھ فتنہ و امتحان سے دوچار ہونے کی بھی اطلاع دی' چنانچہ ان کو اپنے زمانہ خلافت میں یہ فتنہ و امتحان پیش آیا اور شہادت نصیب ہوئی۔ حدیث کی کتابوں میں اس قسم کی اور بھی روایتیں ہیں۔ (۳)

حضرت عمرؓ اور عثمانؓ شہید ہوں گے::

ایک بار مکہ معظمہ میں کوہ شبیر یا کوہ احد پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تشریف فرما تھے' آپ ﷺ کی رفاقت میں حضرت ابوبکرؓ حضرت عمرؓ اور حضرت عثمانؓ بھی تھے کہ دفعتًا پہاڑ کو جنبش ہوئی۔ آپ ﷺ نے فرمایا۔ اے شبیر! ٹھہر جا کہ تیری پشت پر ایک پیغمبر' ایک صدیق اور دو شہید ہیں۔ پیغمبر اور صدیق کو تو سب جانتے تھے' لیکن حضرت عمرؓ اور حضرت عثمانؓ کی شہادت کے بعد یہ بھی معلوم ہو گیا کہ وہ دو شہید کون تھے۔ (۴)۔

حضرت علی مرتضیٰؓ کی مشکلات اور شہادت::

حضرت علیؓ سے مروی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان سے فرمایا کہ تم

سے میری امت میرے بعد بے وفائی کرے گی' حضرت ابن عباسؓ کی روایت کے الفاظ یہ ہیں کہ اے علیؓ! خبردار کہ تم کو میرے بعد مصیبت پیش آئے گی۔ حضرت علیؓ نے استفسار کیا کہ کیا یہ مصیبت میری سلامتی دین کے ساتھ

---

(۱)۔ صحیح بخاری کتاب الفتن۔ (۲)۔ صحیح بخاری و مسلم کتاب الفتن وغیرہ۔ (۳)۔ صحیح مسلم فضائل عثمان۔ (۴)۔ صحیح بخاری مناقب ابی بکرؓ و صحیح ترمذی مناقب عثمانؓ بروایت حسن و سنن نسائی و دارقطنی۔

پیش آئے گی؟ فرمایا' ہاں تمہاری سلامتی دین کے ساتھ۔ حضرت علیؓ اور بعض صحابہ ایک سفر میں ایک موقع پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ہم رکاب تھے' آپ ﷺ نے فرمایا میں بتاؤں کہ دو سب سے بدبخت انسان کون ہیں؟ لوگوں نے عرض کی کہ ہاں یارسول اللہ بتائیے۔ ایک ثمود کا سرخ رنگ بدبخت جس نے ناقہ کو قتل کیا' دوسرے وہ جو اے علی تمہارے یہاں پر (گردن کی طرف اشارہ کیا) تلوار مارے گا۔ (۱)۔

جنگ جمل کی خبر::

حضرت علیؓ اور حضرت عائشہؓ وغیرہ کے درمیان جو اتفاقی لڑائی بصرہ میں پیش آ گئی تھی۔ اس کو جنگ جمل کہتے ہیں' ایک دفعہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ازواج مطہراتؓ کے درمیان تشریف فرما تھے کہ آپ ﷺ نے فرمایا' تم میں سے کسی پر حواب کے کتے بھونکیں گے (حواب عراق میں ایک تالاب کا نام ہے) حضرت عائشہؓ جب اصحاب جمل کے ساتھ روانہ ہوئیں اور حواب کے تالاب پر پہنچیں اور کتوں نے بھونکنا شروع کیا تو ان کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پیشین گوئی یاد آئی۔ (۲)۔

حضرت علیؓ اور معاویہؓ کی جنگ::

ایک بار آپ ؐ نے فرمایا کہ اس وقت تک قیامت نہ آئے گی۔ جب تک دو ایسے

گروہ باہم جنگ آزما نہ ہوں گے‘ جن میں سے ہر ایک کا دعویٰ ایک ہی ہوگا۔ (۳)۔علماء کا بیان ہے کہ پیشین گوئی حضرت علیؓ اور امیر معاویہؓ کی لڑائیوں پر صادق آتی ہے۔(۴)۔

حضرت عمارؓ شہید ہوں گے::

آپ ؐ نے غزوۂ خندق میں حضرت عمارؓ کے سر پر دست شفقت پھیر کر فرمایا۔ افسوس تجھ کو ایک باغی گروہ قتل کرے گا۔(۵)۔یہ پیشین گوئی متعدد صحابہ سے منقول ہے۔حضرت عمارؓ حضرت علیؓ کی معیت میں امیر معاویہؓ کے ساتھیوں کے ہاتھ سے جنگ صفین میں شہید ہوئے۔

امام حسنؓ کی مصالحت::

ایک دفعہ آپ ﷺ حضرت امام حسنؓ کو لے کر گھر سے باہر نکلے اور ان کو گود میں لے کر منبر پر چڑھے پھر فرمایا کہ میرے اس فرزند کے ذریعہ سے خدا مسلمانوں کے دو گروہوں کے درمیان مصالحت (۶)۔کرادے گا۔چنانچہ یہ پیشین گوئی حضرت علیؓ کی شہادت کے چھ مہینے بعد پوری ہوئی اور طرفداران علیؓ اور حامیان معاویہؓ میں بعض شرائط پر صلح ہوگئی۔

نوخیز حکمران قریش کے ہاتھوں اسلام کی تباہی::

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جن مخصوص اصحاب کو اسلام کے مستقبل سے باخبر کر دیا تھا‘ ان میں ایک حضرت ابوہریرہؓ بھی تھے‘ وہ کہتے تھے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا۔میری امت کی بربادی قریش کے چند نوخیزوں کے ہاتھ سے ہوگی۔حضرت ابوہریرہؓ کہا کرتے تھے کہ اگر میں چاہوں تو سب کو نام بنام گنا دوں۔(۷)۔یہ پیشین گوئی حرف بحرف صحیح نکلی۔حضرت عثمانؓ کے عہد کا سیاسی طوفان ان کی شہادت پر‘ پھر جمل کی

(۱)۔ یہ تینوں روایتیں مستدرک حاکم میں ہیں' امام ذہبی نے پہلی روایت کو مطلق صحیح' دوسری کو بشرط بخاری و مسلم صحیح اور تیسری کو بشرط مسلم صحیح کہا ہے ج ٤ صفحہ ۱٤۰ ۱٤۱ حیدر آباد۔ (۲)۔ مسند ابن حنبل ج ٦ صفحہ ٥۲' ۹۷ (۳)۔ صحیح مسلم فتن۔ (٤)۔ دیکھو شرح مسلم۔ (٥)۔ ایضاً۔ (٦)۔ صحیح بخاری علامات النبوہ فی الاسلام و صحیح مسلم و ترمذی باب المناقب و حاکم ترجمہ امام حسنؓ ج ۳۔ (۷)۔ صحیح بخاری کتاب الفتن۔

لڑائی' یہ سب چند نوخیز قریشی رئیس زادوں کے بے جا امنگوں کے نتائج تھے جیسا کہ عام تاریخوں میں مسطور ہے اور صحیح بخاری میں ہے کہ راوی کہتا ہے ہم نے شام جا کر بنی مروان کو دیکھا تو ان کو اسی طرح نوخیز نوجوان پایا۔(۱)۔

یزید کی تخت نشینی کی بلا اسلام پر::

امیر معاویہؓ نے ٦۰ھ میں وفات پائی اور ان کے بجائے یزید تخت نشین ہوا اور یہی اسلام کے سیاسی' مذہبی' اخلاقی اور روحانی ادبار و نکبت کی اولین شب ہے' حضرت ابو ہریرہؓ سے متعدد روایتیں ہیں۔ مسند احمد میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مسلمانوں سے فرمایا کہ ٦۰ھ کے شروع ہونے سے اور لڑکوں کی حکومت سے پناہ مانگا کرو اور دنیا ختم نہ ہوگی یہاں تک کہ اس پر ایسے ایسے حکمران نہ ہو لیں۔ (۲)۔ حاکم میں ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا عربوں پر افسوس اس مصیبت سے جو ٦۰ھ کے آغاز پر قریب آئے گی۔ امانت لوٹ کا مال اور صدقہ و خیرات جرمانہ اور تاوان سمجھا جائے گا اور گواہی پہچان سے دی جائے گی اور فیصلے ہوا و ہوس سے ہوا کریں گے' بیہقی میں ہے کہ حضرت ابو ہریرہؓ مدینہ کے بازار میں یہ کہتے جاتے تھے کہ خداوندا! میں ٦۰ھ اور لڑکوں کی حکومت کا زمانہ نہ پاؤں' خدا نے ان کی یہ دعا قبول کی اور ٥۹ھ میں انہوں نے وفات پائی۔

امام حسینؓ کی شہادت::

حضرت امام حسینؓ کی شہادت کی متعدد پیشین گوئیاں حاکم ' بیہقی ' ابن راہویہ اور ابونعیم میں مذکور ہیں ' مگر اصولاً ان روایات کا درجہ بلند نہیں ۔ تاہم اتنی بات مجملاً ثابت ہوتی ہے کہ آپ ﷺ کو اس واقعہ کا علم ضرور عطا کیا گیا تھا اور آپ ﷺ نے اہل بیت کو اس کے متعلق کوئی خاص اطلاع دی تھی ' اس باب میں بہترین حدیث حاکم کی یہ روایت ہے جس کو اس نے متعدد طریقوں سے نقل کیا ہے کہ ابن عباسؓ کہتے ہیں کہ اللہ تعالی نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اطلاع دی تھی کہ میں نے یحیٰی (پیغمبر) کا بدلہ ستر ہزار سے لیا تھا اور میں تیرے نواسے کا بدلہ ستر اور ستر ہزار سے لوں گا ' حافظ ذہبی نے اس روایت کو علی شرط مسلم تسلیم کیا ہے (۴) ۔ لیکن روایت خود اس کا اشارہ کرتی ہے کہ اس سے پہلے حضرت حسینؓ کی شہادت کی اطلاع دی جا چکی تھی ۔ یہ اطلاع الٰہی حرف بحرف صحیح ہوئی ' امام موصوف کی شہادت کے بعد مختار کے ہاتھوں قاتلین حسینؓ سے اسی قدر انتقام لیا گیا ۔

خوارج کی اطلاع ::

حضرت ابوسعید خدریؓ سے روایت ہے کہ ایک دن آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مال غنیمت تقسیم فرما رہے تھے ' قبیلہ بنو تمیم کا ایک آدمی آیا اور کہا کہ یا رسول اللہ ! انصاف سے مال تقسیم فرمایئے ۔ آپ ﷺ نے فرمایا ' میں نہ انصاف کروں گا تو کون کرے گا ؟ اس کی گستاخی پر حضرت عمرؓ سخت برہم ہوئے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے عرض کی کہ اجازت دیجئے تو اس کی گردن اڑا دوں ۔ آپ ﷺ نے فرمایا جانے دو ' اس کے ایسے رفقاء ہوں گے جن کے نماز روزے کے مقابل تم کو اپنے نماز روزے حقیر معلوم ہوں گے ' وہ لوگ قرآن کی تلاوت کریں گے لیکن گلے کے نیچے نہ اترے گا ' مذہب کے دائرہ سے

---

(۲) ۔ اوائل کتاب الفتن ۔ (۳) ۔ مسند احمد احادیث ابی ہریرہؓ ۔
(٤) ۔ یہ روایتیں خصائص کبرٰی سیوطی ج ۲ صفحہ ۱۳۶ کے حوالہ سے نقل کی گئی ہیں ۔ (۵) ۔ مستدرك ج ۳ صفحہ ۱۷۸ ۔

ایک صدی یا ایک دور کے بعد انقلاب::

حضرت ابن عمرؓ کہتے ہیں کہ ایک دفعہ اخیر زندگی میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نماز عشاء کے بعد حاضرین کو مخاطب کر کے فرمایا' آج اس شب میں' میں تم کو بتاؤں کہ اس سے سو برس بعد آج کے لوگوں میں سے کوئی بھی روئے زمین پر باقی نہ رہے گا۔ فرماتے ہیں کہ اپنی وفات سے ایک مہینہ پہلے آپ ؐ کا مقصود ایک دور (قرن) کا ختم ہو جانا۔ حضرت جابرؓ اسی واقعہ کو ان الفاظ میں بیان فرماتے ہیں کہ اپنی وفات سے ایک مہینہ پہلے آپ ؐ نے فرمایا کہ تم قیامت کی نسبت دریافت کرتے ہو' اس کا علم تو خدا کو ہے' میں خدا کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ آج روئے زمین پر کوئی سانس لینے والی جان نہیں جو سو برس بعد زندہ رہے گی۔ (۱)۔ اس سے مقصود صحابہ ؓ کے خیر و برکت کے دور کا اختتام تھا' ابو الطفیلؓ صحابی سب سے اخیر میں مرے ہیں ان کا بیان تھا کہ اب میرے سوا کوئی باقی نہیں جس نے جمال محمدی ؐ سے آنکھیں روشن کیں' یہ ابو الطفیلؓ پوری صدی کے اختتام پر رحلت گزین ہوئے۔

چاروں دوروں کے بعد پورا انقلاب::

متعدد روایتوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے روایت ہے کہ آپ ﷺ نے علی الاعلان فرمایا کہ بہترین دور (قرن) ہے وہ جس میں' میں ہوں۔ (۲)۔ پھر اس دور کے لوگ جو میرے بعد ہیں' پھر اس دور کے لوگ جو ان کے بعد ہیں۔ پھر اس دور کے لوگ جو ان کے بعد ہیں۔ پھر ایسے لوگ ہوں گے جو گواہی کے لئے بلائے نہیں جائیں گے خود جا کر گواہی دیں گے۔ خیانت کار ہوں گے۔ امین نہ ہوں گے' نذر مانیں گے لیکن ایفاء نہ کریں گے' پہلا دور عہد نبوی ﷺ ہے' دوسرا دور صحابہؓ کا ہے' تیسرا تابعینؒ کا' چوتھا تبع تابعینؒ کا یہ چار عہد اسلام کے روحانی' دینی' اخلاقی' مناقب و مکارم اور صلحائے امت ائمہ دین اور علمائے خیر کے پے در پے ظہور اور وجود کا اور خالص مذہبی علوم کی نشو و نما' ترتیب و تدوین اور نشر و اشاعت کا ہے اس

کے بعد ہی بدعات کا سیلاب امنڈتا ہے' علمائے سو اور امرائے جو بیدار ہوتے ہیں' فرق باطلہ کا ظہور رہوتا ہے' فقہاء میں جمود آتا ہے' علماء میں ہوا و ہوس راہ پاتی ہے' ہند' فارس اور یونان کے فلسفیانہ خیالات مسلمانوں میں رائج ہوتے ہیں' اسلام کے اعتقادی و عملی قوی سست ہو جاتے ہیں اور تمام نظام ابتر ہو جاتا ہے۔

مدعیان کاذب::

صحیح مسلم وغیرہ میں ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا کہ قیامت سے پہلے تیس کاذب پیدا ہوں گے جن میں سے ہر ایک دعویٰ کرے گا کہ وہ نبی ہے۔(۳)۔ ایسے مدعیان کاذب کی تعداد اگر مسیلمہ کے وقت سے آج تک کی تاریخوں سے چن کر الگ کی جائے تو قریب قریب تیس کے پہنچ جائے گی جن میں سے دو ہندوستان اور ایران میں ابھی گزرے ہیں وہ تمہاری نگاہوں کے سامنے ہیں۔

---

(۱)۔ یہ تمام حدیثیں صحیح مسلم باب فضل صحابہ میں ھیں اور پہلی روایت ابوداؤد کتاب الملاحم میں بھی مذکور ھے۔ (۲)۔ صحیح مسلم فضل صحابہ و مسند احمد حدیث بریدہؓ۔ (۳)۔ صحیح مسلم باب فتن و ابوداؤد (ملاحم) کے علاوہ مسند احمد میں حضرت حذیفہؓ اور ابویعلی بزار اور طبرانی میں حضرت عبداللہ بن زبیرؓ سے اس قسم کی روایت ھے۔

منکرین حدیث::

ابوداؤد میں ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا۔ میں تم میں سے کسی کو نہ پاؤں کہ وہ اپنی مسند پر تکیہ لگائے (غرور کی شان سے) بیٹھا ہو اور اس کے پاس میرے کاموں میں سے کوئی کام جس کے کرنے کا میں نے حکم دیا یا جس سے میں نے منع کیا' وہ اس سے بیان کیا جائے تو کہے کہ ہم نہیں جانتے جو ہم نے قرآن میں پایا اسی کو مانتے ہیں۔ (۱)۔ بیہقی میں اس سے زیادہ صاف الفاظ ہیں' دور اول میں اگر یہ پیشین گوئی معتزلہ پر صادق آ سکتی تھی تو اب آج کل مصر و ہند کے ان اشخاص پر پوری طرح

صادق آتی ہے جو خود کو اہل القرآن کے نام سے موسوم کر رہے ہیں۔

تجارت کی کثرت اور اس میں عورتوں کی شرکت::

قیامت کے آثار اور نشانیوں میں سے ایک یہ واقعہ بھی ہے۔حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کہتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ قیامت سے پہلے خصوصیت کا سلام ہوگا اور تجارت کی کثرت (۲)۔ہوگی۔یہاں تک کہ عورت بھی اپنے مرد کا ہاتھ اس میں بٹایا کرے گی۔کیا اس موجودہ دور تمدن سے بڑھ کر اس پیشین گوئی کی صداقت کا کوئی اور زمانہ ہوگا۔آج سے زیادہ کبھی تجارت کی گرم بازاری تھی اور عورتیں کبھی اس سے پہلے اس بے باکی سے مردوں کے دوش بدوش ہو کر اس پیشہ میں در آئی تھیں۔

اہل یورپ کی کثرت::

آپ ﷺ نے صحابہ کے سامنے یہ پیشین گوئی کی تھی کہ قیامت جب آئے گی تو روم سب سے زیادہ (۳)۔ہوں گے۔عربوں کے محاورہ میں روم سے مقصود اہل فرنگ یعنی اہل یورپ ہیں۔آج اہل یورپ کی یہ کثرت ہے کہ ان کے وجود سے دنیا کا کوئی گوشہ گوشہ خالی نہیں اور ان کی قوت و طاقت کا دنیا کی کوئی قوم مقابلہ نہیں کر سکتی' یہ پیشین گوئی آج سے ساڑھے تیرہ سو برس پہلے کی گئی تھی اور آج اس کی صداقت آفتاب کی طرح روشن ہے۔

سود کی کثرت::

پہلے وہی لوگ سود کھاتے تھے اور کھا سکتے تھے جو براہ راست اس کا کاروبار کرتے تھے لیکن آپ ﷺ نے پیشین گوئی کی تھی کہ ایک زمانہ ایسا آنے والا ہے جس میں کوئی ایسا نہ ہوگا جو سود نہ کھائے گا اگر وہ براہ راست نہ کھائے گا تو اس کا غبار یا دھواں بھی اڑ کر اس تک ضرور پہنچے گا۔(۴)۔کیا آج وہی زمانہ بعینہٖ نہیں ہے۔آج

کی تجارت اور سوداگری تمام تر سود پر مبنی ہے۔ یہاں تک کہ ہمارے ملک کی ہر چیز جو بازار سے خریدی جاتی ہے وہ بیسیوں سودی معاملوں سے گزر کر ہم تک پہنچتی ہے۔ تمام وہ لوگ جن کی معیشت سرکاری نوکری ہے اور اکثر غیر سرکاری نوکر بھی بنک کے جمع شدہ روپیوں سے معاوضہ حاصل کرتے ہیں اور امراء اور اہل دولت بھی اپنا سرمایہ امانتی منافع سے وصول کرتے ہیں' غرض آج دنیا میں کوئی ایسی چیز نہیں کہی جا سکتی جو تمام تر سود سے پاک اور مبرا ہو اور یہ یورپ کے تمدن کا سب سے بڑا اور سب سے زیادہ عالمگیر اثر ہے' یہ عظیم الشان پیشین گوئی کتنی بڑی صداقت پر مبنی ہے اور جس کو کبھی کوئی انسان صرف قیاس سے اس بلند آہنگی کے ساتھ دنیا کو نہیں سنا سکتا ہے۔

(۱)۔ سنن ابی داؤد باب الزوم السنتہ۔ (۲)۔ مسند احمد جلد اول صفحہ ۱۹ ؛ مصر و ادب المفرد امام بخاری باب تسلیم الخاصہ و مستدرک حاکم و بزار و طبرانی۔ (۳)۔ صحیح مسلم کتاب الفتن۔ (٤)۔ ابوداؤد و نسائی و ابن ماجہ باب الربوا' مسند احمد عن ابی ہریرہؓ۔

یہودیوں سے جنگ::

صحیح مسلم میں ایک حدیث ہے کہ آنحضرت ﷺ نے خبر دی تھی کہ مسلمانوں اور یہودیوں میں ایک عظیم الشان جنگ ہوگی۔ یہودی شکست کھا کر چٹانوں اور درختوں کے پیچھے چھپیں گے تو وہاں بھی ان کو پناہ نہ ملے گی اور ان میں سے آواز آئے گی کہ اے مسلمان دیکھ! یہ یہودی چھپا ہے۔ (۱)۔ اس حدیث کو پڑھتے ہوئے پہلے دل میں خطرہ گزرتا تھا کہ الہٰی! یہودیوں میں نہ تو قوت ہے نہ کوئی ان کی سلطنت ہے' نہ مسلمانوں کے درمیان کہیں ان کی بڑی آبادی ہے' یہ لڑائی کیونکر پیش آئے گی؟ مگر پچھلی جنگ نے اپنے نتیجہ کے طور پر فلسطین میں جو صورت نمایاں کر دی ہے اور عہد نامہ بالفور نے فلسطین کو یہودیوں کا قومی وطن بنانے اور صیہونی تحریک

نے فلسطین کو خالص یہودی ملک بنانے اور بالآخر وہاں یہودی سلطنت قائم کرنے کا جو تہیہ کیا ہے۔اس نے مخبر صادق علیہ السلام کی پیشین گوئی کی صداقت کے منظر کو آنکھوں کے سامنے کر دیا ہے۔

حجاز کا انقطاع مصر، شام اور عراق سے::

صحیح مسلم (۲)۔میں ہے کہ حضرت ابو ہریرہؓ نے بیان کیا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا'عراق نے اپنا نقرئی سکہ (درہم) اور غلہ کا پیانہ (قفیز) روک دیا' شام نے اپنے غلہ کا پیانہ (مد) اور اپنا طلائی سکہ (دینار) روک دیا اور مصر نے اپنے غلہ کا پیانہ (اروب) اور اپنی اشرفی روک دی اور تم وہیں لوٹ گئے جہاں سے چلے تھے'حضرت ابو ہریرہؓ نے کہا اس حدیث کے ارشاد نبوی ﷺ ہونے پر ابو ہریرہؓ کا گوشت اور خون گواہی دیتا ہے۔

اس حدیث میں درحقیقت دو پیشین گوئیاں ہیں ایک یہ مسلمان ان ممالک کو فتح کریں گے اور حجاز کے تعلقات وہاں سے قائم ہوں گے اور اس خشک اور بنجر خطہ کی پرورش ان ہی ہمسایہ علاقوں سے ہوگی اور پھر وہ زمانہ آئے گا جب یہ علاقے الگ ہو جائیں گے اور حجاز پھر ویسا ہی ہو جائے گا جیسا اسلام سے پہلے یا اسلام کے آغاز میں تھا پہلی پیشین گوئی تو حضرت عمر فاروقؓ کے عہد میں پوری ہوئی اور اس وقت سے لے کر تیرہ سو برس تک برابر یہ حالت قائم رہی'حجاز کیلئے ہر قسم کا سامان ان ہی ممالک کی پیداوار سے آتا تھا'مصر و شام سے برابر غلہ قانوناً بھیجا جاتا تھا' سالانہ نذرانے تقسیم ہوتے تھے'بڑی بڑی جائیدادیں وقف تھیں'لیکن ہمارے خیال میں اس دوسری پیشین گوئی کا محل اس زمانہ سے بہتر نہیں ہو سکتا۔تیرہ سو برس کے اندر کبھی ایسا زمانہ پیش نہیں آیا جب حجاز عراق و شام اور مصر سے دفعتاً منقطع ہو گیا ہو۔آج حجاز کی وہی حالت نہیں جو اسلام سے پہلے یا آغاز اسلام میں تھی جب عراق پر ایرانی اور شام و مصر پر رومی حکمران تھے اور خود عرب کے صوبے پراگندہ اور بے نظام تھے

اور ہر قطعہ پر ایک حاکم فرمانروا تھا۔ آج عراق و مصر و فلسطین و بحرین وغیرہ پر انگریز اور شام پر فرانسیسی حکمران ہیں' عرب کے تمام صوبے پراگندہ و بے نظام ہیں اور ہر خطہ پر ایک مستقل فرمانروا ہے اور باہمی آتش جنگ وجدل برپا ہے' ایک کو دوسرے کی ماتحتی سے عار ہے' عراق کا غلہ اور نذرانہ بند ہے' شام کی موقوفہ جائیدادیں فرانسیسیوں نے ضبط کرلیں اور آپ ؐ نے گذشتہ سال سن لیا کہ مصر نے حجاز کے غلہ اور اشرفیوں کا وہ نذرانہ بند کر دیا جو عہد فاروقؓ سے اب تک کبھی بند نہیں ہوا تھا۔

(۱)۔ صحیح مسلم باب الفتن ۔ (۲)۔ ایضاً۔

اہل یورپ سے شام میں جنگ::

صحیح مسلم وغیرہ میں فتن اور آثار قیامت کے سلسلہ میں متعدد حدیثیں ایسی ہیں۔ جن سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ آپ ﷺ نے صاف اور صریح الفاظ میں اپنی امت کو یہ اطلاع دی ہے کہ آخر زمانہ میں دجال کے ظہور اور نزول مسیح سے پہلے ملک شام میں مسلمانوں اور رومیوں کے درمیان عظیم الشان خونی معرکے پیش آئیں گے' گو اس ملک میں ان دونوں کے درمیان صلیبی جنگوں نے اس قسم کے سینکڑوں خونی معرکے پیش کئے ہیں مگر جنگ عظیم نے شام کی جو صورت حال پیدا کر دی ہے اس سے یہ واضح ہوتا ہے کہ یہ تمام واقعات آنے والے خونی معرکوں کی تقریب وتمہید ہیں۔

مسلمانوں کے خلاف تمام دنیا کی قومیں اٹھ کھڑی ہونگی::

ابوداؤد(۱)۔ اور بیہقی میں ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا۔ قریب ہے کہ قومیں تم پر حملہ کرنے کے لئے ایک دوسرے کو اس طرح پکاریں گی (یعنی تم پر متحدہ حملہ کریں) جس طرح کھانے والے کھانے کے پیالہ پر گرتے ہیں۔ حاضرین میں سے ایک نے پوچھا کہ یا رسول اللہ! کیا یہ اس لئے کہ اس زمانہ میں ہم مسلمانوں کی تعداد کم ہو جائے گی۔ فرمایا نہیں' تمہاری تعداد ان دنوں بہت بڑی ہو گی لیکن تم ایسے ہو جاؤ گے جیسے سیلاب کی سطح پر کف اور خس وخاشاک ہوتا ہے کہ (سیلاب ان کو بہائے

لئے جاتا ہے) اللہ تعالیٰ تمہارے دشمنوں کے دلوں سے تمہارا رعب دور کردے گا اور تمہارے دلوں میں کمزوری ڈال دے گا، کسی نے پوچھا کہ یا رسول اللہ! وہ کمزوری کیا ہوگی؟ فرمایا۔ دنیا (فوائد دنیا کی محبت اور موت سے کراہت۔) موجودہ دنیائے اسلام کے پیش نظر تاریخ میں کیا حرف حرف اس کی تصدیق نہیں؟

(۱)۔ کتاب الملاحم۔

IqbalCyberLibrary.Net
All rights reserved.
©2002-2006

معجزات نبوی ؐ کے متعلق غیر مستند روایات

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے معجزات کے متعلق جو جھوٹی اور بے سروپا روایتیں مسلمانوں میں مشہور ہوگئی ہیں۔ضرورت نہ تھی کہ اس کتاب میں ان کو کسی حیثیت سے جگہ دی جائے۔مگر چونکہ عام ناظرین کے دلوں میں ان کو اس کتاب میں نہ پاکر مختلف قسم کے شبہے پیدا ہوں گے'اس لئے صرف ان کی تسکین اور کشف حقیقت کی خاطر ان روایتوں سے بھی اس کتاب میں تعرض کرنا ضروری پڑا' یہ روایتیں زیادہ تر کتب دلائل میں ہیں'یعنی ان کتابوں میں ہیں جن کو لوگوں نے عام حدیث کی کتابوں سے الگ کرکے صرف آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے معجزات کے ذکر وتفصیل میں لکھا ہے!

یہی کتابیں ہیں جنھوں نے معجزات کو جھوٹی اور غیر مستند روایتوں کا ایک انبار لگا دیا ہے اور ان ہی سے میلاد و فضائل کی تمام کتابوں کا سرمایہ مہیا کیا گیا ہے' خوش اعتقادی اور عجائب پرستی نے ان غلط معجزات کو اس قدر شرف قبول بخشا کہ ان کے پردہ میں آپ کے تمام صحیح معجزات چھپ کر رہ گئے اور حق و باطل کی تمیز مشکل ہوگئی' حالانکہ اس تمام ذخیرہ سے کتب صحاح اور خصوصاً بخاری ومسلم یکسر خالی ہیں' لیکن تیسری اور چوتھی صدی میں اس موضوع پر جو کتابیں لکھی گئی ہیں وہ اس درجہ سے بے احتیاطی کے ساتھ لکھی گئیں کہ محدثین ثقات نے ان کو بیشتر ناقابل اعتبار قرار دیا۔ کتب دلائل کے ان مصنفین کا مقصد معجزات کی صحیح روایات کو یکجا کرنا نہیں بلکہ کثرت سے عجیب وحیرت انگیز واقعات کا مواد فراہم کرنا تھا' تاکہ خاتم المرسلین ؐ کے فضائل ومناقب کے ابواب میں متعدد اضافہ ہو سکے بعد کو جو احتیاط پسند محدثین آئے مثلاً زرقانی وغیرہ' وہ ان روایات کے نقل کرنے کے ساتھ ساتھ ان کی تردید اور تضعیف بھی کرتے گئے' لیکن جو چیز اس وسعت کے ساتھ پھیل گئی ہو جو اسلامی لٹریچر کا ایک جزو بن گئی ہو جو اس کے رگ وپے میں سرایت کرگئی ہو' اس کے لئے

صرف اس قدر کافی نہیں بلکہ وہ مزید تنقید کی محتاج ہے خصوصاً اس لئے کہ ہمارے ملک میں میلاد کی مجلسوں میں جو بیانات پڑھے جاتے ہیں وہ تمام تر ان ہی بے بنیاد روایتوں سے بھرے ہوتے ہیں۔

اس تنقید کے تین حصے ہو سکتے ہیں۔ (۱) اصول روایت کی بنا پر ان کتابوں کا اور محدثین میں ان کے مصنفوں کا درجہ کیا ہے؟ (۲) ان کتابوں میں جو غلط موضوع اور ضعیف معجزات مذکور ہیں ان کے پیدا ہونے کے اسباب کیا ہیں؟ (۳) کتابوں کے خاص خاص مشہور اور زبان زد معجزات کی روایتی حیثیت کیا ہے؟

کتب دلائل اور ان کے مصنفین کا درجہ::

علمائے اسلام نے روایات کی تنقید اور ان کے اصول کے منضبط کرنے میں جو کوششیں کی ہیں اور جو خدمات انجام دی ہیں ان کی پوری تفصیل کتاب کے مقدمہ میں گزر چکی ہے۔ اسی سلسلہ میں یہ بات بھی ضمناً آ گئی ہے کہ ان روایات کی جانچ اور تنقید میں جن کا تعلق احکام فقہی سے ہے' محدثین نے جو سختی اور شدت اختیار کی ہے وہ مناقب اور فضائل کے باب میں نہیں کی ہے' چنانچہ علم حدیث کے بڑے بڑے اماموں نے اعلانیہ اس کا اعتراف کیا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ آیات قرآنی کے الگ الگ فضائل' نام بنام تمام خلفاء کے مناقب' مقامات اور شہروں کے محامد اور اعمال انسانی کے مبالغہ آمیز ثواب وعقاب کے بیانات آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے متعلق کاہنین عرب کی پیشین گوئیاں اور اشعار اور عجیب وغریب غیر صحیح فضائل معجزات اور برکات وغیرہ کا یہ بے پایاں دفتر روایات میں موجود اور کتابوں میں مدون ہے۔

یہ روایات زیادہ تر تیسرے اور چوتھے درجہ کی کتب حدیث میں پائی جاتی ہیں' تیسرے درجہ میں بقول شاہ ولی اللہ صاحبؒ یہ کتابیں ہیں۔ (۱)۔

مسند ابویعلی' مصنف عبدالرزاق' مصنف ابی بکر ابن شیبہ' مسند عبد

بن حمید' مسند طیالسی' بیہقی' طحاوی' اور طبرانی کی تصنیفات' ان میں سچی جھوٹی' اچھی بری' قوی' ضعیف ہر قسم کی حدیثیں پہلو بہ پہلو درج ہیں اور چوتھے درجہ میں وہ کتابیں ہیں جن کے مصنفین صدیوں کے بعد پیدا ہوئے' انہوں نے چاہا کہ اول اور دوم درجوں میں جو روایتیں داخل نہیں کی گئی تھیں ان کو ایک جگہ جمع کر دیں' یہ روایتیں ان لوگوں کی زبانوں پر تھیں جن کی روایتوں کو حدیث کے اماموں نے قلمبند کرنا پسند نہیں کیا تھا اور قصہ گو واعظین محض ان سے رونق محفل کا کام لیتے تھے' اسرائیلیات اقوال حکماء اشارات حدیث' قصص و حکایات اور روایات نامعتبر کو انہوں نے حدیث کا درجہ دے کر کتابوں کے اوراق میں مدون کر دیا' کتاب الضعفا' لابن حبان کامل لابن عدی اور خطیب' ابونعیم' جوزقانی' ابن عساکر' ابن نجار اور دیلمی کی تصنیفات کا اسی طبقہ میں شمار ہے۔

اس تفصیل کے بعد شاہ صاحبؒ فرماتے ہیں' صرف اول اور دوم درجہ کی کتابوں پر (یعنی صحاح ستہ) پر محدثین کا اعتماد ہے اور ان ہی پر ان کا مدار ہے' تیسرے درجہ کی کتابوں سے وہی لوگ فائدہ اٹھا سکتے ہیں جو فن کے ناقد اور جوہری ہیں' جن کو اسماء الرجال پر عبور اور علل حدیث سے واقفیت ہے' غرض جو صحیح اور غلط اور خطا و صواب میں کامل امتیاز رکھتے ہیں' چوتھے طبقہ کی کتابوں کو جمع اور تدوین کرنا اور ان کو کام میں لانا متاخرین کی ایک قسم کی بے فائدہ کی کاوش فکر ہے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے آیات و دلائل پر جو مستقل کتابیں لکھی گئی ہیں ان میں سے کچھ تیسرے طبقہ میں اور بقیہ تمام تر چوتھے طبقہ کی کتابوں میں داخل ہیں۔ متاخرین نے عام طور سے یہ سرمایہ جن کتابوں سے حاصل کیا ہے وہ طبری' طبرانی' بیہقی' دیلمی' بزار اور ابونعیم اصفہانی کی تصنیفات ہیں' حافظ قسطلانی نے ان ہی روایات کو تمیز اور نقد کے بغیر مواہب لدنیہ میں داخل کیا ہے اور معین فراہی نے ان کو معارج النبوہ میں فارسی زبان میں اس آب و رنگ سے بیان کیا کہ یہ روایتیں گھر گھر پھیل گئیں اور عوام نے اس شیفتگی اور وارفتگی کے ساتھ ان کو قبول کیا کہ اصلی

اور صحیح معجزات اور آیات بھی اس پردہ میں چھپ کر رہ گئے۔

مواھب لدنیہ اور معارج النبوہ وغیرہ کا سرمایہ جن کتابوں سے ماخوذ ہے وہ حسب ذیل ہیں:

(۱)۔ حجتہ اللہ البالغہ باب طبقات کتب الحدیث۔

کتاب الطبقات لابن سعد' سیرت ابن اسحاق' دلائل النبوہ ابن قیتبہ المتوفی ۲۷۶ھ' دلائل النبوہ ابواسحاق حربی المتوفی ۲۵۵ھ' شرف المصطفٰے' ابوسعید' عبدالرحمن حسن اصفہانی المتوفی ۳۰۷' تاریخ وتفسیر ابوجعفر بن جریر طبری المتوفی ۳۱۰ھ مولہ یحیٰی بن عائذ' دلائل النبوہ جعفر ابن محمد مستغفری المتوفی ۴۳۲ھ دلائل النبوہ ابوالقاسم اسماعیل اصفہانی المتوفی ۵۳۵ھ تاریخ دمشق ابن عساکر المتوفی ۵۷۱ھ لیکن متاخرین میں ان روایات کا سب سے بڑا خزانہ دو کتابیں ہیں' کتاب الدلائل ابونعیم اصفہانی المتوفی ۴۳۰ھ اور کتاب الدلائل امام بیہقی المتوفی ۴۴۰ھ

ان بزرگوں کے بذات خود معتبر اور مستند ہونے میں کسی کو کم کلام ہے' جو کچھ کلام ہے وہ اس میں ہے کہ انہوں نے ہر قسم کے راویوں سے ہر قسم کی روایتیں اور نقد اور تمیز کے بغیر اخذ کیں اور ان کو کتابوں کے اوراق میں مدون کر دیا اور عام لوگوں نے ان مصنفین کی عظمت اور جلالت کو دیکھ کر ان روایتوں کو قبول کر لیا' حالانکہ ان میں نہ صرف ضعیف اور کمزور بلکہ موضوع حدیثیں تک موجود ہیں اور ان کے سلسلہ روایت میں ایسے راوی آتے ہیں جن کو محدثین کے دربار میں صف نعال میں بھی جگہ نہیں مل سکتی۔ ان مصنفین نے یہ سمجھ کر کہ چونکہ ہر قسم کا سلسلہ روایت لکھ دیا گیا ہے اور لوگ اس سلسلہ روایت کو دیکھ کر صحیح اور غلط' سچی اور جھوٹی روایت کا خود فیصلہ کر لیں گے ان روایتوں کی تدوین میں ضروری احتیاطیں مدنظر رکھیں' یا یوں کہو کہ عشق نبوی ﷺ نے فضائل ومناقب کی کثرت کے شوق میں ہر قسم کی روایتوں کے قبول کرنے پر ان کو آمادہ کر دیا' حالانکہ خود اسی جذبہ عشق اور اسی ولولہ شوق نے ثقات محدثین اور علم حدیث کے اکابر کو روایتوں اور راویوں کے نقد اور بحث میں اس

قدر سخت گیر بنا دیا تھا کہ وہ ایک لفظ بھی تحقیق اور کاوش کے بغیر آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف منسوب کرنا گناہ عظیم سمجھتے تھے اور من کذب علی متعمدا کی دار و گیر سے ہمیشہ ڈرتے اور کانپتے رہتے تھے۔محدث ابن مندہ نے کتاب الدلائل کے مصنف حافظ ابونعیم اصفہانی کی نسبت نہایت سخت الفاظ استعمال کیے ہیں' علامہ ذہبی میزان الاعتدال میں ان دونوں معاصرین کے درمیان محاکمہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

لا اعلم لھما ذنبا اکثر من روایتھما الموضوعات ساکتین عنھا۔(ترجمہ ابونعیم)

مجھے ان دونوں کا اس سے زیادہ کوئی گناہ معلوم نہیں کہ وہ موضوع روایتوں کو خاموشی کے ساتھ روایت کر جاتے ہیں۔

لیکن ثقات محدثین کی بارگاہ میں یہ کوئی معمولی گناہ ہے؟ یہی ان کی خاموشی خدا انہیں معاف کرے آج ہزاروں لاکھوں مسلمانوں کی گمراہی کی بنیاد بن گئی ہے۔

اس سے زیادہ مصیبت یہ ہے کہ ہمارے علمائے رجال نے زیادہ تر ان راویوں کی بحث وتدقیق کی ہے جو پہلی تین صدیوں میں تھے' اس لئے چوتھی اور پانچویں صدی کے رواہ اور رجال کے نام ونشان ہماری موجودہ اسماء الرجال کی کتابوں میں بہت کم ملتے ہیں' اگر تراجم وانساب میں ان کے کچھ حالات مل جاتے ہیں تو محدثانہ حیثیت سے ان پر نقد وتبصرہ نہیں ملتا' اس لئے ان بزرگوں کے شیوخ اور راویوں میں مجہول الحال اشخاص کی بھی کمی نہیں اس بنا پر ان کتابوں کی روایتوں کی تنقید کرنا نہایت مشکل ہے۔

اسلام میں میلاد کی مجلسوں کا رواج غالبا چھٹی صدی سے ہوا ہے۔(۱)۔تتبع سے یہ ثابت ہوا کہ ان روایتوں کا بڑا حصہ ان ہی کتابوں کے ذریعہ سے پھیلا ہے جو ان مجالس کی غرض سے وقتا فوقتا لکھی گئیں اور جن کے بکثرت حوالے مواہب لدنیہ میں جابجا آتے ہیں۔

علامہ سیوطی کی خصائص کبریٰ جو حیدرآباد میں چھپ گئی ہے۔ معجزات کے موضوع پر سب سے زیادہ مبسوط اور جامع تالیف ہے' علامہ ممدوح نے صحاح ستہ کے علاوہ احمد سعید' ابن منصور' طیالسی' ابن ابی شیبہ' حاکم' ابو یعلی بلکہ ان سے بھی فروتر' بیہقی' ابونعیم' بزار' ابن سعید' طبرانی' دارمی بلکہ غیر محتاط مصنفوں مثلاً ابن ابی الدنیا ابن شاہین' ابن ابی البخار' ابن مندہ' ابن مردویہ' ابن عساکر' دیلمی' خرائطی' خطیب وغیرہ کی کتابوں کو اپنا ماخذ بنایا۔ قوی اور ضعیف اور صحیح و غلط ہر قسم کے واقعات کا انبار لگا دیا اور مختلف دفتروں میں جو کچھ پھیلا تھا' ان کو خصائص کی دو جلدوں میں یکجا کر دیا' تاہم مصنف کو یہ فخر ہے جیسا کہ دیباچہ میں تصریح کی ہے کہ اس تالیف میں موضوع اور بے سند روایتوں سے اگرچہ احتراز کیا گیا ہے لیکن ضعیف روایتیں جن کی سندیں ہیں وہ داخل کر لی گئی ہیں۔

غور کے قابل امر یہ ہے کہ بلا امتیاز بھلی بری کسی سند کا موجود ہونا' روایت کی معتبری کی حجت کیونکر ہو سکتی ہے؟ اس سے زیادہ یہ کتاب ہے کہ کتاب میں صحیح و غلط' قوی اور ضعیف' مشہور و منکر ہر قسم کی روایتوں کو ان کے درجہ اور مرتبہ کے ذکر کے بغیر پہلو بہ پہلو وہ لکھتے چلے گئے ہیں۔ اس لئے عام ناظرین کو یہ پتہ نہیں لگتا کہ اس انبار خانہ میں جہاں جواہرات خزانہ ہے وہیں خزف ریزوں کا بھی ڈھیر لگا ہے۔ پوری کتاب میں شاید دس بیس مقام سے زیادہ نہیں جہاں مصنف نے اپنی روایتوں کے درجہ استناد کا پتہ دیا ہو' اس سے زیادہ یہ کہ بعض واقعات کے متعلق باوجود ان کی شدید روایت پرستی کے' ان کو بہ تحقیق معلوم تھا کہ صحیح نہیں تاہم چونکہ وہ پہلی کتابوں میں مندرج تھے' ان کی نقل سے احتراف نہیں کیا' چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ولادت کے موقع پر عام کتب میلاد میں جو عجیب و غریب واقعات مذکور ہیں ان کو بتمامہا دلائل ابونعیم سے نقل کر کے آخر میں لکھتے ہیں:

هذا الاثر والاثران قبله فيها نكارة شديدة ولم
اورد في كتابي هذا اشد نكارة منها ولم تكن

موضوع ہے۔

محدث صابونی نے معجزہ کی ایک روایت لکھ کر پھر خود ہی اس پر جرح کی ہے اس کی سند اور متن دونوں غریب ہیں' بایں ہمہ وہ اس کے متعلق آخری رائے یہ ظاہر کرتے ہیں کہ:

هو فی العجزات حسن (۱)۔

معجزات میں وہ حسن (اچھی) ہے۔

اس پر علامہ زرقانی شرح مواہب میں لکھتے ہیں۔

لان عادت المحدثین التساهل فی غیر الاحکام و العقائد(ج ۱ ص ۱۷۲)

یہ اس لئے کہ محدثین کی عادت ہے کہ عقائد اور احکام کے علاوہ دیگر روایتوں میں وہ نرمی برتتے ہیں۔

فضائل! ضرور ہے کہ آپ ﷺ کی طرف جس چیز کی نسبت بھی کی جائے وہ شک و شبہ سے پاک ہو' جیسا کہ امام نووی' حافظ عسقلانی ابن جماعۃ' طیبی' بلقینی' اور علامہ عراقی نے اپنی اپنی تصنیفات میں اس کی تصریح کی ہے۔(۲)۔

معجزات کے متعلق غلط اور موضوع روایتوں کے پیدا ہونیکے اسباب::

(ا) ان روایتوں کے پیدا ہونے کا بڑا سبب یہ ہے کہ مقبولیت عام کی بناء پر یہ کام واعظوں اور میلا دخوانوں کے حصہ میں آیا' چونکہ یہ فرقہ علم سے عموماً محروم ہوتا ہے اور صحیح روایات تک اس کی دسترس نہیں ہوتی اور ادھر گرمی محفل اور شور احسنت کے لئے اس کو دلچسپ اور عوام فریب باتوں کے بیان کرنے کی ضرورت پیش آتی۔ اس لئے لامحالہ ان کو اپنی قوت اختراع پر زور دینا پڑا' ان میں جو کسی قدر محتاط تھے انہوں نے ان کو لطائف صوفیانہ اور مضامین شاعرانہ میں ادا کیا' سننے والے نے ان کو

روایت کی حیثیت دے دی یا بعد کو ان ہی بیانات نے روایت کی حیثیت اختیار کر لی اور جو نڈر اور بے احتیاط تھے انہوں نے یہ پردہ بھی نہیں رکھا بلکہ ایک سند جوڑ کر انہوں نے براہ راست اس کو حدیث وخبر کا مرتبہ دے دیا' حافظ سیوطی علامہ ابن جوزی کی کتاب الموضوعات کے حوالہ سے لکھتے ہیں:

احدهما القصاصر فی البلا منهم یجری لانهم یریدون احادیث تنفق و ترفق والصحاح یقل فیه هذا ثم ان الحنظ یشن علیهم

جھوٹی حدیثیں بنانے والوں میں ایک واعظوں کا گروہ ہے اور سب سے بڑی مصیبت ان ہی سے پیش آتی ہے کیونکہ وہ ایسی حدیثیں چاہتے ہیں جو مقبول عام اور

(۱)۔ زرقانی ج ۱ صفحه ۱۷۳ و خصائص ج ۱ صفحه ۵۳ (۲)۔ دیکھو مرضاعات ملا علی قاری صفحه ۹ مجتبائی دهلی۔

و یتفق عدم الدین وهم یحضرهم جمال۔ (آخر کتاب اعلانی المصنوعه صفحه ۲۴۹)

موثر ہوسکیں اور صحیح حدیثوں میں یہ بات نہیں اس کے علاوہ صحیح حدیثوں کا یاد رکھنا ان کو مشکل ہے اس کے ساتھ ان میں دینداری نہیں ہوتی اور ان کی محفلوں میں جاہلوں ہی کا مجمع ہوتا ہے۔

چنانچہ فضائل و مناقب' عذاب وثواب' بہشت و دوزخ' وقائع میلاد اور معجزات و دلائل کا جو جعلی دفتر پیدا ہو گیا ہے وہ زیادہ تر ان ہی جاہلوں کا ترتیب دیا ہوا ہے۔

علامہ ابن قتیبہ المتوفی ۲۷۶ھ تاویل مختلف الحدیث میں جو اب مصر میں چھپ گئی ہے کہتے ہیں کہ احادیث و روایات میں فساد تین راستوں سے آیا' منجملہ ان کے ایک راستہ واعظین ہیں۔

والقصاص فانهم یمیلون وجوه العوام الیهم ویستدرون ما عنهم بالمناکیر و الغرائب و الا کاذیب من الاحادیث ومن شان العوام القعود

عندالقاص ما كان حديثه عجيبا خارجا عن فطر العقول او كان رفيقا يحزن القلوب و يستفرز العيون۔(صفحه ۲۵۶)

اور واعظین کیونکہ وہ عوام کا رخ اپنی طرف پھیرنا چاہتے ہیں اور جو کچھ ان کے پاس ہے اس کو لغو' منکر اور عجیب وغریب باتیں بیان کر کے وہ وصول کرتے ہیں اور عوام کی حالت یہ ہے کہ وہ اسی وقت تک ان واعظین کے پاس بیٹھتے ہیں جب تک وہ خارج از عقل باتیں یا ایسی موثر باتیں بیان کرتے ہیں جو ان کے دلوں میں اثر پیدا کریں اور ان کو رلائیں۔

آپ ؐ کی برتری اور جامعیت کا تخیل::

(۲) ان روایات کے پیدا ہونے کا دوسرا سبب یہ ہوا کہ مسلمانوں کے نزدیک آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم افضل الانبیاء ہیں' آپ ﷺ کامل ترین شریعت لے کر مبعوث ہوئے ہیں' آپ ﷺ تمام محاسن کے جامع ہیں' یہ اعتقاد بالکل صحیح ہے' لیکن اس کو لوگوں نے غلط طور پر وسعت دے دی ہے اور انبیائے سابقین کے تمام معجزات کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذات میں جمع کر دیا اور وہ اس اعتقاد کی بدولت تمام مسلمانوں میں پھیل گئے' بیہقی اور ابونعیم نے دلائل میں اور سیوطی نے خصائص میں اعلانیہ دوسرے انبیاء کے معجزات کے مقابل میں ان ہی کے مثل آپ ﷺ کے معجزات بھی ڈھونڈ ڈھونڈ کر نکالے ہیں اور ثابت کرنا چاہا ہے کہ جس طرح آپ ﷺ کی تعلیم تمام انبیاء کی تعلیمات کا اثر خلاصہ اور مجموعہ ہے' اسی طرح آپ ﷺ کے معجزات بھی تمام دیگر انبیاء کے معجزات کا مجموعہ ہے اور جو کچھ جام انبیاء سے متفرق طور پر صادر ہوا وہ تمام کا تمام مجموعا آپ ﷺ سے صادر ہوا۔ ظاہر ہے کہ اس مماثلت اور مقابلے کے لئے تمام تر صحیح روایتیں دستیاب نہیں ہو سکتیں اس لئے لوگوں نے ان ہی ضعیف اور موضوع روایتوں کے دامن میں پناہ لی'

کہیں شاعرانہ تخیل کی بلند پروازی اور نکتہ آفرینی سے کام لیا' مثلاً حضرت آدمؑ کو اللہ تعالیٰ نے تمام اسماء کی تعلیم کی' دیلمی نے مسند الفردوس میں روایت کی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو بھی تمام اسماء کی تعلیم دی' حضرت ادریسؑ کے متعلق قرآن میں ہے کہ خدا نے ان کو بلند جگہ میں اٹھایا' لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بلندی اس سے بھی آگے قاب قوسین تک ہوئی' حضرت نوحؑ کی طوفان کی دعا اگر قبول ہوئی تو آپ ﷺ کی قحط کی دعا قبول ہوئی' حضرت صالحؑ کے لئے اونٹنی معجزہ تھی تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اونٹ نے باتیں کیں' حضرت ابراہیمؑ آگ میں نہ جلے' آپ ﷺ سے بھی آتشیں معجزے صادر ہوئے۔ حضرت اسماعیلؑ کے گلے پر اگر چھری رکھی گئی تو آپ ﷺ کا سینہ بھی چاک کیا گیا' حضرت یعقوبؑ سے بھیڑیئے نے گفتگو کی' روایت کی گئی ہے کہ آپ ﷺ سے بھی بھیڑیا ہم کلام ہوا' ابونعیم میں حکایت ہے کہ حضرت یوسفؑ کو حسن کا آدھا حصہ عطا کیا گیا لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو پورا حصہ دیا گیا' حضرت موسیٰؑ کے لئے پتھر سے نہریں جاری ہوئیں تو آپ ﷺ کی انگلیوں سے پانی بہا' حضرت موسیٰؑ کی لکڑی معجزہ دکھاتی تھی تو آپ ﷺ کے فراق میں چھوہارے کا درخت بھی رویا اور چھوہارے کی خشک ٹہنی تلوار بن گئی' حضرت موسیٰؑ کے لئے بحراحمر شق ہوا تو آپ ﷺ کے لئے معراج میں آسمان و زمین کے درمیان کا دریائے فضا بیچ سے پھٹ گیا۔ یوشعؑ کے لئے آفتاب ٹھہر گیا تو آپ ﷺ کے اشارے سے آفتاب ڈوب کر نکلا' حضرت عیسیٰؑ نے گہوارہ میں کلام کیا تھا' یہ روایت وضع کی گئی کہ آپ ﷺ نے بھی گہوارے میں کلام کیا اور آپ ﷺ کی زبان سے پہلے تکبیر و تسبیح کی صدا بلند ہوئی۔

حضرت عیسیٰؑ کا سب سے بڑا معجزہ مردوں کو زندہ کرنا ہے اور صرف ان ہی کے ساتھ مخصوص ہے لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف بھی یہ معجزہ منسوب کیا

یا ایک روایت میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک شخص کو اسلام کی دعوت دی اس نے کہا جب تک آپ ﷺ میری لڑکی زندہ نہ کردیں گے میں ایمان نہ لاؤں گا چنانچہ آپ ﷺ نے اس کی قبر پر جا کر آواز دی اور وہ زندہ نکل کر باہر آئی اور پھر چلی گئی اسی طرح یہ روایت بھی گھڑی گئی ہے کہ آپ ﷺ کی والدہ بھی آپ ﷺ کی دعا سے زندہ ہوئیں اور آپ ﷺ پر ایمان لائیں۔

(۳) قرآن مجید اور احادیث صحیحہ سے ثابت ہے کہ انبیاء کے گذشتہ صحیفوں میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ظہور کی پیشین گوئیاں ہیں اور ان کے مطابق یہود و نصاریٰ کو ایک آنے والے پیغمبر کا انتظار تھا اس واقعہ کو دروغ گو راویوں نے یہاں تک وسعت دی کہ یہودیوں کو دن تاریخ سال وقت اور مقام سب کچھ معلوم تھا۔ چنانچہ ولادت نبوی ﷺ سے قبل علمائے یہود ان سب کا پتہ بتایا کرتے تھے اور عیسائی راہبوں کو تو ایک ایک خط و خال معلوم تھا بلکہ پرانے گھرانوں اور ویرانوں اور کینسوں میں ایسی مخص کتابیں موجود تھیں جن میں آپ ﷺ کا تمام حلیہ رکھا تھا اور اگلے لوگ ان کو بہت بہت چھپا کر رکھتے تھے بلکہ بعض دیروں میں تو آپ ﷺ کی تصویر تک موجود تھی تورات و انجیل میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے متعلق بعض پیشین گوئیاں حقیقت میں موجود تھیں اور وہ آج بھی ہیں لیکن وہ استعارات و کنایات اور مجمل عبارتوں میں ہیں ان کو ضعیف و موضوع روایتوں میں صاف صاف آپ ﷺ کے نام و مقام کی تخصیص و تعیین کے ساتھ پھیلایا گیا۔

عرب میں بت خانوں کے مجاور اور کاہن تھے جو فال کھولتے تھے اور پیشین گوئیاں کرتے تھے ان کا ذریعہ علم جنات اور شیاطین تھے۔ چنانچہ جب آپ ﷺ کے قرب ولادت کا زمانہ آیا تو عموماً بت خانوں سے اور بتوں کے پیٹ سے آوازیں سنائی دیتی تھیں کاہن مقفی اور مسجع فقروں میں جنات شعروں میں یہ خبر سنایا کرتے تھے کہ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پیدائش کا زمانہ قریب آ گیا۔ یمن کے ایک بادشاہ

کی طرف آپ ﷺ کی منقبت میں پورا ایک قصیدہ منسوب کیا گیا' ملوک یمن شاہان فارس اور قریش کے اکابر نے آپ ﷺ کو خواب میں دیکھا' پتھروں پر اسم مبارک لوگوں کو منقوش نظر آتا تھا۔ قریش کا مورث اعلیٰ کعب بن لوئی ہر جمعہ کو اپنے قبیلہ کے لوگوں کو یکجا کر کے ان کے سامنے خطبہ دیتا تھا جس میں مسجع فقروں اور شعروں میں آپ ﷺ کے ظہور کی خوشخبری ہوتی تھی۔ مکہ کے لوگ احبار اور راہبوں کی زبان سے محمد آپ کا نام سن کر اپنے بچوں کا یہی نام رکھتے تھے کہ شاید یہی پیغمبر ہو جائے' مدینہ کے لوگوں کو ان ہی یہودیوں کی زبانی یہ معلوم ہو چکا تھا کہ شہر یثرب آپ ﷺ کا دارالہجرت ہوگا اسی لئے وہ آپ ﷺ کے ورود کے منتظر تھے' سطیح کاہن کا آپ ﷺ کی پیشین گوئی میں ایک طویل افسانہ ہے لیکن اس دفتر کا بڑا حصہ موضوع اور جعلی ہے اور باقی نہایت ضعیف اور کمزور ہے اور ان میں جو ایک آدھ صحیح ہے وہ پہلے گزر چکا ہے۔

شاعرانہ تخیل کو واقعہ سمجھ لینا::

(۴) آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پیدائش عالم کی رحمت کا باعث تھی' اس لئے کائنات کا فخر و نازل اس پر بجا ہو سکتا ہے' اگلے واعظوں اور میلا دخانوں نے اس واقعہ کو شاعرانہ انداز میں اس طرح ادا کیا کہ آمنہ کا کاشانہ نور سے معمور ہو گیا' جانور خوشی سے بولنے لگے' پرندے تہنیت کے گیت گانے لگے۔ مغرب کے چرندوں اور پرندوں نے مشرق کے چرندوں اور پرندوں کو مبارک باد دی' مکہ کے سوکھے درختوں میں بہار آ گئی' ستارے زمین پر جھک گئے' آسمانوں کے دروازے کھل گئے' فرشتوں نے ترانہ مسرت بلند کیا' انبیاء نے روئے روشن کی زیارت کی' فرشتوں نے بچہ کو آسمان و زمین کی سیر کرائی' شیطانوں کی فوج پابہ زنجیر کی گئی' پہاڑ غرور سے اونچے ہو گئے' دریا کی موجیں خوشی سے اچھلنے لگیں' درختوں نے سبزی کے نئے جوڑے پہنے' بہشت و جنت کے ایوان نئے سروسامان سے سجائے گئے وغیرہ' بعد کے واعظوں اور

میلاد خوانوں نے اس شاعرانہ انداز بیان کو واقعہ سمجھ لیا اور روایت تیار ہوگئی۔

آئندہ واقعات کو اشارات میں ولادت کے موقع پر بیان کرنا::

(۵) آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے عہد رسالت میں یا بعد کو جو واقعات ظہور پذیر ہوئے ان کا وقوع آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ولادت کے زمانہ میں تسلیم کر لیا گیا ہے' اور ان کو بحیثیت معجزہ کے آئندہ واقعات کا پیش خیمہ بنا لیا گیا ہے۔ مثلاً آپ ﷺ کے زمانہ میں بت پرستی کا استیصال ہوگیا' کسریٰ وقیصر کی سلطنتیں فنا ہوگئیں' ایران کی آتش پرستی کا خاتمہ ہوگیا' شام کا ملک فتح ہوا' ان واقعات کو معجزہ اس طرح بنایا گیا کہ جب آپ ﷺ کی ولادت ہوئی تو کعبہ کے تمام بت سرنگوں ہوگئے' قصر کسریٰ کے کنگرے ہل گئے' آتش کدہ فارس بجھ کر رہ گیا' نہر ساوہ خشک ہوگئی' ایک نور چمکا جس سے شام کے محل نظر آنے لگے۔

(۶) بعض واقعات ایسے ہیں جن کو کسی حیثیت سے معجزہ نہیں کہا جا سکتا ہے لیکن تکثیر معجزات کے شوق میں ذرا سا بھی کسی بات میں عجوبہ پن ان کو نظر آیا تو اس کو مستقل معجزہ بنا لیا۔ مثلاً حضرت عائشہؓ سے ایک روایت ہے اور وہ مسند امام احمد بن حنبل میں بھی مذکور ہے کہ آپ ﷺ کے گھر میں کوئی پالتو جانور تھا' جب آپ ﷺ اندر تشریف لاتے تو وہ نہایت سکون و اطمینان کے ساتھ ایک جگہ بیٹھا رہتا تھا' جب آپ ﷺ باہر چلے جاتے تو وہ ادھر ادھر دوڑنے لگتا تھا' اس سے ثابت ہوتا ہے کہ حیوانات کو بھی آپ ﷺ کی جلالت قدر اور حفظ مراتب کا پاس تھا اور آپ ﷺ کی عظمت وشان سے واقف تھے' لیکن درحقیقت یہ کوئی معجزہ نہیں بلکہ عام لوگوں سے بھی بعض جانور اسی طرح ہل مل جاتے ہیں۔

صحیح بخاری ومسلم میں ہے کہ حضرت جابرؓ سخت بیمار تھے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان کی عیادت کو گئے تو وہ بے ہوش تھے' آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے وضو کر کے ان کے منہ پر پانی چھڑکا تو ان کو ہوش آ گیا' یہ ایک معمولی واقعہ ہے مگر کتب

دلائل کے مصنفین نے اس کو بھی معجزہ قرار دے دیا ہے۔(۱)۔

اسی طرح یہ روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مختون پیدا ہوئے تھے۔ یہ روایت متعدد طریقوں سے مروی ہے، مگر ان میں سے کوئی طریقہ بھی ضعف سے خالی نہیں ہے، حاکم مستدرک میں لکھا ہے کہ آپ ﷺ کا مختون پیدا ہونا متواتر روایتوں سے ثابت ہے اس پر علامہ ذہبی نے تنقید کی ہے کہ تواتر تو کجا صحیح طریقہ سے ثابت بھی نہیں (مستدرک ۲ باب اخبار النبی) اور بقول علامہ ابن قیم (زادالمعاد) اگر یہ ثابت بھی ہو تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی کوئی فضیلت نہیں ہے کیونکہ ایسے بچے اکثر پیدا ہوئے ہیں۔

روایات صحیحہ میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب دعا کے لئے ہاتھ اٹھاتے تھے یا سجدہ میں جاتے تھے تو آپ ﷺ کی بغل کی سپیدی نظر آتی تھی، یہ ایک معمولی بات ہے مگر محب طبری، قرطبی اور سیوطی وغیرہ نے اس کو بھی معجزہ اور آپ ﷺ کا خاصہ قرار دے دیا ہے۔

معجزات کی تعداد بڑھانے کے شوق میں کتب دلائل کے مصنفین نے یہ بھی کہا ہے کہ ایک ہی واقعہ کی روایت میں اگر مختلف سلسلہ سند کے راویوں میں باہم موقع، مقام یا کسی اور بات میں ذرا سا بھی اختلاف نظر آیا تو اس کو چند واقعہ قرار دے دیا، مثلاً ایک واقعہ یہ ہے کہ ایک اونٹ جو دیوانہ ہو گیا تھا یا بگڑ گیا تھا آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب اس کے پاس گئے تو اس نے مطیعانہ سر ڈال دیا، صحابہ نے کہا یا رسول اللہ! جب جانور آپ ﷺ کے سامنے سر جھکاتے ہیں تو ہم کو انسان ہو کر ضرور آپ ﷺ کے سامنے سربسجود ہونا چاہئے، آپ ﷺ نے فرمایا، اگر میں کسی انسان کو سجدہ کرنا روا رکھتا تو بیوی کو کہتا کہ شوہر کو سجدہ کرے۔ یہ ایک ہی واقعہ ہے جو ذرا ذرا سے اختلاف بیان کی بناء پر چودہ پندرہ واقعات بن گئے ہیں۔

الفاظ کے نقل میں بے احتیاطی::

روایت عام طور سے زبانوں پر جاری ہے مگر اس روایت کا پتہ احادیث کے دفتر میں مجھے نہیں ملا‘ البتہ ایک روایت مصنف عبدالرزاق میں ہے یا جابر اول ما خلق اللہ نور نبیک من نورہ اے جابر سب سے پہلے خدا نے تیرے پیغمبر کا نور اپنے نور سے پیدا کیا۔ اس کے بعد ذکر ہے کہ اس نور کے چار حصے ہوئے اور انہی سے لوح و قلم‘ عرش و کرسی‘ آسمان و زمین اور جن و انس کی پیدائش ہوئی۔

زرقانی وغیرہ نے اس روایت کو نقل کیا ہے مگر افسوس ہے کہ اس کی سند نہیں لکھی‘ ہندوستان میں مصنف عبدالرزاق کی گو دوسری جلد ملتی ہے مگر پہلی نہیں ملتی‘ دوسری جلد دیکھ لی گئی اس میں یہ حدیث مذکور نہیں اس لئے اس روایت کی تنقید نہ ہو سکی‘ اور چونکہ کتاب مذکور میں صحیح حدیثوں کے ساتھ ساتھ موضوع حدیثیں تک موجود ہیں اور فضائل و مناقب میں اس کی روایتوں کا اعتبار کم کیا جاتا ہے‘ اس لئے اصولی حیثیت سے اس روایت کے تسلیم کرنے میں مجھے پس و پیش ہے‘ اس تردد کو قوت اس سے اور بھی زیادہ ہوتی ہے کہ صحیح احادیث میں مخلوقات الٰہی میں سب سے پہلے ”قلم تقدیر“ کی پیدائش کا تصریح بیان ہے کہ اول ما خلق اللہ القلم۔

(۲) روایتوں میں ہے کہ یہ نور پہلے ہزاروں برس سجدہ میں پڑا رہا۔ پھر حضرت آدمؑ کے تیرہ و تار جسم کا چراغ بنا پھر آدمؑ نے مرتے وقت شیثؑ کو اپنا وصی بنا کر یہ نور ان کے سپرد کیا‘ اسی طرح یہ درجہ بدرجہ ایک سے دوسرے پیغمبر کو سپرد ہوتا رہا اور حضرت عبداللہ کو سپرد ہوا اور حضرت عبداللہ سے حضرت آمنہ کو منتقل ہوا‘ نور کا

(۱)۔ بعض ارباب سیر نے اس بنا پر کہ فضائل میں ہر قسم کی روایت قبول کر لی جاتی ہیں اور خصوصاً وہ جن کی تائید ان کے خیال میں دوسرے طریقوں سے ہوتی ہے اس روایت کو اپنی کتابوں میں ذکر کیا ہے زرقانی علی المواہب ج ا صفحہ ۴۳ مگر جو علماء ہر قسم کی روایت میں صحت کے پہلو کا خیال ضروری سمجھتے ہیں ان کو اس میں کلام ہے البتہ حضور انور صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کا تمام انبیاء میں اول مخلوق ہونا ثابت ہے۔ (۲)۔

جامع ترمذی کتاب القدران علماء نے جنہوں نے ان کو قبول کرلیا ہے' نور محمدی اور قلم کی اولیت پیدائش پر تطبیق کی کوشش کی ہے۔

سجدہ میں پڑے رہنا اور اس کا موجود ہونا بالکل موضوع ہے اور نور کا ایک دوسرے وصی کو درجہ بدرجہ منتقل ہوتا رہنا بے سرو پا ہے' طبقات ابن سعد اور طبرانی اور ابونعیم اور بزار میں اس آیت پاک:

الذی یراک حین تقوم و تقلبک فی الساجدین۔(شعراء)

وہ خدا جو تجھ کو دیکھتا ہے جب تو (تہجد کی نماز میں) کھڑا ہوتا ہے اور سجدہ کرنے والوں میں تیرے الٹ پھیر کو بھی دیکھتا ہے۔

کی تفسیر میں حضرت ابن عباسؓ سے ایک روایت نقل کی گئی ہے کہ اس آیت کا مطلب یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا پیغمبروں کی پشت بہ پشت منتقل ہونا خدا دیکھ رہا تھا' لیکن اول تو پوری آیت کے الفاظ اور سیاق وسباق اس مطلب کا ساتھ نہیں دیتے اور دوسرے یہ روایت اعتبار کے قابل نہیں۔

(۳) روایت میں ہے کہ یہ نور جب (بلوغ کے وقت) عبدالمطلب کو پیرد ہوا تو وہ ایک دن خانہ کعبہ میں سوئے ہوئے تھے سو کر اٹھے تو دیکھا کہ ان کی آنکھوں میں سرمہ اور بالوں میں تیل لگا ہے اور بدن پر جمال و رونق کا خلعت ہے' یہ دیکھ کر وہ ششدر رہ گئے' آخر کار ان کے باپ ان کو قریش کے ان کاہن کے پاس لے گئے اس نے کہا کہ آسمانوں کے خدا نے اجازت دی ہے کہ اس لڑکے کا نکاح کر دیا جائے۔ اس نور کے اثر سے عبدالمطلب کے بدن سے مشک کی خوشبو آتی تھی اور وہ نور ان کی پیشانی میں چمکتا تھا' قریش پر قحط وغیرہ کی جب کوئی مصیبت آتی تھی تو وہ اس نور کے وسیلہ سے دعا مانگتے تھے تو قبول ہوتی تھی۔

یہ روایت ابو سعد نیشاپوری المتوفی ۴۰۷ھ نے اپنی کتاب شرف المصطفیٰ میں ابوبکر

بن ابی مریم کے واسطہ سے کعب احبار (نو مسلم یہودی) تابعی سے نقل کی ہے اول تو یہ سلسلہ ایک تابعی تک موقوف ہے اور آگے کی سند نہیں' علاوہ ازیں کعب احبار گو نو مسلم اسرائیلیوں میں سب سے بہتر سمجھے جاتے ہیں تاہم امام بخاری ان کے کذب کا تجربہ بیان کرتے ہیں' اسلام میں اسرائیلیات اور عجیب وغریب حوادث کی روایات کے سرچشمہ یہی ہیں۔ بیچ کا راوی ابوبکر ابن ابی مریم باتفاق محدثین ضعیف ہے' ان کا دماغ ایک حادثہ کے باعث ٹھیک نہیں رہا تھا۔

(۴) ابونعیم' حاکم' بیہقی اور طبرانی میں ایک روایت ہے کہ عبدالمطلب یمن گئے تھے' وہاں ایک کاہن ان کے پاس آیا اور ان کی اجازت سے ان کے دونوں نتھنوں کو دیکھ کر بتایا تھا کہ ایک ہاتھ میں نبوت اور دوسرے میں بادشاہی کی علامت ہے' تم بنو زہرہ کی کسی لڑکی سے جا کر شادی کرو۔ ان مصنفوں کا مشترک راوی عبدالعزیز بن عمران الزہری ہے۔ اس کی نسبت میزان میں ہے کہ امام بخاری نے کہا۔ اس کی حدیث نہ لکھی جائے۔ نسائی نہ کہا متروک ہے۔ یحییٰ نے کہا۔ شعروشاعری کا آدمی ہے۔ ثقہ نہ تھا۔ عبدالعزیز کے بعد راوی اس میں یعقوب بن زہری ہے جس کی نسبت ابن معین کہتے ہیں کہ اگر ثقات سے روایت کرے تو خیر لکھو۔ ابوزرعہ نے کہا' وہ کچھ نہیں وہ واقدی کے برابر ہے۔ امام احمد نے کہا وہ کچھ نہیں اس کی حدیث لاشے کے برابر ہے۔ ساجی نے کہا وہ منکر الحدیث ہے۔ علاوہ ازیں اس روایت میں بعض اور مجہول بھی ہیں۔ حاکم نے مستدرک میں اس کو روایت کیا ہے لیکن امام ذہبی نے نقد مستدرک میں یعقوب اور عبدالعزیز دونوں کو ضعیف کہا ہے۔

(۵) روایت ہے کہ حضرت عبداللہ کی پیشانی میں جب یہ نور چمکا تو ایک عورت جو کاہنہ تھی' اس نے نور کو پہچانا اور چاہا کہ وہ خود عبداللہ سے ہم بستر ہو کر اس نور کی امین بن جائے مگر یہ سعادت اس کی قسمت میں نہ تھی' اس وقت عبداللہ نے عذر کیا اور گھر چلے گئے' وہاں یہ دولت آمنہ کو نصیب ہوئی۔ عبداللہ نے واپس آ کر اس کاہنہ سے

اب خود درخواست کی تو اس نے رد کر دی کہ اب وہ نور تمہاری پیشانی سے منتقل ہو چکا۔

یہ روایت الفاظ اور جزئیات کے اختلاف کے ساتھ ابن سعد' خرائطی' ابن عساکر' بیہقی اور ابونعیم میں مذکور ہے۔ ابن سعد میں تین طریقوں سے اس کی روایت ہے' ایک طریقہ میں پہلا راوی واقدی ہے' دوسرے میں کلبی ہے۔ یہ دونوں مشہور دروغ گو ہیں' تیسرا طریقہ ابویزید مدنی تابعی پر جا کر ختم ہو جاتا ہے۔ ابویزید مدنی کی اگرچہ بعض ائمہ نے توثیق کی ہے مگر مدینہ کے شیخ الکل امام مالک فرماتے ہیں کہ میں اس کو نہیں جانتا۔ ابو زرعہ نے کہا مجھے معلوم نہیں' ابونعیم نے چار طریقوں سے اس کی روایت کی ہے لیکن کوئی ان میں قابل وثوق نہیں' ایک طریقہ میں نضر بن سلمہ اور احمد بن محمد بن عبدالعزیز بن عمرو الزہری اور یہ تینوں نامعتبر ہیں۔ تیسرے سلسلہ میں مسلم بن خالد الزنجی ہیں جو ضعیف سمجھے جاتے ہیں اور متعدد مجاہیل ہیں۔ چوتھا طریقہ یزید بن شہاب الزہری پر ختم ہے اور وہ اپنے آگے کا سلسلہ نہیں بتاتے اور ان کا حال بھی نہیں معلوم' بیہقی کا سلسلہ وہی تیسرا ہے' خرائطی اور ابن عساکر کا یوں بھی اعتبار نہیں۔

(۲) حضرت عباسؓ سے روایت کی گئی ہے کہ عبد مناف اور قبیلہ مخزوم کی دو سو عورتیں گنی گئیں کہ جنہوں نے اس غم میں کہ عبداللہ سے ان کو یہ دولت حاصل نہ ہوئی وہ مر گئیں' لیکن انہوں نے شادی نہ کی (یعنی عمر بھر کنواری رہیں) اور قریش کی کوئی عورت نہ تھی جو اس غم میں بیمار نہ پڑ گئی ہو۔ یہی حکایت ہے جس کا غلط ترجمہ اور مؤلفین میلاد نے یہ کیا ہے کہ اس رات دو سو عورتیں رشک و حسد سے مر گئیں۔ یہ روایت سند کے بغیر زرقانی شرح مواہب لدنیہ میں بصیغہ روی یعنی بیان کیا گیا ہے' مذکور ہے جس سے ثابت ہوتا ہے کہ خود مصنف کو بھی اس کے صحت میں کلام ہے' یہ درحقیقت بالکل بے سند اور بے اصل روایت ہے اور کسی معتبر کتاب میں اس کا پتہ

نہیں۔

(۷) روایت ہے کہ اس رات کو کسریٰ کے محل میں زلزلہ پڑ گیا اور اس کے چودہ کنگورے گر پڑے اور ساوہ کی نہر واقع (فارس) اور بعض روایتوں میں طبریہ کی نہر (واقع شام) خشک ہوگئی اور فارس کا آتش کدہ جو ہزاروں برس سے روشن تھا' بجھ گیا اور کسریٰ نے ایک ہولناک خواب دیکھا جس کی تعبیر یمن کے ایک کاہن سطیح سے دریافت کی گئی' یہ قصہ بیہقی' خرائطی' ابن عساکر' اور ابونعیم میں سند اور سلسلہ روایت کے ساتھ مذکور ہے' ان سب کا مرکزی راوی مخزوم ابن ہانی ہے جو اپنے باپ ہانی مخزومی (قریش) سے جس کی ڈیڑھ سو برس کی عمر تھی' بیان کرتا ہے۔ ہانی کے نام کا کوئی صحابی جو مخزومی قریشی ہو اور جو ڈیڑھ سو برس کی عمر رکھتا ہو معلوم نہیں' اصابہ وغیرہ میں اسی روایت کے سلسلہ میں ان کا نام مشکوک طریقہ سے آیا ہے' ان کے صاحبزادہ مخزوم بن ہانی سے محدثین میں بھی کوئی شناسا نہیں' نیچے کے راویوں کا بھی یہی حال ہے' یہاں تک کہ ابن عساکر جیسے ضعیف روایتوں کے سرپرست بھی اس روایت کو غریب کہنے کی جرأت کرتے ہیں اور ابن حجر جیسے کمزور روایتوں کے سہارا اور پشت پناہ بھی اس کو مرسل ماننے کو تیار ہیں' ابونعیم کی روایت میں محمد بن جعفر بن اعین مشہور وضاع ہے۔

(۸) روایت ہے کہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پیدا ہوئے تو حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ کی ماں شفا بنت اوس ولادت کے وقت زچہ خانہ میں موجود تھیں' وہ کہتی ہیں کہ جب آپ ﷺ پیدا ہوئے تو پہلے غیب سے ایک آواز آئی' پھر مشرق و مغرب کی ساری زمین میرے سامنے روشن ہوگئی' یہاں تک کہ شام کے محل مجھ کو نظر آنے لگے۔ میں نے آپ ﷺ کو کپڑا پہنا کر لٹایا ہی تھا کہ اندھیرا چھا گیا اور میں ڈر کر کانپنے لگی' پھر داہنی طرف سے کچھ روشنی نکلی تو آواز سنی کہ ''کہاں لے گئے تھے؟'' جواب ملا کہ ''مغرب کی سمت۔'' ابھی کچھ ہی دیر ہوئی تھی کہ پھر وہی کیفیت پیدا ہوئی

میں ڈر کر کانپی اور آواز آئی کہ کہاں لے گئے تھے؟ جواب ملا کہ مشرق کی سمت۔ یہ حکایت ابونعیم میں ہے اس کے بیچ کا راوی احمد بن محمد بن عبدالعزیز زہری نامعتبر ہے اور اس کے دوسرے رواۃ مجہول الحال ہیں۔

(۹) روایت ہے کہ حضرت آمنہ نے خواب میں دیکھا کہ کوئی ان سے کہہ رہا ہے' اے آمنہ تیرا بچہ تمام جہان کا سردار ہوگا۔ جب پیدا ہو تو اس کے نام احمد اور محمد رکھنا اور یہ تعویز اس کے گلے میں ڈالنا۔ جب وہ بیدار ہوئیں تو سونے کے پتر پر یہ اشعار لکھے ملے (اس کے بعد اشعار ہیں) یہ قصہ ابونعیم میں ہے جس کا راوی ابوغزیہ محمد بن موسیٰ انصاری ہے جس کی روایتوں کو امام بخاری منکر کہتے ہیں' ابن حبان کا بیان ہے کہ دوسروں کی حدیثیں چرایا کرتا تھا اور ثقات سے موضوع روایتیں بنا کر بیان کیا کرتا تھا۔ متاخرین میں حافظ عراقی نے اس روایت کو بے اصل اور شامی نے بہت ہی ضعیف کہا ہے' ابن اسحاق نے بھی اس کو بے سند روایت کہا ہے' ابن سعد میں یہ روایت واقدی کے حوالہ سے ہے جس کی دروغ گوئی محتاج بیان نہیں۔

(۱۰) روایت: عثمانؓ بن ابی العاص صحابی کی ماں ولادت کے وقت موجود تھیں' وہ کہتی ہیں کہ جب آمنہ کو دردزہ ہوا تو یہ معلوم ہوتا تھا کہ تمام ستارے زمین پر جھکے آتے ہیں' یہاں تک کہ میں ڈری کہ کہیں زمین پر نہ گر پڑیں اور جب پیدا ہوئے تو جدھر نظر جاتی تھی تمام گھر روشنی سے معمور تھا۔ یہ قصہ ابونعیم طبرانی اور بیہقی میں مذکور ہے' اس کے رواۃ میں یعقوب بن محمد زہری پایہ اعتبار سے ساقط ہے اور عبدالعزیز بن عمر بن عبدالرحمن بن عوف ایک محض داستان گو اور جھوٹا تھا۔

(۱۱) روایت: حضرت آمنہ کہتی ہیں کہ مجھے ایام حمل میں حمل کی کوئی علامت معلوم نہ ہوئی اور عورتوں کو ان ایام میں جو گرانی اور تکلیف محسوس ہوتی ہے وہ بھی نہ ہوئی۔ بجز اس کے کہ معمولی فرق آ گیا تھا' قسطلانی نے مواہب لدنیہ میں اس قصہ کو ابن اسحاق اور ابونعیم کے حوالہ سے بیان کیا ہے' لیکن ابن اسحاق کا جو نسخہ ابن ہشام کے نام سے

مشہور اور چھپا ہوا ہے اور نیز دلائل ابونعیم کے مطبوعہ نسخہ میں تو اس قسم کا کوئی واقعہ مذکور نہیں، قسطلانی کی پیروی میں دوسرے بے احتیاط متاخرین مثلاً صاحب سیرت حلبیہ اور مصنف خمیس نے بھی ابن اسحاق اور ابونعیم ہی کی طرف سے اس روایت کی نسبت کی ہے، لیکن ابن سید الناس نے عیون الاثر میں بجا طور سے اس روایت کے لئے واقدی کا حوالہ کر دیا ہے، دراصل یہ قصہ ابن سعد نے نقل کیا ہے اور اس کی روایت کے دو سلسلے لکھے ہیں، مگر ان میں سے ہر ایک کا سر سلسلہ واقدی ہے اور اس کی نسبت محدثین کی رائے پوشیدہ نہیں علاوہ ازیں ان میں سے کوئی سلسلہ بھی مرفوع نہیں، پہلا سلسلہ عبداللہ بن وہب پر ختم ہوتا ہے جو اپنی پھوپھی سے روایت کرتے ہیں کہ وہ کہتی ہیں کہ ہم یہ سنا کرتے تھے۔۔۔ دوسرے سلسلہ کو واقدی زہری پر جا کر ختم کر دیتا ہے۔

(۱۲) ایک روایت میں اس کے بالکل برخلاف ابن سعد میں یہ ہے کہ غالباً آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی جلالت وعظمت کے باعث حضرت آمنہ کو سخت گرانی اور بار محسوس ہوتا تھا۔ وہ کہا کرتی تھیں کہ میرے پیٹ میں کئی بچے رہے۔ مگر اس بچہ سے زیادہ بھاری اور گراں مجھے کوئی نہیں معلوم ہوا، اول تو یہ روایت معروف اور مسلم واقعہ کے خلاف ہے۔ حضرت آمنہ کے ایک کے سوا نہ کوئی اور بچہ ہوا اور نہ حمل رہا، دوسرے یہ کہ اس روایت کا سلسلہ ناتمام ہے۔ اس معنی کی ایک اور روایت شداؓد بن اوس صحابی کی زبانی منقول ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا کہ میں اپنے والدین کا پہلوٹا ہوں، جب میں شکم میں تھا تو میری ماں عام عورتوں سے بہت زیادہ گرانی محسوس کرتی تھیں (کنز العمال کتاب الفضائل) معافی بن زکریا القاضی نے اس روایت پر اتنی ہی جرح کی ہے کہ یہ منقطع ہے یعنی شداد بن اوس اور ان کے بعد کے راوی مکحول میں ملاقات نہیں، اس لئے بیچ میں ایک راوی کم ہے حالانکہ اس سے بڑھ کر یہ ہے کہ اس کا پہلا راوی عمر بن صبیح کذاب، وضاع اور متروک تھا۔

اور پورے ایام حمل میں ہر ماہ آسمان وزمین سے یہ ندا سنی جانے لگی کہ بشارت ہو کہ حضرت ابو القاسم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمین پر ظاہر ہونے کا زمانہ قریب آیا۔ حضرت کی والدہ فرماتی تھیں کہ جب میرے حمل کے چھ مہینے گزرے تو خواب میں کسی نے مجھ کو پاؤں سے ٹھوکر دے کر کہا کہ اے آمنہ! تمام جہان کا سردار تیرے پیٹ میں ہے۔ جب وہ پیدا ہو تو اس کا نام محمد ﷺ رکھنا اور اپنی حالت کو چھپائے رکھنا۔ کہتی ہیں کہ جب ولادت کا زمانہ قریب آیا تو عورتوں کو جو پیش آتا ہے وہ مجھ کو بھی پیش آیا اور کسی کو میری اس حالت کی خبر نہ تھی، میں گھر میں تنہا تھی، عبد المطلب خانہ کعبہ کے طواف کو گئے تھے تو میں نے ایک زور کی آواز سنی جس سے میں ڈر گئی۔ میں نے دیکھا کہ ایک سپید مرغ ہے جو اپنے بازو کو میرے دل پر مل رہا ہے، اس سے میری تمام وحشت دور ہو گئی اور درد کی تکلیف بھی جاتی رہی۔ پھر ایک طرف دیکھا کہ سپید شربت ہے، پیاسی تھی دودھ سمجھ کر اس کو پی گئی، اس کے پینے سے ایک نور مجھ سے نکل کر بلند ہوا پھر میں نے دیکھا کہ چند عورتیں جن کے قد لمبے لمبے ہیں گویا عبد المطلب کی بیٹیاں ہیں، وہ مجھے غور سے دیکھ رہی ہیں، میں تعجب کر رہی ہوں کہ ان کو کیسے میرا حال معلوم ہوا۔ ایک اور روایت میں ہے کہ ان عورتوں نے کہا، ہم فرعون کی بیوی آسیہ اور عمران کی بیٹی مریم اور یہ حوریں ہیں، میرا درد بڑھ گیا اور ہر گھڑی آواز اور زیادہ بلند تھی اور خوفناک ہوتی جاتی تھی، اتنے میں ایک سپید دیبا کی چادر آسمان وزمین کے درمیان پھیلی نظر آئی اور آواز آئی کہ اس کو لوگوں کی نگاہوں سے چھپالو، میں نے دیکھا کہ چند مرد ہوا میں معلق ہیں، ان کے ہاتھوں میں چاندی کے آفتابے ہیں اور میرے بدن سے موتی کی طرح پسینہ کے قطرے ٹپک رہے تھے جس میں مشک خالص سے بہتر خوشبو تھی اور میں دل میں کہہ رہی تھی کہ کاش عبد المطلب اس وقت پاس ہوتے، پھر میں نے پرندوں کا ایک غول دیکھا جو نہیں معلوم کدھر سے آئے تھے وہ میرے کمرے میں گھس آئے، ان کی منقاریں زمرد کی

اور بازو یاقوت کے تھے' میری آنکھوں سے اس وقت پردے اٹھا دیئے گئے تو اس وقت مشرق و مغرب سب میری نگاہوں کے سامنے تھے۔ تین جھنڈے نظر آئے ایک مشرق میں ایک مغرب میں اور ایک خانہ کعبہ کی چھت پر۔ اب درد زیادہ بڑھ گیا تو مجھے ایسا معلوم ہوا کہ مجھے کچھ عورتیں ٹیک لگائے بیٹھی ہیں اور اتنی عورتیں بھر گئیں کہ مجھے گھر کی کوئی چیز نظر نہ آتی تھی۔ اس اثناء میں بچہ پیدا ہوا' میں نے پھر کر دیکھا تو وہ سجدہ میں پڑا تھا اور دو انگلیوں کو آسمان کی طرف دعا کی طرح اٹھائے تھا۔ پھر ایک سیاہ بادل نظر آیا جو آسمان سے اتر کر نیچے آیا اور بچہ پر چھا گیا اور بچہ میری نگاہ سے چھپ گیا' اتنے میں ایک منادی سنی کہ محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کو زمین کے پورب اور پچھم گھما دو اور سمندروں کے اندر لے جاؤ کہ سب اس کے نام نامی اور شکل وصورت کو پہچان لیں اور جان لیں کہ یہ مٹانے والے ہیں' یہ اپنے زمانہ میں شرک کا نام و نشان مٹا دیں گے۔ پھر تھوڑی ہی دیر میں بادل ہٹ گیا اور آپ ﷺ دودھ سے زیادہ سفید کپڑے میں لپٹے نظر آئے جس کے نیچے سبز ریشم تھا' ہاتھوں میں سفید موتیوں کی تین کنجیاں تھیں' اور ایک آواز آئی کہ محمد ﷺ کو فتح و نصرت اور نبوت کی کنجیاں دی گئی ہیں۔

میں نے دل پر جبر کر کے یہ پوری حکایت نقل کی ہے' یہ اس لئے کہ میلاد کے عام جلسوں کی رونق ان ہی روایتوں سے ہے' یہ روایت ابونعیم میں حضرت ابن عباسؓ سے نقل کی ہے اور سند کا سلسلہ بھی ہر طرح درست ہے۔ مگر اگر کسی کو اسماء الرجال سے آگاہی نہ بھی ہو اور وہ صرف ادب عربی کا صحیح ذوق رکھتا ہو تو وہ فقط روایت کے الفاظ اور عبارت کو دیکھ کر یہ فیصلہ کر دے گا کہ یہ تیسری چوتھی صدی کی بنائی ہوئی ہے اس روایت میں یحییٰ بن عبداللہ البابلی اور ابوبکر بن ابی مریم ہیں۔ پہلا شخص بالکل ضعیف ہے اور دوسرا ناقابل حجت ہے اور ان کے آگے کے راوی سعید بن عمرو الانصاری اور ان کے باپ عمرو الانصاری کا کوئی پتہ نہیں۔

(۱۵) اسی قسم کی ایک اور روایت حضرت عباسؓ سے نقل کی جاتی ہے وہ کہتے ہیں کہ میرے چھوٹے بھائی عبداللہ جب پیدا ہوئے تو ان کے چہرے پر سورج کی سی روشنی تھی اور والد نے ایک دفعہ خواب دیکھا۔ بنومخزوم کی ایک کاہنہ نے یہ خواب سن کر پیشین گوئی کی کہ اس لڑکے کی پشت سے ایک ایسا بچہ ہوگا جو تمام دنیا پر حکومت کرے گا۔ جب آمنہ کے شکم سے بچہ پیدا ہوا تو میں نے ان سے پوچھا کہ ولادت کے اثناء میں تم کو کیا کیا نظر آیا؟ انہوں نے کہا جب مجھے درد ہونے لگا تو میں نے بڑے زور کی آواز سنی جو انسانوں کی آواز کی طرح نہ تھی اور سبز ریشم کا پھریرا یاقوت کے جھنڈے میں لگا ہوا آسمان و زمین کے بیچ میں گڑا نظر آیا اور میں نے دیکھا کہ بچہ کے سر سے روشنی کی کرنیں نکل کر آسمان تک جاتی ہیں' شام کے تمام محل آگ کا شعلہ معلوم ہوتے تھے اور اپنے پاس مرغابیوں کا ایک جھنڈ دکھائی دیا جس نے بچہ کو سجدہ کیا' پھر اپنے پروں کو کھول دیا' اور سعیرہ اسدیہ کو دیکھا کہ وہ کہتی ہوئی گزری کہ تیرے اس بچہ نے بتوں اور کاہنوں کو بڑا صدمہ پہنچایا' ہائے سعیرہ ہلاک ہوگئی پھر ایک بلند و بالا' سپید رنگ جوان نظر آیا جس نے بچہ کو میرے ہاتھ سے لے لیا اور اس کے منہ میں اپنا لعاب دہن لگایا' اس کے ہاتھ میں سونے کا طشت تھا' بچہ کے پیٹ کو پھاڑا' پھر اس کے دل کو نکالا' اس میں سے ایک سیاہ داغ نکال کر پھینک دیا۔ پھر سبز حریر کی ایک تھیلی کھولی' اس میں سے ایک انگوٹھی نکال کر مونڈے کے برابر مہر کی اور اس کو ایک کرتہ پہنا دیا۔ اے عباس یہ میں نے دیکھا۔

اس روایت کے متعلق ہمیں کچھ زیادہ کہنا نہیں ہے کہ ناقلین نے اس کے ضعف کو خود تسلیم کیا ہے اور حافظ سیوطی نے لکھا ہے کہ اس روایت اور اس سے پہلے کی دو روایتوں (۱۳'۱۴) میں سخت نکارت ہے اور میں نے اپنی اس کتاب (خصائص) میں ان تینوں سے زیادہ منکر کوئی روایت نقل نہیں کی اور میرا دل ان کے لکھنے کو نہیں چاہتا لیکن میں نے محض ابونعیم کی تقلید میں لکھ دیا ہے' جن روایتوں کو حافظ سیوطی لکھنے کے

نہ ہو تو وہ کانپ جائے گا کہ اے خدا کے خلیفہ!

اس روایت کا ماخذ یہ ہے کہ یحییٰ بن عائذ المتوفی ۳۷۸ھ نے اپنی کتاب میلاد میں اس کا ذکر کیا ہے۔ ابن دحیہ محدث نے بڑی جرأت کر کے اس خبر کو "غریب" کہا ہے' لیکن واقعہ یہ ہے کہ اس کو غریب کہنا بھی اس کی توثیق ہے' یہ تمام تر بے اصل اور بے بنیاد ہے۔

(۱۷) روایت: آمنہ کہتی ہیں کہ جب ولادت ہوئی تو ایک بہت بڑا ابر کا ٹکڑا نظر آیا جس میں سے گھوڑے کے ہنہنانے اور پروں کے پھڑپھڑانے اور لوگوں کے بولنے کی آوازیں آ رہی تھیں' وہ ابر کا ٹکڑا بچہ کے اوپر آ کر چھا گیا اور بچہ میری نگاہوں سے اوجھل ہو گیا۔ البتہ منادی کی آواز سنائی دی کہ محمد ﷺ کو ملکوں ملکوں پھراؤ اور سمندروں کی تہوں میں لے جاؤ کہ تمام دنیا ان کے نام و نشان کو پہچان لے اور جن و انس چرند و پرند' ملائکہ بلکہ ہر ذی روح کے سامنے ان کو لے جاؤ' ان کو آدمؑ کا خلق شیثؑ کی معرفت' نوحؑ کی شجاعت' ابراہیمؑ کی دوستی' اسماعیلؑ کی زبان' اسحاقؑ کی رضا' صالحؑ کی فصاحت' لوطؑ کی حکمت' موسیٰؑ کی سختی' ایوبؑ کا صبر' یونسؑ کی طاعت' یوشعؑ کا جہاد' داؤدؑ کی آواز' دانیالؑ کی محبت' الیاسؑ کا وقار' یحییٰؑ کی پاک دامنی' اور عیسیٰؑ کا زہد عطا کرو اور تمام پیغمبروں کے اخلاق میں ان کو غوطہ دو' آمنہ کہتی ہیں کہ پھر یہ منظر ہٹ گیا تو میں نے دیکھا کہ آپ ﷺ سبز حریر میں لپٹے ہیں اور اس کے اندر سے پانی ٹپک رہا ہے' آواز آئی ہاں محمد ﷺ تم نے تمام دنیا پر قبضہ کر لیا اور کوئی مخلوق ایسی نہ رہی جو ان کے حلقہ اطاعت میں نہ آ گئی ہو' کہتی ہیں کہ پھر میں نے دیکھا تو نظر آیا کہ آپ ﷺ کا چہرہ چودھویں رات کے چاند کی طرح ہے اور مشک خالص کی سی خوشبو آپ ﷺ سے نکل رہی ہے۔ دفعتاً تین آدمی نظر آئے' ایک کے ہاتھ میں چاندی کا آفتابہ ہے' دوسرے کے ہاتھ میں سبز زمرد کا طشت ہے اور تیسرے کے ہاتھ میں سپید ریشم ہے۔ اس نے سپید ریشم کو کھول کر اس

میں سے انگوٹھی، جس کو دیکھ کر آنکھیں خیرہ ہوتی تھیں، نکالی۔ پہلے اس نے انگوٹھی کو سات دفعہ اس آفتابہ کے پانی سے دھویا، پھر مونڈھے پر مہر کر کے بچہ کو تھوڑی دیر کے لئے اپنے بازوؤں پر لپیٹ لیا اور پھر مجھے واپس کر دیا۔

اس حکایت کی بنیاد یہ ہے کہ قسطلانی نے مواہب لدنیہ میں السعادہ والبشریٰ نامی ایک میلادی کتاب سے اس کو نقل کیا ہے اور السعادہ والبشریٰ کا مصنف کہتا ہے کہ اس نے خطیب سے اس کو لیا ہے روایات کے لحاظ سے خطیب کی تاریخ کا جو درجہ ہے وہ کس کو معلوم نہیں۔ قسطلانی نے اس روایت کو ابونعیم کی طرف بھی منسوب کیا ہے، مگر دلائل ابونعیم کے مطبوعہ نسخہ میں اس کا پتہ نہیں، غنیمت ہے کہ حافظ قسطلانی نے خود تصریح کر دی ہے کہ اس میں سخت نکارت ہے۔

(۱۸) روایت: آمنہ کہتی ہیں کہ جب آپ پیدا ہوئے تو ایک روشنی چمکی جس سے تمام مشرق و مغرب روشن ہو گیا اور آپ ﷺ دونوں ہاتھ ٹیک کر زمین پر گر پڑے (شاید مقصود یہ کہنا ہے کہ آپ سجدہ میں گئے) پھر مٹھی سے مٹی اٹھائی (اہل میلاد اس سے یہ مطلب لیتے ہیں کہ آپ ﷺ نے روئے زمین پر قبضہ کر لیا) اور آسمان کی طرف سر اٹھایا۔

یہ حکایت ابن سعد میں متعدد طریقوں سے مذکور ہے مگر ان میں سے کوئی قوی نہیں، اسی کے قریب قریب ابونعیم، اور طبرانی میں روایتیں ہیں، ان کا بھی یہی حال ہے۔

۱۹۔

روایت: جب شب کو آپ پیدا ہوئے۔ قریش کے بڑے بڑے سردار جلسہ جمائے ہوئے تھے، ایک یہودی نے جو مکہ میں سوداگری کرتا تھا ان سے آ کر دریافت کیا کہ آج تمہارے یہاں کسی کے گھر بچہ پیدا ہوا ہے؟ سب نے اپنی لاعلمی ظاہر کی، اس نے کہا اللہ اکبر! تم کو نہیں معلوم تو خیر، میں جو کہتا ہوں اس کو سن رکھو آج شب کو اس پچھلی امت کا نبی پیدا ہو گیا، اس کے دونوں مونڈھوں کے بیچ میں ایک نشانی ہے، اس

میں گھوڑے کی ایال کی طرح کچھ اوپر تلے بال ہیں' وہ دو دن تک دودھ نہ پئے گا' کیونکہ ایک جن نے اس کے منہ میں انگلی ڈال دی ہے جس سے وہ دودھ نہیں پی سکتا' جب جلسہ چھٹ گیا اور لوگ گھروں کو لوٹے تو معلوم ہوا کہ عبداللہ بن مطلب کے گھر لڑکا پیدا ہوا ہے' لوگ اس یہودی کو آمنہ کے گھر لائے' اس نے بچہ کی پیٹھ پر تل دیکھا تو غش کھا کر گر پڑا۔ لوگوں نے سبب پوچھا' اس نے کہا' خدا کی قسم اسرائیل کے گھرانے سے نبوت رخصت ہوگئی۔ اے قریش! تم اس کی پیدائش سے خوش ہو' ہشیار! خدا کی قسم! ایک دن یہ تم پر ایسا حملہ کرے گا جس کی خبر چاردانگ عالم میں پھیلے گی۔

یہ روایت مستدرک حاکم میں ہے اور حاکم نے اس کو صحیح کہا ہے' مگر اہل علم جانتے ہیں کہ حاکم کا کسی روایت کو صحیح کہنا ہمیشہ تنقید کا محتاج رہتا ہے۔ چنانچہ حافظ ذہبی نے تلخیص مستدرک (جلد۲ ص۶۰۲) میں حاکم کی تردید کی ہے' اس کا سلسلہ روایت یہ ہے کہ یعقوب ابن سفیان فسوی ابوغسان محمد یحیٰی کنانی سے اور یہ اپنے باپ (یحیٰی بن علی کنانی) سے اور وہ محمد بن اسحاق (مصنف سیرت) سے روایت کرتے ہیں' سب سے پہلی بات تو یہ ہے کہ ابن اسحاق نے خود اپنی سیرت سے یہ روایت نہیں لی ہے' ابوغسان محمد بن یحیٰی کو گو بعض محدثین نے اچھا کہا ہے مگر محدث سلیمانی نے اس کو منکر الحدیث کہا ہے (ایسی باتیں بیان کرنے والا جن کی تصدیق دیگر معتبر بیانات سے نہیں ہوتی) کہا ہے' ابن حزم نے ان کو مجہول کہا ہے' بہر حال ان تک غنیمت ہے' مگر ان کے باپ یحیٰی بن علی کا کہیں کوئی ذکر نہیں کہ یہ کون تھے اور کب تھے؟ اسی قسم کی ایک اور روایت عیص راہب کے متعلق ابوجعفر ابن ابی شیبہ سے ہے اور ابونعیم نے دلائل میں اور ابن عساکر نے تاریخ میں اس کو ذکر کیا ہے' لیکن زرقانی نے لکھ دیا ہے کہ ابوجعفر بن ابی شیبہ نامعتبر ہے۔

۲۰۔

روایت: حضرت عباسؓ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ذکر کرتے ہیں کہ یا رسول اللہ! مجھ کو جس نشانی نے آپؐ کے مذہب میں داخل ہونے کا خیال دلایا وہ یہ ہے کہ جب آپؐ گہوارہ میں تھے تو میں نے دیکھا کہ آپؐ چاند سے اور چاند آپؐ سے باتیں کرتا تھا اور انگلی سے آپؐ اس کو جدھر اشارہ کرتے تھے ادھر جھک جاتا تھا' فرمایا۔ ہاں میں اس سے اور وہ مجھ سے باتیں کرتا تھا اور رونے سے بہلاتا تھا اور عرش کے نیچے جا کر جب وہ تسبیح کرتا تھا تو میں اس کی آواز سنتا تھا۔

یہ حکایت دلائل بیہقی' کتاب المنائین صابونی' تاریخ خطیب اور تاریخ ابن عساکر میں ہے' مگر خود بیہقی نے تصریح کر دی ہے کہ یہ صرف احمد بن ابراہیم جبلی کی روایت ہے اور وہ مجہول ہے' صابونی نے روایت لکھ کر کہا ہے کہ یہ سند اور متن دونوں لحاظ سے غریب ہے۔ علاوہ ازیں حضرت عباسؓ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے شاید ایک دو سال ہی بڑے تھے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شیر خوارگی کے عالم میں وہ خود شیر خوار ہوں گے۔

۲۱۔

حافظ ابن حجر نے فتح الباری (ج صفحہ ۳۴۴) میں واقدی کی سیر کے حوالہ سے نقل کیا ہے کہ آپؐ نے گہوارہ میں کلام کیا' ابن سبع المتوفی سہ کی خصائص میں ہے کہ فرشتے آپؐ کا گہوارہ ہلاتے تھے اور (پیدائش کے بعد) سب سے پہلا فقرہ زبان سے یہ نکلا۔

ابن عائذ وغیرہ میلاد کی بعض اور کتابوں میں اور فقرے بھی منسوب ہیں مثلاً کہ آپؐ نے پڑھا۔

واقدی کی سیر سے مراد اگر واقدی کی مغازی ہے تو اس کا مطبوعہ کلکتہ نسخہ جو میرے پیش نظر ہے اس میں یہ واقعہ مذکور نہیں اور اگر ہوتا بھی تو واقدی کا اعتبار کیا ہے؟ ابن سبع اور ابن عائذ وغیرہ زمانہ متاخر کے لوگ ہیں اور قدماء سے روایت کی نقل میں

بے احتیاط ہیں، کسی قدیم ماخذ سے اس کی تصدیق نہیں ہوتی، معلوم نہیں انہوں نے یہ روایتیں کہاں سے لیں۔

۲۲۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رضاعت اور شیر خوارگی کے زمانہ کے فضائل اور معجزات جب آپ کو حلیمہ سعدیہؓ اپنے گھر لے جاتی ہیں، ابن اسحاق، ابن راہویہ، ابویعلی، طبرانی، بیہقی، ابونعیم، ابن عساکر اور ابن سعد میں بہ تفصیل مذکور ہیں۔ حلیمہ سعدیہؓ کا آنا اور آپ کا ان کو دیکھ کر مسکرانا، حلیمہؓ کے خشک سینوں میں دودھ بھر آنا۔ آپ کا صرف ایک طرفہ کے سینہ سے سیر ہو جانا اور دوسری طرف کا اپنے رضائی بھائی کے لئے بنظر انصاف چھوڑ دینا۔ آپ کے سوار ہوتے ہی حلیمہؓ کی کمزور اور دبلی پتلی گدھی کا تیز رو، طاقتور اور فربہ ہو جانا اور حلیمہؓ کے قبیلہ کی قحط زدہ زمین کا سرسبز شاداب اور ہرا بھرا ہو جانا۔ حلیمہؓ کی بکریوں کا موٹا ہونا اور سب سے زیادہ دودھ دینا، آپ کا غیر معمولی نشو ونما پانا، دو برس کے سن میں آپ کے سینہ کا چاک ہونا، حلیمہؓ کا اس واقعہ سے ڈر کر آپ کو آمنہ کے پاس واپس لانا، آمنہ کا حلیمہ کو تسلی دینا، یہ تمام واقعات ان کتابوں میں بہ تفصیل مذکور ہیں۔

یہ واقعات دو طریقوں سے مروی ہیں کہ ایک طریقہ کا مشترک راوی جہم بن ابی جہم ایک مجہول شخص ہے اور دوسرے کا مشترک راوی واقدی ہے جس کا کوئی اعتبار نہیں۔

پہلے طریقہ سے اس کو ابن اسحاق، ابن راہویہ، ابویعلی، طبرانی اور نعیم نے روایت کیا ہے، اس کا سلسلہ یہ ہے کہ ابن اسحاق نے کہا کہ مجھ سے جہم بن ابی جہم مولی حارث بن حاطب جمحی نے کہا اور وہ کہتا ہے کہ مجھ سے عبداللہ بن جعفر بن ابی طالب نے خود بیان کیا یا کسی ایسے شخص نے بیان کیا جس نے عبداللہ بن جعفر سے سنا اور عبداللہ بن جعفر نے حلیمہ سعدیہ سے سنا اس روایت میں سب سے پہلی بات یہ ہے کہ جہم اس

روایت کا خود عبداللہ بن جعفر سے سننا یقینی نہیں آتا' بلکہ وہ کہتا ہے کہ عبداللہ بن جعفر یا کسی نے ان سے سن کر مجھ سے کہا' معلوم نہیں وہ کون تھا؟ اور کیسا تھا؟ ابونعیم وغیرہ متاخرین نے اس روایت کو اس طرح بیان کیا ہے کہ یہ شک سرے سے نظر انداز ہو گیا ہے۔ اگر بالفرض جہم نے عبداللہ بن جعفر سے سنا تو عبداللہ بن جعفر کا جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانہ میں آٹھ نو برس کے تھے اور ے ھ کے بعد حبش کے ملک سے مدینہ آئے تھے' حلیمہ سے ملنا اور ان سے نقل روایت کرنا محتاج ثبوت ہے بلکہ علمائے سیر و رجال میں خود حلیمہ سے ملنا اور ان کے بعد آپ سے ملاقات میں اختلاف ہے' صرف ایک دفعہ غزوہ ہوازن کے موقع پر ان کا آنا کسی کسی نے بیان کیا ہے' مگر اس موقع پر عبداللہ بن جعفر کا جو کم سن تھے موجود ہونا اور ان سے ملنا مطلق ثابت نہیں' جہم بن ابی جہم جو اس روایت کا سر بنیاد ہے۔ ذہبی نے میزان الاعتدال میں اس روایت کی تقریب سے اس کا نام لکھ کر لکھا ہے لایعرف یعنی معلوم نہیں یہ کون تھا۔

دوسرا طریقہ وہ ہے جس کا مرکزی راوی واقدی ہے' اس سلسلہ سے ابن سعد' ابونعیم اور ابن عساکر نے اس واقعہ کو لکھا ہے۔ یہ سلسلہ علاوہ ازیں کہ واقدی کے واسطہ سے ہے موقوف بھی ہے یعنی کسی صحابی تک وہ نہیں پہنچتا۔ اس کو واقدی زکریا بن یحیٰی بن یزید سعدی سے اور وہ اپنے باپ یحیٰی بن زید سعدی سے نقل کرتا ہے' ابن سعد نے دوسری جگہ (ج اول ص ۹۷) ایک اور سلسلہ سے اس کو واقدی سے روایت کیا ہے' اور واقدی عبداللہ بن زید بن اسلم سے اور عبداللہ اپنے باپ زید بن اسلم تابعی سے نقل کرتے ہیں۔ یہ سلسلہ بھی علاوہ ازیں کہ اس کا پہلا راوی وہی واقدی ہے اور روایت بھی موقوف ہے' زید مذکور کی نسبت اہل مدینہ کلام کرتے تھے اور ان کے بیٹے عبداللہ کو اکثر محدثین نے ضعیف کہا ہے' اس لئے یہ سلسلہ بھی استناد کے قابل نہیں ہے' ابونعیم نے تیسری روایت میں واقدی کے واسطہ سے ان واقعات کو بے سند لکھا

ہے۔

۲۳۔

شق صدر یعنی سینہ مبارک کے چاک ہونے کا واقعہ معراج میں پیش آنا مسلم ہے۔ مگر بعض لوگوں نے بچپن کے زمانہ میں اس واقعہ کا پیش آنا بیان کیا ہے' بچپن کے وقت کی تعیین میں ان روایتوں میں اختلاف ہے۔ اکثر روایتوں میں یہ ہے کہ حضرت حلیمہؓ کے پاس قیام کے زمانہ میں یہ پیش آیا' جب عمر شریف صرف غالباً چار برس کی تھی' ایک دو روایتوں میں ہے کہ اس وقت آپ ؐ دس برس کے تھے' لیکن واقعہ یہ ہے کہ عہد طفولیت میں شق صدر کی جس قدر روایتیں ہیں' صحیح مسلم کی روایت کے علاوہ وہ تمام تر ضعیف ہیں۔ صحیح مسلم کی روایت میں حماد بن سلمہ کی غلطی سے معراج کا واقعہ عہد طفولیت میں بیان ہو گیا ہے۔ اس بارہ میں' میں نے اپنی تحقیق شرح صدر کی بحث میں مفصل بیان کی ہے۔

۲۴۔

حضرت حلیمہؓ کے پاس قیام کے زمانہ میں ایک اور واقعہ بھی راویوں نے بیان کیا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دیکھ کر بعض یہودیوں نے عرب قیافہ شناسوں نے (روایت میں اختلاف ہے) یہ معلوم کر لیا کہ نبی آخر الزمان ہیں اور یہی ہمارے آبائی کیش اور مذہب کو دنیا سے مٹائیں گے' یہ سمجھ کر انہوں نے آپ ؐ کو خود قتل کرنا چاہا' یا دوسروں کو آپ ؐ کے قتل پر آمادہ کرنا چاہا (روایت میں اختلاف ہے) ایک روایت میں ہے کہ یہ واقعہ اس وقت پیش آیا جب حلیمہؓ آپ ؐ کو پہلے پہل مکہ معظمہ سے لے کر عکاظ کے میلہ میں آئیں' وہاں قبیلہ ہذیل کا ایک قیافہ شناس بڈھا تھا' عورتیں اپنے اپنے بچوں کو لے کر اس کے پاس آتی تھیں اور فال نکلواتی تھیں' اس کی نظر جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر پڑی تو وہ چلا اٹھا کہ اس کو قتل کر ڈالو مگر آپ ؐ لوگوں کی نظر سے غائب ہو چکے تھے' حلیمہؓ آپ ؐ کو لے کر چل دی

تھیں۔ لوگوں نے بڈھے سے واقعہ پوچھا تو اس نے کہا میں نے ابھی وہ بچہ دیکھا جو تمہارے اہل مذہب کو قتل کرے گا اور تمہارے بتوں کو توڑے گا اور وہ کامیاب ہوگا۔ اس کے بعد لوگوں نے آپ ؐ کو بہت ڈھونڈا مگر آپ ؐ نہ ملے۔ حضرت حلیمہؓ نے اس کے بعد پھر آپ ؐ کو کسی قیافہ شناس یا فال دیکھنے والے کے سامنے پیش نہ کیا' ایک اور روایت میں ہے کہ اس کے بعد اس بڈھے کی عقل جاتی رہی اور وہ کفر ہی کی حالت میں مر گیا۔

دوسری روایت میں یہ واقعہ اس طرح ہے کہ حضرت آمنہؓ نے حلیمہ کو کہہ دیا تھا کہ میرے بچہ کو یہودیوں سے بچائے رکھنا' اتفاق سے جب وہ آپ ؐ کو لے کر چلیں تو کچھ یہودی راستہ میں مل گئے' انہوں نے آپ ؐ کا حال سن کر ایک دوسرے سے کہا کہ ''اس کو مار ڈالو'' پھر انہوں نے دریافت کیا کہ کیا یہ بچہ یتیم ہے؟ حلیمہ نے کہا' نہیں! میں اس کی ماں ہوں اور اپنے شوہر کو بتایا کہ وہ اس کا باپ ہے' انہوں نے کہا کہ یہ یتیم ہوتا تو ہم اس کو قتل کر ڈالتے (یعنی آخری پیغمبر کی ایک علامت یتیمی بھی تھی اور چونکہ ان کو یہ معلوم ہوا کہ یہ علامت بچہ میں پائی نہیں جاتی۔ اس سے ان کا یقین جاتا رہا۔)

یہ روایتیں ابن سعد جلد اول صفحہ ۷۱۹۸ میں ہیں' مگر حالت یہ ہے کہ پہلی روایتوں کا ماخذ واقدی کی داستانیں ہیں اور اس پر بھی ان کے سلسلے ناتمام ہیں' آخری روایت کا سلسلہ یہ ہے کہ عمرو بن عاصم کلابی' ہمام بن یحییٰ' اسحاق بن عبداللہ' گو یہ تینوں عموماً ثقہ اصحاب ہیں مگر ان کی یہ روایت موقوف ہے یعنی آخری راوی اسحاق بن عبداللہ گو تابعی ہیں' مگر وہ کسی صحابی سے اس کا سننا ظاہر نہیں کرتے' معلوم نہیں یہ روایت ان کو کہاں سے پہنچی۔

تقریباً اسی واقعہ کو ابونعیم نے دلائل میں اس طرح بیان کیا ہے کہ حلیمہ جب آپ ؐ کو مکہ سے لے کر روانہ ہوئیں تو ایک وادی میں پہنچ کر ان کو حبش کے کچھ لوگ ملے

(جو غالباً عیسائی ہوں گے) حلیمہؓ ان کے ساتھ ہو گئیں‘ انہوں نے جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دیکھا تو آپ ؐ کی نسبت کچھ دریافت کیا‘ اس کے بعد بہت غور سے انہوں نے آپ ؐ کو دیکھنا شروع کیا‘ دونوں مونڈھوں کے بیچ میں جو مہر نبوت تھی وہ دیکھی‘ آپ ؐ کی آنکھوں میں تھوڑی سرخی تھی‘ اس کو دیکھتے رہے‘ پھر پوچھا کہ کیا بچہ کی آنکھوں میں یہ سرخی کسی بیماری سے ہے۔ حلیمہؓ نے کہا نہیں‘ یہ ہمیشہ سے اسی طرح ہے۔ انہوں نے کہا خدا کی قسم! یہ پیغمبر ہے۔ یہ کہہ کر انہوں نے چاہا کہ بچہ کو حضرت حلیمہؓ سے چھین لیں‘ لیکن خدا نے آپ ؐ کی حفاظت کی۔ ابونعیم کی اس روایت کا سلسلہ نہایت ضعیف اور کمزور ہے اور اس کے رواۃ مجہول الحال لوگ ہیں۔

۲۵۔

کہتے ہیں کہ پیار اور محبت سے حضرت حلیمہؓ آپ ؐ کو دھوپ میں نکلنے نہیں دیتی تھیں‘ ایک دن آپ ؐ اپنی رضاعی بہن کے ساتھ دھوپ میں نکل پڑے‘ حلیمہ نے دیکھا تو لڑکی پر خفا ہوئیں کہ تم دھوپ میں کیوں کے لے گئیں؟ لڑکی نے کہا اماں جان میرے بھائی کو دھوپ نہیں لگتی‘ میں نے دیکھا کہ اس پر بادل سایہ کئے تھے جدھر وہ جاتا تھا وہ بھی چلتے جاتے تھے اور جہاں وہ رک جاتا تھا وہ بھی رک جاتے تھے۔ اس کیفیت سے وہ یہاں تک پہنچا ہے۔ ابن سعد نے دو طریقوں سے اس واقعہ کو نقل کیا ہے‘ ایک میں تو صرف واقدی کا حوالہ ہے اور اس کے آگے کوئی نام نہیں دیا (ص ۷ ج اول) اور دوسرے میں ہے کہ واقدی نے معاذ بن محمد سے اور اس نے عطا سے اور عطاء نے حضرت ابن عباسؓ سے سنا۔ ابن سعد کے علاوہ‘ ابونعیم‘ ابن عساکر اور ابن طرماح نے بھی اس سلسلہ سے اس واقعہ کو نقل کیا ہے مگر اس سلسلہ میں واقدی کے علاوہ معاذ بن محمد مجہول اور نامعتبر ہے۔

یہاں تک تو ہم نے فضائل ومعجزات کی غلط اور ضعیف روایتوں کی مسلسل تنقید کی ہے‘

اگر اسی طرح ہم آخر تک نبھانا چاہئیں تو یہ دفتر ان اوراق میں نہیں سما سکتا' اس لئے ہم صرف مشہور ترین روایتوں کی تنقید پر قناعت کرتے ہیں۔

۲۶۔

سب سے مشہور بحیرا راہب کا قصہ ہے جس کی تفصیل یہ ہے کہ آپ ؐ دس بارہ برس کے تھے تو اپنے چچا ابو طالب کے ساتھ شام کا سفر کیا' راہ میں ایک عیسائی خانقاہ ملی' جس میں بحیرا نام ایک راہب رہا کرتا تھا۔ اس نے آپ ؐ کو دیکھ کر اور علامتوں سے پہچان کر یہ جان لیا کہ پیغمبر آخر الزمان اور سردار عالم یہی ہیں' اس نے دیکھا کہ ابر آپ ؐ پر سایہ گن ہے' جس درخت کے نیچے آپ ؐ بیٹھے ہیں اس کی شاخیں آپ ؐ پر جھکی آتی ہیں' اس نے آپ ؐ کی خاطر قافلہ کی دعوت کی اور ابو طالب سے باصرار کہا کہ اس بچہ کو مکہ واپس لے جاؤ' ورنہ رومی اگر اس کو پہچان گئے تو اس کو قتل کر ڈالیں گے (شاید اس لئے کہ آپ ؐ کے ہاتھوں ان کی سلطنت کا خاتمہ ہو جائے) ابھی یہ گفتگو ہو رہی تھی کہ رومیوں کا ایک گروہ پہنچ گیا' دریافت سے ظاہر ہوا کہ رومیوں کو یہ معلوم ہو گیا کہ پیغمبر آخر الزمان کے ظہور کا وقت آ گیا ہے اس لئے رومیوں نے تحقیق حال کے لئے ہر طرف اپنے دستے روانہ کئے ہیں۔ بحیرا نے ان سے کہا کہ خدا کی تقدیر ٹل نہیں سکتی' اس لئے بہتر ہے کہ تم واپس جاؤ۔ وہ رک گئے اور ادھر ابو طالب نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو مکہ واپس بھیج دیا اور حضرت ابوبکرؓ نے حضرت بلالؓ کو آپ ؐ کے ساتھ کر دیا اور بحیرا نے کیک اور ناشتہ آپ ؐ کے ساتھ کیا۔

یہ روایت اختصار اور تفصیل کے ساتھ سیرت کی اکثر کتابوں میں اور بعض حدیثوں میں بھی مذکور ہے مگر ابن اسحاق اور ابن سعد وغیرہ کتب سیر میں اس کے متعلق جس قدر روایتیں ہیں' ان سب کے سلسلے کمزور اور ٹوٹے ہوئے ہیں' اس قصہ کا سب سے محفوظ طریقہ سند وہ ہے جس میں عبدالرحمان غزوان جو ابو نوح قراد کے نام سے

مشہور ہے' یونس بن اسحاق سے اور وہ ابو بکر بن ابی موسیٰ سے اور وہ اپنے باپ ابو موسیٰ اشعریؓ سے اس کی روایت کرتے ہیں۔

یہ قصہ اس سلسلہ سند کے ساتھ جامع ترمذی' مستدرک حاکم' مصنف ابن ابی شیبہ' دلائل بیہقی' اور دلائل ابونعیم میں مذکور ہے' ترمذی نے اس کو حسن غریب اور حاکم نے صحیح کہا ہے' استاذ مرحوم نے سیرت کی پہلی جلد (طبع اول صفحہ ۱۳۰) وطبع دوم صفحہ ۱۶۸ میں اس روایت پر پوری تنقید کی ہے اور عبدالرحمان بن غزوان کو اس سلسلہ میں مجروح قرار دیا ہے اور حافظ ذہبی کا قول نقل کیا ہے کہ وہ اس سیرت کو موضوع سمجھتے تھے' واقعہ یہ ہے کہ اس سلسلہ سند میں نہ صرف عبدالرحمان بن غزوان بلکہ دوسرے رواۃ بھی جرح کے قابل ہیں۔

۱۔

سب سے اول یہ کہ حضرت موسیٰ اشعریؓ مسلمان ہو کر ۷ھ میں یمن سے مدینہ آئے تھے اور یہ واقعہ اس سے ۵۰ برس پہلے کا ہے' حضرت ابو موسیؓ نہ تو خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زبان مبارک سے اور نہ کسی اور شریک واقعہ کی زبان سے اپنا سننا بیان کرتے ہیں' اس لئے یہ روایت مرسل ہے۔

۲۔

اس واقعہ کو حضرت ابو موسیٰؓ سے ان کے صاحبزادے ابو بکر روایت کرتے ہیں' مگر ان کی نسبت کلام ہے کہ انہوں نے اپنے باپ سے کوئی روایت سنی بھی ہے یا نہیں؟ چنانچہ ناقدین فن کو اس باب میں بہت شک ہے' امام ابن حنبلؒ نے اس سے قطعی انکار کیا ہے۔ بنابریں یہ روایت منقطع ہے اس کے سوا ابن سعد نے لکھا ہے کہ وہ ضعیف سمجھے جاتے ہیں۔

۳۔

ابو بکر سے یونس بن اسحاق اس واقعہ کو نقل کرتے ہیں' گو متعدد محدثین نے ان کی

توثیق کی ہے تاہم عام فیصلہ یہ ہے کہ وہ ضعیف ہیں' یحیٰی کہتے ہیں کہ ان میں سخت بے پروائی تھی' شعبہ نے ان پر تدلیس کا الزام قائم کیا ہے' امام احمد ان کی اپنے باپ سے روایت کو ضعیف اور ان کی عام روایتوں کو مضطرب اور "ایسی ویسی" کہتے ہیں۔ ابو حاتم کی رائے ہے کہ وہ راست گو ہیں' لیکن ان کی اپنے باپ سے حدیث حجت نہیں' ساجی کا قول ہے کہ وہ سچے ہیں اور بعض محدثین نے ان کو ضعیف کہا ہے' ابو حاکم کا بیان ہے کہ اکثر ان کو اپنی روایتوں میں وہم ہو جاتا تھا۔

۴۔

چوتھا راوی عبدالرحمٰن بن غزوان ہے جس کا نام مستدرک اور ابو نعیم میں ابو نوح قراد ہے۔ اس کو اگرچہ بہت سے لوگوں نے ثقہ کہا ہے' تاہم وہ متعدد منکر روایتوں کا راوی ہے' ممالیک والی جھوٹی حدیث اسی نے روایت کی ہے' ابو احمد حاکم کا بیان ہے کہ اس نے امام لیث سے ایک منکر روایت نقل کی ہے ابن حبان نے لکھا ہے کہ وہ غلطیاں کرتا تھا اور امام لیث اور امام مالک سے ممالیک والی حدیث نقل کرنے کی وجہ سے اس کی طرف سے دل میں خلجان ہے۔

۵۔

حافظ ذہبی میزان میں لکھتے ہیں کہ عبدالرحمن بن غزوان کی منکر روایتوں میں سب سے زیادہ منکر بحیرا راہب کا قصہ ہے۔ اس قصے کے غلط ہونے کی ایک دلیل یہ ہے کہ اس میں یہ ہے کہ ابوبکرؓ نے بلالؓ کو آپ ﷺ کے ساتھ کر دیا حالانکہ حضرت ابوبکرؓ اس وقت بچہ تھے اور حضرت بلالؓ پیدا بھی نہیں ہوئے تھے۔

۶۔

حاکم نے مستدرک میں اس واقعہ کو نقل کر کے لکھا ہے کہ یہ بخاری و مسلم کی شرط کے مطابق ہے۔ حافظ ذہبی مستدرک کی تلخیص میں اس کے متعلق لکھتے ہیں کہ میں اس روایت کو بنایا ہوا خیال کرتا ہوں' کیونکہ اس میں بعض واقعات غلط ہیں (مستدرک

ج ۲ص ۶۱۵)

۷۔

امام بیہقی اس کی صحت کوصرف اس قدر تسلیم کرتے ہیں کہ یہ قصہ اہل سیر میں مشہور ہے۔ حافظ سیوطی نے خصائص میں امام موصوف کے اس فقرہ سے یہ سمجھا ہے کہ وہ بھی اس کے ضعف کے قائل ہیں' اس لئے اصل روایت میں ابن سعد وغیرہ سے چند اور سلسلے نقل کئے ہیں مگر ان میں سے کوئی بھی محفوظ نہیں ہے۔

۲۷۔

اسی قسم کا ایک اور واقعہ دوسری دفعہ کے سفر شام میں جب آپ حضرت خدیجہؓ کا مال تجارت لے کر بصریٰ تک تشریف لے گئے تھے' بیان کیا جاتا ہے کہ آپ کے ساتھ اس سفر میں حضرت خدیجہؓ کا غلام میسرہ بھی تھا' اس کی زبانی روایت ہے کہ ہر جگہ ابر آپ پر سایہ افگن رہتا' کبھی فرشتے اپنے پروں کا سایہ کرتے تھے' ایک عیسائی خانقاہ کے قریب جہاں نسطورا راہب رہتا تھا۔ آپ نے ایک درخت کے نیچے آرام کیا۔ راہب نے یہ دیکھا تو میسرہ سے پوچھا کہ یہ کون شخص ہے؟ اس نے نام ونشان بتایا' راہب نے کہا کہ اس درخت کے نیچے پیغمبر کے سوا اور کوئی نہیں ٹھہرا ہے۔ پھر دریافت کیا کہ ان کی آنکھوں میں ہمیشہ یہ سرخی رہتی ہے؟ غلام نے اثبات میں جواب دیا۔ راہب نے کہا تو یہ یقیناً آخر زمانہ کا پیغمبر ہے' تم کبھی اس کی رفاقت نہ چھوڑنا' اسی درمیان میں ایک شخص سے خرید وفروخت میں کوئی جھگڑا پیش آیا' خریدار نے آپ سے کہا کہ تم لات وعزیٰ کی قسم کھاؤ۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا میں ان کی قسم نہیں کھاتا۔ راہب نے میسرہ سے کہا خدا کی قسم! یہ پیغمبر ہے' اس کی صفتیں ہماری کتابوں میں لکھی ہیں' میسرہ کا بیان ہے کہ جب دوپہر کی سخت دھوپ پڑتی تو دو فرشتے آپ پر سایہ کر لیتے' جب آپ تجارت سے فارغ ہو کر مکہ آ رہے تھے' اتفاق سے اس وقت حضرت خدیجہؓ چند سہیلیوں کے ساتھ

کوٹھے پر تھیں۔ حضرت خدیجہ کی نظر آپ ؐ پر پڑی کہ آپ ؐ اونٹ پر سوار ہیں اور دو فرشتے آپ ؐ پر سایہ افگن ہیں' انہوں نے یہ منظر اپنی سہیلیوں کو دکھایا اور میسرہ سے اس کا تذکرہ کیا' میسرہ نے کہا پورے سفر میں یہی تماشا دیکھتا آیا ہوں اور اس کے بعد اس نے نسطورا راہب کی گفتگو بھی ان سے دہرائی۔

یہ واقعہ ابن اسحاق' ابن سعد' ابونعیم اور ابن عساکر میں ہے' ابن اسحاق میں اس روایت کی کوئی سند نہیں ہے۔ بقیہ کتابوں میں اس کی سند یہ ہے کہ ان کتابوں کے مصنفین واقدی سے اور واقدی موسیٰ بن شیبہ سے اور وہ عمیرہ بنت عبداللہ بن کعب سے اور عمیرہ ام سعد بنت کعب سے اور وہ یعلیٰ بن مینہ صحابی کی بہن نفیسہ بنت مینہ سے جو صحابیہ تھیں' روایت کرتے ہیں' واقدی کی بے اعتباری تو محتاج بیان نہیں' اس کے علاوہ موسیٰ بن شیبہ کی نسبت امام احمد حنبل کہتے ہیں۔ اس کی حدیثیں منکر ہیں۔ عمیرہ بنت ابن کعب اور ام سعد کا حال معلوم نہیں۔

ابن سعد' ابن اسحاق' بیہقی اور ابونعیم میں ہے کہ قریش نے جب بنو ہاشم کا مقاطعہ کر کے شعب ابی طالب میں محصور کیا اور باہم ایک معاہدہ مرتب کر کے خانہ کعبہ میں رکھ دیا تو چند سال کے بعد اللہ تعالیٰ نے دیمک کو بھیجا جس نے کاغذ کو کھالیا' ایک روایت میں ہے کہ خدا کا نام چھوڑ کر باقی عبارت کو جس میں بنو ہاشم کے مقاطعہ کا عہد تھا اس نے کھالیا اور دوسری روایت میں ہے کہ خدا کا نام کھالیا تھا اور بقیہ عبارت چھوڑ دی تھی' پھر اللہ تعالیٰ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اس واقعہ سے مطلع فرمایا' آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ابو طالب سے اس کا ذکر کیا' ابو طالب نے قریش کو اس کی خبر کی اور بالآخر اس واقعہ کے جھوٹ سے سچ ہونے پر معاہدہ باقی رہنے یا ٹوٹ جانے کا فیصلہ قرار دیا' کفار نے جب کاغذ کو اتار کر دیکھا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قول کی تصدیق ہوگئی۔

ابن اسحاق کی روایت بے سند ہے' بقیہ تمام روایتیں یا واقدی اور ابن لہیعہ سے ہیں

جن کا اعتبار نہیں اور یا ثقات سے ہیں تو وہ تمام مرسل ہیں' ان مرسل روایتوں میں اگر کوئی بہتر روایت ہے تو وہ بیہقی میں موسیٰ بن عقبہ کی ہے جو امام زہری سے اس کو روایت کرتے ہیں' مگر وہ زہری تک پہنچ کر رہ جاتی ہے کسی صحابی تک نہیں پہنچتی۔

۲۹۔

مشہور ہے کہ ہجرت میں جب آپ ؐ نے غار ثور میں پناہ لی تو خدا کے حکم سے فوراً غار کے منہ پر بنولے یا ببول کا درخت اگ آیا' جس کی ڈالیاں پھیل کر چھا گئیں۔ کبوتر کے ایک جوڑے نے آ کر وہاں انڈے دے دیئے اور مکڑی نے جالے تن دیئے تا کہ مشرکین کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اس کے اندر ہونے کا گمان نہ ہو' درخت کے اگنے' کبوتر کے انڈے دینے' مکڑی کے جالا تننے' ان تینوں کا ذکر صرف ابو مصعب مکی کی روایت میں ہے' بقیہ روایتوں میں صرف کبوتروں کے انڈے دینے اور مکڑی کے جالا تننے کا بیان ہے۔ بہر حال یہ واقعہ کتب سیر میں ابن اسحاق' ابن سعد' دلائل بیہقی اور ابو نعیم میں اور کتب حدیث میں سے ابن مردویہ اور بزار میں ہے' ابن مردویہ' بزار اور بیہقی میں جو روایت ہے' یز ابن سعد اور ابو نعیم کی ایک روایت ابو مصعب مکی سے ہے جو متعدد صحابہ سے اس واقعہ کا سننا ظاہر کرتا ہے' ابو مصعب سے عون بن عمرو القیسی اس کی روایت کرتا ہے لیکن یہ دونوں صاحب پایۂ اعتبار سے گرے ہوئے ہیں۔ ابو مصعب مکی مجہول ہے اور عون بن عمرو کی نسبت ابن معین کہتے ہیں کہ وہ کچھ نہیں' امام بخاری فرماتے ہیں کہ وہ منکر الحدیث اور مجہول ہیں۔ ابو نعیم میں عون بن عمرو کے بجائے عوین بن عمرو القیسی لکھا ہے' یہ عوین بن عمرو بھی بے اعتبار ہے' عقیلی نے اس کا ضعفا میں شمار کیا ہے اور لکھا ہے کہ اس کی روایتوں کی تصدیق نہیں ہوتی اور اس روایت کو نقل کر کے لکھا ہے کہ ابو مصعب مجہول ہے۔(۱)۔

استاذ مرحوم نے سیرت جلد اول واقعہ ہجرت میں صرف ابو مصعب کی روایت پر تنقید

کی ہے مگر واقعہ یہ ہے کہ ابومصعب کے علاوہ اور دوسرے سلسلوں سے بھی یہ مروی ہے، چنانچہ ابن سعد نے ایک اور طریقہ سے اس واقعہ کی روایت کی ہے، مگر اس روایت کا ہر سلسلہ واقدی ہے جس نے متعدد روایتوں کو یکجا کر کے ان کی ایک مشترک روایت ہجرت تیار کی ہے، اس واقعہ کی بہترین روایت وہ ہے جو مسند ابن حنبل میں حضرت ابن عباسؓ سے مروی ہے، وہ فرماتے ہیں:

فمروا بالغار فرا وا علی بابه نسج العنکبوت فقالوا لو دخل ههنا لم یکن نسج العنکبوت علی بابه (ج ا ص ۳۴۸)

کفار آپ کی تلاش میں غار کے منہ تک پہنچ گئے دیکھا کہ منہ پر مکڑی کے جال ہیں تو انہوں نے کہا اگر محمد اس کے اندر جاتے تو یہ جال نہ ہوتے۔

لیکن ان الفاظ سے اس واقعہ کا غیر معمولی ہونا ظاہر نہیں ہوتا۔ البتہ اس روایت کی بناء پر اس کو تائیدات میں جگہ دی جاسکتی ہے تاہم یہ روایت بھی قوی نہیں، اس کے راوی مقسم ہیں جو اپنے کو مولی ابن عباسؓ کہتے ہیں، اور ان سے عثمان الجزری نام ایک شخص روایت کرتا ہے، مقسم کی اگرچہ متعدد محدثین نے توثیق کی ہے اور امام بخاری نے صحیح میں ان سے حجامت کی روایت نقل ہے مگر وہ خود کتاب الضعفاء میں ان کو ضعیف کہتے ہیں، ابن سعد نے بھی ان کو ضعیف کہا ہے، ساجی نے لکھا ہے کہ لوگوں نے ان کی روایت میں کلام کیا ہے۔ ابن حزم نے لکھا ہے کہ وہ قوی نہیں، اور عثمان الجزری جو عثمان بن عمرو ساج الجزری ہے اور کہیں عثمان بن ساج کے نام سے مشہور ہے۔ گو ابن حبان نے اپنے مشہور تساہل کی بناء پر اس کو ثقات میں داخل کیا ہے۔ مگر حدث ابوحاتم کہتے ہیں کہ اس کی حدیث لکھی جائے، حجت میں پیش نہ کی جائے، علامہ ذہبی میزان میں اور حافظ ابن حجر نے لسان میں صرف ابوحاتم کا قول نقل کیا ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کی نسبت محدثین کا آخری فیصلہ یہی ہے۔

ہجرت کے موقع پر بے دودھ والی بکری کے تھنوں میں دودھ پیدا ہو جانے کا مشہور ترین معجزہ ام معبد کے خیمہ کا ہے۔ کہتے ہیں کہ مکہ اور مدینہ کی راہ میں قبیلہ خزاعہ کے ایک خاندان کا میدان میں خیمہ تھا ام معبد اور ابو معبد دونوں میاں بیوی اس خیمے میں رہتے تھے اور مسافروں کو آرام پہنچایا کرتے تھے' بکریوں کی پرورش پر ان کا گزارہ تھا' صبح کو ابو معبد تمام اچھی دودھ دینے والی بکریاں لے کر چراگاہ کو نکل گیا تھا۔ صرف بے دودھ والی دبلی بکریاں خیمہ میں رہ گئی تھیں۔ اتنے میں آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم اور حضرت ابو بکرؓ کا ادھر سے گزر ہوا' کھانے پینے کی کچھ چیزیں آپؐ نے بقیمت طلب کیں جو نہیں ملیں' خیمہ کے ایک گوشہ میں ایک بکری نظر آئی' آپؐ نے فرمایا کہ ام معبد یہ بکری کیسی ہے؟ اس نے کہا یہ لاغری سے بکریوں کے ساتھ نہ جا سکی' پھر فرمایا کہ اس کے کچھ دودھ ہے؟ جواب دیا یہ دودھ سے معذور ہے' راوی کا بیان ہے کہ امسال خشک سالی تھی اور لوگ قحط میں مبتلا تھے' فرمایا کہ مجھے اس کے دوہنے کی اجازت ہے؟ عرض کی میرے ماں باپ قربان اگر اس کے دودھ ہو تو دوھ لیجئے۔ آپؐ نے دعا فرمائی اور پھر بسم اللہ کہہ کر تھن میں ہاتھ لگایا۔ فوراً اس کے تھنوں میں دودھ اتر آیا۔ دودھ سب نے پی لیا اور کچھ بچ گیا اور قافلہ نبویؐ آگے روانہ ہوا۔ کچھ دیر کے بعد ابو معبد آیا۔ دیکھا کہ گھر میں دودھ رکھا ہے۔ تعجب سے پوچھا۔ یہ دودھ کہاں سے آیا بکریاں تو سب میرے ساتھ تھیں۔ ام معبد نے سارا قصہ بیان کیا' ابو معبد نے کہا ذرا اس شخص کی شکل و صورت بیان کرو؟ ام معبد نے نہایت تفصیل سے آپؐ کے حسن و جمال اور شکل و شمائل کی تصویر کھینچی جس کو سن کر ابو معبد نے کہا یہ خدا کی قسم! قریش والا آدمی معلوم ہوتا ہے' جس کا کچھ حال میں سن چکا ہوں' میری آرزو ہے کہ مجھے اس کی صحبت میسر ہوتی اور جب انشاء اللہ موقع مل گیا میں یہ کروں گا' اسی وقت مکہ میں کچھ اشعار غیب سے سنے گئے' یہ اشعار بھی روایت میں ہیں' ان اشعار میں ام معبد کا اس واقعہ کا بیان ہے' حضرت حسانؓ نے

جب ہاتف کی یہ آواز سنی تو ان اشعار کے جواب میں اشعار کہے (یہ جوابی اشعار بھی روایت میں مذکور ہیں ۔)

یہ روایت بغوی، ابن شاہین، ابن سکن، ابن مندہ، طبرانی، بیہقی، ابونعیم اور حاکم میں ام معبد کے بھائی حبیش بن خالد کی زبانی مذکور ہے اور حاکم نے نہ صرف یہ کہ اس کو صحیح کہا ہے بلکہ اور دیگر طریقوں سے بھی اس کو ثابت کرنے کی کوشش کی ہے، مگر معلوم ہے کہ حاکم کے صحیح کہنے کی علماء کی نگاہ میں کوئی قدر و قیمت نہیں ۔ چنانچہ حافظ ذہبی نے اس روایت پر تنقید کرتے ہوئے تصریح کردی ہے کہ ان میں سے کوئی طریقہ سند صحیح کے شرائط کے مطابق نہیں، حافظ ذہبی نے مجملاً اسی قدر لکھا ہے مگر واقعہ یہ ہے کہ یہ روایت حاکم کے علاوہ اور کتابوں میں بھی اسی سلسلہ سند سے مذکور ہے اور وہ یہ ہے کہ حزام اپنے باپ ہشام سے اور ہشام اپنے باپ حبیش بن خالد خزاعی سے ناقل ہیں۔ حزام مجہول ہیں، حبیش بن خالد سے صرف یہی ایک روایت تمام کتب حدیث میں مذکور ہے حبیش اصل واقعہ کے وقت موجود نہ تھے، معلوم نہیں انہوں نے کس سے سنا۔ اس لئے یہ روایت اگر ثابت بھی ہو تو مرسل ہے۔ حاکم نے دو طریقوں سے اس واقعہ کو نقل کیا ہے۔ ایک انہی حزام اور ہشام بن حبیش کے ذریعہ سے اور دوسرے حر بن صباح سے اور وہ ام معبد کے شوہر ابو معبد سے راوی ہیں، پہلے طریقہ میں حاکم نے یہ کمال کیا ہے کہ حبیش کے بجائے خود ہشام ابن حبیش بن خویلد (بجائے خالد) کو اصل راوی اور صحابی قرار دیا ہے۔ ظاہر ہے کہ اس طریق سے روایت کا ارسل اور بڑھ گیا ہے۔ ہشام کا صحابی ہونا بھی مشکوک ہے۔ دوسرے طریقہ میں حر بن صباح گو ثقہ ہیں، مگر ابو معبد سے ان کی سماعت ثابت نہیں، چنانچہ ابن حجر نے تہذیب میں لکھا ہے کہ حر ابو معبد سے مرسل روایتیں کرتے ہیں ۔ یہ تو ان تمام روایتوں کے اوپر کے راویوں کا حال ہے۔ نیچے راویوں میں اکثر مجہول لوگ ہیں، حر والی روایت میں نیچے ایک شخص محمد بن بشر سکری ہے جس کو ازدی نے

منکر الحدیث اور ابن عدی نے واہی کہا ہے۔ (۱)۔ ابونعیم نے دلائل میں ایک اور صحابی سلیط ابوسلیمان انصاریؓ بدری سے اس کی روایت کی ہے' سلیط سے انکے بیٹے سلیمان اور ان سے انکے بیٹے محمد بن سلیمان بن سلیط انصاری روایت کرتے ہیں لیکن ان سلیط کا نام صرف اسی روایت کے راوی کی حیثیت سے بعض مؤلفین سیر صحابہ نے کیا ہے' ورنہ انکا کوئی حال ہم کو معلوم نہیں' سلیط انصاریؓ بدری جو مشہور ہیں وہ سلیط بن قیس انصاری خزرجی بدری ہیں' انکے بیٹے کا نام عبداللہ تھا جس سے گو نسل چلی نہیں لیکن ان سے روایت نسائی میں موجود ہے' مگر سلیط ابوسلیمان انصاریؓ بدری سے کوئی روایت اس کے سوا موجود نہیں' اسی لئے اسماء الرجال صحابہ کے مؤلفین میں سے بعض نے انکو اور سلیط بن قیسؓ انصاری بدری کو ایک سمجھا ہے۔ اگر ایسا ہے تو سلیمان انکے بیٹے اور محمد انکے پوتے کا نام نہ تھا اور اگر دو ہیں تو اصحاب بدر کے سب نام گنے ہوئے ہیں' ان میں سلیط بن قیس خزرجی کے سوا کوئی دوسرا سلیط نام نہیں' پھر مدینہ کے باشندہ تھے اور ام معبد قبیلہ خزاعہ کی تھی جو مکہ اور مدینہ کے بیچ میں آباد تھا' معلوم نہیں کہ سلیط انصاریؓ نے کس سے سنا؟ پھر ان کے بیٹے سلیمان اور پوتے محمد سے ہم کو کوئی واقفیت نہیں' حافظ ابن حجر لسان المیزان میں محمد بن سلیمان بن سلیط انصاری کے تحت میں لکھتے ہیں۔

---

(۱)۔ لسان المیزان ترجمہ محمد بن بشر بن ابان السکری۔

قال العقیلی مجهول بالنقل روی عن ابیه عن جده فذکر قصهت ام معبد وهو واه وقال لیس هذا الطریق محفوظا فی حدیث ام معبد قال ابن منده مجهول۔

علاوہ ازیں ان روایتوں کے الفاظ ام معبد اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے باہم طرز تخاطب اور اشعار کی زبان اور ابومعبد کی گفتگو میں ایک خاص غرابت ہے جس کو ناقدین حدیث اچھی طرح سمجھ سکتے ہیں۔ یہ بھی عجیب بات ہے کہ

ہاتف غیب نے اشعار مکہ میں لوگوں کو سنائے اور حسان نے جو ابھی مسلمان نہیں ہوئے تھے' مدینہ میں بیٹھے بیٹھے ان کا جواب کہا۔ ہجرت کے سال میں مکہ کے آس پاس قحط کا پڑنا اور خشک سالی ہونا بھی ثابت نہیں۔

مجھے ہجرت کے موقع پر ان دودھ والی روایتوں کے تسلیم کرنے میں اس لئے بھی پس وپیش ہے کہ ہجرت کے رفیق سفر حضرت ابوبکرؓ سے واقعات ہجرت کی جو روایت صحیح بخاری میں مذکور ہے اس میں ایک جگہ چرواہے سے دودھ مانگ کر پینے کا ذکر موجود ہے مگر اس معجزہ کا مطلق ذکر نہیں ہے۔ چنانچہ صحیح بخاری میں حضرت ابوبکرؓ کی زبانی یہ قصہ ان الفاظ میں مذکور ہے۔ دفعتًا ایک چرواہا نظر آیا جو اپنی بکریوں کو ہانکنے کے لئے جا رہا تھا میں نے اس سے پوچھا تم کس کے غلام ہو؟ اس نے قریش کے ایک آدمی کا نام لیا جس کو میں جانتا تھا' پھر میں نے کہا تمہاری بکریوں کے دودھ ہے؟ اس نے کہا۔ ہاں میں نے کہا اپنے ہاتھ اور بکری کے تھن جھاڑ کر پیالہ میں دودھ تو دوہو' تو اس نے دوہا تو میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لئے ایک برتن میں رکھ کر اور تھوڑا پانی ملا کر کہ دودھ ٹھنڈا ہو جائے۔ آپ ؐ کے پاس لایا' آپ ؐ نے نوش فرمایا۔ (۱)۔

مدینہ پہنچ کر مسلمانوں کی ایک اجتماعی زندگی شروع ہو گئی تھی اور خلوت وجلوت میں ہر موقع پر جاں نثاروں کا ہجوم رہتا تھا۔ اس لئے آپ ؐ کے واقعات وسوانح کا ایک ایک حرف پہلے سے زیادہ روشن ہو جاتا ہے' اس بناء پر اس زمانہ کے دلائل ومعجزات زیادہ محفوظ طریقہ سے احادیث میں مذکور ہیں اور اس عہد کے متعلق جو غلط اور مشتبہ روایات بعد کو پیدا ہوئی ہیں محدثین نے موضوعات میں اعلانیہ ان کی پردہ دری کر دی ہے۔ (۲)۔ اس لئے فن موضوعات پر جو کتابیں لکھی گئیں ہیں ان کی اس میں تفصیل موجود ہے۔ مثلاً:

ا۔وہ تمام روایتیں جن میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے معجزہ سے حضرت آمنہ یا کسی اور مردہ کے زندہ ہونے کا بیان ہے وہ سب جھوٹی اور بنائی ہوئی ہیں۔

۲۔

وہ معجزے جن میں گدھے' اونٹ' بکری' ہرن' گوہ' بھیڑیئے' شیر وغیرہ جانوروں کے انسانوں کی طرح بولنے یا کلمہ پڑھنے کا ذکر ہے بروایت صحیحہ ثابت نہیں ہیں۔ (۳)۔

(ا)۔صحیح بخاری باب مناقب المہاجرین۔ (۲)۔علامہ زرقانی نے شرح مواہب لدنیہ کی پانچویں جلد میں ان روایتوں کو مع تنقید کے جمع کر دیا ہے۔ (۳)۔یعنی ضعیف روایتوں میں گویا آیا ہے لیکن ان کا صحیح کا درجہ حاصل نہیں' ان روایتوں میں سے ایک بھیڑیئے کے بولنے کا قصہ زیادہ مشہور ہے جو دلائل بیہقی' مسند احمد' حاکم اور ترمذی میں بطریق متعددہ مذکور ہے۔جن میں سب سے قوی حضرت ابوسعید خدریؓ کی روایت ہے' حاکم نے اس کو صحیح کہا ہے اور ذہبی نے بشرط مسلم کہا ہے (مستدرک ج ۴ صفحہ ۴۶۷) لیکن امام بخاری نے کہا ہے کہ اس کی سند قوی نہیں (زرقانی علی المواہب ج ۵ صفحہ ۱۹۳)

۳۔

ایسی روایتیں جن میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لئے آسمان سے خوان نعمت یا جنت سے میووں کے آنے کا ذکر ہے موضوع یا ضعیف ہیں۔(ا)۔

۴۔

وہ روایتیں جن میں حضرت خضرؑ یا الیاسؑ سے ملنے یا ان کے سلام و پیام بھیجنے کا بیان ہے صحت سے خالی ہیں۔

۵۔

عوام میں مشہور ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سایہ نہ تھا لیکن یہ کسی روایت سے ثابت نہیں۔

۶۔

روایت ہے کہ آپ ؐ قضائے حاجت سے واپس آتے تھے تو وہاں کوئی نجاست باقی نہیں رہتی تھی' یہ سرتاپا موضوع ہے۔

۷۔

واعظوں میں مشہور ہے کہ ابوجہل کی فرمائش سے اس کے ہاتھ کی کنکریاں آنحضرت ﷺ کے معجزہ سے کلمہ پڑھنے لگیں' لیکن یہ ثابت نہیں۔

۸۔

وہ تمام حکایات جن سے ہماری زبان میں کتب وفات نامہ اور ہرنی نامہ ترتیب پائی ہیں تمام تر جھوٹی ہیں۔

۹۔

ایک روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ ایک دفعہ حضرت علیؓ کے زانو پر سر رکھ کر آرام فرما رہے تھے' آفتاب ڈوب رہا تھا اور نماز عصر کا وقت ختم ہو رہا تھا لیکن حضرت علیؓ نے ادباً آپ ؐ کو جگانا مناسب نہ سمجھا۔ جب آفتاب ڈوب گیا تو دفعتاً آپ ؐ بیدار ہوئے اور دریافت فرمایا کہ تم نے نماز پڑھی' عرض کی نہیں۔ آپ ؐ نے دعا کی فوراً آفتاب لوٹ کر نکل آیا۔ یہ روایت بھی صحیح طریقہ سے ثابت نہیں ہے۔ (۲)۔

۱۰۔

ایک روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا چہرۂ مبارک اس قدر روشن تھا کہ اندھیرے میں آپ ؐ جاتے تھے تو اجالا ہو جاتا۔ چنانچہ ایک دفعہ رات کو حضرت عائشہؓ کے ہاتھ سے سوئی گر گئی' تلاش کی نہیں ملی دفعتاً آپ ؐ تشریف لے آئے تو چہرہ مبارک کی روشنی میں سوئی چمک اٹھی اور مل گئی' یہ بالکل جھوٹ ہے۔

گوان میں سے بعض روایتوں کو اہل سیر اور مصنفین نے فضائل نبوی میں اپنی کتاب میں درج کیا ہے مگر اس سے ان کی صحت ثابت نہیں ہوتی ' اور اگر ان میں کوئی روایت سنداً صحیح ثابت ہو جائے تو اس خاکسار ہیچمند ان کو اس کے قبول میں کوئی عذر نہیں ۔ وفوق کل ذی علم علیم ۔

ان روایتوں کی تنقید سے غرض نعوذ باللہ فضائل نبوی ؐ میں کلام نہیں بلکہ یہ اعتقاد ہے کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذات پاک کی طرف جو بات منسوب کی جائے وہ ہر طرح صحیح ہو ۔ (۳) ۔

(۱) ۔ قسم کی ایک روایت مسند احمد (ج ۴ صفحہ ۱۰۴) دارمی ۱۲' نسائی' حاکم' بزار' ابو یعلی اور طبرانی میں سلمہ بن نفیل سکونی سے مروی ہے' حاکم نے اس کو صحیح کہا ہے' لیکن ذہبی نے اس کے استدارک میں اس کو سند صحیح کہا ہے لیکن غرائب صحاح میں قرار دیا ہے (مستدرک حاکم ج ۲ ص ۴۴۷' ۴۴۸ و خصائص کبریٰ سیوطی ج ۲ صفحہ ۵۶ حیدر آباد ۔) (۲) ۔ بعض علمائے اہل سنت مثلاً قاضی عیاض' ابو حفص طحاوی اور عام علمائے روافض نے اس روایت کے ضعف کو دور کرنے کی کوشش کی ہے مگر عام ائمہ رجال کا رجحان اس روایت کے موضوع یا کم از کم ضعیف ہونے کی طرف ہے' ابن جوزی نے موضوعات میں شمار کیا ہے' حافظ ابن کثیر فرماتے ہیں کہ ہمارے استاد حافظ مزی اور امام ذہبی نے بھی اسکے موضوع ہونے کی تصریح کی ہے ۔ (البدایہ والنہایہ ج ۶ ص ۲۸۲) (۳) ۔ اس کتاب کے تصنیف کے برسوں بعد حافظ ابن کثیر کی کتاب البدایہ والنہایہ مصر سے چھپ کر آئی ہے ۔ جو سیرت پر بڑی مفصل کتاب ہے' اس کی چھٹی جلد میں حافظ موصوف نے معجزات نبویہ ؐ کی ہر قسم کی روایتوں کو جمع کر دیا ہے اور ان پر کلام بھی کیا ہے اور ان کے اسناد کی جرح وتعدیل بھی کی ہے' اہل تحقیق حضرات اس کی طرف توجہ فرمائیں ۔

اجعل هذا بلدا امنا وارزق اهله من الثمرات من امن منهم بالله و اليوم الاخرط قال ومن کفر فامتعه قليلا ثم اضطره الى عذاب النارط وبئس المصير . واذ يرفع ابراهيم القواعد من البيت و اسماعيل ربنا

اور یاد کرو جب ابراہیمؑ کے پروردگار نے ابراہیمؑ کا چند باتوں میں امتحان لیا' پس ابراہیمؑ نے ان کو پورا کیا' خدا نے کہا کہ اے ابراہیمؑ' میں تم کو لوگوں کا پیشوا بناؤں گا' ابراہیمؑ نے کہا اور میری اولاد میں سے' خدا نے کہا میرا وعدہ گہنگار نہ پائیں گے اور یاد کرو جب ہم نے خانہ کعبہ کو لوگوں کا مرجع اور مامن بنایا اور حکم دیا کہ ابراہیمؑ کے قیام گاہ کو نماز کی جگہ مقرر کرو اور ابراہیمؑ اور اسماعیلؑ کو فرمایا کہ میرے گھر کا طواف کرنے والوں اور رکوع سجدہ کرنے والوں کیلئے پاک و صاف کرو اور یاد کرو جب ابراہیمؑ نے دعا کی کہ میرے پروردگار! (اس مکہ) کو امن کا شہر بنا اور اس کے رہنے والوں میں سے جو خدا اور آخرت پر یقین رکھتے تھے ان کو پھل روزی دے' خدا نے کہا جو ان میں سے خدا کا منکر ہوگا اس کو بھی ہم دنیا کی چند روزہ

---

(۱)۔صفحات ذیل میں صرف ان ہی بشارات سے بحث ہے جن کے حوالے قرآن وحدیث میں مذکور ہیں۔

تقبل مناط انك انت السميع العليم . ربنا واجعلنا مسلمين لك ومن ذريتنا امة مسلمة لك و ارنا مناسكنا وتب علينا ج انك انت التواب الرحيم . ربنا وابعث فيهم رسولا منهم يتلوا عليهم ايتك ويعلمهم الكتب والحكمة ويزكيهم ط

انك انت العزیز الحکیم۔(بقرہ ۔۵)

زندگی میں بہرہ مند کریں گے۔پھر اس کو مجبور کر کے عذاب دوزخ میں لے جائیں گے اور بہت بڑا ٹھکانہ ہے اور یاد کرو جب ابراہیمؑ اور اسماعیلؑ خانہ کعبہ کی بنیاد رکھ رہے تھے تو انہوں نے دعا کی خداوندا! ہماری یہ خدمت قبول کر' تو ہی دعا کا سننے والا ہے' نیتوں کا جاننے والا ہے خداوندا ہم کو اپنا فرمانبردار بنا اور ہماری نسل میں بھی ایک گروہ اپنے فرمانبرداروں کا پیدا کرو اور ہم کو ہماری عبادت کے طریقے سکھا' ہم سے درگزر کر تو ہی بڑا درگزر کرنے والا اور مہربان ہے' خداوندا ان ہی میں سے ایک پیغمبر کو مبعوث جو ان کو تیری آیتیں پڑھ کر سنائے اور کتاب اور حکمت سکھائے اور ان کا تزکیہ کرے تو غالب اور حکمت والا ہے۔

ان آیات میں بتصریح یہ بتایا گیا ہے کہ حضرت ابراہیمؑ واسماعیلؑ نے مل کر خدا کے حضور میں دعا کی کہ اس شہر میں ہماری نسل سے ایک پیغمبر مبعوث فرما' چونکہ مقام بعثت مکہ مقرر کیا گیا اور دعا میں حضرت اسمایلؑ کی بھی شرکت تھی' اس لئے اس میں کوئی شبہ نہیں کہ اس دعا کا مقصود یہ تھا کہ یہ پیغمبر نسل اسماعیل سے ہوگا اور مکہ میں اس کی بعثت ہوگی۔

موجودہ توراہ کی کتاب پیدائش باب ۱۶ کے آخر اور باب ۱۷ کے اول میں بھی کچھ اس کے اشارات پائے جاتے ہیں۔

''اور ہاجرہ ابراہیمؑ کے لئے بیٹا جنی اور ابراہیمؑ نے اپنے بیٹے کا نام جو ہاجرہ جنی اسماعیلؑ (خدا نے دعا سنی) رکھا۔(پیدائش ۱۶۔۱۵)

جب ابراہیم ننانوے برس کا ہوا تب خداوند ابرام کو نظر آیا اور اس نے کہا کہ میں خدائے قادر ہوں تو میرے حضور میں چل اور کامل ہو اور اپنے اور تیرے درمیان عہد

کرتا ہوں کہ میں تجھے نہایت بڑھاؤں گا تب ابرام منہ کے بل گرا اور خدا اس سے ہم کلام ہو کر بولا کہ دیکھ میں جو ہوں ہوں' تیرا عہد ہے میرے ساتھ ہے اور تو بہت قوموں کا باپ ہو گا اور تیرا نام پھر ابرام نہ کہلایا جائے گا بلکہ تیرا نام ابرہام ہو گا' کیونکہ میں نے تجھے بہت قوموں کا باپ ٹھہرایا اور میں تجھے بہت پھل دوں گا اور قومیں تجھ سے پیدا ہوں گی اور بادشاہ تجھ سے نکلیں گے اور میں اپنے اور تیرے درمیان اور تیرے بعد تیری نسل کے درمیان ان کے پشت در پشت کے لئے اپنا عہد جو ہمیشہ کا عہد ہے کرتا ہوں کہ میں تیرا اور تیرے بعد تیری نسل کا خدا ہوں گا اور میں تجھ کو اور تیرے بعد تیری نسل کو کنعان کا تمام ملک جس میں تو پردیسی ہے' دیتا ہوں کہ ہمیشہ کے لئے ملک ہو اور ان میں ان کا خدا ہوں گا۔'' (پید: ۱۷ تا ۱۸)

خدا کا حضرت ابراہیمؑ سے یہ عہد' حضرت اسماعیلؑ کی پیدائش کے بعد ہی اور حضرت اسحاقؑ کی ولادت سے پہلے ہوتا ہے' جس سے یہ صاف ظاہر ہوتا ہے کہ یہ بشارت اسماعیلؑ کے لئے ہے اسحاقؑ کے لئے نہیں۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے حضرت اسحاقؑ کی بشارت دی' حضرت ابراہیمؑ کو وہم ہوا کہ اس نئی بشارت سے یہ مراد تو نہیں ہے کہ اسماعیلؑ زندہ نہ رہیں گے اور وہ عہد اسحاقؑ کے ساتھ پورا ہو گا۔ فوراً بارگاہ الٰہی میں عرض کی:

''کاش کہ اسماعیل تیرے حضور جیتا رہے۔'' پیدائش ۱۷:۱۸)

خدا نے جواب دیا:

''اور اسماعیل کے حق میں' میں نے تیری سنی' دیکھ میں اسے برکت دوں گا اور اسے باور کروں گا اور اسے بہت بڑھاؤں گا اور اس سے بارہ سردار پیدا ہوں گے اور میں اسے بڑی قوم بناؤں گا۔'' (پیدائش ۱۷: ۲۰)

حضرت ہاجرہ جب حاملہ ہونے کے بعد حضرت سارہ سے خفا ہو کر بیر سبع چلی گئیں تو فرشتہ نے آواز دی۔ میں تیری اولاد کو بہت بڑھاؤں گا کہ وہ کثرت سے گنی جائے

گی اور خداوند کے فرشتہ نے اس سے کہا کہ تو بیٹا جنے گی' اس کا نام اسماعیل رکھنا کہ خدا نے تیرا دکھ سن لیا۔ (پیدائش ۱۶: ۱۰)

حضرت ابراہیمؑ نے جب حضرت ہاجرہ اور اسماعیلؑ کو فاران (مکہ) کے بیابان میں رخصت کیا اور مشکیزہ کا پانی چک گیا اور حضرت ہاجرہ نے گریہ وزاری شروع کی۔

''تب خدا نے اس لڑکے (اسماعیلؑ) کی آواز سنی اور خدا کے فرشتہ نے آسمان سے ہاجرہ کو پکارا اور اس سے کہا کہ اے ہاجرہ! تجھ کو کیا ہوا؟ مت ڈر کہ اس لڑکے کی آواز جہاں وہ پڑا ہے خدا نے سنی' اٹھ اور لڑکے کو اٹھا اور اسے ہاتھ سے سنبھال کہ میں اس کو ایک بڑی قوم بناؤں گا' پھر خدا نے اس کی آنکھیں کھولیں اور اس نے پانی کا ایک کنواں (بیر زمزم) دیکھا۔ خدا اس لڑکے کے ساتھ تھا اور وہ بڑھا اور بیابان (عرب (۱)۔) میں رہا۔۔۔۔اور وہ فاران کے بیابان میں رہا۔ (۲)۔'' (پیدائش ۲۱' ۱۷ تا ۲۱)

موجودہ تورات میں حضرت اسماعیلؑ کی پیدائش اور ان کی نسل کی برومندی' کثرت اور برکت اور ان کی نسل کے بارہ سرداروں کے پیدا ہونے کی بشارتیں مذکور ہیں اور ان سے قرآن مجید کے بیان کردہ دعا ابراہیمی اور عہد الہٰی کی تائید ہوتی ہے' الغرض اسی لئے روایات میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے صحابہ سے فرمایا کہ میں تمہیں بتاؤں کیا ہوں؟ انا دعوۃ ابی ابراھیم میں اپنے باپؑ کی دعا سے ہوں۔

حضرت ابراہیمؑ نے اپنی نسل میں جس رسول کے پیدا ہونے کی دعا مانگی تھی' اس کے اوصاف یہ گناتے تھے:

ربنا وابعث فیھم رسولا منھم یتلوا علیھم ایتك ویعلمھم الکتاب والحکمۃ ویزکیھم۔
(بقرہ۔۱۵)

اے ہمارے خداوندا! ان میں (یعنی اسماعیل کی اولاد میں)
ایک پیغمبر کو مبعوث کرنا جو ان کو تیرے احکام پڑھ کر سنائے
اور ان کو کتاب وحکمت کی تعلیم دے اور ان کو پاک وصاف
کرے۔

---

(۱)۔ عرب کے لفظی معنی بیابان کے ھیں۔ (۲)۔ قرآن مجید نے اس کو غیر ذی ذرع۔ بن کھیتی کے میدان سے تعبیر کیا۔ (۳)۔ طبقات ابن سعد و مستدرک۔

قرآن مجید نے متعدد مقامات پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے یہی اوصاف ظاہر کیے ہیں۔

هو الذی بعث فی الامیتین رسولا منهم یتلوا علیهم ایته ویزکیهم ویعلمهم الکتاب والحکمهت۔(جمعه)

اسی خدا نے ان پڑھوں میں ان ہی قوم سے ایک پیغبر
مبعوث کیا جو ان کو خدا کے احکام پڑھ کر سناتا ہے اور ان کو
پاک وصاف کرتا ہے اور ان کو کتاب وحکمت کی تعلیم دیتا
ہے۔

لقد من الله علی المئومنین اذ بعث فیهم رسولا من انفسهم یتلوا علیهم ایته ویزکیهم و یعلمهم الکتاب و الحکمهت۔(ال عمران)

خدا نے مومنوں پر یقیناً یہ احسان کیا کہ ان میں ایک پیغمبر خود
ان ہی کی قوم سے مبعوث کیا جو ان کو خدا کے احکام سناتا ہے
اور ان کو پاک وصاف کرتا ہے اور ان کو کتاب وحکمت کی تعلیم
دیتا ہے۔

اس سے یہ اشارہ صاف واضح ہوتا ہے کہ آنحضرت ﷺ کا وجود مبارک دعائے ابراہیمی کی قبولیت کا مظہر ہے حضرت عیسیٰ نے آنحضرت ﷺ کی جو بشارت دی

ہے وہ اس سے بھی زیادہ صاف ہے۔

واذ قال عیسی ابن مریم یبنی اسرائیل انی رسول
اللہ الیکم مصدقا لما بین یدیہ من التوراۃ و
مبشرا برسول یاتی من بعدی اسمہ احمد۔(صف)

اور جب عیسٰی بن مریم نے کہا کہ اے بنی اسرائیل! میں
تمہارے پاس خدا کا قاصد بن کر' اور مجھ سے پہلے جو
توراۃ آئی' میں اس کی تصدیق کرتا ہوں اور اپنے بعد احمد
نام ایک پیغمبر کی خوشخبری لے کر آیا ہوں۔

انجیل یوحنا باب ۱۴ میں ایک آنے والے کی بشارت ان الفاظ میں ہے:

''اور میں اپنے باپ سے درخواست کروں گا اور وہ تمہیں دوسرا ''فارقلیط'' بخشے گا کہ ہمیشہ تمہارے ساتھ رہے۔'' (۱۴:۱۶)

آگے بڑھ کر پھر ہے:

''لیکن وہ ''فارقلیط'' جو روح القدس ہے جسے باپ میرے نام سے بھیجے گا وہی تمہیں سب چیزیں سکھائے گا اور سب باتیں جو کچھ کہ میں نے کہی ہیں تمہیں یاد دلائے گا۔'' (۱۴:۲۶)

اسی انجیل کے باب ۱۵۔۱۶ میں ہے:

''پر جب وہ ''فارقلیط'' جسے میں تمہارے لئے باپ کی طرف سے بھیجوں گا یعنی سچائی کی روح جو باپ سے نکلتی ہے تو وہ میرے لئے گواہی دے گا۔''

اسی انجیل کے باب ۱۶۔۱۷ میں ہے:

''لیکن میں تمہیں سچ کہتا ہوں کہ تمہارے لئے میرا جانا ہی فائدہ ہے' کیونکہ اگر میں نہ جاؤں تو ''فارقلیط'' تمہارے پاس نہ آئے گا' پر اگر میں جاؤں تو میں اسے تمہارے پاس بھیج دوں گا اور وہ آن کر دنیا کو گناہ سے اور راستی سے اور عداوت سے قصوروار ٹھہرائے گا' گناہ کے بارے میں اس لئے کہ وہ مجھ پر ایمان نہیں لاتے

کی خبر دے گا۔

۳۔

مسیح کی عظمت کو دنیا میں قائم کرے گا اور ان کی گواہی دے گا اور ان پر ایمان نہ لانے پر دنیا کو گنہگار ٹھہرائے گا۔

۴۔

اس کی باتیں خود اس کی نہ ہوں گی بلکہ جو کچھ خدا کی طرف سے ان کو سنایا جائے گا وہی کہے گا۔

اس صداقت سے کون انکار کرسکتا ہے کہ مسیح کی اصلی تعلیم عیسائی بھلا چکے تھے' توحید کی جگہ تثلیث تھی' حضرت عیسیٰ کے تعلیمات صادقہ میں ابنیت' الوہیت مسیح' مجسمہ پرستی اور بیسیوں عقائد فاسدہ کا اضافہ کردیا گیا تھا وہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہی کی ذات مبارک ہے جس نے حضرت عیسیٰ کی بھلائی ہوئی باتوں کو پھر یاد دلایا اور بتایا کہ ان کی اصلی تعلیم کیا تھی۔ قرآن مجید نے پورے واشگاف طریق سے نصاریٰ کے عقائد فاسدہ اور غلط تعلیمات کی تشریح کی اور دنیا میں تثلیث کے بجائے توحید کا علم نصب کیا اور حضرت موسیٰ اور حضرت عیسیٰ اور حضرت مریم کی الوہیت کی تردید کی اور حضرت عیسیٰ کی ابنیت اور ان کی موت وحیات کے مسئلہ کو صاف کیا۔

اس کے بعد حضرت مسیح نے کہا کہ وہ میری ناتمام باتوں کی تکمیل کرے گا' یہ خصوصیت بھی خاتم النبین ﷺ کے سوا اور کسی پر صادق نہیں آسکتی' مسیح کے اس فقرے سے دو باتیں ثابت ہوتی ہیں' ایک یہ کہ مسیح تک دین الٰہی ناتمام ہے اور دوسری یہ کہ آئندہ آنے والے پیغمبر کے ہاتھ سے اس کی تکمیل ہوگی' اور وہ سچائی کی تمام راہیں دکھائے گا اور ساری باتوں کی خبر دے گا۔ یہ پیشین گوئی آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذات سے پوری ہوئی' آپ ﷺ کی ذات سے دین الٰہی تکمیل کو

پہنچا اور آپ ؐ نے عقائد' عبادات' اخلاق' احکام' آثار قیامت' جنت و دوزخ سزا و جزا وغیرہ کے باتوں کو اس تفصیل' تشریح اور تکمیل کے ساتھ بتایا جس کی مثال دنیا کے کسی پیغمبر کی تعلیم میں نہیں ملتی' اس لئے آپ ؐ کو خاتم النبیین ؐ کا لقب دیا گیا۔

حضرت عیسیٰ نے اس پیغمبر کی نشانی یہ بتائی کہ وہ دنیا میں میری عظمت کو قائم کرے گا اور میرے لئے گواہی دے گا۔ یہ نشانی بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذات اقدس کے سوا کسی اور پر صادق نہیں ہو سکی' وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہی ہیں' جنہوں نے حضرت عیسیٰؑ کی اصلی شخصیت اور عظمت کو دنیا میں آشکارا کیا اور دوستوں اور دشمنوں کی طرف ان پر جو غلط اتہامات قائم کئے گئے تھے ان کی پردہ دری کی اور ان کی نبوت اور رسالت کی گواہی دی اور ان کی صداقت کو تسلیم کرنا اسلام کا ضروری رکن قرار دیا' ان کے حقیقی اوصاف ومحامد کی تصویر کو جسے یہود نے دشمنی سے اور انصاری نے محبت سے دھندلی کر دیا تھا' اپنی روشنی سے اجاگر کر دیا' یہودیوں نے ان پر اور ان کی ماں پر جو بہتان باندھے تھے ان کی علی رؤس الاشہادتر دید کر دی اور نصاری نے ان کو ولادت' وفات' ابنیت' الوہیت اور تعلیمات پر رومی مشرکانہ اعمال و عقائد کا جو پردہ ڈال رکھا تھا اس کو چاک کر دیا اور قرآن کی بیسیوں آیتوں میں نہایت صفائی کے ساتھ ان امور کی تشریح کی گئی اور اب کروڑوں دلوں میں ان کی اصلی عظمت اور حقیقی بزرگی کا نقش کندہ ہے۔

چوتھی نشانی حضرت مسیح نے یہ بتائی کہ وہ خود اپنی طرف سے نہیں کہے گا بلکہ وہی کہے گا جو اس کو اوپر سے سنایا جائے گا یہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا خاص وصف ہے۔ قرآن نے کہا:

وما ینطق عن الھوی ان ھو الا وحی یوحی۔

(نجم۔ ۱)

اور وہ خواہش نفس سے نہیں بولتا بلکہ وہ کچھ بولتا ہے وہی بولتا ہے جو اس پر وحی کی جاتی ہے۔

حضرت عبداللہ بن عمروؓ بن العاص آنحضرت ﷺ جو کچھ ارشاد فرمایا کرتے تھے اس کو لکھ لیا کرتے تھے۔ لوگوں نے کہا آپ ؐ کبھی غصہ میں کچھ کہہ دیتے ہیں' ان کو لکھا نہ کرو' حضرت عبداللہ بن عمروؓ نے جا کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے عرض کی' آپ ؐ نے اپنے دہن مبارک کی طرف اشارہ کرکے فرمایا کہ اس سے رضامندی اور نارضامندی دونو حالتوں میں حق اور سچائی کے سوا اور کچھ نہیں نکلتا' قرآن مجید نے اپنی نسبت بارہا کہا کہ وہ سچائی کی روح ہے' وہ حق ہے' وہ تذکرہ' وہ ہدایت ہے' اور اس کا پیغمبر چراغ ہدایت ہے' رہنمائے عالم ہے' مذکر (یاددلانے والا ہے) اس تفصیل کے بعد کون اس سے انکار کرسکتا ہے کہ حضرت مسیح کی پیشین گوئی آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ظہور سے حرف بحرف پوری ہوئی اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سوا کوئی اور ہستی نہیں جس پر یہ اوصاف صادق آسکیں' قرآن مجید میں ایک اور مقام پر بیان کیا گیا ہے کہ آنحضرت ﷺ کے ظہور کی پیشین گوئی توراہ اور انجیل دونوں میں مذکور ہے اور یہود ونصاریٰ دونوں اس پیشین گوئی کو جانتے تھے۔

الذین یتبعون الرسول النبی الامی الذی یجدونہ مکتوبا عندھم فی التوراۃ والانجیل۔(اعراف:۱۹)

جو لوگ ان پڑھ پیغام رساں قاصد کی پیروی کرتے ہو جس کو وہ اپنے پاس توراہ اور انجیل میں لکھا ہوا پاتے ہو۔

انجیل میں گذشتہ بشارت فارقلیط کے علاوہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی دو اور بھی پیشین گوئیاں مذکور ہیں' انجیل لوقا میں ہے۔ حضرت مسیح نے آسمان پر چلے جانے سے تھوڑی دیر پہلے فرمایا:

''دیکھو میں اپنے باپ خدا کے اس موعود کو تم پر بھیجتا ہوں' لیکن جب تک عالم بالا سے تم کو قوت عطا نہ کی جائے یروشلم میں ٹھہرو۔'' (لوقا ۴۲۔۴۹)

اس کی چند سطروں کے بعد لوقا کی انجیل ختم ہوگئی ہے اور اس موعود کے ظہور کا کوئی ذکر نہیں، وہ رسول موعود کون تھا؟ ظاہر ہے کہ حضرت عیسیٰؑ کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سوا کوئی پیغمبر نہیں ہوا، انجیل کے اس فقرہ میں یہ الفاظ غور کے قابل ہیں کہ حضرت مسیحؑ کہتے ہیں کہ اس قوت آسمانی کے ظاہر ہونے کے وقت تک یروشلم میں ٹھہرو، اس سے مقصود اس قوت آسمانی کے ظہور تک شہر یروشلم میں محض اقامت نہیں ہے بلکہ مقصود یہ ہے کہ اس رسول موعود کے ظہور تک تمہارا کعبہ اور قبلہ بیت المقدس رہے گا لیکن جب وہ آئے گا تو رخ شہر مکہ کی طرف بدل جائے گا، اسی لئے قرآن مجید نے تحویل قبلہ کے موقع پر یہ کہا ہے:

فول وجهك شطر المسجد الحرام وحيث ما كنتم فولوا وجوهكم شطره وان الذين اوتوا الكتب ليعلمون انه الحق من ربهم۔ (بقرہ)

تو تو اپنا منہ مسجد حرام (کعبہ) کی طرف پھیر اور تم جہاں بھی ہو اسی کی طرف اپنے منہ پھیرو اور جو اہل کتاب ہیں وہ جانتے ہیں کہ یہ حق ہے ان کے پروردگار کی جانب سے۔

اس تفصیل سے ظاہر ہوگا کہ حضرت عیسیٰؑ نے آپؐ کی آمد کی بشارت کس قدر کھلے لفظوں میں دی تھی، اسی لئے احادیث میں ہے کہ آپؐ نے صحابہؓ سے فرمایا کہ میں اپنے بھائی عیسیٰؑ کی بشارت ہوں۔ انجیل کی دوسری بشارت حضرت یحییٰؑ کے ظہور کے موقع پر مذکور ہے، حضرت یحییٰؑ جب ظاہر ہوتے ہیں، تو لوگ ان سے پوچھتے ہیں کہ تین آنے والے پیغمبروں میں سے تم کون ہو؟

''یہودیوں نے یروشلم سے کاہنوں اور لاویوں کو بھیجا کہ اس سے پوچھیں کہ تو کون ہے؟ اور اس نے اقرار کیا اور انکار نہ کیا بلکہ اقرار کیا کہ میں مسیح نہیں ہوں۔ تب انہوں نے اس سے پوچھا تو اور کون ہے؟ کیا تو الیاس ہے؟ اس نے کہا میں نہیں ہوں، پس آیا تو وہ ''نبی'' ہے؟ اس نے جواب دیا نہیں اور انہوں نے اس سے سوال

کیا اور کہا کہ اگر تو نہ مسیح ہے اور نہ الیاس اور نہ وہ ''نبی'' ہے تو کیوں بپتسمہ دیتا ہے۔'' (یوحنا ا۔۹)

اس فقرہ سے ثابت ہوتا ہے کہ توراہ کی پیشین گوئی کے مطابق یہود کو تین پیغمبروں کا انتظار تھا جن میں سے دو کے نام الیاسؑ اور مسیح تھے' لیکن تیسرے کا نام صرف وہ ''نبی'' ہے لیا گیا ہے' یہ تیسرا نبی محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سوا کون ہے کہ یہود و نصاریٰ دونوں یقین رکھتے ہیں کہ اب مسیح کے سوا کوئی اور آنے والا نہیں صرف آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ہی ذات ہے جو نبی اور پیغمبر کے مطلق نام سے دنیا میں مشہور ہے' مسلمان آپ کو ''آنحضرت'' وہ حضرت یعنی پیغمبر کہتے ہیں اور مسیحیوں میں آپ کا نام ''دی پرافٹ'' وہ پیغمبر مشہور ہو گیا ہے۔

صحابہ کرامؓ اور تابعین میں جن لوگوں کو توراہ سے واقفیت تھی یا علمائے یہود میں سے جو لوگ اسلام لائے تھے۔ ان کو اچھی طرح معلوم تھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بشارت گذشتہ صحف انبیاء میں مذکور ہے حضرت عبداللہ بن عمروؓ بن العاص گو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانہ میں کم سن تھے' مگر وہ مطالعہ کتب کے شائق تھے اور وہ توراہ پڑھا کرتے تھے' سورۂ فتح میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شان میں ہے:

انا ارسلناک شاھدا و مبشرا و نذیرا لتؤمنوا باللہ ورسولہ و تعزروہ وتوقروہ وتسبحوہ بکرۃ واصیلا۔ (فتح: ۱)

ہم نے تجھ کو گواہ خوش خبری سنانے والا اور ڈرانے والا بنا کر بھیجا ہے تاکہ خدا اور اس کے رسول پر ایمان لاؤ اور اس کی مدد کرو اور اس کی عظمت کرو اور صبح و شام اس کی تسبیح کرو۔

سورۂ احزاب میں کچھ اوصاف اور زیادہ مذکور ہیں۔

یایھا النبی انا ارسلناک شاھدا و مبشر او نذیرا او

داعیا الی اللہ باذنہ وسراجا منیرا۔(احزاب:٦)

اے پیغمبر! ہم نے تجھ کو گواہ' خوش خبری دینے والا' ڈرانے والا

اور اللہ کی طرف اس کے حکم سے بلانے والا اور روشن چراغ

بنا کر بھیجا ہے۔

حضرت عبداللہ بن عمروؓ نے فرمایا کہ اس آیت میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے جو اوصاف گنائے گئے ہیں وہ عینہ توراۃ میں ہیں۔

عن عبداللہ بن عمرو وان ھذہ الایۃ التی فی القران یایھا النبی انا ارسلناک شاھدا و مبشرا و نذیرا. قال فی التوراۃ یایھا النبی انا ارسلناک شاھد او مبشر اوحرز الامین انت عبدی ورسولی وسمیتک المتوکل لیس بفظ ولا غلیظ ولا سخاب بالاسواق ولا یدفع السیئۃ بالسیئۃ ولکن یعفوویصفہ ولن بقبضہ اللہ حتی یقیم بہ الملۃ العوجاء بان یقولوا لاالہ الا اللہ فیفتح بھا اعینا عمیا واذانا صما وقلوبا غلفا۔(بخاری تفسیر سورہ فتح)

عبداللہ بن عمرو نے کہا کہ قرآن کی یہ آیت کہ اے پیغمبر میں نے تجھ کو گواہ اور خوشخبری سنانے والا اور ڈرانے والا بنا کر بھیجا' توراۃ میں یوں ہے کہ اے نبی! میں نے تجھ کو گواہ اور خوشخبری سنانے والا اور امیوں کا ماوی وملجا بنا کر بھیجا' تو میرا بندہ ہے اور میرا رسول ہے اور میں نے تیرا نام خدا پر بھروسہ رکھنے والا رکھا وہ سخت اور سنگدل نہ ہوگا اور بازاروں میں وہ شور نہ کرے گا اور برائی کا بدلہ برائی نہ کرے گا بلکہ عفوو درگزر کرے گا اور اس وقت تک خدا اس کی روح قبض نہ کرے گا جب تک اس کے ذریعہ سے وہ کج دین کو سیدھا نہ کرے گا کہ لوگ کہنے لگیں کہ اللہ تعالی کے سوا کوئی خدا نہیں' پس وہ

اور بند ہوؤں کو قید سے نکالے اور ان کو جو اندھیرے میں بیٹھے ہیں' قید خانہ سے چھڑائے یہودا میں ہوں' یہ میرا نام ہے اور اپنی شوکت دوسرے کو نہ دوں گا اور وہ ستائش جو میرے لئے ہوتی کھودی ہوئی مورتوں کے لئے ہونے نہ دوں گا' دیکھو تو سابق پیشین گوئیاں بر آئیں اور میں نئی باتیں بتاتا ہوں' اس سے پیشتر کہ واقع ہوں میں تم سے بیان کرتا ہوں' خداوند کے لئے ایک نیا گیت گاؤ' اے تم جو سمندر پر گزرتے ہو' اور تم جو اس میں سے ہو' اے بحری ممالک اور ان کے باشندو تم زمین پر سرتا سر اسی کی ستائش کرو' بیابان اور بستیاں' قیدار کے آباد دیہات اپنی آواز بلند کریں گے' سلع کے بسنے والے ایک گیت گائیں گے' پہاڑوں کی چوٹیوں پر سے للکاریں گے' وہ خداوند کا جلال ظاہر کریں گے اور بحری ممالک میں اس کی ثناء خوانی کریں گے' خداوند ایک بہادر کے مانند نکلے گا' وہ جنگی مرد کے مانند اپنی غیرت کو اسکائے گا' وہ چلائے گا' ہاں وہ جنگ کے لئے بلائے گا' وہ اپنے دشمنوں پر غالب ہوگا' میں بہت مدت سے چپ رہا' میں خاموش رہا اور آپ کو روکتا گیا' پر اب میں اس عورت کی طرح جسے دردزہ ہو چلاؤں گا اور ہانپوں گا اور زور زور سے ٹھنڈی سانس بھی لوں گا میں پہاڑوں اور ٹیلوں کو ویران کر ڈالوں گا اور ان کے سبزہ زاروں کو خشک کروں گا اور ان کی ندیاں بسنے کے لائق زمین بناؤں گا اور تالابوں کو سکھا دوں گا اور اندھوں کو اس راہ سے کہ جسے وہ نہیں جانتے لے جاؤں گا' میں انہیں ان راستوں پر جن سے وہ آگاہ نہیں لے جاؤں گا' میں ان کے آگے تاریکی کو روشنی اور اونچی نیچی جگہوں کو میدان کر دوں گا' میں ان سے یہ سلوک کروں گا اور انہیں ترک نہ کروں گا۔ وہ پیچھے ہٹیں اور نہایت پشیمان ہوں' جو کھودی ہوئی مورتوں کا بھروسہ رکھتے ہیں اور ڈھالے ہوئے بتوں کو کہتے ہیں کہ تم ہمارے الہٰ ہو' سنو اے بہرو! اور تاکو اے اندھو! تا کہ تم دیکھو اندھا کون ہے' مگر میرا بندہ؟ اور کون ایسا بہرہ ہے جیسا میرا رسول جسے میں بھیجوں گا' اندھا کون ہے؟ جیسا کہ وہ جو کامل ہے اور خداوند کے

خادم کی مانند اندھا کون ہے؟ تو نے بہت چیزیں دیکھی ہیں پر ان پر لحاظ نہیں رکھا اور کان تو کھلے ہیں پر کچھ نہیں سنتا خداوند اپنی صداقت کے سبب راضی ہوا اور وہ شریعت کو بزرگی دے گا اور اسے عزت بخشے گا۔'' (باب ۴۲)

حضرت عبداللہ بن عمروؓ اور حضرت کعب کی پیش کردہ بشارت میں جو الفاظ ہیں وہ حرف حرف اس میں موجود ہیں پہلا لفظ اس بشارت میں ''شاھد'' ہے یعنی خدا کی طرف سے دو قوموں کے درمیان گواہ اور شاہد ہوگا' اشعیاء میں ہے وہ قوموں کے درمیان عدالت جاری کرے گا اور اس عدالت کا وہ گواہ ہوگا۔ اس کے بعد ''مبشر'' کی صفت ہے یعنی وہ نیکو کاروں کو خدا کی بادشاہی کی خوشخبری سنائے گا' اشعیاء کے اس پورے باب میں اس آنے والے پیغمبر کے یہ اوصاف بیان ہوئے ہیں' بعد ازیں ''حرز الامین'' امیوں ماوی اور پناہ ہے امی وہ ہیں جن کو اب تک کوئی شریعت نہیں ملی تھی' چنانچہ اشعیاء میں ہے کہا اس رسول کے ذریعہ سے اندھوں کو اس راہ سے کہ جسے وہ نہیں جانتے لے جاؤں گا' میں ان ہی رستوں (شریعت) پر جن سے وہ آگاہ نہیں لے چلوں گا انت عبدی و رسولی یعنی تو میرا بندہ اور رسول ہے۔ اشعیاء کے شروع میں ہے' ''دیکھو میرا بندہ'' اور آخر میں ہے' میرا بندہ میرا رسول جسے میں بھیجوں گا سمیتک بالمتوکل میں نے تیرا نام خدا پر بھروسہ کرنے والا رکھا۔ اشعیاء میں ہے۔ میرا بندہ جسے میں سنبھالتا ہوں ۔۔۔۔ میں ہی تیرا ہاتھ پکڑوں گا اور تیری حفاظت کروں گا۔ لیس بفظ ولا غلیظ ولا یدفع السیئت بالسیئت ولکن یعفوا و یصفح ۔ وہ سنگدل اور سخت نہ ہوگا' یعنی کمزوروں اور ضعیفوں کو نہ ستائے گا اور برائی کا بدلہ برائی نہ دے گا بلکہ معاف کرے گا' اشعیاء تمثیل و استعارہ میں کہتے ہیں' وہ مسلے ہوئے سینٹھے کو نہ توڑے گا اور دھیمی بتی کو نہ بجھائے گا' وہ عدالت کو جاری کرائے گا۔۔۔۔ ولا سخاب بالاسواق ۔ وہ بازاروں میں نہ چلائے گا' یعنی وہ متین اور سنجیدہ ہوگا' اشعیاء نے کہا وہ نہ چلائے گا اپنی صدا نہ بلند کرے گا اور اپنی آواز بازاروں میں نہ سنائے گا

ولن یقبضہ اللہ حتی یقیم بہ الملہت العرجاء خدا اس وقت تک اس کی روح قبض نہ کرے گا جب تک اس کے ذریعہ سے کج دین کو سیدھا نہ کرالے گا۔ اشعیاء میں ہے اس وقت تک اس کا زوال نہ ہوگا اور نہ مسلا جائے گا۔ جب تک راستی کو زمین پر قائم نہ کرے گا۔ فیقولو الا الہ الا اللہ۔ تو لوگ کہیں کہ ایک خدا کے سوا کوئی خدا نہیں۔ اشعیاء کہتے ہیں۔ میں خدا (یہودا) اپنی شوکت دوسرے معبودان باطل کو نہ دوں گا اور وہ ستائش جو میرے لئے ہوتی ہے کھودی ہوئی مورتوں کے لئے ہونے نہ دوں گا۔۔۔۔ وہ پیچھے ہٹیں اور نہایت پشیمان ہوں جو کھودی ہوئی مورتوں کا بھروسہ رکھتے ہیں اور ڈھالے ہوئے بتوں کو کہتے ہیں کہ تم ہمارے الہ ہو فیفتح بہ اعینا عمیا واذانا صما وقلوبا غلفا۔ وہ اس کے ذریعے سے اندھی آنکھوں، بہرے کانوں اور زیر پردہ دلوں کو کھول دے گا۔ اشعیاء کہتے ہیں لوگوں کے عہد اور قوموں کی روشنی کے لئے تجھے دوں گا کہ تو اندھوں کی آنکھیں کھولے جو بند ہیں ان کو قید سے نکالے اور ان کو جو اندھیروں میں ہیں قید سے نکالے۔۔۔۔ سنو اے بہرو! تا کو اے اندھو!

حضرت اشعیاء کی یہ بشارت حرف بحرف آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر صادق آتی ہے، حضرت اشعیاء نے ان فقروں میں جس نبی کی پیشین گوئی کی ہے وہ یقیناً حضرت عیسٰی علیہ السلام نہیں ہیں کہ نہ تو وہ عیسائیوں میں خدا کے ''بندہ اور رسول'' کی حیثیت سے تسلیم ہوتے ہیں اور نہ وہ ایک جنگی مرد کی طرح دنیا میں آئے نہ انہوں نے توحید کو دنیا میں قائم کیا اور نہ بت پرستی کا استیصال کیا، علاوہ ازیں اس پیشین گوئی میں اس کی طرف بھی خاص اشارہ ہے کہ وہ آنے والا نبی قیدار بن کر اسماعیل کی نسل سے اور قیدار کے دیہاتوں میں پیدا ہوگا۔ قیدار بن اسماعیل کا مشہور خاندان قریش تھا اور قیدار کا دیہات مکہ معظمہ ہے، اس باب ۴۲ سے پہلے جس میں یہ بشارت ہے باب ۴۱ میں بھی اس بشارت کا ایک حصہ مذکور ہے۔

کس نے اس راست باز کو پورب کی طرف سے برپا کیا اور اپنے پاؤں کے پاس

بلایا اور امتوں کو اس کے آگے دھر دیا اور اسے بادشاہوں پر مسلط کیا' کس نے انہیں (کافروں) خاک کے مانند اس کی تلوار کے' اور اڑتی بھوسی کی مانند اس کی تلوار کے حوالہ کیا۔

اس درس میں یہ تصریح ہے کہ وہ راست باز پورب کی طرف سے مبعوث ہوگا۔ تو راہ کے محاورہ میں پورب کی سرزمین سے عموماً عرب مراد ہوتا (۱)۔ ہے۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ وہ راست باز بندہ اور رسول ملک عرب میں مبعوث ہوگا۔

(۱)۔ میں نے اپنی تصنیف ارض القرآن ج اول میں جغرافیہ عرب میں توراہ کے حوالہ سے اس کو بہ تفصیل دکھایا ہے۔

اس بشارت میں آنے والے پیغمبر کے سب سے پہلے وصف کا ترجمہ ''برگزیدہ'' کیا گیا ہے جو آنحضرت ﷺ کے لقب مصطفٰی کا ترجمہ ہے' دوسرا وصف ''راست باز'' ہے۔ یہ امین کا وہ لقب جو نبوت سے پہلے اہل مکہ کی زبان سے آپ ؐ کو ملا تھا' اب حضرت اشعیاء کی بشارت کے ایک ایک لفظ پر غور کرو تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اوصاف وحالات سے اس کی عجیب مطابقت ہوتی ہے۔

سب سے پہلے یہ کہ اس پیغمبر کو بندہ اور رسول کے وصف سے یاد کیا ہے' یہ وہ وصف ہے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذات گرامی کے ساتھ مخصوص ہے' آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سوا کوئی پیغمبر اس وصف خاص کے ساتھ شہرت نہیں رکھتا یہ اسلام ہی کا پیغمبر ہے جس کا طغرائے فخر عبدیت اور رسالت ہے اس نے دنیا میں اپنے نام کا اعلان ہی ان الفاظ کے ساتھ کیا کہ عبدہ ورسولہ' کسی مسلمان کی کوئی نماز اس وقت تک ختم نہیں ہوتی جب تک وہ اپنی زبان سے تشہد میں یہ نہیں ادا کرلیتا واشھدان محمدًا عبدہ' ورسولہ' میں گواہی دیتا ہوں کہ محمد ﷺ خدا کے بندہ اور

اس کے رسول ہیں۔ اس موقع پر ایک خاص نکتہ بیان کے لائق ہے کہ دیگر انبیاء جس طرح خلیل اللہ کلیم اللہ روح اللہ وغیرہ کے خطابات سے مشرف ہیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا سب سے بڑا خطاب ''عبداللہ'' خدا کا بندہ ہے معراج میں جو تقرب الٰہی کی آخری منزل اور انسانی رتبہ کی آخری شرف یابی تھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اسی لقب خاص سے پکارے گئے۔

سبحان الذی اسری بعبدہ۔(بنی اسرائیل)

پاک ہے وہ خدا جو معراج میں اپنے ''بندہ'' کو لے گیا۔

اس کے علاوہ اور متعدد روایتوں میں آپ ﷺ کو اس خطاب سے تعبیر کیا گیا ہے۔

فان کنتم فی ریب مما نزلنا علی عبدنا۔(بقرہ)

اگر تم کو اس میں شک ہے جو ہم نے اپنے ''بندہ'' پر اتارا۔

تبرک الذی نزل الفرقان علی عبدہ۔(فرقان)

بابرکت ہے وہ خدا جس نے اپنے ''بندہ'' پر قرآن اتارا۔

وانہ لما قام عبداللہ یدعوہ۔(جن)

اور جب خدا کا ''بندہ'' اس کو پکارتے ہوئے کھڑا ہوا۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم دونوں زانوں کھڑے کر کے کھانا تناول فرماتے تھے اس کی وجہ یہ ارشاد فرمائی کہ میں خدا کا بندہ ہوں اسی طرح کھاتا ہوں جس طرح غلام کھاتا ہے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا دوسرا وصف ''رسول'' ہے گو دنیا میں پیغمبر ہزاروں آئے مگر لفظ رسول سے ان کے نام کو شہرت نہیں یہ صرف آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہی کا وصف ہے جو تمام مسلمانوں کی زبان پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نام سے ملقب ہیں یہاں تک کہ عیسائیوں میں بھی دی ''پرافٹ'' یعنی پیغمبر مخصوص آپ ﷺ کا نام ہے۔

قرآن نے بتصریح کہا:

محمد رسول اللہ (فتح)

محمد خدا کا رسول۔

یستغفر لکم رسول اللہ (منافقون)

خدا کا رسول تمہاری مغفرت چاہئے۔

لقد جاء کم رسول من انفسکم (توبہ)

تمہارے پاس خود تمہاری قوم کا رسول آیا۔

ان فیکم رسول اللہ (حجرات)

تم میں خدا کا رسول ہے۔

لقد کان لکم فی رسول اللہ اسوہت حسنہت۔(احزاب)

تمہارے لئے خدا کے رسول کے اندر اچھی پیروی ہے۔

یایہا الرسول بلغ ما انزل الیک۔(مائدہ)

اے رسول تجھ پر جو کچھ اتارا گیا ہے اس کو لوگوں تک پہنچا دے۔

ان مقامات کے علاوہ اور بیسیوں جگہ آنخضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے لئے یہ لفظ استعمال ہوا ہے یہاں تک کہ حضرت عیسیٰ نے جو بشارت دی ہے وہ بھی اسی رسول کے لفظ کے ساتھ دی ہے مبشرا برسول یاتی من بعدی اسمہ احمد۔ میرے بعد احمد نام ایک رسول آنے والا ہے۔

حضرت اشعیاء نے آنے والے پیغمبر کا تیسرا وصف برگزیدہ بتایا ہے' کون نہیں جانتا کہ آنخضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم مصطفٰے (برگزیدہ) کے لقب سے عام طور پر مشہور ہیں' حدیث صحیح میں ہے۔

ان اللہ اصطفی کنانہت من ولد اسماعیل و اصطفی قریشا من کنانہت و اصطفی بنی ھاشم من قریش و اصطفانی من بنی ھاشم۔ (۱)۔

بے شک خدا نے اولاد اسماعیل میں سے کنانہ کو برگزیدہ کیا اور کنانہ میں سے قریش کو برگزیدہ اور قریش میں سے بنی ہاشم

کو برگزیدہ کیا اور بنی ہاشم میں سے مجھ کو برگزیدہ کیا۔

چوتھی صفت یہ بیان ہوئی ہے کہ جس سے میرا جی راضی ہوا' یہ صرف آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لئے بلکہ آپ ﷺ کے وسیلہ سے تمام پیروان محمدی میں عام ہے۔

محمد رسول اللہ و الذین معہ یبتغون فضلا من اللہ ورضوانا۔ (فتح)

محمد خدا کا رسول اور جو اس کے ساتھ ہیں۔وہ خدا کی رضا اور مہربانی کو ڈھونڈتے ہیں۔

رضی اللہ عنھم ورضوا عنہ (مائدہ' توبہ' مجادلہ' بینہ)

خدا ان سے راضی ہوا اور وہ خدا سے راضی ہوئے۔

لقد رضی اللہ عن المؤمنین۔(فتح)

بے شک خدا مومنوں سے راضی ہوا۔

تمام انبیاء کی امتوں سے یہ مخصوص وصف امتی محمدی ہی کا ہے اس کے پیرو رضی اللہ عنہ کی دعا سے ہمیشہ مخاطب ہوتے ہیں' اس کے بعد اشعیاء اس پیغمبر کا وصف بتاتے ہیں کہ خدا اس سے کہتا ہے۔میں نے اپنی روح اس پر رکھی۔قرآن سے اس وصف سے بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو متصف کیا ہے۔

و کذلک اوحینا الیک روحا من امرنا۔(شوریٰ)

ہم نے تیری طرف اپنی شان کی ایک روح وحی کی۔

نزل بہ الروح الامین۔(شعراء)

امانت دار روح اس کو لے کر اتری۔

قل نزلہ روح القدس۔(نحل)

کہہ دے کہ روح القدس نے اس کو اتارا ہے۔ز

پانچواں وصف یہ بتایا گیا کہ وہ نہ چلائے گا اور اپنی صدا بلند نہ کرے گا اور اپنی آواز

بازاروں میں نہ سنائے گا۔صحابہؓ نے آپ ﷺ کی سیرت کے خط وخال کی بھی تصویر کھینچی ہے' متعدد صحابہ سے روایت ہے کہ آپ ﷺ کبھی زور سے نہیں ہنستے تھے بلکہ صرف مسکراتے (۲)۔ تھے۔شمائل ترمذی میں حضرت ہندؓ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اکثر چپ رہتے' بےضرورت کبھی گفتگو نہ فرماتے' ایک ایک فقرہ الگ الگ اور صاف اور واضح ہوتا' ہنستے بہت کم تھے' ہنسی آتی تو مسکرا دیتے۔

حضرت عائشہؓ سے ایک شخص نے آپ ﷺ کے اخلاق پوچھے' انہوں نے جواب دیا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بدگو نہ تھے نہ بازاروں میں شور کرتے تھے' حضرت علیؓ سے حضرت حسینؓ نے دریافت کیا کہ آپ ﷺ کے اوصاف کیا تھے؟ فرمایا۔آپ ﷺ شوروغل نہیں کرتے تھے۔(۳)۔

سفر اشعیاء میں اس کے بعد ہے' وہ مسلے ہوئے سینٹھے کو نہ توڑے گا اور دبکتی ہوئی بتی کو نہ بجھائے گا' مسکینوں' غریبوں اور کمزوروں کو نہ ستائے گا' وہ نرم دل اور نیک خو ہوگا۔قرآن مجید نے آپ ﷺ کے اس وصف کو نمایاں طریق سے بتایا ہے۔

وانك لعلی خلق عظیم۔ (ن)

اور بےشک تو بڑے خلق پر ہے۔

فبما رحمۃ من اللہ لنت لھم و لو کنت فظا غلیظ القلب لانفضوا من حولك۔(آل عمران)

خدا کی رحمت کے سبب سے تو ان کے ساتھ نرم ہے اگر تو کڑوا اور دل کا سخت ہوتا تو یہ تیرے اردگرد سے ہٹ جاتے۔

لقد جاء کم رسول من انفسکم عزیز علیہ ما عنتم حریص علیکم و بالمؤمنین روف رحیم۔(توبہ۔١٦)

تمہاری قوم سے تمہارے پاس ایک پیغمبر آیا جس کو تمہاری تکلیف شاق ہوتی ہے' تمہاری بھی خواہی کا حریص ہے اور مسلمانوں پر مہربان اور رحمت والا ہے۔

حضرت عائشہؓ کہتی ہیں کہ آپﷺ نے کبھی کسی سے اپنا ذاتی انتقام نہیں لیا' آپﷺ برائی کے بدلہ برائی نہیں کرتے تھے' بلکہ معاف کرتے تھے اور درگزر فرماتے تھے' آپﷺ نے کبھی کسی کو اپنے ہاتھ سے نہیں مارا' حضرت علیؓ کہتے ہیں کہ آپﷺ خندہ جبین نرم خو مہربان طبع تھے' سخت مزاج اور تنگ دل نہ تھے' ہند بن ابی ہالہؓ جو گویا آپﷺ کے آغوش پروردہ تھے' بیان کرتے ہیں کہ آپﷺ نرم خو تھے' سخت مزاج نہ تھے' خود اپنے ذاتی معاملہ میں کبھی غصہ نہ فرماتے اور نہ کسی سے انتقام لیتے۔(۴)۔

حضرت انسؓ خادم خاص کہتے ہیں کہ میں نے دس برس آپﷺ کی خدمت کی' مگر آپﷺ نے کبھی کسی معاملہ کی مجھ سے بازپرس نہ فرمائی۔ (۵)۔ مالک بن حویرثؓ جو ۳۰ دن تک آپﷺ کی صحبت میں رہے تھے کہتے ہیں کہ آپﷺ رحیم المزاج اور رقیق القلب (۶)۔ تھے۔

---

(۱)۔ جامع ترمذی فضل النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم۔ (۲)۔ جامع ترمذی باب ماجاء فی صفتہ النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم۔ (۳)۔ یہ دونوں روایتیں شمائل ترمذی باب خلق النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں ھیں حضرت عائشہؓ والی روایت مسند ابوداؤد طیالسی ص ۲۱۴ اور مستدرک حاکم میں بھی ھے۔ (۴)۔ یہ تمام روایات شمائل و ترمذی میں مذکور ھیں۔ (۵)۔ صحیح مسلم و ابوداؤد کتاب الادب۔ (۶)۔ صحیح بخاری رحمتہ الناس۔

حضرت اشعیاء اس کے بعد کہتے ہیں کہ وہ عدالت کو قائم کرے گا کہ دائم رہے' چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نبی آخر الزمان ہیں' آپﷺ کے بعد کوئی نبی نہ ہو گا اور نہ آپﷺ کی شریعت منسوخ ہوگی۔ آپﷺ آخری دین لے کر آئے جو قیامت تک دائم رہے گا' پھر کہتے ہیں کہ اس وقت اس کا زوال نہ ہوگا اور نہ ملا جائے گا جب تک راستی کو زمین پر قائم نہ کرے' یعنی جب تک اس کی شریعت اور تعلیم قائم نہ ہو جائے گی' اس کو موت نہ آئے گی۔ ظاہر ہے کہ وصف حضرت عیسیٰؑ پر صادق

تیری حفاظت کروں گا۔ یہ وعدہ بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ پورا ہوا۔ آپ ﷺ نے یکہ وتنہا دعوت توحید کی۔ اس وقت تک اشاعت کی جب تک ملک عرب کا ذرہ ذرہ آپ کے خون کا پیاسا تھا اور خدا کے سوا کوئی آپ ﷺ کا دوسرا دست گیر نہ تھا' اس نے دشمن کے نرغہ میں نازک سے نازک اور خطرناک سے خطرناک حملوں سے آپ ﷺ کی ذات گرامی کو محفوظ رکھا اور سفر اشعیاء کے وعدے کو قرآن کے ذریعہ سے دوبارہ دہرایا اور مکہ میں عین اس وقت جب دشمنوں کی عداوت کا آفتاب پوری تمازت پر تھا یہ آیت اتری:

(۱)۔ صحیح بخاری تفسیر سورئہ مذکور۔

واذ قلنا لک ان ربک احاط بالناس ۔(اسراء)

اور یاد کرو اے محمد ﷺ جب ہم نے تم سے فرمایا کہ تمہارے پروردگار نے لوگوں کو ہر طرف سے روک رکھا ہے کہ تم پر ہاتھ ڈالیں۔

واصبر لحکم ربک فانک باعیننا۔(طور)

اپنے رب کے حکم کا صبر کے ساتھ انتظار کر کہ تو ہماری آنکھوں کے سامنے ہے۔

صحابہؓ اپنی جان نثاری سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے گرد پہرہ دیا کرتے تھے' جب یہ آیت اتری تو آپ ﷺ نے خیمہ سے سر مبارک باہر نکال کر فرمایا' لوگو! واپس جاؤ کہ خدا نے میری حفاظت کا خود وعدہ کیا ہے اس وصف کے مستحق حضرت عیسیٰؑ نہیں ہو سکتے' جو عیسائیوں کے اقرار کے مطابق رومیوں کے ہاتھ گرفتار ہو کر سولی پر لٹکائے گئے۔

بشارات اشعیاء میں اس کے بعد ہے میں تجھ کو لوگوں کے لئے عہد اور قوموں کے لئے نور بناؤں گا کہ تو اندھوں کی آنکھوں کو کھولے اور بندھے ہوؤں کو قید سے نکالے اور ان کو جو اندھیرے میں بیٹھے ہیں قید سے نکالے' تاریخ گواہ ہے کہ

بشارت کا یہ حصہ بھی پیغمبر اسلام کے وجود سے پورا ہوا ہے' قرآن مجید نے بھی بشارت کے اس حصہ کو ان الفاظ میں مکمل کیا۔

الذین یتبعون الرسول النبی الامی الذی یجدونه مکتوبا عندھم فی التوراہت و الانجیل یامرھم بالمعروف و ینھھم عن المنکر و یحل لھم الطیبت ویحرم علیھم الخبئث ویضع عنھم اصرھم والا غلل التی کانت علیھم فالذین امنوا به وعزروہ ونصروہ واتبعوا النور الذی انزل معه اولئك ھم المفلحون قل یایھا الناس انی رسول الله الیکم جمیعا۔(اعراف۔۹ ۱)

وہ لوگ جو اس ان پڑھ فرستادہ پیغمبر کی پیروی کرتے ہیں جس کو وہ اپنے ہاں توراۃ و انجیل میں لکھا پاتے ہیں وہ ان کو نیکی کا حکم کرتا ہے اور برائی سے روکتا ہے اور اچھی چیزیں ان کے لئے حلال کرتا ہے اور بری چیز ان پر حرام کرتا ہے اور ان سے ان کی ان پابندیوں اور زنجیروں کو جو ان پر ہیں ہلکا کرتا ہے تو جن لوگوں نے اس کو مانا اور اس کی مدد و نصرت کی اور اس روشنی کے پیچھے چلے جو اس کے ساتھ اتاری گئی ہے وہی کامیاب ہوں گے کہہ دے (اے پیغمبر) اے لوگو! میں تم سب کے پاس خدا کا بھیجا ہوا ہوں۔

یایھا النبی انا ارسلناك شاھد او مبشرا و نذیرا. وداعیا الی الله باذنه و سراجا منیرا۔(احزاب)

اے پیغمبر! ہم نے تجھ کو گواہ' خوشخبری دینے والا' ہشیار کرنے والا اور خدا کی طرف اس کے حکم سے بلانے والا اور روشن چراغ بنا کر بھیجا ہے۔

یایھا الناس قد جاء کم برھان من ربکم وانزلنا الیکم نورا مبینا۔(نساء)

اے لوگو! تمہارے پاس خدا کی طرف سے دلیل آ چکی ہم
نے تمہاری طرف وہ نور اتارا جو ہر چیز کو روشن کرتا ہے۔

والنور الذی انزلنا۔(تغابن)

اور اس نور پر ایمان لاؤ جو ہم نے اتارا۔

وما ارسلنک الا رحمۃ للعالمین۔ (انبیاء)

اے محمد! ہم نے تجھ کو تمام دنیا کے لئے رحمت ہی بنا کر بھیجا
ہے۔

کتب انزلناہ الیک لتخرج الناس من الظلمات الی النور(ابراہیم)

یہ کتاب ہے جس کو ہم نے تیری طرف اتارا ہے تا کہ لوگوں کو
اندھیرے سے نکال کر روشنی کی طرف لائے۔

ولکن جعلناہ نورا نھدی بہ من یشاء من عبادنا انک لتھدی الی صراط مستقیم۔(شوریٰ)

لیکن ہم نے اس کو نور بنایا ہے تا کہ ہم اپنے بندوں میں سے
جس کو چاہیں راہ دکھائیں اور تو سیدھے راستہ کی طرف
ہدایت کرتا ہے۔

اس کے بعد اس بشارت میں ہے کہ آنے والا پیغمبر توحید کامل کا مبلغ، بت شکن اور باطل پرستی کا دشمن ہوگا اور بت پرست کنار و مشرکین کو وہ شکست عظیم دے گا۔

''یہود (اللہ) میرا نام ہے اور اپنی شوکت دوسرے (معبودان باطل) کو نہ دوں گا اور وہ ستائش جو میرے لئے ہوتی ہے کھودی ہوئی مورتوں کے لئے نہ دوں گا۔۔۔۔وہ پیچھے ہٹیں اور نہایت پشیمان ہوں جو کھودی ہوئی مورتوں کا بھروسہ رکھتے ہیں اور ڈھالے ہوئے بتوں کو کہتے ہیں کہ تم ہمارے الہ ہو۔''

''یہوا (اللہ) میرا نام ہے اور اپنی شوکت دوسرے (معبودان باطل) کو نہ دوں گا اور

وہ ستائش جو میرے لئے ہوتی ہے کھودی ہوئی مورتوں کے لئے نہ دوں گا۔۔۔۔وہ پیچھے ہٹیں اور نہایت پشیمان ہوں جو کھودی ہوئی مورتوں کا بھروسہ رکھتے ہیں اور ڈھالے ہوئے بتوں کو کہتے ہیں کہ تم ہمارے الٰہ ہو۔''

حضرت اشعیاء کے بعد دنیا میں وہ کون پیغمبر آیا جس نے توحید کامل کی تعلیم' اسلام سے واضح تر اور کامل تر دی ہو' جس نے بت پرستی کی بیخ کنی کی ہو' جس نے بت خانوں کو منہدم کیا ہو' جس نے مشرکین کی صفوں کو درہم برہم کیا ہو اور باطل پرستی کے علم کو ہمیشہ کے لئے سرنگوں کر دیا ہو' قرآن اور آپ ﷺ کی تعلیمات کا بڑا حصہ شرک و بت پرستی کے خلاف جہاد عظیم ہے اور تمام دنیا کو اعتراف ہے کہ اس فرض کو محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جس خوبی اور تکمیل کے ساتھ ادا کیا وہ کسی اور سے نہ ہو سکا۔

بعد ازیں حضرت اشعیاء بتاتے ہیں کہ وہ آنے والا پیغمبر مجاہد اور تیغ زن ہو گا اور باطل پرستیوں کے خلاف اپنی تلوار اٹھائے گا۔

''خداوند ایک بہادر کے مانند نکلے گا' وہ جنگی مرد کی طرح اپنی غیرت کو اکسائے گا' وہ چلائے گا' ہاں وہ جنگ کے لئے بلائے گا' وہ اپنے دشمنوں پر غالب ہو گا۔''

یہ حضرت عیسیٰ کی صفت نہیں ہو سکتی' یہ صرف بدر و احد اور حنین و خندق کے سپہ سالار پیغمبر کی شان ہے۔

''بیابان (عرب) اور اس کی بستیاں قیدار کے آباد دیہات اپنی آواز بلند کریں گے۔''

اس فقرہ میں آنے والے پیغمبر کا وطن (بیابان عرب) اور خاندان (قیدار بن اسماعیل) بھی بتا دیا گیا ہے۔ آخر میں ہے:

''اور اندھوں کو اس راہ سے جسے وہ نہیں جانتے لے جاؤں گا' میں انہیں ان راستوں پر جن سے وہ آگاہ نہیں لے چلوں گا۔''

اس فقرہ میں یہ ارشاد ہے کہ وہ امیوں کا پیغمبر اور اس قوم کا داعی ہوگا جس کو کبھی راہ راست کی ہدایت نہیں ملی، یہ صفت اہل عرب کی ہے جن کو آپ ﷺ سے پہلے کوئی صاحب شریعت پیغمبر نہیں ملا، حضرت عیسیٰؑ بنی اسرائیل میں مبعوث ہوئے تھے جن کو شریعت مل چکی تھی، اس لئے یہ ان کی صفت نہیں ہو سکتی بلکہ یہ صرف پیغمبر عرب کا وصف ہے، چنانچہ قرآن مجید نے صاف کہا:

لتنذر قوما ما اتاهم من نذير من قبلك۔ (قصص)

تاکہ ان کو ہشیار کرے جن کے پاس تجھ سے پہلے کوئی ہشیار کرنے والا نہیں آیا۔

انك لمن المرسلين. على صراط مستقيم تنزيل العزيز الرحيم لتنذر قوما ما انذر ابائوهم فهم غافلون (یٰس: ۱)

تو یقیناً پیغمبروں میں سے ہے اور سیدھی راہ پر ہے اور یہ غالب مہربان خدا کی طرف سے اترا ہے تاکہ تو ان کو ہشیار کرے جن کے باپ دادا ہشیار نہیں کئے گئے تو وہ غفلت میں ہیں۔

هو الذی بعث فی الامیین رسولا منهم یتلوا علیه ایته ویزکیهم ویعلمهم الکتب والحکمهت وان کانوا من قبل لفی ضلل مبین۔ (جمعه)

وہی خدا جس نے ان پڑھوں میں پیغمبر بنا کر بھیجا ان ہی میں سے کھڑا کیا جو ان کو خدا کی آیتیں پڑھ کر سناتا اور کتاب اور دانائی سکھاتا ہے اگر چہ وہ پہلے کھلی گمراہی میں تھے۔

وهذا کتاب انزلناه مبارك فاتبعوه واتقوا لعلکم ترحمون ان تقولوا انما انزل الکتب علی طائفتین من قبلنا وان کنا عن دراستهم لغفلین او تقولوا لو انا انزل علینا الکتب لکنا اهدی منهم فقد جاء کم

بینۃ من ربکم و ھدی و رحمۃ۔

یہ کتاب ہے جس کو ہم نے اتارا ہے جو برکت والی ہے تو اس کی پیروی کرو تا کہ تم پر رحم کیا جائے (یہ کتاب تم کو اس لئے دی گئی) تا کہ یہ نہ کہو کہ کتاب تو ہم سے پہلے یہود اور نصاری دو قوموں کو عطا ہوئی اور ہم اس کے پڑھنے سے غافل تھے' یا کہو کہ اگر خاص ہم پر کوئی کتاب اترتی تو ہم ان سے زیادہ راہ راست پر ہوتے' تو لو تمہارے پاس خدا کی طرف سے کھلی دلیل' ہدایت اور رحمت آ چکی۔

وما اتینھم من کتب یدرسونھا وما ارسلنا الیھم قبلک من نذیر۔(سبا)

اور ہم نے ان کو نہ تو کتابیں دیں جن کو وہ پڑھیں اور نہ تجھ سے پہلے ان کے پاس کوئی ڈرانے والا بھیجا۔

اس بشارت کے تمام فقروں پر جو شخص اس تفصیل سے نظر ڈالے گا اور اس کے ایک ایک فقرہ کی قرآن پاک' احادیث شریف اور سوانح نبوی ﷺ کے ساتھ حروف تطبیق پر غور کرے گا اور اس یقین کے پیدا کرنے پر مجبور ہو گا کہ اس بشارت کا مصداق محمد ﷺ بن عبداللہ کے سوا کوئی اور نہیں ہو سکتا۔

ھو الذی ینزل علی عبدہ ایت بینت لیخرجکم من الظلمت الی النور۔(حدید: ۱)

وہی جو اپنے بندہ پر کھلی آیتیں اتارتا ہے تا کہ وہ تم کو اندھیرے سے نکال کر روشنی میں لے جائے۔

سورۂ فتح میں جس میں آنخضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو فتح مکہ کی بشارت دی گئی ہے' توراۃ اور انجیل کی ایک اور پیشین گوئی کا حوالہ دیا گیا ہے۔

محمد رسول اللہ والذین معہ اشدآء علی الکفار رحماء بینھم تراھم رکعا سجدا یبتغون فضلا من اللہ ورضوانا سیماھم فی وجوھھم من اثر السجود

ذلک مثلھم فی التوراۃ۔(فتح:۱)
محمد ﷺ خدا کا بھیجا ہوا اور جو لوگ اس کے ساتھ ہیں وہ کافروں پر بھاری آپس میں مہربان ہیں، دیکھتے ہو تم ان کو کہ (خدا کے سامنے) رکوع اور سجدہ میں گرتے رہتے ہیں اور خدا کی رحمت اور خوشنودی کے جویاں رہتے ہیں، ان کے چہروں میں سجدہ کرنے کے اثر سے نور ہے ان کی حالت کا بیان توراۃ میں ہے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور صحابہ کرامؓ کا یہ مجموعی وصف فتح مکہ کے موقع پر بیان کیا گیا ہے جو اسلام کی دعوت کی تکمیل، توحید الٰہی کے انجام، خانہ خلیل کی کامل آزادی اور معبودان باطل کی دائمی شکست کا دن ہے اور اس کے بعد کوئی نیا پیغام سنانے والا دنیا میں آنے والا نہ تھا، چنانچہ حضرت موسیٰؑ نے اپنی زندگی کی آخری وصیت، جس پر ان کو توراۃ اور صحیفہ حیات دونوں کا خاتمہ ہو جاتا ہے۔ بنی اسرائیل کو یہ فرمائی:

''یہ وہ برکت ہے جو موسیٰؑ مرد خدا نے اپنے مرنے سے پہلے بنی اسرائیل کو بخشی اور اس نے کہا کہ خداوند سینا سے آیا اور سعیر سے ان پر طلوع ہوا اور فاران کے پہاڑ سے وہ جلوہ گر ہوا، دس ہزار مقدسوں کے ساتھ آیا، اور اس کے داہنے ہاتھ میں ایک آتشیں شریعت ان کے لئے تھی، ہاں وہ اپنے لوگوں سے بڑی محبت رکھتا ہے، اس کے سارے مقدس (ہمراہی) تیرے ہاتھ میں ہیں اور وہ تیرے قدموں کے پاس بیٹھے ہیں اور تیری باتوں کو مانیں گے۔'' (استثناء ۳۳، ۱، ۲، ۳)

یہ حضرت موسیٰؑ کا آخری کلام ہے جس میں آخری پیغمبر کی بعثت کی خبر دی ہے، اس بشارت میں کوہ فاران سے نور الٰہی کے طلوع ہونے کی خوشخبری ہے۔ اس میں چار باتیں بیان کی گئی ہیں جو قرآن مجید کے بیان کے عین مطابق ہیں۔

۱۔

وہ دس ہزار مقدسوں کے ساتھ آیا۔

محمد رسول اللہ ط و الذین معہ (فتح: ۴)

محمد ؐ خدا کے فرستادہ اور جو لوگ ان کے ساتھ ہیں۔

۲۔

اس کے ہاتھ میں ان کے لئے آتشیں شریعت ہوگی۔

اشدآء علی الکفار۔ (فتح: ۴)

وہ خدا کے منکروں پر سخت ہوں گے۔

۳۔

وہ اپنے لوگوں سے محبت کرے گا۔

رحماء بینھم (فتح: ۴)

آپس میں ایک دوسرے پر مہربان ہوں گے۔

۴۔

(اے خدا) اس (آنے والے پیغمبر) کے سارے مقدس لوگ (یعنی صحابہؓ) تیرے ہاتھ میں ہیں اور وہ تیرے قدموں کے پاس بیٹھے ہیں اور تیری باتوں کو مانیں گے۔

تراھم رکعا سجدا یبتغون فضلا من اللہ ورضوانا

سیماھم فی وجوھھم من اثر السجود۔ (فتح: ۴)

دیکھتے ہو تم ان کو خدا کے آگے رکوع اور سجود میں جھکے ہوئے خدا کی مہربانی اور خوشنودی کے طلب گار ہیں' اطاعت و عبادت کے اثر سے ان کے چہروں پر نورانیت ہے۔

ایک عجیب بات یہ ہے کہ حضرت موسیٰؑ اس آنے والے پیغمبر کے مقدس ساتھیوں کی تعداد دس ہزار فرماتے ہیں' فتح مکہ کے دن بعینہ یہی دس ہزار مقدسین تھے جو اس فاران سے آنے والے نورانی پیکر کے ساتھ شہر خلیل (مکہ) کے دروازہ میں داخل ہوئے اور اس طرح حضرت موسیٰؑ نے جو کچھ کہا تھا وہ پورا ہوا۔

سورۂ فتح میں اس کے بعد ہے:

ومثلهم فی الانجیل کزرع اخرج شطاہ فازرہ فاستغلظ فاستوی علی سوقہ یعجب الزراع۔(فتح: ۴)

اور ان کی مثال انجیل میں مثل کھیت کے ہے جس نے ٹہنی نکالی پھر اس کو مضبوط کیا' پھر موٹا ہوا' پھر اپنی ٹہنیوں پر کھڑا ہوا' کھیت والوں کو خوش اور مسرور کر رہا ہے۔

حضرت عیسیٰ نے یہ تمثیل آسمانی بادشاہی کو دی ہے' چنانچہ انجیل کے مختلف نسخوں میں یہ تمثیل ان مختلف الفاظ میں مذکور ہے۔

''آسمان کی بادشاہت رائی کے دانہ کے مانند ہے جسے ایک شخص نے لے کے اپنے کھیت میں بویا' وہ سب بیجوں میں چھوٹا ہے' پر جب اگتا ہے تو سب ترکاریوں سے بڑا ہوتا ہے اور ایسا پیڑ ہوتا ہے کہ ہوا کی چڑیاں آکے اس کی ڈالیوں پر بسیرا کریں۔'' (متی ۱۳'۳۱' مرقس ۴'۱۴'۳۰)

خدا کی بادشاہت ایسی ہے جیسا ایک شخص جو زمین میں بیج بوئے اور رات دن وہ سوئے' اٹھے اور بیج اس طرح اگے اور بڑھے کہ وہ نہ جانے' اس لئے کہ زمین آپ سے آپ پھل لائی ہے' پہلے سبزی' پھر بال' بعد اس کے بال میں تیار دانے' اور جب دانہ پک چکا تو وہ فی الفور ہنوا بھجواتا ہے' کیونکہ کاٹنے کا وقت آچکا ہے۔'' (مرقس ۴'۲۶)

حضرت عیسیٰ نے آسمانی بادشاہت کی جو تمثیل دی ہے' قرآن مجید نے اس کو سورۂ فتح میں دہرایا ہے کون نہیں جانتا کہ اسلام کی جسمانی اور روحانی' ظاہری و باطنی دونوں بادشاہیوں کے جلوس وشوکت کا دن فتح مکہ کا دن ہے اور آسمانی بادشاہی کی یہ تمثیل پوری ہوئی کہ محمد ﷺ نام ایک کاشتکار نے ایک بیج زمین میں ڈالا اور اس سے سینکڑوں ہزاروں خوشے پیدا ہوگئے اور اس نے آسمانی بادشاہی کی منادی کی۔

حضرت موسیٰ بنی اسرائیل کو نصیحت کرتے ہیں:

موسیٰ قوموں اور ملکوں کے فاتح تھے اور حضرت عیسیٰ ایک چپہ زمین پر بھی قابض نہ تھے' برخلاف اس کے حضرت موسیٰ اور محمد رسول اللہ علیہما السلام میں یہ تمام اوصاف مشترک تھے' اس لئے وہ موعود نبی جو حضرت موسیٰ کے مانند پیدا ہونے والا تھا وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہی تھے۔ چنانچہ حضرت موسیٰ نے اس بشارت میں جو کچھ فرمایا ہے' قرآن مجید نے اس کی حرف حرف تصدیق کی ہے' قرآن مجید کا بیان ہے کہ خدا نے روز قول تمام انبیاء انبیاء سے یہ عہد لیا تھا کہ ہر نبی دوسرے نبی کی تائید کرتا جائے اور اپنی امت کو یہ نصیحت کر جائے کہ جب کوئی پیغمبر ان کے پاس آئے تو وہ اس کی تصدیق کرے۔

واذ اخذالله میثاق النبیین لما اتیتکم من کتب و حکمۃ ثم جاء کم رسول مصدق لما معکم لتومنن به ولتنصرنه قال ء اقررتم واخذتم علی ذلکم اصری قالوا اقررنا قال فاشهدوا وانا معکم من الشهدین۔ (آل عمران۔ ۹)

اور یاد کرو جب اللہ نے پیغمبروں سے عہد لیا کہ جو تم کو کتاب اور دانائی دیں اور پھر کوئی پیغمبر تمہارے پاس آئے جو کتاب اور شریعت تمہارے پاس ہے اس کی تصدیق کرنا اور ضرور اس کو ماننا اور اس کی مدد کرنا اور فرمایا کہ کیا تم نے اس کا اقرار کرلیا اور ان باتوں پر جو ہم نے تم سے عہد و پیمان لیا ہے اس کو تسلیم کیا؟ پیغمبروں نے عرض کیا کہ ہاں ہم اقرار کرتے ہیں' فرمایا تو تم گواہ رہو اور تمہارے ساتھ ہم بھی گواہ ہیں۔

حضرت موسیٰ نے بنی اسرائیل کو آنے والے پیغمبر کی اطاعت کی جو نصیحت فرمائی وہ اس ازلی عہد و پیمان کا ایفا تھا' حضرت موسیٰ نے آنے والے پیغمبر کی نسبت ارشاد فرمایا کہ وہ میرے مانند ہوگا۔ قرآن مجید نے بھی اس کی تصدیق کی۔

انا ارسلنا الیکم رسولا شاهدا علیکم کما ارسلنا

الی فرعون رسولا (مزمل)

ہم نے تمہارے پاس ایک پیغمبر کو بھیجا جو تم پر گواہ ہے جس طرح کہ ہم نے فرعون کے پاس ایک پیغمبر بھیجا تھا۔

اس پیغمبر کا وصف یہ ہو گا کہ "خدا اپنا کلام اس کے منہ میں ڈالے گا۔" قرآن مجید نے اپنے پیغمبر کی نسبت کہا۔

وما ینطق عن الھوی ان ھو الا وحی یوحی۔ (نجم: ۱)

اور اپنی خواہش نفسانی سے کلام نہیں کرتا بلکہ وہی کہتا ہے جو اس سے خدا کی طرف سے کہا جاتا ہے۔

توراۃ میں ہے:

"اور ایسا ہو گا کہ جو کوئی میری باتوں کو جنہیں وہ میرا نام لے کے کہے گا' نہ سنے گا تو میں اس کا حساب لوں گا۔"

قرآن مجید نے بھی یہ اعلان کیا کہ جو محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پیروی سے منکر ہو گا اس کو اپنے حساب کے لئے تیار رہنا چاہئے۔

واما نرینک بعض الذی نعدھم او نتوفینک فانما علیک البلغ وعلینا الحساب۔ (رعد: ٦)

اور اے پیغمبر عذاب وغیرہ کے جو وعدے (ان کفار سے) ہم کرتے ہیں' ان میں سے بعض تو تمہاری زندگی ہی میں تم کو پورا کر کے دکھائیں گے یا ان کے پورا ہونے سے پہلے تم کو دنیا سے اٹھالیں گے تمہارا کام ہمارے احکام کو ان کو پہنچا دینا تھا اور ان کا حساب لینا میرا کام ہے۔

توراۃ نے حضرت موسیٰؑ کی زبان اس بشارت میں یہ کہا:

"لیکن وہ نبی جو ایسی گستاخی کرے کہ کوئی بات میرے نام سے کہے جسے کہنے کا میں نے اس کو حکم نہیں دیا اور معبودوں کے نام سے کہے تو وہ نبی قتل کیا جائے گا۔"

قرآن مجید نے بھی اس فرمان کی صداقت پر اپنی مہر ثبت کر دی۔

ولو تقول علینا بعض الاقاویل. لاخذنا منه بالیمین.
ثم لقطعنا منه الوتین فما منکم من احد عنه
حاجزین. (حاقہ: ۴۰)

اگر پیغمبر (محمد) کچھ جھوٹ اپنی طرف سے ملا کر کہتا تو ہم اس
کا ہاتھ پکڑ لیتے اور اس کی گردن کی شہ رگ کاٹ ڈالتے پھر تم
میں سے کوئی اس کو مجھ سے نہ بچا سکتا۔

توراہ نے اس آنے والے پیغمبر کی نشانی یہ بتائی کہ اس کی تمام پیشین گوئیاں سچی ہوں گی۔ سیرت نبوی ﷺ کے تمام ابواب تمہارے سامنے ہیں' دیکھو کہ اس نشانی کی صداقت میں ایک ذرہ بھی کبھی کمی ہوئی' حضرت عائشہؓ کہتی ہیں کہ رویا میں جو کچھ آپ ﷺ دیکھتے تھے وہ سپیدہ صبح کی طرح ظاہر ہوتا (۱)۔ تھا۔ مسلمان تو مسلمان خود کفار تک کو اس پر یقین تھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پیشین گوئی غلط نہیں ہوتی' یاد ہوگا کہ غزوۂ بدر سے پہلے ایک صحابی عمرہ ادا کرنے مکہ گئے تھے' انہوں نے قریش کے رئیس امیہ سے کہا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرما دیا کہ تو قتل ہوگا۔ اس پیشین گوئی کا یہ اثر ہوا کہ کانپ گیا' معرکہ بدر میں وہ گھر سے نکلتے ہوئے ڈرتا تھا' جاتے ہوئے اس کی بیوی نے دامن پکڑ لیا کہ کہاں جاتے ہو' تم کو اس مدینہ والے کی پیشین گوئی یاد نہیں۔ (۲)۔ آنحضرت ﷺ نے سینکڑوں پیشین گوئیاں کیں اور ان میں سے ایک ایک سچائی کے معیار پر اتری۔

صحیح بخاری میں ہے کہ ابن ناطور جو قیصر روم کا محرم راز اور شام کا اسقف (بشپ) تھا' اس نے بیان کیا کہ ہرقل قیصر روم منجم تھا' ایک دن وہ دربار میں آیا تو چہرہ متغیر تھا' کسی درباری نے سبب دریافت کیا تو اس نے کہا رات ستاروں کو دیکھ کر یہ نظر آیا کہ "ملک الختان۔" ختنہ کا بادشاہ یا فرشتہ ظاہر ہو گیا' تو تحقیق کرو کہ ختنہ کس قوم میں رائج ہے' درباریوں نے کہا کہ ختنہ تو صرف یہود کرتے ہیں' اس لئے آپ مضطرب نہ ہوں'

صوبوں میں حکم جاری کر دیجئے کہ امسال یہودیوں کے یہاں جس قدر بچے پیدا ہوں سب قتل کر دیئے جائیں' اسی اثناء میں حدود شام کے عرب رئیس غسان نے یہ خبر پہنچائی کہ عرب میں ایک پیغمبر پیدا ہوا ہے' قیصر نے کہا دریافت کرو کہ کیا عرب ختنہ کرتے ہیں؟ اس کا جواب جب اس کو اثبات میں ملا تو اس نے کہا۔ ہاں! یہ اس امت کا **ملک** (بادشاہ یا فرشتہ) ہے اور اس کے بعد اہل دربار سے مخاطب ہو کر بولا کہ اگر تم کو اپنی سلطنت بچانی منظور ہے تو اس پر ایمان لاؤ' درباریوں نے قیصر کی اس گفتگو کو سخت ناپسند کیا' مگر رومیہ میں قیصر کا ایک اور صاحب علم دوست تھا' قیصر نے اس کو لکھا تو اس نے بھی قیصر کی رائے کی تائید کی۔

ہمارے محدثین اس خبر کی صحیح حقیقت نہیں سمجھ سکے ہیں اور اسی لئے **ملک الختان** کا تلفظ نہ **ملک** (بادشاہ) ہے اور نہ **ملک** (فرشتہ) ہے بلکہ ملاک ہے جس کے معنی فرستادہ اور پیامبر کے ہیں جس کی اصل عربی میں لوکہ بمعنی پیغام ہے' اگر یہ لفظ عربی تلفظ میں **ملک** پڑھا جائے تو یہ لفظ اس موقع پر ''فرشتہ'' کے اصطلاحی معنی میں نہیں بلکہ فرستادہ کے لغوی معنوں میں مستعمل ہوا ہے' قیصر کا یہ لفظ **ملک الختان** (ختنہ کا پیامبر) استعمال کرنا درحقیقت توراہ کی ایک پیشین گوئی کی طرف اشارہ ہے' ملاخیانی کی کتاب میں یہ پیشین گوئی ان الفاظ میں مذکور ہے:

''دیکھو میں اپنے رسول کو بھیجوں گا اور وہ میرے آگے میری راہ کو درست کرے گا اور وہ خداوند جس کی تلاش میں تم ہو' وہاں ''ختنہ کا رسول'' جس سے تم خوش ہو وہ اپنی ہیکل میں ناگہاں آئے گا' رب الافواج فرماتا ہے۔ پر اس کے آنے کے دن کو کون ٹھہر سکے گا' اور جب وہ ظاہر ہوگا کہ کون ہے جو کھڑا رہے گا' کیونکہ وہ سنار کی آگ اور دھوبی کے صابن کی مانند ہے اور وہ روپیہ کا میل کاٹتے ہوئے اور اسے خالص کرتا ہوا بیٹھے گا۔'' (باب۔۳)

---

(۱)۔ صحیح بخاری بدء الوحی (۲)۔ صحیح بخاری مغازی۔

آج کل کے ترجموں میں ''ختنہ کے رسول'' کے بجائے ''عہد کا رسول'' لکھا ہے' یہ ترجمہ صحیح بھی ہو تو اس کے معنی یہ ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیمؑ کی دعا کے جواب میں جس رسول کی بعثت کا وعدہ فرمایا تھا' اس کے متعلق یہ بشارت ہے' لیکن اصل یہ ہے کہ توراہ کی زبان میں ''ختنہ'' نسل ابراہیمی کے جسم پر خدا اور ابراہیم کے باہمی ''عہد و میثاق'' کی مہر کا نام ہے' توراہ میں جہاں ختنہ کا حکم ہے مذکور ہے۔

''اور میرا عہد جو میرے اور تمہارے درمیان ہے' جسے تم یاد رکھو یہ ہے کہ تم میں ہر ایک فرزند نرینہ کا ختنہ کیا جائے اور تم اپنے بدن کی کھلڑی کا ختنہ کرو' اور یہ اس عہد کا نشان ہے جو میرے اور تمہارے درمیان ہے۔'' (پیدائش ۱۷' ۱۰)

اس بناء پر ''ختنہ'' کے بجائے مترجمین نے ''عہد'' کا لفظ رکھ دیا ہے' معلوم ہوتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قرب مولد کے زمانہ میں اس پیشین کے مطابق اس ''رسول الختان'' کا یہود و نصاریٰ دونوں کو انتظار تھا اور قیصر روم اس پیشین گوئی کے پورا ہونے کا منتظر تھا' اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ یہ بشارت حضرت عیسیٰؑ کے حق میں نہ تھی' کیونکہ اگر ان کے حق میں ہوتی تو عیسائی قیصر اس کی آمد کا منتظر نہ ہوتا' ''رسول الختان'' کے لفظ سے اس بات کا اشارہ بھی سمجھا جاتا ہے کہ وہ مختون قوم میں ظاہر ہو گا اور عیسائی مذہب نے اس رسم کو باطل قرار دیا ہے۔

یہودیت کے بعد اسلام ہی ہے جس نے نسل ابراہیمؑ کے اس عہد کو دنیا میں ہمیشہ برقرار رکھا ہے توراہ میں ایک اور بشارت ہے۔

''خداوند سینا سے آیا اور سعیر سے ان پر طلوع ہوا اور فاران کے پہاڑ سے وہ جلوہ گر ہوا۔'' (استثناء ۳۳۔۲)

اس بشارت کا ایک ٹکڑا حضرت حبقوق نبی کے صحیفہ میں پھر دہرایا گیا ہے۔

''خدا تیمان سے اور وہ جو قدوس ہے کوہ فاران سے آیا' اس کی شوکت سے آسمان چھپ گیا اور اس کی حمد سے زمین معمور ہو گئی۔'' (۳۔۳)

تاہم ان روایات کا قدر مشترک اس قدر ضرور نکلتا ہے کہ عرب میں بھی ایک پیغمبر کے وجود کا تشنہ تھا' روم و فارس کی دہ سالہ جنگ نے مشرق و مغرب کی سرزمین کو لالہ زار بنا دیا تھا اور خیالات میں تلاش امن کی شورش برپا کر دی تھی اور عرب میں اصحاب الفیل کا واقعہ دلوں میں لرزش پیدا کرنے کے لئے کافی تھا اور عین یہی موسم دنیا میں روح اعظم کے ظہور کا ہوتا ہے' اس لئے مولد نبی کے قریب زمانہ میں عرب و روم اور یہود و نصاریٰ سب کو توراۃ و انجیل کی بشارتوں کے مطابق آنے والے کا انتظار تھا۔ صحیح بخاری میں حضرت ابوسفیانؓ کی زبانی مروی ہے کہ جب قاصد نبوی (دعوت نامہ اسلام لے کر قیصر کے پاس پہنچا ہے اور قیصر نے ابوسفیان کو بلا کر جو اس وقت تک کافر تھے' آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے متعلق چند استفسارات کئے ہیں اور ابوسفیان نے ان کے جو جوابات دیئے ہیں ان کو سن کر اس نے بھرے دربار میں کہا' تم نے جو کچھ بیان کیا اگر وہ سچ ہے تو ایک دن یہ میرے پاؤں کے نیچے کی مٹی اس کے قبضے میں ہوگی' مجھ کو یہ ضرور خیال تھا کہ ایک پیغمبر آنے والا ہے لیکن یہ خیال نہ تھا کہ وہ عرب میں پیدا ہوگا' اگر ممکن ہوتا میں خود جا کر اس کی زیارت کرتا اور اگر وہاں ہوتا تو خود اس کے پاؤں دھوتا۔ (۱)۔

قیصر کے محرم راز اور شام کے بشپ ابن ناطور کا بیان اوپر پڑھ چکے ہو کہ قیصر کا خیال تھا کہ ختنہ والے رسول کی پیدائش کا زمانہ قریب ہے اور رومیہ کے ایک مسیحی عارف نے بھی خط لکھ کر قیصر کے خیال کی تائید کی' مقوقس شاہ مصر کے دربار میں جو قاصد نبوی خط لے کر گیا تھا' وہ بھی یہ جواب لایا کہ ہاں ہم کو بھی یقین تھا کہ ایک پیغمبر آنے والا ہے لیکن خیال تھا کہ وہ شام میں پیدا ہوگا۔ حبش کے عیسائی بادشاہ نے لکھا کہ ہم گواہی دیتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سچے پیغمبر ہیں۔ (۲)۔

یاد ہوگا کہ یمن کے شہر نجران سے عیسائیوں کا ایک وفد حاضر خدمت ہوا تھا اور فیصلہ حق کے لئے قرار پایا تھا کہ دونوں فریق مباہلہ کریں' لیکن وفد کے سمجھ دار عیسائیوں

نے وفد کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مقابلہ میں مباہلہ سے منع کیا اور کہا کہ خدا کی قسم! اگر یہ سچے پیغمبر ہیں تو ہم ہمیشہ کے لئے تباہ (۳)۔ ہو جائیں گے۔ اس سے معلوم ہوا کہ ان کو بھی پیغمبر کی آمد کا گمان تھا۔ اسلام سے پہلے زید ایک عرب موحد تلاش حق میں مدتوں سے سرگرداں رہے' وہ پہلے یثرب (مدینہ کا پہلا نام) گئے' دیکھا تو وہاں کے یہودی بھی توحید کامل پر قائم نہ تھے'

(۱)۔ صحیح بخاری کیف کان بدء الوحی۔ (۲)۔ سیرت نبوی ﷺ جلد اول۔ (۳)۔ سیرت نبوی ﷺ جلد دوم۔

یہاں سے نکل کر خیبر کے یہودیوں کے پاس گئے اور ان کا بھی یہی حال پایا۔ وہاں سے شام کے عیسائیوں میں گئے دیکھا کہ وہ بھی مشرک ہیں' آخر شام کے ایک راہب نے کہا کہ اگر تمہیں دین حق کی تلاش ہے تو عراق جاؤ' وہاں ایک بزرگ ہیں' زید جب ان کے پاس پہنچے اور لب سوال وا کیا تو دریافت کیا کہ تم کہاں سے آئے ہو' زید نے کہا کہ حرم مکہ سے' ان بزرگ نے کہا جاؤ تم اپنے وطن کو لوٹ جاؤ۔ دین حق کا وہیں ظہور ہونے والا ہے' وہ لوٹ کر مکہ آئے' لیکن اسلام سے پہلے ان کی وفات ہوگئی۔ (۱)۔ ورقہ بن نوفل کا واقعہ تم سیرت جلد اول میں پڑھ چکے ہو کہ وہ جاہلیت میں عیسائی ہو گئے تھے' بعثت کے پہلے ہی روز حضرت خدیجہ آپ ﷺ کو لے کر ورقہ کے پاس گئی ہیں تو ورقہ نے آپ ﷺ کی نبوت کی تصدیق کی اور آرزو ظاہر کی کہ کاش میں آپ ﷺ کی ہجرت تک زندہ رہتا تو آپ ﷺ کی مدد کرتا' اس سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ عیسائیوں کو آنے والے پیغمبر کا اس وقت تک انتظار تھا۔

ابن سعد' ابن اسحاق' مسند احمد' تاریخ بخاری' مستدرك حاکم' دلائل بیهقی' معجم طبرانی' دلائل ابونعیم وغیرہ میں متعدد روایتیں ایسی هیں جن سے مجموعی طور سے یه ثابت هوتا هے که آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ظهور سے پهلے مدینه کے یهودیوں میں بهی ایك آنے والے پیغمبر کے جلد ظاهر هونے کے چرچے رها کرتے تهے اور ان هی سے سن سن کر اوس و خزرج کے کانوں میں پیغمبر کی بعثت کی خبر پڑی هوئی تهی اور اکثروں کے لئے یه خبر هدایت کا

باعث بنی۔ چنانچہ ابن سعد کے علاوہ دیگر کتب مذکورہ میں ایک نوجوان انصاری کا واقعہ بسند صحیح مذکور ہے' وہ کہتے ہیں کہ میں چھوٹا تھا تو مدینہ میں ایک یہودی واعظ تھے' اثنائے وعظ میں اس نے ایک پیغمبر کے ظہور کی بشارت دی' لوگوں نے پوچھا کہ وہ کب تک ظاہر ہوگا؟ اس نے ان انصار کی طرف جو اس مجمع میں سب سے چھوٹے تھے' اشارہ کر کے کہا کہ اگر یہ لڑکا جیتا رہا تو اس کا زمانہ پائے گا' انسؓ بن مالک سے روایت ہے کہ ایک یہودی کا لڑکا آپ ﷺ کی خدمت میں رہا کرتا تھا' اتفاق سے وہ بیمار پڑا' آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس کی عیادت کو گئے' اور اس کے باپ سے پوچھا کہ کیا میرا ذکر تم توراہ میں پاتے ہو؟ اس نے کہا نہیں۔ لڑکے نے فورًا جواب دیا ہاں یارسول اللہ ! آپ ﷺ کا ذکر ہم نے توراہ میں پڑھا ہے' اور یہ کہہ کر اس نے کلمہ پڑھا اور مسلمان ہوگیا۔ (۲)۔ عربوں اور یہودیوں میں جب لڑائی ہوتی تو یہودی کہا کرتے تھے کہ ایک پیغمبر آنے والے ہیں' ان کے عہد میں ہم کو کامل فتح ہوگی' قرآن مجید نے ان کے اسی عقیدہ کو دہرا کر ان کے عدم اسلام پر ملامت کی ہے۔

وکانوا من قبل یستفتحون علی الذین کفروا فلما جاء هم عرفوا کفروا به فلعنت الله علی الکفرین۔ (بقرہ:۱۱)

اس سے پہلے کافروں پر اسی آنے والے پیغمبر کا نام لے کر فتح چاہا کرتے تھے' پس جب وہ سامنے آ گئے جس کو انہوں نے پہچان لیا تو انکار کر دیا' کافروں پر خدا کی لعنت ہو۔

قرآن مجید نے اس کے علاوہ اور بھی متعدد مقامات پر یہودیوں کو ان کے اس سابق یقین کے خلاف ان کے موجودہ اظہار کفر پر ان کی سرزنش کی ہے۔

(۱)۔ مسند ابو زرعہ۔ (۲)۔ بیہقی باسناد صحیح' مگر یہ روایت صحیح بخاری (کتاب الجنائز) سے کسی قدر مختلف ہے' صحیح بخاری میں ہے کہ وہ لڑکا اپنے باپ کے مشورہ سے مسلمان ہوگیا۔

وان الذین اوتوا الکتب لیعلمون انه الحق من

ربھم ۔(بقرہ ۔ ۱)

جن کو کتابوں پہلے دی جاچکی ہے وہ یقیناً (ان نشانیوں کی بناپر جو اس کتاب میں مذکور ہیں) جانتے ہیں کہ یہ حق ہے ان کے پروردگار کی طرف سے نازل ہوا ہے ۔

الذین اتینھم الکتب یعرفونہ کما یعرفون ابناء ھم وان فریقا منھم لیکتمون الحق وھم یعلمون۔ (بقرہ:۱۷)

جبکہ ہم پہلے کتاب دے چکے ہیں' اسلام کی صداقت کو اسی طرح جانتے ہیں جس طرح وہ اپنے بیٹوں کو جانتے ہیں لیکن ان میں سے ایک فریق جان کر حق کو چھپاتا ہے ۔

الذین اتینھم الکتب یعرفونہ کما یعرفون ابناء ھم ۔(انعام: ۲)

جس کو ہم پہلے کتاب دے چکے ہیں وہ اس کو اسی طرح جانتے ہیں جس طرح وہ اپنے بیٹوں کو ۔

یہ ان ہی بشارتوں اور پیشین گوئیوں کا اثر تھا کہ علمائے یہود آنے والے نبی کے متعلق توراہ کی بیان کردہ مختلف علامات اور نشانیوں کو اپنے ذہن میں رکھ کر حاضر ہوتے تھے اور سوالات کرتے تھے اور آپ ﷺ کا امتحان لیتے تھے اور جب ان کی تشفی ہو جاتی تو وہ مسلمان ہوجاتے تھے ۔

نجاشی کے دربار میں جب حضرت جعفر طیار ؓ نے اسلام پر تقریر کی اور سورۂ مریم کی آیتیں پڑھ کر سنائیں تو نجاشی پر رقت طاری ہوگئی اور اس کی دونوں آنکھوں سے آنسو جاری ہوگئے اور کہا خدا کی قسم! یہ کلام اور انجیل دونوں ایک ہی چراغ کے پرتو ہیں' اور اس کے بعد حضرت عیسیٰؑ کی نسبت اسلام کا جو عقیدہ سنا تو نجاشی نے زمین سے ایک تنکا اٹھا کر کہا کہ واللہ! جو تم نے کہا عیسیٰؑ اس تنکے کے برابر اس سے زیادہ نہیں ۔(۱)۔

کفارِ عرب کو مخاطب کر کے قرآن مجید نے کہا کہ اس صداقت کی دلیل یہ ہے کہ علمائے بنی اسرائیل اس کی سچائی کی گواہی دیتے ہیں۔

قل ارء یتم ان کان من عنداللہ و کفرتم بہ وشھد شاھد من بنی اسرآئیل علی مثلہ فامن واستکبرتم۔(احقاف۔۱)

اے پیغمبر! ان سے کہو کہ غور کرو، اگر یہ قرآن خدا کی طرف سے ہو اور تم اس سے منکر ہو اور بنی اسرائیل میں سے ایک گواہ نے اس طرح کی ایک کتاب نازل ہونے کی گواہی بھی دی اور ایمان بھی لایا اور تم مغرور بنے رہے تو ایسی صورت میں تمہارا کیا انجام ہوگا۔

اولم یکن لھم ایۃ ان یعلمہ علمئوا بنی اسرآئیل۔(شعراء:۱۱)

کیا ان کفار کو یہ نشانی کافی نہیں ہے کہ اس کو علمائے بنی اسرائیل جانتے ہیں۔

---

(۱)۔ مسند ابن حنبل ج ۱ ص ۲۰۲۔

خصائص محمدی ﷺ

خصائص وہ امور ہیں جو کسی کی ذات کے ساتھ خاص ہوں' آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بہت سی چیزیں ایسی دی گئی تھیں جو اوروں کو نہیں ملی تھیں' یہ خصائص محمدی ﷺ دو قسم کے ہیں' ایک وہ جو صرف آپ ﷺ کے لئے تھے اور آپ ﷺ کی امت میں سے کسی اور کے لئے نہ تھے۔ دوسرے وہ جو صرف آپ ﷺ کو عطا ہوئے اور دوسرے انبیاء علیہم السلام کو مرحمت نہیں ہوئے' غرض پہلی خصوصیتیں امت کے مقابلہ میں اور دوسرے انبیاء کے مقابلہ میں تھیں۔ ہم نے پہلے کا نام ''خصائص ذاتی'' اور دوسرے کا نام ''خصائص نبوی ﷺ'' رکھا ہے۔

ارباب سیر نے ان خصائص کی توسیع اور کثرت کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی فضیلت کا بڑا معیار قرار دیا ہے کہ اس سے بارگاہ الٰہی میں آپ ﷺ کی خصوصیت ثابت ہوتی ہے۔ چنانچہ انہوں نے معمولی معمولی سی باتوں کو خصوصیت میں شمار کر کے خصائص نبوی ﷺ کا ایک انبار لگا دیا ہے' مثلاً حافظ ابوسعید نیشاپوری نے شرف المصطفٰے میں آپ ﷺ کے خصائص کی تعداد ساٹھ لکھی ہے' حافظ سیوطی نے خصائص کبرٰی میں اس پر سینکڑوں کا اور اضافہ کیا ہے' حالانکہ ان میں اکثر کا ماخذ' تاویل بعید' نکتہ آفرینی اور ضعیف روایتیں ہیں۔

بعض ایسی باتیں بھی خصائص میں شمار کر لی گئی ہیں جو گو عام افراد امت کے لئے نہیں' لیکن امراء اور خلفائے اسلام کا ان سے اتصاف یا تعلق جائز ہے۔

محدثین نے خصائص ذاتی کو یہ وسعت دی ہے کہ انہوں نے یہ اصول بنالیا ہے کہ حدیث قولی اور عملی میں اگر تصادم ہو تو حدیث قولی عملی پر ترجیح ہوگی' یعنی اگر ایک امر آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قول سے ثابت ہے اور اس کے مخالف دوسرا امر آپ ﷺ کے عمل سے ظاہر ہوتا ہے تو عام امت کو آپ ﷺ کے ذاتی عمل کی تقلید کے مقابلہ میں آپ ﷺ کے قول کی تعمیل کرنی چاہئے' کیونکہ ممکن ہے کہ وہ عمل محض

آپ ﷺ کے لئے مخصوص اور آپ ﷺ کے خصائص ذاتی میں ہو لیکن ظاہر ہے کہ انبیاء علیہم السلام دنیا میں اپنی امت کے لئے نمونہ اور عملی مثال ہی بن کر آتے ہیں' خصوصاً حضرت مقتدائے اعظم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ان کے متعلق فرمان الٰہی نے اعلان کر دیا ہے۔

لقد کان لکم فی رسول اللہ اسوۃ حسنۃ۔(احزاب)

اور تمہارے لئے (اے مسلمانو)! رسول اللہ میں بہترین اقتدا ہے۔

تو جب آپ ﷺ مقتدائے عالم' اور امام اعظم بن کر آئے اور تمام لوگوں کو آپ ﷺ کی تقلید اور پیروی کا حکم دیا گیا تو ایسی حالت میں آپ ﷺ کا ہر فعل ہمارے لئے قابل تقلید اور لائق پیروی ہے' بے شک بعض امور ایسے بھی ہو سکتے ہیں جو بحیثیت پیغمبر آپ ﷺ کی ذات کے ساتھ مخصوص ہوں' لیکن ضرورت ہے کہ دفع التباس اور رفع شک کے لئے ان تمام مخصوص امور کے متعلق ساتھ ساتھ یہ اعلان عام بھی کر دیا جائے کہ یہ مخصوصات نبوی ﷺ ہیں اور یہ عام امت کے لئے نہیں ہیں۔

اس بناء پر اس کے تسلیم کر لینے سے چارہ نہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے جس قدر خصائص ذاتی تھے' شریعت نے ان کو برملا واضح کر دیا اور یہ بتا دیا ہے کہ یہ صرف آپ ﷺ کے ساتھ مخصوص ہیں۔ اس لئے جن امور کے متعلق یہ تصریح موجود نہیں کہ یہ مخصوصات نبوی میں ہیں' ان کو ہرگز خصائص کے باب میں جگہ نہیں دی جا سکتی' اور اس طرح یہ معلوم ہو گا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے جو خصائص ذاتی ہیں۔ وہ چند محدود امور ہیں اور کتاب وسنت نے ان کا مخصوص ہونا عالم آشکارا کر دیا ہے۔

خصائص ذاتی

نبوت اور لوازم نبوت::

سب سے پہلی چیز جو آپ ﷺ کی ذات مبارک کے ساتھ مخصوص تھی اور جس کا کوئی حصہ افراد امت کو نہیں ملا وہ نبوت اور اس کے لوازم وحی، تشریع، اخبار الٰہی، نزول جبریلؑ نسخ احکام وغیرہ ہیں۔ یعنی آپ ﷺ کے سوا نہ تو کسی فرد امت پر کوئی وحی آئی اور نہ آ سکتی ہے، نہ کسی کو کوئی نئی شریعت لانے اور نئے مذہبی قانون وضع کرنے کا اختیار ہے، نہ وہ بے گناہ اور معصوم ہے، نہ اللہ تعالیٰ سے سن کر وہ خبر دے سکتا ہے۔ نہ اس کے پاس قاصد الٰہی آ سکتا ہے، نہ وہ احکام شرعی کو منسوخ کر سکتا ہے وغیرہ، صرف دو چیزیں ایسی ہیں جو افراد امت کے لئے باقی ہیں اور وہ رویائے صادقہ اور کشف و الہام ہیں۔

امور متعلقہ نکاح::

مسئلہ نکاح میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لئے چند امور مخصوص کر دیئے گئے ہیں، جن کی رخصت عام امت کے لئے نہیں۔

۱۔ عام مسلمان بشرط عدل صرف چار بیویاں ایک وقت میں رکھ سکتے ہیں، آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم چار سے زیادہ رکھ سکتے تھے۔

۲۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لئے اس کی رخصت تھی کہ اگر کوئی عورت اپنی خوشی سے مہر کے بغیر آپ ﷺ کی زوجیت میں آنا چاہتی اور آپ ﷺ اس کو قبول کرنا چاہتے تو کر سکتے تھے، گو ایسا واقعہ نہیں ہوا، لیکن افراد امت کے لئے بغیر مہر نکاح ممکن ہی نہیں۔

یہ دو رخصتیں تھیں، لیکن ان کے مقابلہ میں اس باب میں آپ ﷺ پر کچھ قیدیں بھی تھیں، جو عام افراد امت پر نہیں۔

۳۔ آپ ﷺ پر وہی عورتیں حلال تھیں جن کو ادائے مہر یا مہر کے بغیر آپ ﷺ اپنی زوجیت میں اب تک لے چکے تھے اور رشتہ کی بہنوں میں سے صرف وہی عورتیں آپ ﷺ کی زوجیت میں رہ سکتی تھیں' جنھوں نے آپ کے ساتھ ہجرت کی تھی' عام مسلمانوں پر قید نہ تھی۔

۴۔ عام مسلمان اہل کتاب کی عورتوں سے جنھوں نے گو اسلام نہ قبول کیا ہو نکاح کر سکتے تھے اور کر سکتے ہیں مگر آپ ﷺ کو اس کی اجازت نہ تھی۔

۵۔ جو بیویاں آپ ﷺ کے پاس تھیں' ان میں سے اب کسی کو نہ آپ ﷺ طلاق دے سکتے تھے اور نہ ان کے بعد آپ ﷺ اور کسی سے اب نکاح کر سکتے تھے۔

۶۔ آپ ﷺ کو اختیار دے دیا گیا تھا کہ ان بیویوں میں سے چند کو اپنے قریب کر لیں اور باقی کو پیچھے کر دیں چنانچہ آپ ﷺ نے چار کو یعنی حضرت عائشہؓ حفصہؓ' زینبؓ اور ام سلمہؓ کو پاس رکھ لیا تھا اور بقیہ کو شرف زوجیت بخشنے کے ساتھ اپنے سے علیحدہ رکھا تھا اور ان میں آپ ﷺ ردوبدل بھی کر سکتے تھے۔

۷۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بیویوں کو آپ ﷺ کی وفات کے بعد کسی دوسرے کے نکاح میں جانے کی اجازت نہ تھی۔

ولا تنکحوا ازواجہ من بعدہ ابدا۔(احزاب)

اور نہ یہ مناسب ہے کہ اپنے پیغمبروں کی بیویوں سے اس کے بعد کبھی نکاح کرو۔

یہ تمام احکام سورۂ احزاب میں بتصریح تمام مذکور ہیں اور ان کے خاص وجوہ و مصالح ہیں' اصل یہ ہے کہ عرب میں نکاح کی تعداد متعین نہ تھی' بلکہ بنی اسرائیل میں بھی اس کی تحدید نہ تھی' توراۃ میں ایسے انبیاء اور بزرگوں کے نام بھی ہیں جن کی متعدد بلکہ سینکڑوں بیویاں تھیں' آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پورے عہد شباب میں یعنی ۲۵ سال سے ۵۰ برس کی عمر تک صرف ایک بی بی (حضرت خدیجہؓ) پر کنایت کی۔ حضرت خدیجہؓ کے بعد ایک ساتھ دو نکاح کئے۔ حضرت سودہؓ سے جو کبیر السن

تھیں اور حضرت عائشہؓ سے جو صرف ۶ برس کی تھیں' اتنی چھوٹی لڑکی سے نکاح ہر شخص سمجھ سکتا ہے کہ صرف دو خاندانوں میں محبت اور یک جہتی کی ترقی ہی کے لئے ہو سکتا تھا۔ مدینہ میں آ کر آپ ﷺ نے چند نکاح کئے' ان نکاحوں پر ایک عمیق نظر ڈالنے سے یہ خود بخود ظاہر ہو جاتا ہے کہ ان میں دو قسم کی عورتیں تھیں' ایک وہ جو رؤسائے قبائل کی لڑکیاں تھیں اور جن سے نکاح کا مقصد اسلام کی بہتری کے تعلقات کی توسیع اور اضافہ تھا۔ حضرت عائشہؓ صدیق اکبرؓ کی اور حضرت حفصہؓ فاروق اعظمؓ کی صاحبزادی تھیں' حضرت ام حبیبہؓ ابوسفیان رئیس' بنوامیہ کی بیٹی تھیں۔ حضرت جویریہؓ قبیلہ بنی المصطلق کی رئیسہ تھیں۔ حضرت صفیہؓ رئیس خیبر کی دختر تھیں۔

ازواج مطہراتؓ میں دوسری بیوہ عورتیں تھیں جن کا سن زیادہ تھا اور گویا ان کی کفالت کا بار آپ ﷺ نے اٹھایا تھا' چنانچہ حضرت سودہؓ حضرت ام سلمہؓ حضرت میمونہؓ حضرت زینب ام المساکین یہ سب بیوائیں تھیں' ایک اور بیوی حضرت زینبؓ بنت جحش تھیں جو گو بیوہ نہ تھیں لیکن مطلقہ تھیں' ان کے شوہر نے ان کو طلاق دے دی تھی' اس کی تفصیل سے آپ ﷺ کی کثرت ازواج کے اسباب منکشف ہوئے ہوں گے۔

اس کی تصریح نہیں ملتی کہ سورہ احزاب میں یہ مخصوص احکام کب نازل ہوئے' لیکن اس بناء پر کہ آپ ﷺ نے آخری سے آخری نکاح حضرت میمونہؓ سے ۷ھ میں ادائے عمرہ کے زمانہ میں کیا اور اس کے بعد (۱)۔ آپ ﷺ کا کوئی نکاح ثابت نہیں۔ اس لئے ان احکام کے نزول کی تاریخ اسی ۷ھ کو قرار دیا جا سکتا ہے کہ ۸ھ میں اسلام کی طاقت اپنے کمال کو پہنچ گئی تھی و رخیبر' طائف اور مکہ معظمہ فتح ہو چکا تھا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ان تعلقات کے ذریعہ سے کسی نئے قبیلہ کو مطیع کرنے کی ضرورت نہ تھی اور غریب سن رسیدہ مسلمان بیواؤں کی کفالت کی حاجت نہ تھی۔

وسلم کے لئے نماز شبانہ فرض مزید کے طور پر باقی رہی' چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پوری پابندی کے ساتھ اس کو ادا کرتے رہے۔ یہی وہ نماز تھی جس میں دیر تک کھڑے رہنے سے پائے مبارک میں ورم آجاتا تھا سورۂ بنی اسرائیل جو معراج کی سورہ ہے اس میں نماز پنجگانہ کے بعد ارشاد ہوتا ہے:

ومن اللیل فتھجد به نافلۃ لك عسی ان یبعثك ربك مقاما محمودا.

اور رات کے حصہ میں بیدار ہو کر نماز پڑھ' یہ تیرے لئے مزید ہے' قریب ہے کہ تیرا پروردگار تجھ کو مقام محمد (مرتبہ شفاعت) میں اٹھالے۔

نماز چاشت اور قربانی ::

اسی طرح چاشت کے وقت نماز عام مسلمانوں کے لئے نفل ہے مگر احادیث میں ہے کہ یہ نماز آپ ﷺ پر بمنزلہ فرض کے تھی اور اسی کے ساتھ قربانی کا حکم بھی' غالبا یہ حدیثیں سورۂ کوثر کی تفسیر میں ہیں۔

ان اعطینك الکوثر. فصل لربك و انحر۔(کوثر)

اے پیغمبر! میں نے تجھے کوثر عطا کیا تو تو (اس کے شکرانے میں) اپنے رب کی نماز (چاشت) پڑھ اور قربانی کر۔

مگر یہ بطریق صحاح مذکور نہیں' اسی لئے ہمیں ان کو خصائص نبوی ﷺ میں شمار کرنے میں اب بھی تامل ہے۔

(۱)۔ تفسیر ابن جریر طبری سورۂ احزاب جلد ۲۲ ص ۱۶ مصر۔

(۲)۔ بحوالہ خصائص کبری سیوطی جلد دوم طبع حیدر آباد۔

عصر کے بعد نماز دوگانہ::

عام امت کے لئے نماز عصر کے بعد سے غروب تک نماز پڑھنا ممنوع ہے مگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو آخر میں بعض ازواج مطہرات ؓ نے عصر کے بعد نماز پڑھتے دیکھا۔ دریافت کیا تو فرمایا کہ ایک وفد کی ملاقات میں ظہر کے بعد کی دو

خصائص نبویؐ

دیگر انبیاء کے مقابلہ میں جس قدر خصائص آپ ﷺ کو عطا ہوئے ہیں وہ متعدد معتبر حدیثوں میں مختلف تعدادوں میں نام بنام خود زبان اقدس سے ادا ہوئے ہیں۔ صحیحین میں حضرت جابرؓ سے مروی ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا' مجھے پانچ چیزیں ایسی دی گئی ہیں جو مجھ سے پہلے کسی پیغمبر کو نہیں دی گئیں' مجھے رعب اور دھاک کے ذریعہ سے فتح ونصرت دی گئی۔ میرے لئے تمام روئے زمین سجدہ گاہ بنائی گئی' غنیمت کا مال میرے لیئے حلال کیا گیا اور مجھ سے پہلے کسی پیغمبر کے لئے حلال نہ تھا' مجھے شفاعت کا مرتبہ عنایت ہوا' مجھ سے پہلے انبیاء خاص اپنی اپنی قوموں کی طرف مبعوث ہوئے تھے اور میں تمام دنیا کے لئے مبعوث ہوا۔(۱)۔ صحیح مسلم میں حضرت ابو ہریرۃؓ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زبانی چھ باتیں گنائی ہیں' مجھے جوامع الکلم عنایت ہوئے' رعب وداب سے نصرت دی گئی' مال غنیمت میرے لئے حلال کیا گیا' تمام روئے زمین میرے لئے مسجد بنی' میری بعثت تمام دنیا کی طرف ہوئی انبیاء علیہما السلام کا سلسلہ میری ذات پر ختم ہوا۔(۲)۔

احادیث کی دیگر روایتوں میں بعض اور خصائص بھی زبان اقدس سے بیان ہوئے ہیں۔ مثلاً یہ کہ میرا معجزہ وحی قیامت تک کیلئے ہے' میرے پیرو تمام انبیاء سے زیادہ ہیں' میری نبوت اولین ہے' مجھ کو فلاں فلاں سورتیں دی گئیں جو کسی اور کو نہیں ملیں' فلاں فلاں وقت کی نمازیں خاص میری امت کے لئے فرض ہوئیں مگر حقیقت میں ان میں بعض جزئیات ایسی ہیں جو انہی چھ عنوانوں کے تحت میں کسی نہ کسی حیثیت سے درج ہیں' سورتوں کی خصوصیت جوامع الکلم میں داخل ہے' بعض نمازوں کے اوقات کا اضافہ ختم نبوت کے مدارج کے اندر ہے۔ قرآن مجید میں آپ ؐ کی دو خصوصیتیں مذکور ہوئی ہیں وہ ان سب کو جامع ہیں یعنی تکمیل دین اور ختم نبوت۔ بہر حال اجمال کو چھوڑ کر ذیل میں ہم کو نمایاں خصوصیت پر قرآن پاک اور احادیث

صحیحہ کی روشنی میں ایک تفصیلی نظر ڈالنا ہے۔

رعب ونصرت::

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے پہلے جو انبیاء دنیا میں آئے وہ دو قسم کے ہیں' یا وہ بظاہر کمزور اور بے یار و مددگار تھے ان کو دنیاوی طاقت کا کوئی حصہ عطا نہیں ہوا تھا' پیغمبروں کی بڑی تعداد ایسی ہی تھی' دوسرے وہ انبیاء ہیں جن کو دنیا کی ظاہری طاقت بھی ملی تھی اور وہ صرف چند ہیں۔ حضرت موسیٰ' حضرت داؤدؑ اور حضرت سلیمانؑ مگر ان میں سے کسی کو بھی نام نامی کے رعب اور رہیبت کا انعام عطا نہیں ہوا اور تاریخ اس بیان پر شاہد ہے' آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا آغاز گو ایو بی بیچارگی اور مسیحی غربت سے ہوا مگر انجام موسوی طاقت اور داؤدی سلطنت اور سلیمانی شان وشکوہ پر ہوا اور سب سے مافوق یہ تھا کہ

---

(۱)۔ صحیح بخاری کتاب الصلوۃ باب جعلت فی الارض کلھما مسجد او کتاب التیم و صحیح مسلم باب المساجد و نسائی باب التیم۔ (۲)۔ صحیح مسلم باب المساجد' ترمذی کتاب السیرو نسائی۔

آپ ﷺ کی تمام تر قوت' طاقت' رعب' وہیبت سب خدا کی راہ میں صرف ہوئی' اس سے گم گشتوں نے راستہ پایا' بھولوں نے یاد کیا' سننے والوں نے آواز دی اور یہ اثر پیدا ہوا کہ آپ ؐ جس راستہ سے نکل جاتے' گناہ گار اور مجرم سر اطاعت خم کر دیتے اور اپنی سیہ کاریوں پر ندامت کا اظہار کرتے تھے۔

متعدد حدیثوں میں ہے کہ آپ ؐ نے فرمایا کہ مجھے فتح ونصرت' رعبت وہیبت کے ذریعہ بخشی گئی' یہاں تک کہ میری دھاک ایک مہینہ کی مسافت تک پر کام کرتی ہے۔

(۱)۔ علامہ ابن خلدون نے مقدمہ میں فنون جنگ پر بحث کرتے ہوئے نہایت خوبی سے بتایا ہے کہ لڑائیوں میں کسی ایک فریق کو جو فتح ہوتی ہے وہ اس وقت ہوتی

ہے جب دوسرے فریق پر پہلے کی خداداد مرعوبیت چھا جاتی ہے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اسم گرامی کو یہ شرف اس لئے عطا ہوا تا کہ مزید خونریزی کے بغیر ملک میں امن وامان اور سکون واطمینان پیدا ہو جائے اور صدائے حق کے لئے راستہ صاف ہو' قرآن مجید میں بھی اللہ تعالیٰ نے اس وصف کے عطا کرنے کا وعدہ فرمایا تھا۔

سالقی فی قلوب الذین کفروا الرعب (انفال)

عنقریب کافروں کے دلوں میں رعب ڈالوں گا۔

چنانچہ یہ وعدہ پورا ہوا اور قرآن نے شہادت دی۔

فقذف فی قلوبھم الرعب (احزاب وحشر)

اور خدا نے ان کے دلوں میں رعب ڈال دیا۔

چنانچہ بڑے بڑے دل گروہ کے بہادر زہر میں تلواریں بجھا بجھا کر آئے مگر جب روئے روشن پر نظر پڑی کانپ کر رہ گئے' بڑے بڑے سرکش قبائل آپ ﷺ کا نام سن کر دم بخود ہو جاتے تھے' مدینہ کے آس پاس کے یہود جو بڑے بڑے قلعوں میں بیٹھ کر فرمانروائی کرتے تھے اور جن کو اپنی فوجی قوت اور جنگی سامان پر ناز تھا۔ جب انہوں نے سرتابی کی' بے لڑے بھڑے آپ ﷺ کے سامنے اطاعت کی گردن ڈال دی' خیبر کے قلعہ نشین یہود جو سب سے زیادہ مضبوط تھے۔ جب ایک صبح کو ان قلعوں کے سامنے دفعتاً کوکبہ اسلام طلوع ہوا تو ان کے منہ سے چیخ نکل گئی کہ ''محمد ﷺ کا لشکر۔'' ابوسفیان جو بار ہا ایک فریق مقابل کی حیثیت سے میدان جنگ میں فوجوں کے پرے لگاتا رہا' فتح مکہ کے دن جب حضرت عباسؓ اس کو لے کر اسلام کے موجزن دریائے الٰہی کا نظارہ دکھا رہے تھے اور رنگ برنگ کے علم نگاہوں کے سامنے سے گزر رہے تھے تو ہر نئے دستے اور ہر نئے علم کو دیکھ کر کانپ جاتا تھا' بایں ہمہ اس مجسمہ ہیبت کا حال کیا تھا نا آشنا ڈرتے تھے اور وہ ان کو تسکین دیتا تھا' بے خبر اس سے رعب کھاتے تھے' اور آگاہ' پروانہ تھے کہ۔

محمد رسول الله ط والذین معه اشدآء علی الکفار رحماء بینھم۔

محمد رسول اللہ اور ان کے ساتھی کافروں پر بھاری اور آپس میں رحم دل ہیں۔

ایک بدو‘ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا‘ جیسے ہی چہرۂ مبارک پر نظر پڑی‘ کانپ گیا۔ فرمایا ڈرو نہیں‘ میں بادشاہ نہیں ہوں‘ ایک قریشی عورت کا بیٹا ہوں جو سوکھا گوشت پکا کر کھایا کرتی تھی۔ (۱)۔

(۱)۔ صحیح بخاری و مسلم عن ابی ہریرہؓ و احمد‘ ابن ابی شیبہ و بیھقی و بزار عن علی۔ (۲)۔ شمائل ترمذی

حضرت مخرمہؓ صحابی نے اپنے بیٹے اسود سے کہا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم زنان خانہ میں ہیں‘ آپ ﷺ کو آواز دو‘ وہ ہچکچانے لگے۔ باپ نے کہا جان پدر! محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جبار نہیں۔ (۲)۔ یہ ہیبت‘ یہ وقار‘ یہ دبدبہ‘ یہ رعب‘ تیغ و سنان کی چمک‘ فوج و عسکر کے تلاطم‘ جلادوں کی صف بندی اور تیغ بکف سپاہیوں کی نمائش سے نہیں پیدا ہوا بلکہ:

ہیبت حق است ایں از خلق نیست
ہیبت ایں مرد صاحب دلق نیست

سجدہ گاہ عام::

اسلام کے علاوہ جس قدر مذاہب ہیں وہ اپنے مراسم عبادت کے ادا کرنے کے لئے چند گھری ہوئی چار دیواریوں کے محتاج ہیں' گویا ان کا خدا ان ہی کے اندر بستا ہے۔ یہود اپنے صومعوں اور قربان گاہوں سے باہر نہ خدا کو پکار سکتے ہیں اور نہ قربانی کے نذرانے پیش کر سکتے ہیں۔ عیسائی اپنے کینسوں کے بغیر خدا کے آگے نہیں جھک سکتے' یہاں تک کہ بت پرست قومیں بھی اپنے بت خانوں ہی کی چار دیواروں کے اندر اپنے دیوتاؤں کو خوش کر سکتے ہیں' لیکن اسلام کے عالمگیر مذہب کا خدا اس آب وگل اور سنگ وخشت کی چار دیواریوں میں محدود نہیں' وہ ہر جگہ ہے اور ہر جگہ سے پکارا جا سکتا ہے' کوہ وصحرا' خشکی وتری' مسجد وکنشت (۳)۔ ہر جگہ اس کے سامنے سجدہ کیا جا سکتا ہے' وہ جس طرح مسجدوں کے اندر ہے' مسجدوں کے باہر بھی ہے' اس کی قربانی مشرق ومغرب ہر جگہ گزرانی جا سکتی ہے۔

اینما تولوا فثم وجہ اللہ

جدھر منہ پھیرو' ادھر خدا کا منہ ہے

ہر جا کینم سجدہ بداں آستاں رسد

آپ ﷺ نے فرمایا کہ میرے لئے تمام روئے زمین سجدہ گاہ بنائی گئی۔ (۴)۔ یہ مسئلہ ہر چند ایک معمولی بات معلوم ہوتی ہے' مگر اس کے اندر وہ صداقت پنہاں ہے جو اسلام کی عالمگیری اور اس کے آخری مذہب ہونے کا اعلان عام کرتا ہے۔

پیرووں کی کثرت::

دنیا میں لاکھوں پیغمبر آئے۔ مگر آج دنیا میں ان کی تعلیم وہدایت کی ایک یادگار باقی نہیں یہاں تک کہ تاریخ کے اوراق میں بھی ان کا نام ونشان نہیں' وہ انبیاء جن کے صرف حالات معلوم ہیں' ان کی نسبت وہیں یہ بھی معلوم ہے کہ ان کی آواز پر لبیک

کہنے والے چند سے آگے نہ بڑھ سکے' حضرت نوحؑ سے لے کر حضرت عیسیٰؑ تک ایک ایک پیغمبر کا کارنامہ دیکھ جاؤ' حضرت موسیٰؑ کے سوا ایک بھی ایسا نہ ملے گا جس کے ماننے والے سو بھی ہوں' حضرت موسیٰؑ کی کوششوں کے جولانگاہ صرف بنی اسرائیل کے چند ہزار نفوس تھے جو قدم قدم پر راہ حق سے ہٹ ہٹ جاتے تھے' کہیں گوسالے کو پوجتے ہیں' کہیں خدا ان کی آنکھوں

(۱)۔ صحیح بخاری جلد دوم صفحہ ۸۷۱ (۲)۔ صحیح بخاری کتاب الصلوۃ باب الصلوۃ فی البیع میں ھے کہ حضرت ابن عباسؓ ان گرجاؤں میں جن میں تصویریں نہ ھوتیں' نماز پڑھ لیتے۔ (۳)۔ صحیح بخاری و مسلم و نسائی و ترمذی باب المساجد۔

سے دیکھنے پر اصرار کرتے ہیں' کہیں سرفروشی اور جانبازی سے گھبرا کر میدان جنگ میں جانے سے انکار کر بیٹھتے ہیں۔ حضرت عیسیٰؑ کے معجزانہ کارنامے صرف اسی قدر اثر دکھاتے ہیں کہ چند دہائی انسان ان کی شیریں گفتاری کا دم بھرتے ہیں مگر اس سے پہلے کہ مرغ بانگ دے' ابن آدم کو دشمنوں کے پنجہ میں اسیر کراتے ہیں اور تین دفعہ اس کے پہچاننے سے منکر ہوتے ہیں' لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا یہ حال ہے کہ مکہ کی گلیوں میں آپ ﷺ نے تن تنہا بے یار و مددگار متلاشیان حق کو صدائے توحید دی' جواب میں ایک آواز بھی بلند نہ ہوئی' لیکن ۲۳ سال نہ گزرنے پائے تھے کہ ریگستان عرب کا ذرہ لا الٰہ الا اللہ سے پرشور ہو گیا اور جب آپ ﷺ نے اسی مکہ کی سرزمین کے لئے حجۃ الوداع کا اعلان کیا تو کم و بیش ایک لاکھ جان نثار و فدا کار دائیں بائیں کھڑے تھے۔

صحیح مسلم میں ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا' جس قدر میری نبوت کی سچائی کا اعتراف کیا گیا کسی اور پیغمبر کی سچائی کا نہیں کیا گیا بعض انبیاء ایسے بھی ہیں جن کو سچا کہنے والا ان کی امت میں صرف ایک ہی نکلا۔ (۱)۔

صحیحین میں ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا' ایک دفعہ مجھ پر (عالم مثال میں) قومیں پیش

کی گئیں' بعض پیغمبر ایسے تھے کہ ان کے پیچھے صرف ایک ہی دو آدمی تھے' بعض تنہا ہی تھے ان کے ساتھ کوئی بھی نہ تھا' اتنے میں ایک بڑی بھیڑ نظر آئی' خیال ہوا کہ یہ میری امت ہو گی' تو بتایا گیا کہ یہ موسیٰ اور ان کی قوم ہے' پھر کہا گیا کہ دوسرے کنارہ کی طرف دیکھو تو اتنا سواد اعظم نظر آیا کہ اس سے افق چھپ گیا' پھر کہا گیا اسی طرح ادھر دیکھو بڑی تعداد کثیر دکھائی دی' کہا گیا کہ یہ سب تیری امت ہے۔ (۲)۔

دعوت عام::

محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پیروؤں اور حلقہ بگوشوں کی کثرت تعداد کا ایک اور سبب یہ ہے کہ آپ سے پہلے جس قدر انبیاء آئے وہ خاص خاص قوموں اور قبیلوں کی طرف بھیجے گئے ان کی دعوت عام نہ تھی' یہاں تک کہ حضرت عیسیٰ نے بھی اپنے کو بنی اسرائیل کی کھوئی ہوئی بھیڑوں کی گلہ بانی تک محدود رکھا' لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بعثت روئے زمین کی ہر قوم اور ہر جنس کی طرف ہوئی۔ کالے' گورے' رومی' حبشی' عرب' ترک' تاتار' چینی' ہندی سب آپ میں برابر کے حق دار ہیں۔

قرآن نے کہا:

وما ارسلناک الا کافۃ للناس (سبا)

اے محمد ﷺ ہم نے تم کو تمام ہی انسانوں کے لئے بھیجا ہے۔

تبرک الذی نزل الفرقان علی عبدہ لیکون للعالمین نذیرا۔ (فرقان)

بابرکت ہے وہ جس نے اپنے بندہ پر قرآن اتارا تا کہ وہ تمام دنیا کو ہشیار کرے۔

صحیحین میں ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا کہ مجھ سے پہلے نبی خاص اپنی قوم میں بھیجا جاتا تھا اور میں تمام دنیا کے لئے بھیجا گیا ہوں۔ (۱)۔ اس معنی کی بکثرت روایتیں حدیث کی دوسری کتابوں میں بھی آئی ہیں' اس کی عملی دلیل یہ ہے کہ تمام پیغمبروں

کے حالات پڑھ جاؤ‘ سب کے پیرووں کو اس کی زندگی میں خود اسی قوم و **ملک** کے اندر

(۱)۔صحیح مسلم کتاب الایمان۔ (۲)۔ایضًا و بخاری کتاب الطب و باب وفات موسٰی و کتاب الرقاق۔ (۳)۔بخاری و مسلم کتاب المساجد۔

محدود پاؤ گے‘ لیکن آپ کے حلقہ بگوشوں میں خود آپ ﷺ کی زندگی میں عرب کے علاوہ سلیمان عجمیؓ صہیب رومیؓ بلال حبشیؓ سب کو پاؤ گے‘ سلاطین عالم کے نام آپ ﷺ کا دعوت نامہ بھی اس تعمیم دعوت کی مستحکم عملی **دلیل** ہے۔

جامع الکلم ::

دنیا میں ہی آسمانی صحیفے اب بھی کسی نہ کسی صورت میں موجود ہیں‘ مگر ان میں ایک کے سوا وصف جامعیت سے سب محروم ہیں۔توراہ اقوام کی تاریخ اور احکام وقوانین کا مجموعہ ہے۔عقیدہ توحید و رسالت کے سوا تمام دیگر ضروری عقائد سے اور رسم قربانی کے علاوہ تمام دیگر مسائل عبادات سے اور چند معمولی باتوں کو چھوڑ کر تمام وقائق اخلاق سے یکسر خالی ہیں۔زبور صرف دعاؤں اور مناجاتوں کا ذخیرہ ہے‘ سفر ایوبؑ میں صرف عقیدۂ تقدیر و رضا کی تعلیم ہے۔امثال سلیمان صرف مواعظ و حکم ہیں۔دیگر انبیائے بنی اسرائیل کے صحیفے صرف تو بہ و ندامت پیشین گوئی اور ماتم ہیں‘ انجیل کا صحیفہ صرف حضرت مسیح کی سرگزشت اور تعلیمات اخلاق کا مجموعہ ہے‘ لیکن محمد رسول اللہ کو جو صحیفہ ملا وہ **جوامع الکلم** ہے یعنی وہ تمام باتوں کی جامع ہے‘ وہ توراہ بھی ہے زبور بھی اور انجیل بھی اور کچھ ان سے زیادہ بھی‘ اس لئے آپ ﷺ نے اپنے خصائص میں یہ ارشاد فرمایا ہے کہ مجھے **جوامع الکلم** عنایت ہوئے۔(۱)۔بیہقی (۲)۔میں حضرت واثلہؓ بن اسقع سے روایت ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا۔ مجھے توراہ کی جگہ سبع طول (سات بڑی سورتیں) اور زبور کی جگہ مئین (تقریبًا سو آیتوں والی سورتیں) انجیل کے قائم مقام مثانی دی گئیں اور سور مفصلات (۳)۔زیادہ ملیں‘

قرآن جوامع الکلم ہے کہ اس کی ایک ایک آیت کے اندر سینکڑوں لطائف ہیں' اس کے ایک ایک لفظ سے متکلمین اور فقہاء نے چند در چند مسائل نکالے ہیں اور صوفیاء اور ارباب حال نے متعدد نکتے پیدا کیے ہیں' تاہم اس کی لطافتوں اور رمزاکتوں کا خاتمہ نہیں ہوا اور اس کی جوامع الکلمی کا حصر نہ ہو سکا۔

تکمیل دین::

اسلام کا صحیفہ جب ایسا جامع ہے تو یقیناً وہ دین بھی جس کو لے کر وہ آیا کامل ہوگا' قرآن مجید نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وفات کے قریب عین مسلمانوں کے اجتماع عظیم کے دن (حجتہ الوداع) یہ اعلان عام کیا۔

الیوم اکملت لکم دینکم واتممت علیکم نعمتی ورضیت لکم الاسلام دینا۔(مائدہ)

آج کے دن میں نے تمہارے لئے تمہارا دین کامل کر دیا اور تم پر اپنی نعمت پوری کر دی اور اسلام کو دین کی حیثیت سے میں نے تمہارے لئے پسند کیا۔

اسلام قرآن کے عقیدہ کے مطابق اس صحیح مذہب کا نام ہے جو اپنے وقت میں ہر پیغمبر کو عطا ہوا اور وہ عہد بعہد دنیا کی عمر کے ساتھ مختلف پیغمبروں کے ہاتھوں سے تکمیل کو پہنچتا رہا۔ یہاں تک کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی دعوت وتبلیغ کی تکمیل پر وہ اپنے معراج کمال کو پہنچ کر تمام ہو گیا اور یہ منصب خاص صرف آپ ﷺ کی ذات پاک کے لئے روز اول سے مقدر ہو چکا تھا' آپ ﷺ نے فرمایا انا خاتم النبین وآدم منجدل فی طینتہ۔ میں پیغمبر آخر تھا اور آدم ابھی آب وگل میں پڑے تھے' آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک بلیغ تمثیل میں اسلام کی تکمیل دین کی تشریح فرمائی ہے۔ فرمایا میری اور دوسرے انبیاء کی مثال یہ ہے کہ جیسے ایک شخص نے ایک عمارت بنائی' لوگ اس کے اندر جاتے ہیں اور اس کو دیکھ کر حیران رہ جاتے ہیں لیکن دیکھتے ہیں کہ اس کی ایک اینٹ کی جگہ خالی ہے تو میں وہ آخری

اینٹ ہوں۔عمارت دین ونبوت ہے اس کی ایک ایک اینٹ ایک ایک پیغمبر کا وجود اور اس کا دین وشریعت ہے اور اس کی تکمیل کا آخری پتھر نبی امی علیہ الصلوۃ والسلام کا وجود اقدس ہے۔

دائمی معجزہ::

وہ دین جو مختلف انبیاء علیہم کی وساطتوں سے دنیا میں آتا رہا' چونکہ وہ محدود زمانوں کے لئے آیا کیا' اس لئے ان کے معجزے بھی محدود الوقت تھے' یعنی ایک خاص وقت میں پیدا ہوئے اور مٹ گئے' اب عصائے موسیٰ' لحن داؤدٌ' تعبیر یوسفؑ' ناقہ صالحؑ' نفس عیسیٰ کا کہاں پتہ ہے؟ لیکن جو دین محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ذریعہ سے آیا کامل تھا اور قیامت تک کے لئے آیا تھا' بنابریں اس کے لئے ایک دائمی اور مستقل معجزہ کی ضرورت تھی اور وہ خود صحیفہ اسلام ہے۔ صحیحین میں ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ ہر نبی کو وہ معجزہ ملا جس پر اس کی امت ایمان لائی' لیکن جو مجھے ملا وہ وحی ہے جو خدا نے بھیجی' تو مجھے امید ہے کہ میرے پیرو تمام انبیاء سے زیادہ ہوں گے۔(۱)۔ یہ خیال مبارک اسی لئے تھا کہ آپ ﷺ کا معجزہ وحی قیامت تک کے لئے

(۱)۔ بخاری و مسلم و ترمذی باب خاتم النبین۔

ہے' اس لئے اس کو دیکھنے والے اور اس پر ایمان لانے والے سب سے زیادہ ہوں گے' دوسرے انبیاء علیہم السلام کے صحیفے بجائے خود معجزہ نہ تھے اسی لئے وہ تحریف و تغیر سے پاک نہیں رہے اور قرآن دین کا کامل صحیفہ خاتم الانبیاء کی وحی اور دائمی معجزہ بن کر آیا' اسی لئے وہ ہمیشہ کے لئے اپنی حفاظت کا سامان اپنے ساتھ لایا وانا لہ لحافظون (حجر) اور ہم ہیں اس کے محافظ۔

ختم نبوت::

یہ رعب ونصرت' یہ پیروں کی کثرت' یہ سجدہ گاہی عام' یہ اعجاز دوام' یہ جوامع الکلمی' یہ

دعوت عمومی، یہ تکمیل دین یہ آیات مبین خود اس بات کے دلائل ہیں کہ آپ ﷺ کے وجود اقدس پر تمام پیغمبرانہ نعمتوں کا خاتمہ ہو گیا، اور نبوت اور رسالت کا سلسلہ منتہی ہو گیا اور اب دنیا کسی نئے آنے والے وجود سے مستغنی ہو گئی اسی لئے قرآن پاک نے عہد نبوت کے سب سے بڑے مجمع میں یہ اعلان عام کیا کہ!

الیوم اکملت لکم دینکم واتممت علیکم نعمتی ورضیت لکم الاسلام دینا۔(مائدہ)

آج میں نے تمہارا دین کامل کر دیا اور اپنی نعمت تم پر تمام کر دی اور تمہارے لئے دین کی حیثیت سے اسلام کو پسند کیا۔

یہ آیت جو ۹ ذی الحجہ ۱۰ھ کو نازل ہوئی، اس بات کی بشارت تھی کہ نبوت جس کا مقصد دین کی عمارت میں کسی نہ کسی اینٹ کا اضافہ تھا، وہ آج تکمیل کو پہنچ گئی، لیکن اس سے پہلے ۵ھ میں بھی یہ بشارت ان الفاظ میں گوش گزار ہو چکی تھی۔

ما کان محمد ابا احد من رجالکم ولکن رسول اللہ وخاتم النبین۔(احزاب)

محمد ﷺ تمہارے مردوں میں سے کسی کے باپ نہیں، لیکن خدا کے پیغمبر اور تمام نبیوں کے خاتم ہیں۔

ختم کے لغوی معنی کسی چیز کو اس طرح بند کرنے کے ہیں کہ نہ اس کے اندر کی چیز باہر نکل سکے اور نہ باہر کی چیز اس کے اندر (۲)۔ جا سکے۔ اسی سے اس کے دوسرے معنی کسی شے کو بند کر کے اس پر مہر کرنے کے ہیں جو اس بات کی علامت ہے کہ اس کے اندر کوئی چیز باہر نکلتی ہے اور نہ کوئی باہر کی چیز اس کے اندر گئی ہے اور چونکہ یہ عمل مہر سب سے آخر میں کیا جاتا ہے، اسی کے معنی انتہا اور ختم کرنے کے بھی آتے ہیں، قرآن مجید میں یہ معنی مستعمل ہوتے ہیں۔ مثلاً:

الیوم نختم علی افواھھم۔

آج (قیامت کے دن) ان کے منہ پر لگا دیں گے (یعنی بند کر دیں گے) کہ بول نہ سکیں۔

یہاں ختم کے معنی "بند کردینے" کے بالکل ظاہر ہیں۔

ختم اللہ علی قلوبھم۔(بقرہ)

خدا نے ان (کافروں) کے دلوں پر مہر لگادی ہے (یعنی ان کے دلوں کے دروازے بند کردیئے۔)

کہ باہر سے جو نصیحت اور ہدایت کی باتیں وہ سنتے ہیں، وہ ان کے دلوں کے اندر نہیں گھستیں اور بے اثر رہتی ہیں۔

---

(۱)۔ صحیح بخاری کتاب الاعتصام و صحیح مسلم کتاب الایمان۔ (۲)۔ دیکھو لسان العرب و صحاح جوھری و اساس البلاغہ زمخشری۔

وختم علی سمعہ وقلبہ۔(جاثیہ)

اور خدا نے اس کے کان پر اور دل پر مہر لگادی (یعنی اس کے کان اور دل بند کردیئے۔)

کہ اس کے کان کے اندر دعوت رسول کی آواز اور اس کے دل کے اندر اس آواز کا اثر نہیں جاتا۔

فیسقون من رحیق مختوم (مطففین)

اہل جنت پلائے جائیں گے وہ شراب جس پر مہر لگی ہوگی۔

وہ سر بمہر یعنی بند ہوگی جو اس بات کا ثبوت ہوگی کہ یہ خالص شراب ہے، یہ کھلی نہیں کہ اس کے اندر کی خوشبو باہر نکل گئی ہو اور نہ اس کے باہر سے کوئی چیز کسی نے ملادی ہے جس سے اس کی تیزی کم ہوگئی ہے اس کے بعد یہ آیت ہے:

ختامہ مسک۔ (مطففین)

ان کی مہر مشک ہوگی (یا) اس شراب کا آخر مشک ہوگا۔

یعنی اس کے ہر گھونٹ کے پینے کے بعد مشک کی بو اس میں سے نکلے گی یا یہ معنی کی بوتل یا صراحی کا منہ غایت صفائی اور نزاہت کی غرض سے دنیا کی طرح مٹی، لاکھ یا موم کے بجائے مشک خالص سے بند ہوگا۔

بہر حال ان تمام استعمالات سے یہ بالیقین معلوم ہوگا کہ اس لفظ کے عمومی اور مشترک معنی کسی چیز کے بند کرنے کے ہیں' لفظ خاتم کی دو قراتیں ہیں' مشہور قرات تو خاتم (بکرتا) کی ہے جس کے معنی ختم کرنے والے اور بند کرنے والے کے ہوئے' اور دوسری قرات خاتم کی ہے جس کے معنی وہ شے جس کے ذریعہ سے کوئی شے بند کی جائے اور اس پر مہر لگائی جائے تاکہ وہ کھولی نہ جا سکے اور نہ اس کے اندر کوئی چیز باہر سے جا سکے۔ الغرض دونوں حالتوں میں آیت پاک کا حاصل معنی ایک ہی ہوگا کہ آپ ﷺ کا وجود پیغمبروں کے سلسلہ کو بند کرنے والا اور ان پر مہر لگا دینے والا ہے کہ پھر آئندہ کوئی نیا شخص اس جماعت میں داخل نہ ہو سکے۔

آیت پاک کا مطلب یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تمہارے وہ ظاہری باپ نہیں ہیں جس کے رشتہ کی بناء پر وراثت اور حرمت نکاح وغیرہ کے احکام جاری ہوتے ہیں' بلکہ وہ روحانی باپ (رسول اللہ) اور سب سے آخری روحانی باپ (خاتم النبیین) ہیں' اس لئے باپ ہونے کے ظاہری احکام کے بغیر آپ ﷺ سے وہی پدرانہ محبت رکھنی چاہئے اور اسی طرح آپ ﷺ کی پدرانہ اطاعت کرنی چاہئے۔

احادیث صحیحہ میں لفظ خاتم النبیین کی تشریح بالکل صاف اور واضح ہے' مسند احمد میں حضرت ثوبانؓ اور حضرت حذیفہؓ (۳)۔ اور ترمذی (۴)۔ میں حضرت ثوبانؓ سے مروی ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا کہ میرے بعد تیس کے قریب جھوٹے نبی پیدا ہوں گے۔

وانی خاتم النبیین لا نبی بعدی۔

بہ تحقیق میں نبیوں کا خاتم ہوں میرے بعد کوئی نبی نہ ہوگا۔

---

(۱)۔ تفسیر ابن جریر طبری و تفسیر ابن حیان اندلسی' تفسیر آیت مذکور۔ (۲)۔ جلد ۵ صفحہ ۲۷۸۔ (۳)۔ جلد ۵ صفحہ ۳۹۶۔ اس روایت میں ۳۷ تعداد لکھی ہے جن میں چار عورتیں ہوں گی۔ (٤)۔ کتاب الفتن حدیث حسن صحیح۔

لا نبی بعدی خاتم النبیین کی تفسیر و تشریح ہے جس سے ثابت ہوتا ہے کہ خاتم النبیین

کے یہی معنی ہیں کہ آپ ﷺ کے بعد پھر کوئی نبی نہ ہوگا' اس کے علاوہ آپ ﷺ نے تکمیل دین اور ختم نبوت کی جو مشہور تمثیل بیان کی ہے اور جس کو ہم اس سے پہلے لکھ چکے ہیں اس سے بھی لفظ خاتم النبیین کی پوری تفسیر ہوتی ہے' آپ ﷺ نے فرمایا کہ میری اور دیگر انبیاء کی مثال ایسی ہے جیسے کسی نے کوئی عمدہ محل بنوایا' لوگ اس کو آ آ کر دیکھتے ہیں اور اس کی عمدگی اور اس کی خوبصورتی پر عش عش کرتے ہیں' لیکن اس کے ایک گوشہ میں ایک اینٹ کی جگہ خالی ہے تو کہتے ہیں کہ اگر یہ اتنا نا تمام نہ رہ جاتا تو خوب ہوتا۔ اس کے بعد مختلف روایتوں میں حسب ذیل الفاظ ہیں:

فانا تلک اللبنہت۔

تو میں وہی آخری اینٹ ہوں۔

فانا اللبنہت وانا خاتم النبیین۔

تو میں وہی آخری اینٹ ہوں اور سب پیغمبروں کا خاتم ہوں۔

فانا موضع اللبنہت فجئت فختمت الانبیاء

تو اسی آخری اینٹ کی جگہ ہوں' میں آیا تو پیغمبروں کا سلسلہ ختم کردیا۔

وانا فی النبیین موضع تلک اللبنہت۔

میں پیغمبروں میں اس آخری اینٹ کی جگہ ہوں۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دیگر انبیاء کے مقابلہ میں اپنے جو مخصوص فضائل گنائے ہیں' ان میں ایک ختم نبوت بھی ہے' چنانچہ صحیح مسلم (کتاب المساجد ترمذی کتاب السیر باب الغنیمہ) اور نسائی میں ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا:

وختم بی النبیون۔

اور انبیاء مجھ سے ختم کئے گئے۔

سنن دارمی میں حضرت جابرؓ سے روایت ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا:

وانا خاتم النبيين ولا فخر (باب ما اکرم الله بينه صفحه ١٦)

اور پیغمبروں کا خاتم ہوں اور اس پر فخر نہیں۔

آپ ﷺ کا خاتم نبوت ہونا کوئی اتفاقی واقعہ نہ تھا، بلکہ یہ آپ ﷺ کی وہ خصوصیت تھی جو آپ ﷺ کے لئے روز اول سے مقرر ہو چکی تھی، آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا۔ (٣)۔

انی عبدالله خاتم النبيين وان آدم لمنجدل فی طينته۔

میں خدا کا بندہ اور خاتم انبیاء تھا اور آدم ہنوز اپنے عنصر خاکی میں پڑے تھے۔

حضرت علیؓ کو جب آپ ﷺ نے اہل بیت کی نگرانی کے لئے مدینہ چھوڑ کر تبوک جانا چاہا اور حضرت علیؓ نے ہمرکاب نہ ہونے پر ملال خاطر ظاہر کیا تو آپ ﷺ نے ان کو تسلی دی اور فرمایا:

---

(١)۔ بخاری و مسلم باب خاتم النبین۔ (٢)۔ بخاری باب خاتم النبین و صحيح مسلم عن ابی هريرهؓ و عن ابی سعيد خدریؓ باب خاتم النبين۔ (٣)۔ صحيح مسلم باب مذكور عن جابرؓ۔ (٤)۔ باب فضل النبی صلی الله عليه و آله وسلم ترمذی عن ابی بن كعبؓ۔ (٥)۔ يه حديث حسب ذيل كتابوں ميں ہے، مستدرك حاكم تفسير سورئه احزاب ج ١ صفحه ٤١٨، حاكم اور ذهبی نے اس كی تصحيح كی ہے، تاريخ امام بخاری، بحواله فتح الباری ج ٦ صفحه ٤٠٧ و حلية الاولياء ابی نعيم و شعب الايمان بيهقی (بحواله كنز العمال ج ٦ صفحه ١٠٤ حيدر آباد) و مسند احمد ص ١٢٨،١٤٧۔

الا ترضی ان تكون منی بمنزلهت هارون من موسی الا انه ليس نبی بعد (صحيح بخاری غزوه تبوك)

کیا تم اس پر خوش نہیں کہ تم میں اور مجھ میں وہ نسبت ہو جو

ہارون اور موسیٰ میں تھی، لیکن یہ کہ میرے بعد کوئی نبی نہیں۔

صحیح مسلم (مناقب علی) میں یہ الفاظ ھیں۔

غیر انه لا نبی بعدی۔

لیکن یہ کہ میرے بعد کوئی نبی نہیں۔

الا انه لا نبوہت بعدی۔

لیکن یہ کہ میرے بعد کوئی نبوت نہیں۔

صحیح بخاری (کتاب الانبیاء) اور صحیح مسلم (کتاب الامارہ) میں ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا کہ بنواسرائیل کی نگرانی اور سیاست انبیاء کرتے تھے، ایک نبی جب مرتا تھا تو دوسرا نبی پیدا ہوتا تھا۔

وانه لا نبی بعدی۔

اور بہ تحقیق میرے بعد کوئی نبی نہ ہوگا۔

جامع (۱)۔ترمذی اور مستدرک (۲)۔حاکم میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت عمرؓ کی مدح میں فرمایا:

لو کان نبی بعدی لکان عمر بن الخطاب۔

اگر میرے بعد کوئی نبی ہو سکتا تو وہ خطاب کے بیٹے عمر ہوتے۔

عربی جاننے والے کو معلوم ہے کہ "لو" امر محال کے لئے آتا ہے، اس سے معلوم ہوا کہ آپ ﷺ کے بعد کسی دوسرے نبی کا آنا محال ہے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ میرے پانچ نام ہیں۔ میں محمد ﷺ ہوں، میں احمد ہوں، میں ماحی ہوں کہ خدا میرے ذریعہ سے کفر کو محو کرے گا، میں حاشر ہوں کہ خدا میرے پیچھے سب کو جمع کرے گا اور میں عاقب (آخری) ہوں الذی لیس بعدہ نبی جس کے بعد کوئی نبی نہ ہوگا۔(۳)۔یعنی میں وہ عاقب ہوں کہ میرے بعد کوئی نبی نہ ہوگا۔(۴)۔

صحیح بخاری میں آپ ﷺ کا ارشاد ہے کہ خوشخبریوں کے سوا نبوت کا کوئی حصہ باقی

مسند ابن حنبل میں حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ آپ ﷺ نے مرض الموت میں حجرۂ مبارک کا پردہ اٹھایا حضرت ابوبکرؓ امام تھے اور صحابہ کرام صف بستہ پیچھے' اس وقت یہ آخری اعلان فرمایا۔

یایھا الناس لم یبق من مبشرات النبوۃ الا الرویا الصالحۃ یراھا المسلم اوتری لہ۔ (ج ا ص ۲۱۹)

اے لوگو! نبوت کی خوش خبریوں (غیبی ذرائع علم وخبر) میں سے اب کوئی چیز باقی نہیں رہی لیکن ایک رویائے صالحہ جو مسلمان اپنے متعلق آپ دیکھے یا کوئی دوسرا اس کے متعلق دیکھے۔

اس سے صاف ہو گیا کہ رویائے صالحہ شخصی احوال ومناظر سے متعلق ہے' اسی کتاب میں حضرت انسؓ بن مالک سے روایت ہمارے مقصد کے اثبات کے لئے اس سے بھی زیادہ صاف اور واضح ہے' حضرت انسؓ کہتے ہیں کہ ایک دن مجلس نبوی ﷺ میں خدام حاضر تھے' آپ ﷺ نے فرمایا:

ان الرسالۃ والنبوۃ قد انقطعت فلا رسول بعدی ولا نبی۔

رسالت اور نبوت کا سلسلہ منقطع ہو گیا تو میرے بعد نہ کوئی رسول ہوگا اور نہ کوئی نبی۔

صحابہ پر یہ بات سخت گزری تو آپ ﷺ نے فرمایا ولکن المبشرات لیکن خوشخبریاں باقی ہیں' لوگوں نے عرض کی' یارسول اللہ! خوشخبریاں کیا ہیں؟ فرمایا۔ مرد مومن کی رویائے صالحہ وہ نبوت کے اجزاء میں سے ایک جز (۱)۔ ہے۔

یہ تمام حدیثیں حقیقت میں جیسا کہ ترمذی (۲)۔ وحاکم میں ہے' اس آیت کی تفسیر ہیں۔

الا ان اولیاء اللہ لا خوف علیھم ولا ھم یحزنون

الـذيـن امـنـوا و كـانـوا يتقـون لهـم البشـرى فـى الحيوٰة الدنيا وفي الاخرۃ۔

ہاں اولیائے الٰہی کو کوئی خوف اور غم نہیں جو ایمان لائے اور تقوی کرتے تھے۔ان کو دنیا و آخرت میں بشارت ہے۔

صحابہ نے پوچھا کہ دنیا میں ان کے لئے بشارت کیا ہے؟فرمایا۔رویائے صالحہ! اس آیت پاک سے دو باتیں معلوم ہوئیں‘ ایک یہ کہ ان مبشرات کے حصول کا ذریعہ ایمان اور تقوی کی تکمیل ہے اور دوسری یہ کہ ایسے لوگوں کا نام جن کو یہ مرتبہ حاصل ہوا‘ اولیاء اللہ ہے اور اس لئے ان کے اس رتبہ کا نام ولایت ہوگا‘ اس کو جزائی نبوت‘

(۱)۔ مسند ابن حنبل عن انس جلد ۳ و ترمذی کتاب الرویا۔ (۲)۔ تفسیر سورئہ یونس و کتاب الرویاء و مستدرك حاکم تفسیر یونس (صحیح)

لغوی نبوت‘ مجازی نبوت‘ نبوت ناقصہ وغیرہ کے الفاظ سے ادا کرنا ایسی لفظی گمراہی ہے جو معنوی گمراہی کی طرف مفضی ہے اور اس سے شرک فی النبوہ کی اس طرح برائیاں پیدا ہوں گی بلکہ ہوئیں اور ہو رہی ہیں جس طرح حضرت عیسٰی کو مجازی معنوں میں ابن اللہ کہہ کر حقیقی معنوں میں عیسائی شرک فی التوحید میں مبتلا ہو گئے کیونکہ ہر قسم کی نبوتوں میں خاتمہ ہو چکا‘ دین کی تکمیل ہو چکی‘ دنیا میں خدا کا آخری پیغام دعوت محمدی ﷺ نے ذریعہ سامعہ نواز ہو چکا‘ معمار قدرت اپنی عمارت میں اس آخری پتھر کو اس جگہ پر رکھ کر اپنی تعمیر پوری کر چکا‘ درجہ بدرجہ ستاروں کے طلوع کے بعد وہ خورشید انور طالع ہوا جس کے لئے غروب نہیں‘ طرح طرح کی بہاروں کے آنے کے بعد باغ کائنات میں وہ سدا بہار موسم آگیا جس کے بعد خزاں نہیں۔

شفاعت اولین::

عرصہ دارو گیر محشر میں جب جلال الٰہی کا آفتاب پوری تمازت پر ہوگا اور گناہگار انسانوں کو امن کا کوئی سایہ نہیں ملے گا‘ اس وقت سب سے پہلے فخر موجودات‘ باعث

خلق کائنات سید اولاد آدمؑ' خاتم الانبیاء و رحمت عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں لوائے حمد لے کر اور فرق مبارک پر تاج شفاعت رکھ کر گناہگاروں کی دستگیری فرمائیں گے۔

لفظ ''شفاعت'' اصل لغت میں شفع سے نکلا ہے' جس کے معنی جوڑا بننے' ایک کے ساتھ دوسرے کے ہونے کے ہیں' چونکہ شفاعت اصل میں یہی ہے کہ کسی درخواست کنندہ اور عریضہ گزار کے ہم آہنگ ہو کر کسی بڑے کے سامنے اس کی عرض و درخواست کو قبول کر لینے کی خواہش کا اظہار کرنا۔ آپ ﷺ کی شفاعت بھی یہی ہو گی کہ آپ ﷺ گناہگاروں کی زبان بن کر ان کی طرف سے خداوند ذوالجلال کے اذن سے اس کے سامنے ان کی بخشائش و مغفرت کی درخواست پیش کریں گے' سورۂ اسراء میں ہے۔

عسی ان یبعثك ربك مقاما محمودا۔

قریب ہے کہ خدا تجھے مقام محمود میں اٹھائے۔

اس آیت کریمہ کی تفسیر میں تمام صحیح روایتوں میں متعدد صحابہ کبارؓ سے منقول ہے کہ مقام محمود سے مراد رتبۂ شفاعت (۱)۔ ہے۔ صحیح بخاری میں ہے کہ حضرت انسؓ نے شفاعت کے تمام واقعات بیان کر کے یہ آیت تلاوت کی' پھر حاضرین کو مخاطب کر کے فرمایا' یہی وہ مقام محمود ہے جس کا تمہارے پیغمبر سے وعدہ کیا گیا ہے۔

(۲)۔ صحیح مسلم میں ہے کہ بصرہ کے کچھ خوارج جو گناہ کبیرہ کے مرتکب کو دائمی جہنمی سمجھتے ہیں یعنی ان کے حق میں شفاعت کے اثر کے قائل نہیں' مدینہ منورہ آئے' یہاں مسجد نبوی ﷺ میں حضرت جابرؓ بن عبداللہ صحابی قیامت کے واقعات بیان کر رہے تھے' ان میں سے ایک صاحب نے بڑھ کر کہا۔ اے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے صحابی! آپ یہ کیا فرما رہے ہیں؟ خدا تو قرآن میں یہ کہہ رہا ہے۔ یہ کہہ کر قرآن پاک کی ایک آیت پڑھی' جس کا یہ مطلب ہے کہ دوزخی جب دوزخ سے

نکلنا چاہیں گے تو پھر اسی میں ڈال دیئے جائیں گے۔

حضرت جابرؓ نے پوچھا' تم نے قرآن پڑھا ہے' اس نے جواب دیا ہاں۔ فرمایا' تم نے اس مقام

---

(۱)۔ صحیح بخاری و جامع ترمذی و مستدرك تفسیر آیت مذکورہ و صحیح مسلم کتاب الایمان باب الشفاعته۔ (۲)۔ صحیح بخاری کتاب الرد علی لجهیه ص ۸۔۱۱

محمود کا حال سنا ہے۔ جس میں اللہ تعالیٰ تمہارے پیغمبر کو مبعوث کرے گا' اس نے کہا' ہاں سنا ہے۔ فرمایا تو یہی محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا مقام محمود ہے جس کے ذریعہ خدا دوزخ سے جس کو نکالنا چاہئے گا نکالے گا۔ یہ سن کر ایک کے سوا باقی سب اپنے اپنے عقیدہَ باطل سے تائب ہو گئے اور بولے کہ کیا یہ بوڑھا صحابی رسول پر جھوٹ بولے گا۔ (۱)۔

بخاری (۲)۔ میں حضرت ابن عمرؓ سے روایت ہے کہ قیامت کے روز ہر امت اپنے اپنے پیغمبر کے پیچھے چلے گی اور کہے گی کہ اے وہ! خدا کی درگاہ میں ہماری شفاعت کیجئے۔ یہاں تک کہ شفاعت کا معاملہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تک پہنچے گا' یہی وہ دن ہے جس میں اللہ تعالیٰ آپ ﷺ کو مقام محمود میں اٹھائے گا۔ جابرؓ بن عبداللہ کہتے ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا کہ جو شخص اذان سن کر یہ دعا مانگے کہ اے خدا جو پوری دعا اور کھڑی ہونے والی نماز کا مالک ہے' محمد ﷺ کو وسیلہ اور فضیلت اور وہ مقام محمود عطا فرما جس کا تو نے وعدہ فرمایا' تو قیامت کے دن اس کے لئے میری شفاعت اترے گی۔ (۳)۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ ہر نبی کو کوئی نہ کوئی مستجاب دعا دی گئی' میں نے اپنی اس دعا کو اپنی امت کے لئے چھپا رکھا ہے۔ (۴)۔ پھر فرمایا ہے کہ مجھ کو دیگر انبیاء پر چند فضیلتیں عطا ہوئیں ان میں سے ایک یہ کہ مجھے شفاعت عطا کی گئی۔ (۵)۔ (یعنی شفاعت اولین) موطا امام مالک اور صحیحین میں حضرت ابو ہریرہؓ سے متعدد تابعیوں نے یہ متفقہ روایت نقل کی ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا کہ

ہر نبی کو ایک مقبول دعا مانگنے کا موقع عطا کیا گیا تو انہوں نے وہ دعا مانگ لی اور وہ قبول کر لی گئی، لیکن میں نے اپنی دعا کا یہ موقع قیامت کے دن کے لئے چھپا رکھا ہے اور وہ اپنی امت کی شفاعت ہے۔ (٦)۔ فرمایا کہ میں سب سے پہلا شفیع ہوں گا اور سب سے پہلا وہ شخص جس کی شفاعت قبول کی جائے گی (٧)۔ اور فرمایا کہ میں پہلا ہوں گا جو جنت کی شفاعت کرے گا۔ (٨)۔

اس دن جب دنیا کی گناہ گاریاں اپنی عریاں صورت میں نظر آئیں گی اور آدم کی اولاد ترساں و لرزاں کسی شفیع کی تلاش میں ہوگی، کبھی آدم علیہ السلام کا سہارا ڈھونڈے گی، کبھی نوحؑ و ابراہیمؑ کو یاد کرے گی، کبھی موسیٰؑ و عیسیٰؑ کی طرف بے تابانہ لپکے گی، مگر ہر جگہ نفسی نفسی کی آواز بلند ہوگی، بالآخر شفیع المذنبین سید الاولین والآخرین ﷺ آگے بڑھیں گے اور تسکین کا پیام سنائیں گے۔

حدیث کی اکثر کتابوں میں خصوصاً صحیح بخاری اور صحیح مسلم میں حضرت ابو ہریرہؓ حضرت انسؓ بن مالک حضرت جابر بن عبداللہؓ حضرت حذیفہؓ سے متعدد طریقوں سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے صحابہ کی ایک مجلس میں بیان فرمایا کہ قیامت کے ہولناک میدان میں لوگوں کو ایک شفیع کی تلاش ہوگی، لوگ پہلے حضرت آدم علیہ السلام کے پاس پہنچیں گے اور کہیں گے کہ آپ ہمارے باپ ہیں، خدا نے آپ کو اپنے ہاتھ سے پیدا کیا اور آپ میں اپنی روح پھونکی اور فرشتوں کو آپ کے سجدہ کا حکم دیا، آپؑ خدا کے حضور میں ہماری سفارش

---

(١)۔ صحیح مسلم کتاب الایمان باب الشفاعتہ۔ (٢)۔ صحیح بخاری تفسیر آیت مذکور۔ (٣)۔ ایضاً و باب الدعا عندالنداء (٤)۔ صحیح بخاری کتاب التوحید و کتاب الدعوات و صحیح مسلم باب الشفاعتہ۔ (٥)۔ صحیح بخاری و مسلم کتاب المساجد۔ (٦)۔ صحیح بخاری کتاب التوحید و کتاب الدعوات و صحیح مسلم باب الشفاعتہ۔ (٧)۔ صحیح مسلم کتاب فضائل النبی صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم وغیرہ۔ (٨)۔ صحیح مسلم کتاب الایمان باب الشفاعتہ۔

کیجئے؟ وہ جواب دیں گے کہ میرا یہ رتبہ نہیں' میں نے خدا کی نافرمانی کی تھی' آج خدا کا وہ غضب ہے جو نہ کبھی ہوا تھا اور نہ کبھی ہو گا! نفسی! نفسی (اے میری جان! اے میری جان) لوگ حضرت نوحؑ کے پاس جائیں گے اور کہیں گے کہ آپ روئے زمین کے پہلے پیغمبر ہیں' خدا نے آپ کو شکر گزار بندہ کا خطاب دیا ہے۔ آج خدا کے حضور ہماری سفارش کیجئے' وہ کہیں گے ہمارا یہ رتبہ نہیں' آج خدا کا وہ غضب ہے جو نہ کبھی ہوا تھا اور نہ کبھی ہو گا' مجھ کو ایک مستجاب دعا کا موقع عنایت ہوا تھا وہ اپنی قوم کی تباہی کے لئے مانگ چکا۔ نفسی! نفسی تم ابراہیمؑ کے پاس جاؤ۔ مخلوق ان کے پاس جائے گی اور وہ اپنی وہی درخواست پیش کرے گی کہ آپ تمام انسانوں میں خدا کے دوست ہوئے' اپنے پروردگار سے شفاعت کیجئے' وہ بھی کہیں گے' میرا یہ رتبہ نہیں آج خدا کا وہ غضب ہے جو نہ کبھی ہوا اور نہ کبھی ہو گا' نفسی! نفسی! تم موسیٰؑ کے پاس جاؤ۔ لوگ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے پاس جائیں گے اور کہیں گے کہ موسیٰؑ! آپ خدا کے پیغمبر ہیں' خدا نے اپنے پیام و کلام سے آپؑ کو لوگوں پر برتری بخشی ہے۔ اپنے خدا سے ہمارے لئے سفارش کیجئے' کیا آپ ہماری مصیبتوں کو نہیں دیکھتے؟ حضرت موسیٰؑ ان سے کہیں گے کہ آج خدا کا وہ غضب ہے جو کبھی نہیں ہوا اور نہ ہو گا' میں نے ایک ایسے شخص کو قتل کیا جس کے قتل کا مجھے حکم نہیں دیا گیا تھا' نفسی نفسی! تم لوگ عیسیٰؑ کے پاس جاؤ۔ حضرت عیسیٰؑ کے پاس لوگ جا کر کہیں گے کہ اے عیسیٰؑ! آپ خدا کے وہ رسول ہیں جس نے گہوارہ میں کلام کیا اور کلمۃ اللہ اور روح اللہ ہیں' اپنے پروردگار سے ہماری سفارش کیجئے' وہ بھی کہیں گے یہ میرا رتبہ نہیں' آج خدا کا وہ غضب ہے کہ جو نہ کبھی ہوا اور نہ ہو گا نفسی' نفسی! تم محمد ﷺ کے پاس جاؤ' مخلوق آپ ﷺ کے پاس آئے گی اور کہے گی' اے محمد ﷺ آپ ﷺ خدا کے رسول اور خاتم الانبیاء ہیں اور وہ ہیں جن کے اگلے اور پچھلے گناہ معاف ہیں' آپ ﷺ نے اپنے پروردگار سے ہماری شفاعت کیجئے۔ آپ ﷺ اٹھ کر عرش کے پاس آئیں

گے اور اذن طلب کریں گے' اذن ہوگا تو سجدہ میں گر پڑیں گے' آپ ﷺ کے سامنے وہ کچھ کھول دیا جائے گا جو کسی اور کے لئے نہیں کھولا گیا' اللہ تعالیٰ اپنے محامد اور تعریفوں کے وہ معنی اور وہ الفاظ آپ ﷺ کے دل میں القاء فرمائے گا جو اس سے پہلے کسی کو القاء نہ ہوئے۔ آپ ﷺ دیر تک سربسجود رہیں گے' پھر آواز آئے گی اے محمد ﷺ سر اٹھاؤ' کہو سنا جائے گا' مانگو دیا جائے گا' شفاعت کرو قبول کی جائے گی' عرض کریں گے الٰہی! امتی امتی! خداوندا میری امت' میری امت! حکم ہوگا' جاؤ جس کے دل میں جو کے دانہ کے برابر بھی ایمان ہوگا اس کو نجات ہے۔ آپ ﷺ خوش خوش جائیں گے اور اس کی تعمیل کرکے اور پھر حمد وثناء کرکے عرض پرواز ہوں گے اور سجدہ میں گر پڑیں گے' پھر صدائے غیب آئے گی کہ اے محمد ﷺ سر اٹھاؤ' کہو سنا جائے گا' مانگو دیا جائے گا' شفاعت کرو قبول ہوگی۔ عرض کریں گے الٰہی امتی' امتی! حکم ہوگا جاؤ جس کے دل میں رائی کے برابر بھی ایمان ہو وہ بخشا گیا۔ حضور ﷺ جائیں گے اور پھر واپس آکر عرض گزار ہوں گے' حمد وثنا کریں گے اور سربسجود ہوں گے' آواز آئے گی' جاؤ جس کے دل میں چھوٹی سے چھوٹی رائی کے برابر ایمان ہو' اس کو بھی دوزخ سے نکالوں گا' آپ ﷺ پھر جاکر واپس آئیں گے اور گزارش کریں گے اور حمد وثناء کرکے سجدہ میں گر پڑیں گے' پھر ندا آئے گی' اے محمد ﷺ سر اٹھاؤ' کہو سنا جائے گا' مانگو دیا جائے' شفاعت کرو قبول ہوگی' عرض کریں گے جس نے بھی تیری یکتائی کی گواہی دی اس کی شفاعت کا اذن عطا ہو' صدا آئے گی' اس کا اختیار تم کو نہیں' لیکن مجھے اپنی عزت وکبریائی اور اپنی عظمت وجبروت کی قسم ہے میں دوزخ سے ہر اس شخص کو نکالوں گا جس نے مجھے ایک کہا اور اپنے لئے دوسرا معبود نہیں بنایا۔ (۱)۔ من قال لا الہ الا اللہ۔

کمزور انسانوں کو تسکین کا یہ پیام محمد رسول اللہ کے سوا کس نے سنایا۔

فضائل اخروی::

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے یہ وہ خصائص تھے' جو آپ ﷺ کو پیغمبر' مبلغ دین صاحب مذہب اور پیشوائے امت ہونے کی حیثیت سے عطا ہوئے تھے۔ علاوہ بریں آپ ﷺ کو آخرت کی دنیا میں بھی مزید فضائل عنایت ہوئے ہیں' چنانچہ آپ ﷺ نے فرمایا' قیامت میں' میں پیغمبروں کا نمائندہ' امام اور ان کی شفاعت کا پیرو کار ہوں اور اس پر فخر نہیں۔ (۲)۔ پھر فرمایا ہے میں قیامت کے دن تمام بنی آدم کا سردار ہوں اور اس پر فخر نہیں' اور میرے ہی ہاتھ میں لوائے حمد ہوگا اور اس پر فخر نہیں' اور قیامت کے دن آدمؑ وغیرہ تمام پیغمبر میرے علم کے نیچے ہوں گے اور اس پر فخر نہیں اور سب سے پہلے میں ہی قبر سے باہر آؤں گا۔ (۳)۔ نیز ارشاد ہے۔ لوگ قبروں سے جب اٹھائے جائیں گے تو سب سے پہلا اٹھنے والا میں ہوں گا' جب وہ خدا کے سامنے حاضر ہوں گے تو ان کی طرف سے بولنے والا میں ہوں گا' جب وہ ناامید ہوں گے تو ان کی خوشخبری سنانے والا میں ہوں گا اس دن خدا کی حمد کا علم میرے ہاتھ میں ہوگا۔

وصلی اللہ علی خیر خلقہ محمد وسلم

تمت الجزء الثالث من السیرۃ النبویۃ

علی صاحبھا الصلوۃ والتحیۃ

یکم جمادی الاولی ۱۳۴۳ھ

سید سلیمان ندوی

------- اختتام ------ جلد سوئم -------